تفسیر مظہری

جلد دہم

سورۃ الصّٰفّٰت سے سورۃ الفتح تک

پارہ ۲۳ رکوع ۵ تا پارہ ۲۶ رکوع ۱۲

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتیؒ

تشریحی ترجمہ مع ضروری اضافات

مولانا سید عبد الدائم الجلالی

رفیق ندوۃ المصنفین

ناشر

دار الاشاعت

اردو بازار کراچی ۱ — فون ۲۱۳۷۶۸

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
طباعت : ۱۹۹۹ء شکیل پریس کراچی۔
ضخامت : صفحات در ۶ جلد

ملنے کے پتے

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 26- نابھہ روڈ لاہور
کشمیر بک ڈپو۔ چنیوٹ بازار فیصل آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عرض ناشر

اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ کئی ماہ کی کوشش کے بعد دار الاشاعت کراچی کی جانب سے تفسیر مظہری اردو کا ایڈیشن زیور طبع سے آراستہ ہو کر قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

میرے والد ماجد جناب الحاج محمد رضی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں اشاعت دین کے پیش نظر قرآن و حدیث، فقہ و تصوف، سیرت و تاریخ کی متعدد گرانقدر کتب کی طباعت کی خدمات انجام دی وہاں ان کی یہ بھی خواہش تھی کہ تفسیر مظہری کی طباعت و اشاعت کا شرف بھی حاصل کریں کیونکہ حضرت قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی" نے اس تفسیر میں ایک خاص طرز یہ بھی اختیار فرمایا کہ مسلک کے اعتبار سے احناف اور شافعی مسلک کے نظریاتی اختلافات بھی واضح فرمائے ہیں اور یہ بھی بتلایا کہ احناف کا اس سلسلے میں کیا مقام ہے۔ اس وجہ سے اس کی افادیت اور بھی بہت بڑھ گئی ہے، نیز مصنف رحمۃ اللہ علیہ ایک طرف قرآن و حدیث اور فقہ میں اپنے وقت کے نامور علماء میں شامل تھے تو دوسری طرف باطنی علوم اور تزکیہ و سلوک میں بھی شیخ وقت سمجھے جاتے تھے، شاید اسی وجہ سے یہ تفسیر تمام دینی حلقوں میں مستند سمجھی جاتی ہے۔

اس تفسیر کا اردو ترجمہ مولانا سید عبدالدائم جلالی رحمۃ اللہ علیہ نے ندوۃ المصنفین دہلی کے زیر اہتمام فرمایا تھا، لیکن یہ تفسیر اب تک عوام کو بسہولت دستیاب نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم نے (حسب اجازت حکومت سندھ پاکستان DPR (NO /2/PB/91.213.24.3.1991) سے شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

حتی الامکان اس کی اشاعت میں کوشش کی ہے کہ اغلاط نہ رہ جائیں، لیکن پھر بھی تمام حضرات سے درخواست ہے کہ کوئی غلطی نظر آئے تو ادارے کو مطلع فرما کر مشکور فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کو شرف قبولیت سے نوازیں اور دنیا و آخرت کے لئے نافع بنائیں، آمین

طالب دعا **خلیل اشرف عثمانی**
ولد محمد رضی عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نوٹ:۔ پہلے یہ تفسیر ہاتھ کی کتابت اور لیتھو طریقہ طباعت پر دستیاب تھی اب الحمد للہ کمپیوٹر کی عمدہ کتابت اور آفسٹ طریقہ طباعت کے ساتھ اور آیات کے نمبر کے ساتھ اور عنوان کے مقامات کو انڈر لائن کر کے پیش خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں کو قبول فرمائے۔ آمین



فہرست مضامین تفسیر مظہری اردو جلد دہم

تفسیر مظہری جلد دہم

سورۃ الصّٰفّٰت

یہ سورۃ مکی ہے اس میں ۸۶ آیات ہیں

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾ میں قسم کھاتا ہوں ان فرشتوں کی جو (مقام عبدیت میں نمازیوں کی صفوں کی طرح صف بستہ رہتے ہیں۔

حضرت جابرؓ بن سمرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس طرح ملائکہ اپنے رب کے سامنے صف بستہ ہیں کیا تم اس طرح نماز میں یا جہاد میں صف بندی نہیں کرو گے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ملائکہ کس طرح صف بستہ ہوتے ہیں۔ فرمایا صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صف میں ڈٹ جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ، حسنؒ اور قتادہؒ نے آیت ہذا کی یہی تشریح کی ہے۔ بعض علماء نے کہا ملائکہ فضا میں اپنے پر پھیلائے رکے رہتے ہیں اور اس وقت تک رکے رہتے ہیں کہ اللہ اپنی مشیت کے مطابق ان کو کسی کام پر مامور کرتا ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک الصافات سے پرندے مراد ہیں، کیونکہ دوسری آیت میں آیا ہے والطیر صافات۔

فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ﴿۲﴾ اور قسم ہے ان ملائکہ کی جو روکنے والے ہیں۔ یعنی بادلوں کو روکتے اور چلاتے ہیں، بعض نے کہا وہ ملائکہ مراد ہیں جو انسانوں کے دلوں میں نیکی کا ارادہ پیدا کر کے گناہوں سے بازداشت کرتے ہیں یا شیطانوں کو انسانوں کی راہ خیر میں رکاوٹ ڈالنے سے روکتے ہیں۔ قتادہؒ نے کہا الزاجرات سے مراد ہیں قرآن کی وہ آیات جو بری باتوں کی مخالفت کرتی اور روکتی ہیں۔

فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۳﴾ اور ان ملائکہ کی قسم جو ذکر اللہ کی تلاوت کرتے ہیں یا ان آیات کو پڑھتے ہیں جو آسمانی کتابوں میں انبیاء پر نازل کی گئی ہیں۔ یا صافات، زاجرات اور تالیات سے نفوس علیہ مراد ہیں جو نمازوں میں صف بستہ ہوتے ہیں، دلائل کی روشنی میں کفر اور معاصی سے روکتے ہیں اور آیات رب کی تلاوت کرتے ہیں یا نمازیوں کی جماعتیں مراد ہیں جو راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں اور صف بند ہوتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی صفیں سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں جو اپنے گھوڑوں اور دشمنوں کو زجر کرتے ہیں اور میدان جنگ میں بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں، دشمن سے مقابلہ کے وقت بھی یاد خدا سے غافل نہیں ہوتے۔

تینوں جملوں میں حرف عاطف کا لانا ذوات یا صفات کے اختلاف پر دلالت کر رہا ہے معطوف اور معطوف علیہ میں تغایر ہونا ضروری ہے اس لئے مذکورہ فقروں میں یا تو ذوات کا اختلاف ہے یا صفات کا اختلاف صف بستہ ہونا اور زجر کرنا اور تلاوت ذکر کرنا تینوں صفات جدا جدا ہیں مترجم۔

ف۔ تعقیب وجود کے لئے ہے یعنی پہلے صف بستہ ہوتے ہیں پھر زجر کرتے ہیں۔ پھر تلاوت کرتے ہیں صف بندی بجائے خود صفت کمالیہ ہے۔ پھر شر سے بازداشت کرنی اور خیر کی طرف چلانا صفت اول کی تکمیل ہے اور تلاوت ذکر فیض رسانی

کا درجہ رکھتی ہے۔ یا عطف صرف ترتیب و ترقی کے لئے جیسے آیت ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۔ میں عطف ترقی مرتبہ کے لئے ہے۔

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ اے اہل مکہ تمہارا معبود بلاشک و شبہ ایک ہے۔

مکہ کے کافروں نے کہا تھا اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا۔ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ کیا محمد ﷺ نے تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیا یہ عجیب بات ہے۔ آیت مذکورہ میں کافروں کے اس قول کی تردید فرما دی۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝ وہی آسمانوں کا اور زمین کا اور ان کی درمیانی کائنات کا رب (مالک حاکم ناظم) ہے اور وہی مشرقوں کا رب ہے۔

مشارق سے مراد ہیں تمام ستاروں کے طلوع کے مقامات یا سورج کے روزانہ طلوع ہونے کے مقامات سال کے تین سو پینسٹھ دن ہوتے ہیں اور ہر دن طلوع کا مقام بدلتا رہتا ہے اور مقامات طلوع کے اختلاف کے مطابق غروب کے مقامات بھی مختلف ہوتے ہیں اس لئے صرف مشارق کا ذکر کیا، مغارب کے ذکر کی صراحت نہیں کی اس کے علاوہ آفتاب کے طلوع سے اللہ کی نعمت اور قدرت کی عظمت کا زیادہ ظہور ہوتا ہے اس لئے مشارق کا ذکر کیا۔

اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ ہم ہی نے سجایا ہے زمین کے قریب والے آسمان کو زینت کے ساتھ یعنی ستاروں سے اور حفاظت بھی کی ہے ہر شریر شیطان سے۔

السماء الدنیا۔ یعنی وہ آسمان جو بہ نسبت دوسرے آسمانوں کے تم سے قریب ہے۔ بِزِیْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ اضافیت بیانیہ ہے۔ زینت سے یعنی کواکب سے آراستہ کیا۔ یا مفعول کی طرف اضافت ہے یعنی کواکب کو ہم نے زینت دی۔ یا فاعل کی طرف اضافت ہے یعنی کواکب نے آسمان کو زینت دی زینت سے مراد ہے ستاروں کی روشنی اور ان کی اوضاع۔ حضرت ابن عباسؓ نے زینت الکواکب کا ترجمہ کیا ضوء کواکب۔

مَارِدٍ یعنی اللہ کی طاعت سے خارج۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ستاروں کو کواکب کی زینت کے لئے اور شیطان سرکش سے حفاظت کے لئے پیدا کیا کواکب سے شہاب کے انگارے شیطان پر مارے جاتے ہیں۔

آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ تمام کواکب آسمان دنیا میں ہیں۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ ثوابت کا آٹھویں آسمان میں ہونا اور چاند کے علاوہ باقی چھ سیاروں کا دوسرے سے ساتویں آسمان تک ہر آسمان میں ایک سیارہ کا ہونا اور پہلے آسمان میں چاند کا ہونا اگر یہ قول پایہ ثبوت کو پہنچ بھی جائے تب بھی آسمان دنیا کا کواکب سے آراستہ ہونا قابل اعتراض نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ زمین والوں کو ستارے چمکدار جگمگاتے جواہر کی طرح نظر آتے ہیں جو مختلف شکلوں کے ساتھ خلاء فضاء میں پھیلے ہوئے جھلمل کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ بیضاوی کی طرف سے یہ توجیہ اس خیال پر مبنی ہے کہ فلاسفۂ قدماء نے جو کچھ ترتیب نجوم و کواکب بیان کی اس کو صحیح تسلیم کرلیا جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ علماء ہیئت کا یہ بیان ہی غلط ہے کتاب اللہ احادیث مبارکہ اور اجماع کے خلاف ہے، آسمانوں کا سات ہونا قرآن میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ آٹھویں آسمان کا وجود ہی نہیں ہے اگر آٹھویں آسمان کا نام بدل کر فلک الثوابت یا کرسی یا کوئی دوسرا نام رکھ دیا جائے تو اس تبدیل اسم سے شرعاً آٹھ آسمانوں کا ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ اگر شراب کو خمر کہنے کی بجائے کوئی اور لفظ وضع کرلیا جائے تو کیا اس سے حلت ہو جائے گی۔ پھر سماء دنیا کہا گیا ہے دنیا کہنے کی اور کوئی وجہ سوا اس کے نہیں کہ زینت کواکب آسمان دنیا میں ہی ہیں مترجم۔ اس کے علاوہ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ ستارے سب کے سب آسمان دنیا میں ہی ہیں کیونکہ آسمان دنیا سے اوپر کسی شیطان کی رسائی نہیں اور شیطان پر آسمان دنیا ہی سے کواکب کے انگارے پڑتے ہیں۔ رہی یہ تاویل کہ آٹھویں آسمان میں سارے ثوابت ستارے موجود ہیں وہ ہیں سے شہاب نکل کر ساتوں آسمانوں سے پار ہو کر نیچے آکر شیطانوں پر برستے ہیں تو یہ تاویل بعید از عقل ہے اور کوئی نقلی شہادت بھی اس کو ثابت نہیں کرتی۔

لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ وَيُقْذَفُونَ مِن كُلِّ جَانِبٍ ﴿٨﴾ دُحُورًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ﴿٩﴾ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿١٠﴾

وہ شیطان عالم بالا کی طرف کان بھی نہیں لگاسکتے اور ان کو ہر طرف سے مار کر دھکے دیئے جاتے ہیں اور ان کے لئے دائمی عذاب ہوگا مگر جو شیطان کچھ خبر لے ہی بھاگے تو ایک دہکتا ہوا شعلہ اس کے پیچھے لگ لیتا ہے۔

الی الملا الاعلے۔ ملأ اعلیٰ یعنی ملائکہ یا ملائکہ کے سردار جن سے امور عالم کے انتظام کا تعلق ہے یُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ یعنی آسمان دنیا کے تمام اطراف سے دہکتے ہوئے شعلے ان پر مارے جاتے ہیں، یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ سننے کے لئے ٹھہرنا چاہتے ہیں۔ دحورا دھتکار، قذف کا معنی بھی اسی کے قریب ہے۔ عَذَابٌ وَّاصِبٌ دوامی عذاب یا شدید عذاب۔ اس سے مراد ہے عذاب آخرت، مقاتل نے کہا عذاب دنیا مراد ہے جو نفخۂ اول تک برابر قائم رہے گا اور وہ جلتے رہیں گے۔ الخطفة جھپٹ لینا، اچک لینا، اس جگہ مراد ہے ملائکہ کے کلام کا کوئی حصہ سن کر چوری سے لے بھاگنا۔ شہاب، ستارے سے نکلنے والا وہ شعلہ جو چوری سے سن کر بھاگنے والے شیطانوں کے مارا جاتا ہے اور ایسا دکھا دیتا ہے کہ کوئی ستارہ ٹوٹ کر گرا۔

یونان کے قدیم فلاسفہ کہتے ہیں کہ نیچے سے کچھ بخار فضا کی طرف چڑھتا ہے (شاید مفسّر کی مراد بخار سے دخان ہے کیونکہ بخار تو طبقۂ زمہریر تک پہنچ کر رہ جاتا ہے اور دخان کے اندر چونکہ اجزائے ناریہ بھی ہوتے ہیں اس لئے وہ طبقات ہوائیہ سے اور اونچا اٹھ کر طبقۂ ناریہ تک پہنچتا ہے اور اس دخان یعنی اجزائے ناریہ وارضیہ کے مخلوط مجموعہ میں ایک طرف آگ لگ جاتی ہے اور ایک شعلہ دخان کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک نہایت تیزی کے ساتھ پہنچ جاتا ہے، یہ قدمائے یونان کا خیال ہے مترجم) اور ابر میں داخل ہو کر اس میں اشتعال پیدا ہو جاتا ہے یہ ہی شہاب ہے۔ فلاسفہ کا یہ قول محض ظنی اور تخمینی ہے حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔

اسی طرح یونانی فلاسفہ بارش کے متعلق کہتے ہیں کہ کچھ بخار زمین سے اوپر کی طرف چڑھتا اور ہوا کے طبقۂ زمہریر زمین کے طرف سے ہوا کا دوسرا ابر فانی طبقہ میں پہنچ کر سردی پا کر اس میں کثافت اور گاڑھا پن اور انعقاد پیدا ہو جاتا ہے اس کو بادل کہتے ہیں پھر سورج کی حرارت جب اس کو لگتی ہے تو پگھل کر پانی کی شکل میں نیچے گرتا ہے اسی کو یعنی بارش کہا جاتا ہے (غالباً حضرت مفسّر سے اس جگہ کچھ تسامح ہوا کیونکہ بادل سورج کی گرمی سے نہیں پگھلتا بلکہ جب اس میں سردی لگنے کی وجہ سے غلظت اور کثافت پیدا ہو جاتی ہے تو لامحالہ وہ وزنی ہو کر نیچے گرتا ہے اور گرنے کی حرکت سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور اس حرارت سے بادل پگھل کر بارش کی شکل میں برسنے لگتا ہے۔ مترجم)

فلاسفہ کے یہ تمام اقوال باطل اور بے دلیل ہیں اور شہادت عقل بھی ان کے خلاف ہے۔ بخارات تو گرمی کی شدت کی وجہ سے ہمیشہ چڑھتے ہی رہتے ہیں پھر بعض مقامات پر برسوں بارش کیوں نہیں ہوتی اور سخت سردی کے زمانے میں جب کہ بخارات کا صعود نہیں ہوتا (یا ہوتا ہے تو بہت کم ہوتا ہے۔ مترجم) بکثرت ہفتوں تک بارش کیوں ہوتی رہتی ہے، اس کے علاوہ اگر صعود بخارات ہی کی وجہ سے بارش ہوتی ہے تو کسی وقت سارا ابر پگھل کر کیوں برس نہیں پڑتا، اس کے علاوہ بخارات تو ہمیشہ چڑھتے ہی رہتے ہیں (شاید اس جگہ بھی بخارات سے حضرت مفسّر کی مراد دخان سے ہے) پھر بعض اوقات میں شہاب کا ظہور کیا معنی رکھتا ہے۔

کتاب اللہ اور احادیث مبارکہ کی صراحت فلاسفہ کے اقوال مذکور کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ہم نے آسمان سے پانی اتارا۔ دوسری آیت ہے وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِن جِبَالٍ فِيهَا مِن بَرَدٍ ہم نے آسمان یعنی آسمانی پہاڑوں سے اولے اتارے۔ ایک یہ ہی زیر تفسیر آیت ہے، بخاریؒ نے قتادہؒ کی روایت سے بیان کیا ہے اللہ نے ستاروں کو تین امور کے لئے پیدا کیا آسمان کی زینت بنایا۔ شیطان پر مارنے کے لئے بنایا راستہ پہچاننے کی علامات بنایا اس لئے اگر

تحقیق نجوم کی کوئی دوسری غرض کوئی شخص بیان کرتا ہے تو غلطی کرتا ہے۔

بخاری نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب اللہ آسمان میں کسی امر کا حکم دیتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اپنے بازو پھڑ پھڑاتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پتھر کی کسی چٹان پر کسی زنجیر کے لگنے کی آواز ہے جب ملائکہ کے دلوں سے خوف دور ہو جاتا ہے تو پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا، دوسرے ملائکہ کہتے ہیں اس کا فرمان حق ہے وہ ہی بڑی عظمت و شان والا ہے، فرشتوں کی اس بات کو چوری سے سننے والے کچھ شیطان سن پاتے ہیں اور ان سے دوسرے چوری سے سننے والے سنتے ہیں ایک کے اوپر ایک قطار در قطار اسی طرح ہوتے ہیں۔ سفیان راوی نے اپنے ہاتھ کو ترچھا کر کے انگلیوں کو کشادہ کر کے بتایا کہ جس طرح انگلیاں ترتیب وار ایک کے اوپر ایک ہیں اسی طرح شیطان ترتیب وار اوپر نیچے ہوتے ہیں اوپر والا شیطان وہ بات نیچے والے شیطان کو پہنچا دیتا ہے پھر نیچے والا اپنے سے نیچے والے کو پہنچا دیتا ہے آخری نچلا شیطان وہ بات ساحر یا کاہن تک پہنچا دیتا ہے اور نتیجہ میں وہ بات ساحر یا کاہن کی زبان پر آجاتی ہے شہاب آگ کا شعلہ شیطان کے پیچھے لگ جاتا ہے کبھی دوسرے شیطان تک پہنچانے سے پہلے اول شیطان کے آلگتا ہے اور کبھی وہ بات پہنچا چکتا ہے کہ شہاب اس پر پڑتا ہے، ساحر یا کاہن اس ایک بات میں جو چوری چوری اس تک پہنچتی ہے سو جھوٹ ملا دیتا ہے اور لوگوں سے بیان کرتا ہے کہ ایسا ہونے والا ہے جب کاہن کے کہنے کے مطابق کوئی بات ہو جاتی ہے تو اسی ایک بات کی وجہ سے اس کی تصدیق کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ فلاں دن کاہن نے ایسا ایسا نہیں کہا تھا؟

مسلمؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ ہمارا رب جلّ وعلیٰ جب کسی بات کا حکم دیتا ہے تو حاملین عرش رب کی پاکی کا اظہار کرتے ہیں پھر عرش سے متصل آسمان والے پاکی بیان کرتے ہیں۔ پھر اسی طرح تسبیح کا سلسلہ اس آسمان دنیا کے رہنے والوں تک پہنچتا ہے اب یہاں سے شیاطین چوری سے سن کردہ بات لے بھاگتے ہیں اور اپنے دوستوں پر جا کر پھینک مارتے ہیں (یعنی جلد جلد ان کو اطلاع دے دیتے ہیں) شیطانوں کے یہ دوست یعنی کاہن اگر اس بات کو ویسا ہی بیان کر دیں جیسی وہ ہو تو ان کی بات سچی ہوتی ہے لیکن وہ لوگ اس بات میں جھوٹ ملا دیتے ہیں اور اس کو بڑھا دیتے ہیں۔

بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے۔ ملائکہ عنان میں یعنی ابر میں اترتے ہیں اور اس بات کا ذکر کرتے ہیں جس کا حکم آسمان میں ہو چکا ہوتا ہے اس کو شیطان چوری سے سن پاتے ہیں اور کاہنوں کے دل میں جا کر ڈال دیتے ہیں، کاہن اپنی طرف سے اس میں سو جھوٹ ملا دیتے ہیں۔

بیضاوی نے لکھا ہے جس شیطان پر انگار امارا جاتا ہے کیا وہ زخمی ہو کر لوٹ جاتا ہے یا جل جاتا ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ چڑھنے والے کے کبھی وہ شعلہ لگ جاتا ہے اور کبھی نہیں لگتا ہے جیسے موجیں کشتی میں بیٹھنے والوں کے کبھی لگ جاتی ہیں، کبھی کشتی سے ٹکرا کر لوٹ جاتی ہیں (کشتی کے مسافروں تک نہیں پہنچتیں) اسی لئے شیاطین باز نہیں آتے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ⑪

سو آپ ﷺ مشرکین مکہ سے دریافت کیجئے کہ کیا یہ لوگ بناوٹ میں زیادہ سخت ہیں یا وہ دوسری مخلوق جن کو ہم نے پیدا کیا ہے، ان کو تو ہم نے چیپ والی مٹی سے پیدا کیا ہے۔

من خلقنا سے مراد ہیں وہ تمام چیزیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ یعنی آسمان، زمین، دونوں کی درمیانی کائنات، مشارق، مغارب، ستارے، شہاب ثاقب۔

من ذی عقل مخلوق کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن اس جگہ اہل عقل کو بے عقل مخلوق پر تغلیب دے کر سب باعقل اور بے عقل مخلوق کے لئے استعمال کیا گیا ہے، استفہام تقریری ہے یعنی انسانوں سے دوسری مخلوق کی تخلیق زیادہ دشوار اور شدید ہے۔

بعض علماء نے کہا من خلقنا سے مراد ہیں گزشتہ امتیں جیسے قوم عاد، ثمود، مطلب یہ کہ گذشتہ اقوام مکہ والوں سے

زیادہ قوی تھیں لیکن جرائم کی پاداش میں ہم نے ان کو تباہ کر دیا، پھر یہ لوگ عذاب سے کس طرح محفوظ رہ سکتے ہیں، اول الذکر تفسیر کی تائید آیت ءَ اَنۡتُمۡ اَشَدُّ خَلۡقًا اَمِ السَّمَآءُ سے ہوتی ہے، اس کے علاوہ اگلی آیت اِنَّا خَلَقۡنٰهُمۡ مِّنۡ طِيۡنٍ لَّازِبٍ سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ من خلقنا سے انسانوں کے علاوہ عام مخلوق مراد ہے۔

لازب چپکنے والی جو ہاتھ سے چپکے جائے، مجاہد اور ضحاک نے لازب کا ترجمہ کیا۔ سڑی ہوئی انسانوں کی جسمانی تخلیق اور آسمان وزمین کی تخلیق اور آسمان وزمین کی تخلیق میں یہی بڑا فرق ہے کہ انسانوں کا تخلیقی مادہ تو چپ دار کیچڑ ہے اور آسمان وزمین کو کسی سابق مادہ سے نہیں بنایا گیا (بلکہ جس مادہ سے ان کی تخلیق ہوئی ہے وہ مادہ ہی پہلے سے موجود نہ تھا بلکہ ان اجرام واجسام کا مادہ بھی ان کی تخلیق کے ساتھ عدم سے وجود میں آیا۔ مترجم) یہ کلام منکرین قیامت کے خیال کی تردید کر رہا ہے کیونکہ انسانوں کا وجود ہی ان کی تخلیقی کمزوری کی شہادت دے رہا ہے، جس کی بناوٹ کیچڑ سے ہو، اس میں صلابت اور قوت نہیں ہو سکتی، پس جو خدا آسمانوں کی اور زمین کی تخلیق پر قادر ہے وہ ایسی مخلوق کی تخلیق (ثانی) پر بھی قادر ہوگا، جس کا خلقی وجود آسمان وزمین کی تخلیق کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا۔

کافروں نے کہا تھا ءَاِذَا كُنَّا تُرَابًا ءَاِنَّا لَفِىۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ان کے قول کے خلاف اللہ نے بطور استدلال فرمایا کہ ان کی تخلیق اول سڑی ہوئی لیس دار کیچڑ سے ہو چکی ہے پھر تراب (خاک) سے دوبارہ تخلیق کا یہ کیسے انکار کر سکتے ہیں۔ طین لازب میں اجزاء آبی اور اجزاء خاکی مخلوط ہوتے ہیں، مرنے کے بعد بھی یہ اجزاء (تحلیل ہو کر اپنی اپنی جگہ) باقی رہتے ہیں۔ پھر دوبارہ اجتماع اور خلط سے کون روک سکتا ہے، مادہ کی قابلیت میں فرق نہیں اور فاعل کی قدرت میں کمزوری نہیں۔

بَلۡ عَجِبۡتَ وَيَسۡخَرُوۡنَ ﴿۱۲﴾ آپ کو تعجب ہوا اور وہ مذاق اڑا رہے ہیں۔

بل ابتدائیہ ہے کلام سابق سے گریز کے لئے نہیں ہے بلکہ ایک مقصد سے دوسرے مقصد کی جانب انتقال مطلوب ہے یعنی رسول اللہ ﷺ اور کافروں کی حالت بیان کرنا ہے، عجب اس حالت کو کہتے ہیں جو کسی غیر معمولی بات کو دیکھنے سے انسان کے اندر پیدا ہو جاتی ہے عجبت میں یہی حالت مراد ہے، ایک حدیث میں عجب ربک من قوم یساقون الی الجنۃ فی السلاسل اسی طرح سبحانہ ما اعظم شانہ میں صیغہ تعجب اسی معنی کے لئے استعمال کیا گیا۔ لفظ عجب کا اطلاق (صرف حالت پر نہیں بلکہ) غیر معمولی چیز پر بھی ہوتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنۡهُمۡ کہ یہ امر لوگوں کے لئے عجیب ہے کہ ان میں سے ایک شخص کے پاس ہم نے وحی بھیجی ہے، مادہ عجب کا زیادہ استعمال ان چیزوں یا باتوں کے لئے ہوتا ہے جو آدمی کو بہت حسین نظر آئیں اور پسندیدہ ہوں اعجبنی کذا مجھے یہ بات بہت پسند آئی خوبصورت معلوم ہوئی اللہ نے فرمایا وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّعۡجِبُكَ قَوۡلُهٗ بعض لوگوں کی باتیں آپ کو بہت اچھی خوبصورت لگتی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے عجب ربکم من شاب تمہارے رب کو نوجوان کی یہ بات بہت پسند آئی۔

اگر کوئی امر بہت زیادہ برا معلوم ہو تو اس کے لئے بھی لفظ عجب استعمال کیا جاتا ہے، عجبت من بخلک و شرھک مجھے تیری کنجوسی اور حرص بہت بری معلوم ہوتی ہے، ایک شاعر کہتا ہے۔

شیئان عجیبان ھما ابرد من یخ شیخ یتصبی وصبی یتشیخ

دو باتیں عجیب بڑی ناپسندیدہ ہیں دونوں برف سے زیادہ ٹھنڈی ہیں ایک وہ بوڑھا جو بچہ بنتا ہے، دوسرا وہ بچہ جو بوڑھا بنتا ہے۔

کبھی کسی چیز کی انتہائی کثرت ظاہر کرنے کے لئے صیغہ تعجب استعمال کیا جاتا ہے (خواہ برائی کی کثرت ہو یا اچھائی کی) جیسے ما اکرمہ وہ کس قدر سخی ہے ما اجھلہ کس قدر زیادہ جاہل ہے ما اشد بیاضہ اس کی سفیدی کتنی زیادہ ہے ما اشد استخراجہ اس کا استخراج کتنا زیادہ دشوار ہے، ان مثالوں کا مطلب یہ ہے کہ اس کی سخاوت یا جہالت یا سفیدی وغیرہ غیر معمولی اور بے مثال ہے۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ کسی چیز کا سبب نہ جاننے کے وقت انسان کی جو عارضی حالت پیدا ہو جاتی ہے اس کو عجب کہتے ہیں اسی بنیاد پر اللہ کی طرف عجب کی نسبت نہیں کی جا سکتی کیونکہ اللہ کا علم محیط کل ہے۔ بعض نے کہا کسی چیز کو بڑا جاننے کے وقت آدمی کی جو حالت ہو جاتی ہے اس کو عجب کہتے ہیں، ان دونوں تشریحوں کا مآل کوئی نیا نہیں بلکہ دونوں کا مطلب وہی نکلتا ہے جو ہم نے پہلے ذکر کر دیا کہ غیر معمولی چیز دیکھنے سے انسان کی جو حالت ہو جاتی ہے اس کو عجب کہتے ہیں کیونکہ آدمی بڑا اسی چیز کو سمجھے گا جو غیر معمولی ہو گی اور جس چیز کا سبب معلوم نہ ہو وہ بھی غیر معمولی ہی ہوتی ہے۔

جمہور کی قرأت عجبت بفتح ت بہ صیغہ خطاب ہے اور خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اس بات پر تعجب ہے کہ یہ لوگ آپ ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں باوجودیکہ آپ ﷺ کے صادق اور امین ہونے کے معترف بھی ہیں اور معجزات بھی آپ کی سچائی کے گواہ ہیں اور قرآن کا معجز ہونا بھی ظاہر ہے یا یہ مطلب ہے کہ یہ لوگ دوبارہ زندگی کے منکر ہیں حالانکہ قدرت خداوندی کا ہمہ گیر ہونا ظاہر ہے آپ کو اس بات پر تعجب ہے کہ یہ قدرت الٰہیہ کا انکار کر رہے ہیں۔

قتادہؒ نے کہا، رسول اللہ ﷺ کو تعجب تھا کہ نزول قرآن کے بعد بنی آدم گمراہ کس طرح رہ سکتے ہیں، آپ ﷺ کو یقین تھا کہ جو شخص بھی اس قرآن کو سنے گا وہ ضرور اس کو مان لے گا اور ایمان لے آئے گا لیکن مشرکین اس کو سن کر بھی ایمان نہیں لائے بلکہ مذاق اڑانے لگے اسی لئے عجبت کے بعد ویسخرون فرمایا یعنی وہ آپ ﷺ کے تعجب کا مذاق بناتے ہیں اور آپ جو دوسری زندگی ہونے کی تقریر کرتے ہیں وہ اس کی ہنسی اڑاتے ہیں۔

وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ اور جب قرآن کے ذریعہ سے ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو نصیحت پذیر نہیں ہوتے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جب صحت حشر کی دلائل ان کے سامنے بیان کی جاتی ہیں تو اپنی حماقت اور قلت تدبر کی وجہ سے ان دلائل سے فائدہ اندوز نہیں ہوتے۔

وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ اور جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو بہت زیادہ ٹھٹھہ کرتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ ایک دوسرے کو مذاق اڑانے کے لئے بلاتا ہے۔

آیت سے مراد ہے وہ معجزہ جو رسول اللہ ﷺ کی صداقت کو ظاہر کرتا ہے، حضرت ابن عباسؓ اور مقاتلؒ نے فرمایا، اس سے مراد شق القمر کا معجزہ ہے۔

وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ اور کہتے ہیں یہ تو بس کھلا ہوا جادو ہے۔ یعنی اس کا جادو ہونا کھلا ہوا ہے۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ تو کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے یا ہمارے پہلے باپ دادا..... ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ۔ یعنی کیا ہم اٹھائے جائیں گے۔ بجائے جملہ فعلیہ کے جملہ اسمیہ ذکر کرنے سے پرزور انکار پر دلالت ہو رہی ہے اور اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ دوبارہ جی اٹھنا فی نفسہٖ محال ہے اور خاک ہو جانے کے بعد تو بدرجۂ اولیٰ ناممکن ہے۔ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ۔ یعنی ہمارے آباؤ اجداد تو بہت پہلے مر چکے پھر وہ اور ہم ساتھ ساتھ ایک وقت میں دوبارہ زندہ کئے جائیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

قُلْ نَعَمْ (اے محمد ﷺ) آپ ﷺ کہہ دیجئے جی ہاں! تم بھی زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے اور تمہارے آباؤ اجداد بھی۔

وَاَنْتُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ اور تم ذلیل بھی ہو گے۔ دخور کا معنی ہے سخت ترین ذلت اور حقارت

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ جب قبروں سے بعث ہو گا تو بس ان کا اٹھایا جانا کسی مادی سبب کا محتاج نہ ہو گا بلکہ ایک جھڑکی ہو گی۔

زجرہ واحدہ۔ ایک سخت آواز کڑک دار آواز، اس سے مراد ہے دوسری بار صور کی آواز۔

زجر کا لغوی معنی ہے ہنکا کر نکال دینا اور چیخ کر روک دینا۔ زجرا الراعی غنمہ چرواہے نے ڈانٹ کر بکریوں کو روک دیا۔ اس سخت آواز (نفخہ دوم) کا نتیجہ فوراً اسی طرح سامنے آجائے گا جس طرح اول سخت آواز (نفخہ اول) کا نتیجہ نمودار ہوا ہوگا (یعنی نفخہ اولیٰ کے بعد فوراً سب مر جائیں گے اور نفخہ دوم سے فوراً سب جی اٹھیں گے) چنانچہ آگے فرماتا ہے۔

فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ سو وہ فوراً دیکھنے لگیں گے، یعنی قبروں سے نکل کر کھڑے ہو جائیں گے (اور ماحول کو دیکھنے لگیں گے) یا ینظرون کا معنی ہے ینتظرون یعنی اہل قبور صور کے نفخہ دوم کے فوراً بعد قبروں سے نکل کر کھڑے ہو جائیں گے اور انتظار کریں گے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جاتا ہے۔

وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور کہیں گے ہائے ہماری تباہی، یہ تو وہی (دنیوی زندگی کے) بدلہ کا دن ہے (ارشاد ہوگا ہاں) یہ وہی فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

یاویلنا میں یا تنبیہ کے لئے ہے اور ویل کا معنی ہے ہلاکت۔ یوم الدین یعنی وہ دن ہے جس میں ہم کو ہمارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ یوم الفصل فیصلہ کا دن یا نیکوکار اور بدکار کو الگ الگ کر دینے کا دن۔

بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ پر کافروں کا کلام پورا ہو گیا اور ھذا یوم الفصل سے ملائکہ کا کلام نقل فرمایا ہے، بعض کے نزدیک یہ بھی کافروں کے کلام کا تتمہ ہے اور تکذبون تک سب انہیں کا کلام ہے۔

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾

اللہ تعالیٰ ملائکہ سے فرمائے گا جمع کر لو ظالموں کو اور ان کے ہم مشربوں کو اور ان معبودوں (یعنی اصنام و شیاطین) کو جن کی خدا کے سوا یہ پوجا کرتے تھے، پھر ان کو دوزخ کی راہ بتلا دو۔

احشروا یعنی جزا و سزا اور حساب کے مقام تک لے جا کر ان کو جمع کرو۔ وازواجھم ازواج یعنی ان جیسے لوگوں کو ان کے چیلوں اور پیروی کرنے والوں کو۔

بیہقی نے بطریق نعمان بن شریک بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ۔ یعنی ان کے ہم مشرب لوگوں کو جو انہیں کی طرح ہیں، سود خوار، سود خواروں کے ساتھ، زناکار، زناکاروں کے ساتھ اور شرابی، شرابیوں کے ساتھ آئیں گے، سب ہم مشرب جنت میں ساتھ ہوں گے اور ہم مشرب دوزخ میں بھی ساتھی ہوں گے۔

بیہقی کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے ازواج کا ترجمہ اشباہ کیا یعنی ان جیسے، بغویؒ نے قتادہ اور کلبی کا قول نقل کیا ہے کہ ازواج سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے اعمال ان کے اعمال کی طرح ہوں۔ شرابی شرابیوں کے ساتھ اور سود خوار، سود خواروں کے ساتھ، ضحاک نے کہا ازواجھم یعنی ان کے جوڑ کے شیاطین کو ان کے ساتھ جمع کرو۔ ہر کافر کو اس کے شیطان کے ساتھ ایک زنجیر میں باندھ دو، حسن نے ازواج سے مراد لی ہیں ان کی مشرک بیبیاں۔

ماکانوا یعبدون۔ یعنی اللہ کے سوا دنیا میں یہ جن بتوں اور شیطانوں کی پوجا کرتے تھے، مقاتل نے کہا مَاكَانُوْا يَعْبُدُوْنَ سے ابلیس مراد ہے، کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ۔

حقیقت یہ ہے کہ مَاكَانُوْا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کا لفظ عام مخصوص البعض ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (یعنی وہ نیک مومن مخلوق جس کی پرستش مشرک کیا کرتے تھے جیسے حضرت عیسیٰ، حضرت مریم، ملائکہ وغیرہ وہ سب آیت ان الذین سبقت الخ کی روشنی میں دوزخ سے دور رکھے جائیں گے، البتہ بت، شیاطین وغیرہ اپنے پرستاروں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے)۔

فاھدوھم۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ان کو دوزخ کا راستہ بتا دو، ابن کیسان نے کہا ان کو دوزخ کی طرف بڑھا دو، پیچھے سے ہنکانے والے کو بھی عرب ہادی کہتے ہیں۔

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ اور ان کو ذرا ٹھیراؤ، ان سے باز پرس کی جائے گی۔

اہل تفسیر نے لکھا ہے جب کافروں کو دوزخ کی طرف ہنکا کرلے جایا جائے گا تو پل صراط کے پاس ان کو روک دینے کا حکم ہوگا اور اللہ فرمائے گا ان کو یہیں روک دو، کیونکہ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ان سے باز پرس کی جائے گی۔ یہ جملہ حکم سابق کی علت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول آیا ہے۔ کہ کافروں سے ان کے تمام افعال واقوال کی باز پرس کی جائے گی، حضرت ابن عباسؓ کا دوسرا قول ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کی باز پرس ہوگی (پہلے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر تفصیلی اعمال واقوال کا بھی مکلف ہے اور سارے احکام تکلیفیہ کی اس سے باز پرس ہوگی۔ دوسرے قول سے مترشح ہورہا ہے کہ صرف توحید کی باز پرس ہوگی۔ یعنی کافر احکام تفصیلیہ کا مکلف نہیں ہے۔ مترجم)

مسلم نے حضرت ابو برزہ اسلمیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی بندے کے قدم پل صراط کو نہیں چھوڑیں گے جب تک اس سے چار باتوں کی پرسش نہیں کرلی جائے گی۔ (۱) عمر کس کام میں گزاری (۲) جسم کو کس کام میں لگا کر کمزور کیا (۳) علم کے بعد کیا عمل کیا۔ (۴) مال کہاں سے کمایا اور کس راستے میں صرف کیا۔ ترمذی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

نیز طبرانی نے حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابودرداءؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ایسی ہی حدیث بیان کی ہے، ابن مبارک نے الزہد میں حضرت ابوالدرداءؓ کا قول بیان کیا ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا۔ مجھے سب سے زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ جب حساب ہوگا تو مجھ سے کہا جائے گا تو جانتا تھا (پھر) تو نے عمل کیا کیا۔

امام احمدؒ نے الزہد میں لکھا ہے کہ حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا، قیامت کے دن سب سے پہلے بندے سے پوچھا جائے گا، جو کچھ تو جانتا تھا اس پر عمل تو نے کیا کیا؟

ابن ابی حاتم نے ایفع بن عبداللہ کلاعی کا بیان نقل کیا ہے کہ جہنم کے سات پل ہیں، راستہ سب پلوں پر سے گزرتا ہے، پہلے پل کے پاس لوگوں کو روک لیا جائے گا اور ملائکہ کہیں گے ان کو روک لو ان سے پوچھ گچھ کی جائے گی، چنانچہ نماز کے متعلق باز پرس کی جائے گی، نتیجہ میں جو ہلاک ہونے والے ہیں ہلاک ہوجائیں گے (دوزخ میں گرادیے جائیں گے) اور جو نجات پانے والے ہیں وہ نجات پاجائیں گے، دوسرے پل پر پہنچ کر امانت کے متعلق دریافت کیا جائے گا کہ امانت میں خیانت کی تھی یا پوری پوری ادا کی تھی، اس کے نتیجے میں جو لوگ ہلاک ہونے والے ہیں ہلاک ہوجائیں گے اور جو نجات پانے والے ہیں نجات پاجائیں گے، پھر تیسرے پل پر پہنچیں گے تو قرابتداری کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ رشتہ قرابت توڑ دیا تھا یا جوڑے رکھا تھا اس کے نتیجہ میں ہلاک ہونے والے ہلاک ہوجائیں گے اور نجات پانے والے نجات پاجائیں گے، راوی نے کہا اس روز رحم (رشتہ قرابت) ہوا میں معلق ہوگا اور کہے گا اے اللہ جس نے مجھے جوڑے رکھا اس کو تو بھی جوڑے رکھ، اور جس نے مجھے کاٹا اس سے تو بھی تعلق منقطع کرلے۔

مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ تم کیوں باہم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے یعنی بطور زجر ان سے یہ بات کہی جائے گی، یعنی ان کو باہم مدد کرنے پر برانگیختہ کیا جائے گا کہ اگر مدد کرسکتے ہو تو کرو، اس جملہ کی غرض محض استہزاء ہوگی۔

بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بلکہ اس روز وہ سب خود سپردہ کھڑے ہوں گے۔

حضرت ابن عباسؓ نے مستسلمون کا ترجمہ کیا ہے خاضعون یعنی عاجز ہوں گے، حسنؒ نے ترجمہ کیا منقادون، یعنی تابع اور فرماں بردار ہوں گے، استسلم لشئی کسی چیز کا تابعدار ہوگیا، مطیع حکم ہوگیا (مستسلمون کا لفظی ترجمہ ہے اپنے کو سپرد کردینے والے۔ مترجم)۔

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر سوال وجواب کرنے لگیں گے۔

بعضهم علی بعض سے مراد ہیں سردار اور ان کے چیلے یا کافر اور ان کے ساتھی شیطان۔

یتساء لون یعنی بطور زجر باہم سوال وجواب کریں گی، مراد یہ ہے کہ باہم جھگڑیں گے، اور ایک دوسرے کو ملامت کرے گا۔

قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾ چیلے اپنے سرداروں سے یا کافر اپنے ساتھی شیطانوں سے کہیں گے، ہم پر تمہاری آمد بڑے زوروں سے ہوتی تھی۔

الیمین سے مراد ہے قوی ترین وجہ، یا دین کا جامہ پہن کر یا خیر اور بھلائی کا راستہ کذا قال الضحاک و مجاہد، انسان کا دایاں پہلو قوی طاقتور افضل اور زیادہ نفع بخش ہوتا ہے۔ اسی لئے دائیں پہلو کو یمین کہا جاتا ہے، بعض نے کہا یمین سے مراد قسم ہے یعنی تم قسمیں کھاتے تھے کہ جس دین کی ہم تم کو دعوت دے رہے ہیں وہی حق ہے، بعض علماء کے نزدیک یمین سے مراد ہے۔ قوت اور جبر یعنی تم ہم کو گمراہ ہونے پر مجبور کرتے تھی، ہماری مرضی کے خلاف ہم پر زبردستی کرتے تھے۔

یہ جملہ اور اس کے بعد والا جملہ کافروں کے باہم سوال وجواب کا بیان ہے۔

قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾ وہ (سردار یا شیطان) کہیں گے (ہم نے تم کو گمراہ نہیں کیا) بلکہ تم خود مومن نہ تھے یعنی کافر تھے، اپنی مرضی سے تم نے گمراہی کو پسند کیا تھا۔

وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ اور ہمارا تم پر کوئی جبر نہیں تھا، یہ جملہ سابق مضمون کی تائید کر رہا ہے۔

بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾ بلکہ تم (خود ہی اپنی مرضی سے) سرکشی کرنے والے لوگ تھے یعنی تم نے خود ہی گمراہی کی اختیار کیا تھا۔

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآىِٕقُوْنَ ﴿۳۱﴾ اب ہم سب پر ہمارے رب کی بات پوری ہو گئی بلاشبہ ہم عذاب کا مزہ چکھنے والے ہیں، قول رب سے مراد ہے اللہ کا یہ قول کہ میں جہنم کو تمام جنات اور انسانوں سے بھر دوں گا، پورا کلام اس طرح تھا۔ تم نے بھی خود ہی سرکشی کو اختیار کیا تھا اور ہم بھی خود ہی طاغی تھے، اس طرح قول رب پورا ہو گیا۔

فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾ سو ہم نے تم کو سیدھے راستہ سے بھٹکا دیا (یعنی اسی راستہ پر چلنے کی دعوت دی جس پر ہم گامزن تھے) بلاشبہ ہم گمراہ تھے۔

مطلب یہ ہے کہ ہم دونوں فریقوں کا عذاب میں مبتلا ہونا اور دونوں کا گمراہ ہونا ایک تقدیری امر تھا، جس کا فیصلہ پہلے ہی کیا جا چکا تھا، زیادہ سے زیادہ ہم نے اتنا کیا کہ جس ٹیڑھے راستے پر ہم چل رہے تھے اسی پر چلنے کی تم کو دعوت دی تاکہ تم بھی ہماری طرح جاؤ۔

فَاِنَّهُمْ يَوْمَىِٕذٍ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ اسی لئے اس روز وہ سب عذاب میں شریک ہوں گے۔

یعنی جب سردار اور ان کے چیلے یا کفار اور ان کے ساتھی شیطان سب گمراہ تھے تو اس وجہ سے سب عذاب میں بھی شریک ہوں گے۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۴﴾ بلاشبہ ہم تمام مجرموں اور مشرکوں کے ساتھ ایسا ہی کریں گے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَىِٕنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ ان کی حالت یہ تھی کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو بڑے بنتے تھے اور کہتے تھے کیا ہم ایک دیوانہ شاعر کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں گے، شاعر مجنون سے ان کی مراد تھی رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک، اللہ نے ان کے قول کی تردید میں فرمایا۔

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ (وہ مجنون شاعر نہیں تھے) بلکہ ایک سچا دین لائے تھے اور دوسرے پیغمبروں کی انہوں نے تصدیق کی تھی، حق سے مراد ہے توحید۔

صَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دعویٰ انوکھا نہیں بلکہ سابق پیغمبروں کا بھی یہی دعویٰ تھا اور یہ گزشتہ پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں، لہٰذا ان کا دعویٰ دوسرے پیغمبروں کے موافق ہوا۔

اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ (اے مجرمو! شرک کرنے اور پیغمبروں کو جھٹلانے کی وجہ سے) تم دردناک عذاب کا مزہ ضرور چکھنے والے ہو، اور تم کو بدلہ انہی اعمال کا دیا جائے گا جو تم کرتے تھے۔

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ مگر اللہ کے مخلص (منتخب پسندیدہ) بندے (ان کو بدلہ سینکڑوں گنا زائد دیا جائے گا)۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾

ان کے لئے ایسی غذائیں ہیں جن کا حال دوسری آیات سے معلوم ہو چکا ہے یعنی میوے اور وہ لوگ بڑی عزت سے آرام کے چمنستانوں میں تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔

رزق معلوم۔ یعنی ایسا رزق جس کی خصوصیات معلوم ہیں مثلاً لازوال ہونا، خالص لذت بخش ہونا۔ فواکہ، فاکہتہ کی جمع ہے۔ فاکہتہ وہ پھل ہے جس کا مقصد محض لذت اندوزی ہو، غذایابی نہ ہو۔ اور قوت اس (ماکول و مشروب) چیز کو کہتے ہیں جس سے مقصد لذت اندوزی نہ ہو۔ بلکہ غذائیت مقصود ہو، رزق کا لفظ دونوں کو شامل ہے، چونکہ اہل جنت کے اجسام ہر طرح کے انحلال سے محفوظ ہوں گے اس لئے (ان کو غذائیت کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ) ان کے ماکولات فواکہ ہوں گے (جن کا مقصد صرف لذت اندوزی ہوگا) وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ یعنی عزت کے ساتھ ان کو رزق ملے گا حاصل کرنے میں کوئی تکلیف نہ ہوگی، نہ مانگنا پڑے گا، دنیوی رزق کے حصول کی حالت اس کے خلاف ہوتی ہے، اس کو حاصل کرنے میں تکلیف بھی ہوتی ہے اور مانگنا بھی پڑتا ہے۔ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ یعنی ان کا مقررہ رزق راحت کے باغوں میں ہوگا، جہاں سکھ اور عیش کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ ان کے سامنے دور کیا جائے گا ایسے ساغروں کا جو سفید شراب سے بھرے ہوں گے اور وہ شراب پینے والوں کے لئے سراسر لذت ہوگی۔

کاس شراب یا دہ برتن جس میں شراب موجود ہو، ایک شاعر کا قول ہے وکاس شربت علی لذہ (اس مصرع میں کاس بمعنی شراب ہے کیونکہ پینے کی چیز شراب ہے، برتن نہیں)۔

اخفش کا قول ہے، قرآن میں جس جگہ بھی لفظ کاس آیا ہے اس سے مراد شراب ہے۔

معین نہروں میں بہتی ہوئی شراب جو آنکھوں سے نظر آئے گی (اس وقت معین عین سے ماخوذ ہوگا اور عین کا معنی ہے آنکھ) یا چشموں سے نکلتی ہوئی شراب (اس وقت بھی لفظ معین کا مادہ عین ہی ہوگا۔ لیکن عین سے مراد ہوگا چشمہ) معین حقیقت میں پانی کی صفت ہوتی ہے۔

عان الماء، پانی پھوٹ نکلا، لیکن جنت کی شراب بھی پانی کی طرح رواں ہوگی اس لئے اس کو مَعِیْن فرمایا۔ یا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اہل جنت کو جو چیز پینے کے لئے ملے گی اس میں ہر قسم کے شربت کی لذت ہوگی۔

بیضاء لذہ حسنؒ نے کہا جنت کی شراب دودھ سے زیادہ سفید ہوگی، لذۃ یا مصدر ہے زیادہ لذیذ ہونے کی وجہ سے اس کو بعینہ لذت قرار دیا یا لذت مونث ہے اور اس کا مذکر لذ آتا ہے اور لذ کا وزن فعل ہے، صفت مشبہ کا صیغہ ہے جیسے لذیذ صیغہ صفت ہے۔

لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ ﴿۴۷﴾ اس سے نہ سر چکرائے گا نہ ان کی عقل میں فتور آئے گا۔

لا فیہا غول۔ غال یغول سے ہے خرابی، غال تباہ کردیا۔ بگاڑ دیا، مطلب یہ ہے کہ دنیوی شراب کی طرح جنت کی شراب میں کوئی خرابی نہیں ہوگی، نہ پیٹ میں اینٹھن ہوگی نہ دردِ سر، نہ قے نہ پیشاب، نہ ہوش و خرد کا بگاڑ۔

ینزفون۔ نزف الشارب۔ پینے والے کی عقل جاتی رہی۔ انزف الشارب (باب افعال سے) پینے والے کی عقل یا شراب ختم ہو گئی۔ نزف کا اصل لغوی ترجمہ ہے کسی چیز کا ختم ہو جانا، یہ لازم بھی ہے اور متعدی بھی۔ کذا فی القاموس۔ نزف سے باب افعال کا وزن معنی کی کثرت اور شدت پر دلالت کرتا ہے یعنی خمر جنت کے پینے سے پینے والوں کی عقل بالکل زائل نہیں ہوگی اور نہ وہ پینا ختم کریں گے، عقل کا بگاڑ اور مشروب کا ختم ہو جانا پینے والے کے لئے بہت ہی تکلیف دہ ہوتا ہے۔

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾ اور ان کے پاس نیچی نگاہ والی بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی جو ایسے صاف رنگ کی ہوں گی جیسے چھپے ہوئے انڈے۔

قاصرات الطرف۔ یعنی ان حوروں کی نظریں صرف اپنے شوہروں پر مقصور ہوں گی دوسرے لوگوں کے حسن کی طرف وہ نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گی۔

عین۔ وہ حسین آنکھوں والیاں ہوں گی۔ مرد کے لئے اعین اور عورت کے لئے عیناء بولا جاتا ہے یعنی حسین چشم عین کا اطلاق حسین چشم مردوں کے لئے بھی ہوتا ہے اور عورتوں کے لئے بھی۔

بیض۔ انڈے یعنی شتر مرغ کے انڈے۔ بیض بیضۃ کی جمع ہے۔ حسن نے کہا شتر مرغ اپنے انڈوں کو ہوا اور غبار سے محفوظ رکھنے کے لئے پروں میں چھپالیتا ہے۔ اور شتر مرغ کے انڈوں کا رنگ سفید مائل بزردی ہوتا ہے۔ عرب کے نزدیک عورتوں کا یہ رنگ حسین ترین رنگ ہے اسی لئے عورتوں کو شتر مرغ کے انڈوں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

ابن جریر نے حضرت ام سلمہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عین موٹی آنکھوں والیاں جن کی پلکیں (آنکھوں کو چھپالیں گی اس طرح) جیسے گدھ کے پر (یعنی حوروں کی آنکھیں غلافی ہوں گی) یہ بھی حضور ﷺ کا فرمان اسی آیت کے ذیل میں منقول ہے کہ حوروں کی کھال اتنی باریک ہوگی جیسے انڈے کے بیرونی چھلکے کے اندر چمٹا ہوا ایک باریک غلاف ہوتا ہے۔

مکنون چھپایا ہوا یعنی جس کو شتر مرغ نے اپنے پروں سے چھپالیا ہو۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ پھر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے۔

بعضہم یعنی بعض اہل جنت دوسرے لوگوں سے دور شراب چلنے کے وقت باتیں کریں گے۔ دور شراب کے وقت باہم بات چیت بہت لذیذ ہوتی ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

وما بقیت من اللذات الا احادیث الکرام علی الدام

اب کوئی لذت باقی نہیں رہی صرف اتنی لذت باقی ہے جو شراب کے دور کے وقت شریف سرداروں کی گفتگو میں ہوتی ہے۔

اقبل بصیغہ ماضی مفہوم جملہ کو پختہ بنانے کے لئے (گویا ایسا ہو ہی چکا)۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ دنیا میں میرا ایک ساتھی تھا جو کہتا تھا کیا تو قیامت کا اعتقاد رکھنے والوں میں سے ہے کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم جزا سزا پائیں گے۔

یعنی اہل جنت میں سے ایک شخص کہے گا کہ دنیا میں میرا ایک ساتھی تھا جو قیامت کا منکر تھا۔ مجاہد نے کہا قرین سے

شیطان مراد ہے یعنی شیطان میرا ساتھی تھا۔ دوسرے اہل تفسیر کے نزدیک قرین سے مراد انسان ہی ہے جو دنیا میں اس جنتی کا ساتھی تھا۔ مقاتل کے نزدیک قرین سے مراد ہے بھائی، دنیا میں وہ دونوں بھائی تھے۔ بعض علماء کا قول ہے۔ وہ دونوں دنیا میں شریک تھے ایک کافر تھا جس کا نام مطروس تھا دوسرا مومن تھا جس کا نام یہودا تھا انہی دونوں کا واقعہ اللہ نے سورۂ کہف کی آیت وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الرَّجُلَيْنِ الخ میں بیان فرمایا ہے۔

لمن المصدقین یعنی کیا تو قیامت بپا ہونے کو صحیح مانتا ہے اور جو لوگ اس کو سچ مانتے ہیں کیا تو بھی انہیں میں سے ہے۔ کیا خاک اور ہڈیاں رہ جانے کے بعد ہم کو پھر زندہ کر کے سزا و جزا دی جائے گی۔ یعنی ایسا ہونا بہت ہی عجیب اور بعید از عقل ہے۔ اء نا میں استفہام تعجبی ہے۔

قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ ارشاد ہوگا کیا تم جھانک کر اس کو دیکھنا چاہتے ہو۔

اس جملہ کا قائل بھی وہی ہوگا جو پہلے جملہ کا قائل ہوگا یعنی وہ شخص کہے گا کیا تم دوزخیوں کو جھانک کر دیکھو گے کہ ان کے ساتھ میرا ساتھی بھی ہے۔ یا یہ قول اللہ کا یا کسی فرشتہ کا ہوگا یعنی کوئی فرشتہ کہے گا کہ دوزخ میں اس شخص کو جھانک کر دوسرے دوزخیوں کے ساتھ دیکھو کہ ان کا مقام تمہارے مقام کے مقابلہ میں کیسا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جنت میں کچھ دریچے ہوں گے جن سے اہل جنت دوزخیوں کو دیکھ سکیں گے۔

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۵۵﴾ سو وہ شخص جھانکے گا تو اپنے ساتھی کو وسط جہنم میں دیکھے گا۔

سواء الجحیم۔ دوزخ کے درمیان۔ وسط شئی کو سواء اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے تمام اطراف کا فاصلہ برابر ہوتا ہے۔ ہناد نے اس آیت کے ذیل میں حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ شخص دوزخ میں جھانک کر دیکھے گا پھر اپنے ساتھیوں سے کہے گا میں نے لوگوں کی کھوپڑیاں ابال کھاتی ہوئی دیکھیں۔

قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۷﴾ اس کو دوزخ میں دیکھ کر کہے گا خدا کی قسم تو تو مجھے تباہ ہی کرنے کو تھا اگر میرے رب کا مجھ پر فضل نہ ہوتا تو میں بھی ماخوذ لوگوں میں ہوتا۔ یعنی قریب تھا کہ بہکا کر تو مجھے ہلاک کر دیتا۔

نعمة ربی یعنی اللہ کی طرف سے مجھے رایت اور میرا بچاؤ نہ ہوتا تو میں بھی تیرے ساتھ دوزخ میں ڈال دیا جاتا۔

اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۵۹﴾ کیا ہم بجز پہلی بار مر چکنے کے پھر کبھی نہیں مرنے کے اور نہ ہم کو کبھی عذاب ہوگا۔

یعنی کیا سوائے اس موت کے جو دنیا میں ہو چکی آئندہ ہم کبھی مرنے والے نہیں۔ یہ استفہام تقریری ہے۔ مخاطب کو دنیا میں جس بات کا انکار تھا اس کے اقرار پر آمادہ کیا گیا ہے۔

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ جنتی شخص اپنے جہنمی ساتھی سے جو بات کہے گا یہ جملہ اس کا آخری حصہ ہے اور اس کلام سے اس کو توبیخ کرنی مقصود ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جنتی کے اس کلام کے مخاطب اس کے جنتی ساتھی ہوں اس صورت میں اللہ کی نعمت کا ذکر اور اس پر تعجب کا اظہار اور دوزخی ساتھی پر طنز اس کلام کا مقصود ہوگا۔

بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ جب موت کو ذبح کر دیا جائے گا تو اہل جنت بطور بشارت و مسرت ملائکہ سے کہیں گے کیا ہم کو پھر کبھی مرنا ہوگا فرشتے کہیں گے نہیں اس پر جنتی کہیں گے۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۰﴾ جنت کے اندر یہ دوامی زندگی بلاشبہ بڑی کامیابی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہو۔

لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ ایسے ہی مقام یا راحت و نعمت کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے۔ یعنی دنیوی منافع کے حصول کے لئے کوشش بے کار ہے اول تو دنیوی کامیابی دکھوں سے بھری ہوئی ہے پھر فنا پذیر بھی

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ۝ یہ یعنی اہل جنت کی راحت و نعمت بہتر دعوت ہے یا زقوم کا درخت۔

شجرۂ زقوم دوزخیوں کا کھانا ہے۔ زقوم ایک نہایت بدبودار، بدمزہ، مکروہ شکل کا درخت ہوگا دوزخیوں کو مجبور کر کے کھلایا جائے گا انتہائی کراہت طبع کے باوجود وہ زقوم کھانے پر مجبور ہوں گے۔ عربی محاورہ ہے تزقم الطعام بڑی ناگواری اور دشواری کے ساتھ اس نے کھانا کھایا۔ نزل وہ چیز جو مہمان کے آتے ہی اس کے سامنے لائی جاتی ہے (ابتدائی پیش کش) اس لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ مذکورہ بالا نعمتیں تو اہل جنت کو ابتدائی پیش کش کے طور پر دی جائیں گی اس کے بعد کیا کیا عطا کیا جائے گا۔ اس کو سمجھنے سے عقل قاصر ہے۔ اسی طرح دوزخیوں کو ابتدائی پیش کش کے طور پر زقوم دیا جائے گا (اور اس کے بعد کیسا عذاب ہوگا اس کو سمجھنا عقل کی رسائی سے خارج ہے) ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن ابی حاتم ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر زقوم کا ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں ٹپکا دیا جائے تو باشندگان زمین کی ساری معاش بگڑ جائے اس سے اندازہ کرو کہ جس کا کھانا زقوم ہو اس کی بدمزگی کراہت طبع اور ناگواری کی کیا حالت ہوگی۔

ابو عمران خولانی کی روایت سے ابو نعیم نے اور زوائد الزہد میں عبداللہ بن احمد نے بیان کیا ہے کہ زقوم میں سے آدمی جتنا نوچے گا زقوم اس آدمی کا بھی اتنا ہی گوشت نوچ لے گا۔

اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ۝ ہم نے اس درخت کو کافروں کے لئے آزمائش بنایا ہے۔

فتنہ سے مراد ہے دنیا میں آزمائش اور آخرت میں عذاب اور تکلیف۔ ظالمین سے مراد ہے کافر۔ کافر کہا کرتے تھے آگ تو درخت کو جلا ڈالتی ہے پھر آگ میں درخت کیسے ہوگا۔ ابن زبعری نے سرداران قریش سے کہا تھا کہ محمد ﷺ ہم کو زقوم سے ڈراتے ہیں حالانکہ بربری زبان میں زقوم کا معنی ہے مکھن اور کھجور ابو جہل ابن زبعری کو اپنے گھر میں لایا اور باندی سے کہا جاریہ ہمارے لئے زقوم لاء باندھ مکھن اور کھجوریں لے آئی، ابو جہل نے کہا زقوم کھاؤ یہ ہی وہ زقوم ہے جس سے محمد ﷺ تم کو ڈراتے ہیں۔

ابن جریر نے قتادہ کی روایت سے بیان کیا کہ ابو جہل نے کہا تمہارا ساتھی کہتا ہے کہ آگ کے اندر ایک درخت ہوگا حالانکہ آگ درخت کو کھا لیتی ہے پھر آگ میں درخت کیسے ہو سکتا ہے ہم تو خدا کی قسم زقوم کھجوروں اور مکھن ہی کو جانتے ہیں اس پر اللہ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۝ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ۝ وہ بلاشبہ ایک درخت ہوگا جو قعر جہنم سے برآمد ہوگا اس کے پھل ایسے ہوں گے جیسے شیاطین کے سر۔

اصل الجحیم یعنی قعر جہنم۔ سدی کا تفسیری قول اسی طرح آیا ہے۔ لیکن حسن نے کہا (جحیم سے مراد قعر جہنم ہے یعنی) اس درخت کی جڑ قعر جہنم میں ہوگی اور شاخیں دوزخ کے مختلف طبقات میں پھیلی ہوئی ہوں گی۔ طلعھا یعنی اس کے پھل۔ پھل کو طلع اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا طلوع یعنی خروج (درخت سے) ہوتا ہے۔ الشیاطین۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا شیاطین سے مراد شیاطین جن ہی ہیں بدصورتی میں زقوم کے پھلوں کو شیاطین کے سروں سے تشبیہ دی ہے۔ کسی چیز کی انتہائی برائی ظاہر کرنے کے لئے اس کو شیطان کہا جاتا ہے۔ شیاطین (اصلی شکل میں) اگرچہ نظر نہیں آتے لیکن دماغ میں ان کی مفروضہ صورتوں کا تصور بری ہی شکلوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک شیاطین سے مراد ہیں وہ بدصورت کریہہ النظر سانپ جنکے سروں پر بال ہوتے ہیں شاید ایسی کراہت شکل اور ہیبت ناک صورت کی وجہ سے ان کو شیاطین کہا جاتا ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ صحراء میں ایک نہایت بدنما تلخ بدبودار درخت ہوتا ہے جس کو عرب رؤس الشیاطین کہتے ہیں۔

فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ سو دوزخی اس درخت یا درخت کے پھلوں کو کھائیں گے اور اس سے پیٹ بھریں گے۔

ملا برتن کو اتنا بھرنا کہ اس سے زیادہ ممکن نہ ہو (لب ریز کر دینا) یعنی بھوک کے غلبہ کی وجہ سے یا کسی جابر کے جبر کی وجہ سے وہ پیٹ بھر کر زقوم کھائیں گے۔

ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۶۷﴾ پھر ان کو کھولتا ہوا پانی پیٹ میں ملا کر دیا جائے گا۔

یعنی پیٹ بھر کر کھانے کے بعد جب سخت پیاس لگے گی اور پانی طلب کریں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ثم (ترتیب زمانی کے لئے نہ ہو بلکہ) کراہیت کی زیادتی اور ترقی کے لئے ہو (یعنی کھانا تو مکروہ ہو گا ہی پینا اس سے زیادہ مکروہ اور ناگوار ہو گا)۔

لشوبا شوب آمیزش۔ ملاوٹ۔ حمیم انتہائی گرم پانی۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کھولتا ہوا پانی پئیں گے اور پیٹ میں پہنچ کر وہ زقومی غذا سے خلط ملط ہو جائے گا۔

ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿۶۸﴾ پھر ان کی واپسی جحیم کی طرف ہو گی۔

بغوی نے لکھا ہے پہلے گرم پانی پلانے کے لئے ان کو کھولتے پانی کے مقام پر لے جایا جائے گا پھر لوٹا کر جحیم میں لے آیا جائے گا گرم پانی کا مقام جحیم سے باہر ہو گا۔ اسی مضمون پر دلالت کر رہی ہے آیت يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ وہ چکر کاٹتے رہیں گے دوزخ اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان۔

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿۶۹﴾ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ انہوں نے پایا اپنے باپ دادا کو گمراہ، تو یہ ان کے نقش قدم پر بغیر سوچ سمجھے تیزی کے ساتھ دوڑے جا رہے ہیں۔

یعنی باپ دادا کی اندھی تقلید کی وجہ سے یہ بھی عذاب کے مستحق ہوئے۔

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۷۴﴾ ع ۲ ۵۲ اور ان سے پہلے اگلے لوگوں میں اکثر گمراہ ہو چکے ہیں اور ہم نے ان میں بھی ڈرانے والے پیغمبر بھیجے تھے سو دیکھ لو ان لوگوں کا کیسا برا انجام ہوا جن کو ڈرایا گیا تھا، ہاں وہ بندے جو خالص کر لئے گئے تھے اس سے مستثنیٰ ہیں۔

الاولین یعنی گزشتہ امتیں منذرین یعنی انبیاء جنہوں نے کافروں کو انجام سے ڈرایا تھا۔ فانظر روئے خطاب رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے لیکن مرکز تخاطب قوم ہے جس نے گزشتہ اقوام کے واقعات سے اور آثار باقیہ دیکھے تھے۔ كَيْفَ كَانَ میں استفہام تعجب آگیں ہے اس سے مقصود طلب علم نہیں۔ بلکہ محقق طور پر یہ جتانا مقصود ہے کہ دنیا اور آخرت میں یقینی طور پر کافروں کو سزا اور پاداش عمل ملتی ہے۔

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ یعنی وہ لوگ بدانجامی سے مستثنیٰ ہیں جو پیغمبروں کے خوف دلانے سے متنبہ ہو گئے اور بغیر شرک کی آمیزش کے خالص طور پر اللہ کی فرماں برداری کی، ایسے لوگ یقیناً عذاب سے محفوظ رہیں گے۔

بطور اجمال منذرین (انبیاء) اور منذرین (اُمم انبیاء) کا ذکر آیات بالا میں کرنے کے بعد آئندہ آیات میں بعض قصوں کی کچھ تفصیل بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ اور ہم کو نوح نے پکارا سو ہم خوب فریاد سننے والے ہیں۔

سابق آیت میں فرمایا تھا۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ اس میں عموماً سارے پیغمبروں کا ذکر ہو گیا۔ اب خصوصیت کے ساتھ حضرت نوحؑ کا ذکر شروع فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ ان سے پہلے ایک زمانہ میں قوم نوح گمراہ ہو گئی تھی ہم نے ان کی ہدایت کے لئے نوحؑ کو بھیجا، نوحؑ نے ان کو اسلام کی دعوت دی قوم نے دعوت نہیں مانی اور نوحؑ کو وحی کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا کہ جو لوگ ایمان لانے والے تھے وہ لا چکے آئندہ قوم کا کوئی فرد ایمان نہیں لائے گا۔ نوحؑ جب مایوس ہو گئے تو

انہوں نے ہم سے دعا کی کہ ان کی قوم کو تباہ کر دیا جائے ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ہم (اپنے خاص بندوں کی دعا) اچھے قبول کرنے والے ہیں۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ اور ہم نے ان کو بڑے دکھ سے نجات دی کرب عظیم سے مراد ہے قوم والوں کے ہاتھوں سے پہنچنے والا دکھ اور تکلیفیں۔

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾ اور ہم نے باقی انہیں کی اولاد کو رہنے دیا۔

یعنی نوحؑ کی قوم میں سے کسی کی نسل سوا نوحؑ کی نسل کے باقی نہیں رہی۔

ترمذی وغیرہ نے حضرت سمرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ آیت وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبَاقِيْنَ کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ حام، سام اور یافث تین لڑکے باقی رہ گئے تھے۔

دوسرے سلسلہ روایت میں آیا ہے کہ سام عرب کے جد اعلیٰ اور حام حبش کے جد اعلیٰ اور یافث روم کے جد اعلیٰ تھے۔

ضحاک نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ کشتی سے اترنے کے بعد حضرت نوحؑ کے لڑکوں اور ان کی بیبیوں کے علاوہ سب لوگ مر گئے۔

بظاہر قرآنی بیان سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں (۱) طوفان نوحؑ سے سارے روئے زمین کے باشندے ڈوب گئے صرف وہی لوگ محفوظ رہے جو حضرت نوحؑ پر ایمان لائے اور کشتی میں سوار ہو گئے (۲) پھر سوائے اولاد نوحؑ کے اور کسی مومن کی نسل باقی نہیں رہی۔ قیامت تک جتنے آدمی ہوں گے وہ سب نوحؑ کی نسل سے ہوں گے (گویا نوح آدمؑ ثانی ہیں۔ مترجم) سعید بن مسیب کا قول ہے کہ نوحؑ کے تین بیٹے محفوظ رہے تھے سام، حام، یافث، سام عرب فارس اور روم کے جد اعلیٰ ہوئے حام کی نسل میں سارے افریقی ہیں اور یافث کی اولاد میں ترک، خزر، یاجوج ماجوج اور وہاں کے یعنی ہند کے بلاد شرقیہ کے رہنے والے ہیں۔

میری یعنی مفسرؒ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت نوحؑ کی بعثت سارے انسانوں کے لئے نہیں تھی۔ یہ خصوصیت تو صرف رسول اللہ ﷺ کی ہے حضرت نوحؑ کی بعثت صرف ان کی قوم کے لئے مخصوص تھی جب قوم والے ایمان نہ لائے تو آپ نے ان کے لئے بددعا کی اور بارگاہ الٰہی میں عرض کیا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا اس جگہ الارض سے مراد ہے محدود خطہ ارض یعنی ان کافروں کی سرزمین جو حضرت نوحؑ پر ایمان نہیں لائے یعنی عراق اس تشریح پر ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبَاقِيْنَ سے مراد یہ ہوگی کہ اس ملک میں حضرت نوحؑ کی نسل کے علاوہ اور کوئی انسان باقی نہیں رہا اس صورت میں آیات میں حصر اضافی ہوگا۔ یعنی نوحؑ کی قوم میں سے سواء ان کی اولاد کے اور کوئی باقی نہیں رہا۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾ اور ہم نے ان کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ نوحؑ پر سلام ہو عالم والوں میں۔

الآخرین سے مراد ہیں پیچھے آنے والے لوگ۔ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ آنے والے لوگوں کا مقولہ ہوگا جس کو اللہ نے نقل فرمادیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آئندہ لوگ نوحؑ کے لئے دعا کریں گے اور سلام بھیجیں گے اور یہ الفاظ کہیں گے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ جملہ اللہ ہی کا قول ہے اور اللہ ہی نے حضرت نوحؑ پر سلام بھیجا ہے آنے والے لوگوں کا مقولہ نقل نہیں کیا اس صورت میں ترکنا کا مفعول محذوف ہوگا یعنی ہم نے نوحؑ کے لئے آئندہ لوگوں میں اچھا ذکر اور قابل ستائش شہرت کر دی۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾ ہم بھلائی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔

جیسے نوحؑ کو دی کہ ان پر اپنی طرف سے سلام بھیجا اور آنے والے لوگوں میں ان کا ذکر جمیل باقی رکھا۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ بلاشبہ وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھے۔ یہ سابق جملہ کی علت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو مذکورہ جزاء ان کے ایمان اور نیک کردار کی وجہ سے دی اس آیت میں امت اسلامیہ کے نیکو

کار لوگوں کے لئے بشارت ہے۔
ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۸۲﴾ پھر اوروں کو ہم نے ڈبو دیا یعنی نیکوکاروں کے علاوہ ان کی قوم کے دوسرے لوگوں کو ہم نے غرق کردیا۔
وَاِنَّ مِنْ شِیْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِیْمَ ﴿۸۳﴾ اور ایمان واصول دین میں فقط یا تمام فروع میں یا اکثر فروع میں بھی بلاشک وشبہ ابراہیمؑ نوحؑ کی پیروی کرنے والوں میں سے تھے۔
حضرت نوحؑ سے دو ہزار چھ سو چالیس سال کے بعد حضرت ابراہیمؑ ہوئے حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ کے درمیان حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ پیغمبر ہوئے۔
اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۴﴾ جب وہ خالص دل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئے۔ یعنی اللہ کے سوا دوسروں کی محبت اور مشغولیت سے دل کو خالی کر کے اللہ ہی کی طرف اپنا رخ کیا۔ اللہ کے حکم کی تعمیل میں اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا واقعہ ابراہیمؑ کے خلوص قلب پر دلالت کر رہا ہے۔
اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ جب کہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا تم کس (واہیات) چیز کو پوجتے ہو۔
یہ استفہام توبیخی ہے (یعنی سوال حصول کے لئے نہیں ہے بلکہ پتھروں کی پوجا پر زجر کرنے کے لئے ہے۔ مترجم)۔
اَىِٕفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِیْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ کیا جھوٹ موٹ کے معبودوں کو اللہ کے سوا تم چاہتے ہو۔
یہ تکرار استفہام بھی توبیخی ہے۔ الھۃ تریدون کا مفعول بہ ہے اور دون اللّٰہ الھۃ کی صفت ہے اور افکا مفعول لہ ہے۔ مفعول بہ کی فعل پر تقدیم مفعول کی اہمیت کو ظاہر کر رہی ہے اور مفعول لہ، کو سب سے پہلے ذکر کرنا اس امر کو ظاہر کر رہا ہے کہ ان کی ساری پوجاپاٹ غلطی اور جھوٹ پر مبنی تھی (اس کے اندر کوئی حقیقت اور سچائی نہیں تھی)۔
فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۷﴾ پس رب العلمین کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ یعنی وہ ذات جو کہ ساری کائنات کے رب ہونے کا حق رکھتی ہے اور واقعی وہ رب العلمین ہے۔ اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے کہ تم نے اس کی عبادت کو چھوڑ دیا ہے یا دوسروں کو اس کا ساجھی قرار دے رکھا ہے کیا تم کو اس کے عذاب کا خوف نہیں ہے۔
حاصل مطلب یہ ہے کہ یقین تو درکنار رب العلمین کی عبادت ترک کرنے، اس کا کسی کو شریک قرار دینے اور اس کے عذاب سے بے خوف ہو جانے کا تمہارا خیال بھی کسی بنیاد پر ہو سکتا ہے۔
فَنَظَرَ نَظْرَةً فِی النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ سو ابراہیمؑ نے ایک نگاہ بھر کر ستاروں کو دیکھا۔
فی النجوم یعنی ستاروں کے مواقع پر نظر ڈالی یا علم النجوم یا کتاب النجوم کو دیکھا۔ اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت علم النجوم پر غور کرنا اور سیکھنا سکھانا جائز تھا (ورنہ حضرت ابراہیمؑ ستاروں کی رفتار کو نہ دیکھتے) لیکن ہماری شریعت میں علم النجوم کی ممانعت کردی گئی۔
رزین نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ نجومی سے کاہن زائد ہے، اور کاہن جادوگر ہے اور جادوگر کافر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تینوں کافر ہیں تینوں کا ایک ہی حکم ہے ممکن ہے کہ اس کی کسی قدر تفصیل اس طرح کردی جائے کہ اگر حدوث عالم کی ستاروں کے طلوع اور غروب اور رفتار کی طرف نسبت کی جائے (یعنی ستاروں کو علل موثرہ یا اسباب حقیقیہ قرار دیا جائے) تو علم النجوم پر غور کرنا بھی حرام ہے لیکن اگر اللہ کو سارے حوادث کا فاعل حقیقی قرار دیا جائے اور سب کی نسبت تخلیقی اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے اور ستاروں کی رفتار کو حوادث کی علامات ونشانات کا درجہ دیا جائے اور یوں سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی حادثہ پیدا کرتا ہے۔ تو اس کا قاعدہ ہے کہ حادثہ کی یہ علامات اور نشانی پیدا کر دیتا ہے تو ایسا عقیدہ رکھنے میں کوئی گناہ نہیں جیسے دوا پینے اور کھانے کی صورت میں اللہ شفا پیدا کر دیتا ہے (دوا شافی نہیں اس کا پینا موجب شفا نہیں) اور زہر کھانے پر موت کو پیدا

کر دیتا ہے اور انسان اگر کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے تو اللہ فعل کو پیدا کر دیتا ہے رہی یہ بات کہ رسول اللہ ﷺ نے علم النجوم کی ممانعت کیوں فرمائی، تو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ علم النجوم پر غور کرنے کے بعد لوگ حوادث کو ستاروں کی کارگزاری نہ سمجھنے لگیں۔

حضرت زید بن خالد جہنی کا بیان ہے کہ حدیبیہ میں رات کو بارش ہوئی صبح کو رسول اللہ ﷺ نے ہم کو نماز پڑھائی نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف رخ کر کے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ ہی کو معلوم ہے فرمایا اللہ نے ارشاد فرمایا میرے بندوں میں سے کچھ لوگوں نے مجھے مانا اور کچھ لوگوں نے نہیں مانا جن لوگوں نے کہا اللہ کے فضل و رحمت سے ہم پر بارش ہوئی وہ مجھے ماننے والے اور ستاروں کو مؤثر حقیقی نہ ماننے والے ہوئے اور جنہوں نے کہا فلاں فلاں ستاروں کی وجہ سے بارش ہوئی ان کا ایمان مجھ پر نہیں ہوا وہ ستاروں کو ماننے والے ہوئے (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بھی اللہ آسمان سے برکت (بارش) نازل فرماتا ہے انسانوں کا ایک گروہ اس کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے اللہ بارش نازل فرماتا ہے اور لوگ کہتے ہیں فلاں فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ہوئی (رواہ مسلم) امام غزالی نے اپنی کتاب المنقذ من الضلال میں لکھا ہے کہ علم طب اور علم نجوم اللہ نے اپنے کسی نبی پر نازل فرمائے تھے پھر یہ دونوں علم کافروں کے ہاتھوں میں پڑ گئے (طب کی طرح) علم النجوم بھی ظنی علم ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ نجومیوں نے فرعون کو حضرت موسیٰؑ کی پیدائش کی اور آپ ہی کے ہاتھوں اس کی حکومت ختم ہو جانے کی اطلاع دی تھی (جو سچ ثابت ہوئی ظاہر ہے کہ نجومی غیب داں نہ تھے نجوم ہی کے مطالعہ سے انہوں نے یہ خیال قائم کیا تھا۔ مترجم)

بخاری نے صحیح میں اپنی سند سے بروایت زہری بیان کیا ہے کہ ابن ناطور نے جو ایلیا کا گورنر تھا اور شامی عیسائیوں کا پادری بھی بیان کیا کہ جب ہرقل ایلیا میں آیا تو صبح کو کچھ پریشان سا تھا کسی مصاحب نے دریافت کیا کہ آج آپ کی حالت ہم کو غیر نظر آتی ہے (مزاج کیسا ہے۔) ہرقل بڑا نجومی تھا ستاروں کی چال دیکھا کرتا تھا اس نے جواب دیا آج رات ستاروں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا کہ ختنہ کرنے والوں کا بادشاہ پیدا ہو گیا ہے۔ بتاؤ وہ کون قوم ہے جو ختنہ کراتی ہے مصاحبین نے کہا یہودیوں کے سوا اور کوئی قوم ختنہ نہیں کراتی اور یہودیوں سے آپ کو کوئی اندیشہ نہ کرنا چاہئے۔ قلمرو کے تمام شہروں میں حکم بھیج دیجئے کہ جہاں جو یہودی ہو اس کو قتل کر دیا جائے۔ ہرقل اسی گفتگو میں مشغول تھا کہ شاہ غسان (گورنر شام) کا بھیجا ہوا ایک آدمی آ گیا جو رسول اللہ ﷺ کی (بعثت اور دعوائے نبوت کی) خبر لایا تھا ہرقل نے اس سے پوری خبر دریافت کی اور حکم دیا اس کو لے جا کر دیکھو کہ کیا یہ مختون ہے لوگوں نے اس کو لے جا کر دیکھا تو اس کو مختون پایا ہرقل نے اسی سے دریافت کیا کہ عرب کیا ختنہ کراتے ہیں اس نے جواب دیا جی ہاں عرب ختنہ کراتے ہیں ہرقل نے کہا اسی قوم کا بادشاہ پیدا ہو گیا ہے پھر اپنے کسی ساتھی کو جو اسی کی طرح علم نجوم کا ماہر تھا مطالعہ نجوم کا حکم دے کر خود حمص کو چلا گیا ابھی حمص میں ہی تھا کہ اس کو مقرر کردہ ساتھی کا خط ملا جس میں ہرقل کی رائے کی موافقت کی گئی تھی اور لکھا تھا کہ وہ پیدا ہو گئے ہیں اور وہ نبی ﷺ ہیں۔

شیخ ابن حجر نے لکھا ہے زہری کی یہ روایت متصل ہے معلق نہیں ہے ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں لکھا ہے کہ زہری نے خود بیان کیا کہ میں عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں دمشق میں ابن ناطور سے ملا تھا۔ میرے خیال میں ابن ناطور کے مسلمان ہونے کے بعد زہری نے اس کا یہ بیان نقل کیا ہے، اس روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ علم نجوم سے بھی کچھ نہ کچھ (واقعات و حوادث) کا علم ہو جاتا ہے اور ممانعت کی وجہ وہی عقائد کا بگاڑ ہے جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں کہ اس سے لوگ حوادث کی علت موجبہ نجوم کی رفتار کو سمجھنے لگتے ہیں۔ مزید یہ کہ اس کی تحصیل میں خواہ مخواہ وقت ضائع ہوتا ہے علم دین میں اس کا کوئی فائدہ نہیں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم نجوم کا مشغلہ مذہب عیسائیت میں جائز تھا ورنہ عیسائی علماء اس میں نہ پھنستے۔

جو لوگ علم نجوم کو بے بنیاد اور غلط قرار دیتے ہیں وہ (اعتراضات مذکورہ کے جواب میں) کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کا

قوم کو جواب بطور ایہام تھا قوم والے علم نجوم کو سیکھتے سکھاتے اور اس پر عمل کرتے تھے حضرت ابراہیمؑ نے بھی ان کے مفروضہ کے موافق عمل کیا تاکہ آپ کی بات کی تردید وہ نہ کر سکیں حضرت ابراہیمؑ نے ان کے بتوں کے متعلق ایک چال چلنے کا ارادہ کیا تھا تاکہ اس بات کی حجت تمام ہو جائے کہ بت معبود بننے کے قابل نہیں۔ دوسرے روز، قوم ابراہیمؑ کا تیوہار اور میلہ تھا قوم کا قاعدہ تھا کہ تیوہار کے موقع پر بتوں کے پاس جا کر ان کے سامنے فرش بچھاتے اور میلے میں جانے سے پہلے ان کے سامنے کھانا چنتے تھے اور اس کو متبرک فعل سمجھتے تھے۔ پھر جب میلہ سے لوٹ کر آتے تھے تو بتوں کے پاس رکھا ہوا کھانا کھاتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ سے بھی انہوں نے درخواست کی تھی کہ ہمارے ساتھ میلہ کو تم بھی چلو حضرت ابراہیمؑ نے ستاروں کی رفتار کو دیکھا۔

فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ ﴿۸۹﴾ پھر فرمایا میں بیمار ہونے والا ہوں۔

حضرت ابن عباسؓ نے سقیم کا ترجمہ کیا میں طاعون میں مبتلا ہو گیا۔ وہ لوگ طاعون سے بھاگتے تھے۔ حسن نے سقیم کا ترجمہ مریض اور مقاتل نے درد میں مبتلا کیا ہے۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا ابراہیمؑ نے صرف تین بار جھوٹ بولا، دو مرتبہ تو باری تعالیٰ کی ذات کے متعلق۔ ایک بار فرمایا انی سقیم دوسری فرمایا بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا (الحدیث) اور تیسری مرتبہ حضرت سارہ کے متعلق فرمایا تھا یہ میری بہن ہے یہ حدیث سورۃ انبیاء میں ہم نقل کر چکے ہیں۔

حدیث مذکور میں جھوٹ سے مراد ہے توریہ اور دو معنی والے الفاظ بولنا (کہ متکلم کی مراد دوسرا معنی ہو اور مخاطب اس کا پہلا معنی سمجھے) ضحاک نے کہا انی سقیم سے آپ کی مراد یہ تھی کہ میں عن قریب بیمار ہونے والا ہوں۔

یہ بھی تاویل کی گئی ہے کہ (حضرت ابراہیمؑ کا اپنے کو سقیم کہنا بالکل صحیح تھا کیونکہ) جس کی گردن میں موت کی رسّی بندھی ہو وہ سقیم ہی ہے۔ اسی وجہ سے جب ایک شخص اچانک مر گیا تو لوگوں نے کہا فلاں شخص صحیح سالم ہونے کی حالت میں مر گیا۔ ایک اعرابی بولا کیا جس کی گردن میں موت کی رسّی پڑی ہو وہ بھی صحیح سالم ہو سکتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی مراد یہ تھی کہ تمہارے کفر کی وجہ سے میرے دل کی حالت بگڑی ہوئی ہے۔ سورۃ انبیاء کی آیت بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا کے ذیل میں ہم نے مختلف توجیہات ذکر کی ہیں۔

فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾ اس کے بعد قوم والے ابراہیمؑ کی طرف سے منہ پھیر کر پشت موڑ کر چل دیے۔

میلہ کو چلے گئے اور ان کے جانے کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے آ کر بتوں کو توڑ دیا اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔

فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ پھر چپکے سے ان کے معبودوں کی طرف لوٹے اور کہا تم کھاتے کیوں نہیں تم کو کیا ہو گیا ہے تم بولتے کیوں نہیں۔

راغ خفیہ طور پر مڑے، یہ لفظ روغۃ الثعلب سے ماخوذ ہے اس کا اصل لغوی معنی ہے چالاکی سے مڑ جانا۔ بغوی نے لکھا ہے راغ صرف اس وقت کہا جاتا ہے جب مڑنے والا اپنی آمد و رفت کو پوشیدہ رکھے۔

فقال یعنی ابراہیمؑ نے بطور مذاق کہا الا تاکلون یعنی جو کھانا تمہارے سامنے رکھا ہے تم اس کو کھاتے کیوں نہیں مالکم لا تنطقون کیا وجہ کہ تم بولتے نہیں۔

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ پھر قوت کے ساتھ ان پر جا پڑے اور مارنے لگے۔

یعنی پوشیدہ طور پر بتوں کے پاس گئے۔ راغ کے بعد علی کا استعمال ظاہر کر رہا ہے کہ ابراہیمؑ نے ان پر تسلط پا لیا۔ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا بتوں کے پاس جانا بتوں کے لئے ضرر رساں تھا۔ (اول صورت میں علی استعلاء کے لئے ہو گا اور دوسری صورت میں ضرر کے مفہوم کو ظاہر کرنے کے لئے۔ مترجم)۔

ضربا یعنی ابراہیمؑ نے اپنے دائیں ہاتھ سے زور کے ساتھ بتوں پر ضرب لگائی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ الیمین سے مراد

قسم ہے یعنی اپنی قسم کی وجہ سے بتوں پر ضرب لگائی، حضرت ابراہیمؑ نے پہلے قسم کھائی تھی اور کہا تھا تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ جب تم موڑ کر چل دو گے تو میں خدا کی قسم تمہارے بتوں کے ساتھ ایک برا معاملہ کروں گا۔

فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ پھر وہ لوگ ابراہیمؑ کے پاس دوڑتے آئے۔ یعنی ابراہیمؑ کی قوم والے جب میلے سے لوٹے اور بتوں کو شکستہ دیکھا تو دریافت کیا یہ حرکت ہمارے معبودوں کے ساتھ کس نے کی؟ مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ پھر خود حضرت ابراہیمؑ کی طرف ان کا خیال گیا اور کہنے لگے سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ اس کے بعد تیزی کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے اور دریافت کیا کیا تو نے ہمارے معبودوں سے یہ گستاخی کی۔

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ ابراہیمؑ نے کہا کیا جن کو تم خود تراشتے ہو انہیں کی پوجا کرتے ہو۔ حالانکہ اللہ ہی نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے۔

یہ جملہ انکاریہ ہے اور واللہ خلقکم جملہ حالیہ انکار کی مزید تاکید ہے، ظاہر یہ ہے کہ ما تعملون میں ما مصدریہ ہے یعنی اللہ نے تم کو اور تمہارے عمل کو پیدا کیا پھر کس طرح اپنے خالق کی عبادت چھوڑ کر ان بتوں کی پوجا کرتے ہو جو خود تمہارے محتاج ہیں۔

اشاعرہ کہتے ہیں کہ سارے آدمیوں کے اعمال کا خالق اللہ ہی ہے اس آیت سے اسی کی تائید ہو رہی ہے۔ فرقہ معتزلہ کہتا ہے کہ بندہ اپنی افعال کا خود خالق ہے۔ معتزلہ کے نزدیک ماتعملون میں ما موصولہ ہے اور ضمیر محذوف ہے اصل کلام اس طرح تھا اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا اور ان چیزوں کو بھی جن کی تم پوجا کرتے ہو۔ بت جس چیز کے بنائے جاتے ہیں اس چیز کا خالق یقیناً اللہ ہے۔ البتہ بتوں کی شکلیں انسان کی ساختہ پرداختہ ہیں (اسی لئے کافروں کے فعل کا نتیجہ ان کو قرار دیا گیا ہے) لیکن اس صنعت پر قدرت دینے والا اللہ ہی ہے اور وہ تمام سروسامان اور اسباب جن پر بتوں کی تخلیق موقوف ہے ان کا خالق بھی اللہ ہی ہے۔

یا مصدریہ ہی ہے لیکن عمل مصدر بمعنی معمول ہے اس وقت تعملون تنحتون کے موافق ہو جائے گا (تراشنے والے بھی کافر تھے اور اسی تراش وصنعت کا نتیجہ یعنی معمول بھی انہی کے ساختہ تھے)

اشاعرہ کا تفسیری قول صحیح ہے۔ معتزلہ کی دونوں تشریحیں غلط ہیں کیونکہ ان دونوں تاویلوں پر ضمیر کا حذف اور معنی مجازی کی طرف بلاضرورت رجوع لازم آتا ہے اور یہ بات ناقابل شک ہے کہ اصنام کا جوہر تخلیقی کافروں کا خلق کردہ نہ تھا صرف اصنام کی شکلیں ان کی ساختہ تھیں پھر معتزلہ کی تفسیر سے اشکال کی تخلیق بھی فعل انسانی ثابت نہیں ہوتی بلکہ انسان کی معمول یعنی نتیجہ کسب قرار پاتی ہے خالق اشکال ہونا بہرحال اللہ کا ہی ثابت ہوتا ہے۔

قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾ وہ لوگ کہنے لگے کہ ابراہیمؑ کے لئے ایک آتش خانہ کی عمارت تعمیر کرو اور اس دہکتی آگ میں اس کو ڈال دو۔

یعنی جب قوم ابراہیم والے کسی صحیح دلیل کو پیش کرنے سے عاجز ہو گئے تو انہوں نے مشورہ کے بعد کہا ابراہیمؑ کو جلانے کے لئے ایک عمارت بناؤ اور اس کے اندر لکڑیاں بھر کر ان میں آگ لگا دو، جب لکڑیاں بھڑک اٹھیں اور آگ کے شعلے اونچے ہو جائیں تو بھڑکتی آگ میں ابراہیمؑ کو ڈال دو۔

مقاتل کا بیان ہے کہ قوم ابراہیمؑ نے پتھروں کا ایک احاطہ تعمیر کیا دیواروں کی بلندی تیس ہاتھ اور چوڑائی دس ہاتھ رکھی پھر اس احاطہ میں لکڑیاں بھر دیں اور لکڑیوں میں آگ لگا دی۔

فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا غرض ابراہیمؑ کے ساتھ انہوں نے ایک لڑائی کرنی چاہی تھی۔

کید یعنی شر مراد ہے جلا دینا تاکہ عام لوگوں کے سامنے ان کی کمزوری اور معقول جواب سے عاجزی ظاہر نہ ہونے پائے

چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھ پاؤں خوب باندھ کر آپ کو آگ میں پھینک دیا گیا۔

فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ۝ سو ہم نے انہیں کو نیچا کر دیا یعنی ذلیل کر دیا، ان کی چال کو بے کار کر دیا اور ابراہیمؑ کو عظمت شان کی کھلی دلیل اس واقعہ کو بنا دیا آگ کو ان کے لئے سرد اور سبب سلامتی کر دیا آگ سے صرف بند حسن جل گئے، ابراہیمؑ پر آنچ نہیں آئی۔

یہ واقعہ نمرود کے زمانہ میں علاقہ بابل (عراق) میں ہوا تھا۔

وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝ اور ابراہیمؑ کہنے لگے میں تو اپنے رب کی جانب چلا جاتا ہوں وہ مجھے اچھی جگہ پہنچا ہی دے گا۔

جب ابراہیمؑ آگ سے صحیح سالم نکل آئے اور قوم پھر بھی ایمان نہیں لائی تو حضرت ابراہیمؑ نے یہ بات کہی۔

اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ۔ یعنی اس کفرستان سے ہجرت کر کے میں ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں آزادی کے ساتھ میں اپنے رب کی عبادت کر سکوں۔ سیھدین یعنی میرا رب مجھے خود ایسا راستہ بتا دے گا۔ جس میں میرے دین کی درستی ہوگی یا یہ مطلب ہے کہ میرا رب مجھے اس جگہ کا راستہ دکھا دے گا جہاں جانے کا اس نے مجھے حکم دیا ہے اس سے مراد ملک شام ہے۔

اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ اپنی بی بی سارہ کو لے کر نمرود کے ڈر سے سرزمین بابل کو چھوڑ کر بھاگ نکلے حضرت سارہؑ اپنے زمانہ کی حسین ترین عورتوں میں سے تھیں۔ حضرت ابراہیمؑ بابل سے نکل کر حدود مصر میں پہنچے اس زمانہ میں مصر کا بادشاہ صادف بن صادف تھا۔ شرح البخاری لابن الملقن میں اس فرعون کا نام سنان بن علوان بتایا گیا ہے جو ضحاک کا بھائی تھا۔ بعض کا قول ہے کہ اس کا نام عمر بن امراء القیس تھا یہ فرعون حضرت سارہ کو حضرت ابراہیمؑ سے چھین کر سوار کرا کے اپنے محل میں لے گیا۔ اللہ نے تمام دیواروں اور پردوں کو حضرت ابراہیمؑ کے لئے انڈے کے چھلکے کی طرح کر دیا تاکہ سارہؑ کو آپ دیکھتے رہیں اور آپ کا دل مطمئن رہے کیونکہ آپؑ بڑے غیرت مند آدمی تھے۔ غرض فرعون نے جوں ہی سارہؑ کا ارادہ کیا فوراً قصر میں زلزلہ آگیا فرعون اس قصر سے نکل کر دوسرے قصر میں پہنچا، دوسرا قصر بھی ہلنے لگا تو تیسرے قصر میں منتقل ہو گیا یہاں بھی زلزلہ آیا تو سارہؑ نے کہا یہ زلزلہ ابراہیمؑ کی وجہ سے ہے۔ فرعون نے حضرت ابراہیمؑ کو ان کی بی بی واپس کر دی، ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جونہی فرعون نے سارہؑ کی طرف ہاتھ بڑھایا اس کا ہاتھ شل ہو گیا، فرعون نے سارہؑ سے فریاد کی اور آپ سے دعا کا خواستگار ہوا حضرت سارہؑ نے دعا کی ہاتھ دوبارہ ٹھیک ہو گیا۔ فرعون نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا تو پھر اس کا ہاتھ شل ہو گیا، اس نے پھر دعا کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ حضرت سارہؑ نے دعا کی اور ہاتھ ٹھیک ہو گیا لیکن اس نے تیسری بار پھر ہاتھ بڑھایا اور پھر ہاتھ سن ہو گیا آخر اس نے تعرض نہ کرنے کی قسم کھائی اور عہد کیا کہ اگر اب کی مرتبہ ہاتھ ٹھیک ہو گیا تو کبھی ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ حضرت سارہؑ کی دعا سے پھر اس کا ہاتھ صحیح ہو گیا۔

امام احمد نے مسند میں نیز بخاری اور مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک روز حضرت ابراہیمؑ سارہؑ کو لئے ایک ظالم بادشاہ کی طرف سے گزرے، اس ظالم کو اطلاع مل گئی تھی کہ یہاں ایک آدمی آیا ہے جس کے ساتھ نہایت حسین عورت ہے بادشاہ نے حضرت ابراہیمؑ کو بلوا کر دریافت کیا۔ تیرے ساتھ یہ کون عورت ہے ابراہیمؑ نے کہا یہ میری بہن ہے، بادشاہ کے پاس سے لوٹ کر جب آپ سارہؑ کے پاس آئے تو فرمایا سارہؑ روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے۔ اور اس شخص نے مجھ سے تمہارے متعلق دریافت کیا تھا میں نے اس کو بتا دیا کہ میری بہن ہے۔ تم میری تکذیب نہ کرنا۔ غرض بادشاہ نے حضرت سارہؑ کو بلوایا، آپ آگئیں تو وہ کچھ دست درازی کرنے چلا۔ فوراً پکڑا گیا تو حضرت سارہؑ سے دعا کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ میں تجھے آئندہ نہیں ستاؤں گا حضرت سارہؑ نے دعا کی اس کا ہاتھ کھل گیا بادشاہ نے پھر دست درازی کی اور پھر فوراً پکڑا گیا اور پہلے کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت گرفت ہو گئی، بادشاہ نے اپنے کسی ضرر نہ پہنچانے کا وعدہ کیا۔ حضرت سارہؑ نے دعا کی اور اس کا ہاتھ کھل گیا، بادشاہ نے اپنے کسی دربان کو طلب کیا اور کہا

تو میرے پاس انسان کو نہیں شیطان کو لے کر آیا ہے (جا اس کو آزاد کردے) اسی بادشاہ نے سارہؓ کو ہاجرہؓ خدمت کے لئے بھی دی۔ سارہؓ جب حضرت ابراہیمؑ کے پاس پہنچیں تو اس وقت آپ نماز میں مشغول تھے ہاتھ کے اشارہ سے نماز میں ہی دریافت کیا، کیا خبر ہے سارہؓ نے کہا اللہ نے اس بدکار کی چال اسی کے سینہ پر لوٹا کر ماردی اور اس نے میری خدمت کے لئے ہاجرہؓ بھی مجھے دی۔

مواہب لدنیہ میں ایک روایت آئی ہے کہ صادف کا ہاتھ بندھ گیا تو اس نے حضرت ابراہیمؑ سے فریاد کی اور حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے اس نے اس کا ہاتھ کھول دیا اور اس نے حضرت ابراہیمؑ کو ہاجرہؓ بطور ہدیہ دے دی جو حضرت اسمٰعیلؑ کی ماں ہوئیں۔ حضرت ہاجرہؓ بڑی امانت دار خازن (اسرار) اور حضرت ابراہیمؑ کی ہم نشین تھیں۔ بادشاہ نے دیتے وقت حضرت ابراہیمؑ یا حضرت سارہؓ کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا ھا اجرک یہ لو یہ تمہارا معاوضہ ہے اسی لئے حضرت ہاجرہؓ کا نام ہاجر ہو گیا (ہمزہ حذف کر کے جیم کے سکون کو کسرہ سے بدل دیا گیا)۔

حضرت ابراہیمؑ نے ہاجرہؓ، سارہؓ کو ہبہ کردی کیونکہ آپ حضرت سارہؓ کی خوشنودی مزاج کے خواہش مند تھے۔ حضرت اسماعیلؑ سے پہلے حضرت سارہ کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ اسی لئے آپ اپنے کو بانجھ خیال کرنے لگی تھیں۔ حضرت سارہؓ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا ہاجرہؓ قابل رغبت عورت ہے میں آپ کو یہ عورت ہبہ کرتی ہوں تاکہ اس سے آپ کے کوئی اولاد ہو جائے چنانچہ ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہو گئے۔

حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے بعد ہوئی آپ نے اللہ سے دعا کی تھی اور کہا تھا۔

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ اے میرے رب مجھے کوئی ایسا بچہ عنایت فرما جو نیکوں میں سے ہو۔

مقاتل کا بیان ہے ارض مقدس شام میں آنے کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کی دعا کی تھی۔

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ سو ہم نے ان کو ایک حلیم المزاج لڑکے کی بشارت دی۔ حلیمہ بردبار عقلمند۔ (قاموس) غلام حلیم سے مراد ہیں اسماعیل۔ یہی قول صحیح ہے حضرت ابن عمرؓ کا یہی قول ہے سعید بن مسیب، شعبی، حسن بصری، مجاہد ربیع بن انس، محمد بن کعب قرظی اور کلبی کے نزدیک یہی قول مختار ہے عطاء اور یوسف بن مالک کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ جس کی جگہ (نبی مینڈھے کی) قربانی کی گئی تھی وہ اسماعیلؑ ہی تھے۔ واقدی، ابن عساکر نے بطریق عامر بن سعید از سعید بیان کیا ہے کہ حضرت سارہؓ حضرت ابراہیمؑ کی بی بی تھیں۔ مدت تک آپ کے بطن سے حضرت ابراہیمؑ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ حضرت سارہؓ نے یہ دیکھ کر ایک قبطی باندی ہاجرہ حضرت ابراہیمؑ کو ہبہ کردی جن کے بطن سے اسمٰعیلؑ بن ابراہیمؑ پیدا ہوئے جس سے حضرت سارہ کو رشک پیدا ہوا۔ ہم نے یہ قصہ سورۂ ابراہیمؑ میں ذکر کردیا ہے۔ ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور ان کی والدہ کو لے کر مکہ پہنچے اس وقت اسمٰعیلؑ دودھ پیتے تھے کعبہ کے پاس پہنچ کر ماں بیٹے کو ٹھہرا لیا (کذا فی البخاری) بخاری کی یہ حدیث بھی ہم نے سورۂ ابراہیم میں نقل کردی ہے۔

یہودی اور عیسائی کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ کو جس لڑکے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ اسحٰق تھے لیکن یہ سراسر غلط ہے۔ بغوی نے محمد بن کعب قرظی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک یہودی عالم سے (جو بعد کو مسلمان اور اچھے مسلمان ہو گئے تھے) دریافت کیا ابراہیمؑ کے کس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا یہودی عالم نے کہا اسمٰعیلؑ کو پھر کہا امیر المومنین! یہودی اس بات کو جانتے ہیں لیکن اے قوم عرب یہودیوں کو اس بات میں حسد ہوتا ہے کہ وہ تمہارے باپ کو ذبیح اللہ مانیں اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ اسحاق تھے اسماعیلؑ کے ذبیح اللہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ مینڈھا جس کی قربانی کی گئی تھی اس کے دونوں سینگ کعبہ کے اندر آویختہ تھے جو اولاد اسماعیلؑ کے قبضہ میں تھے جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حجاج کی لڑائی میں کعبہ کو آگ لگ گئی تو وہ سینگ بھی جل گئے۔ سعید بن منصور اور بیہقی نے سنن میں

بنی سلیم کی ایک عورت کے حوالے سے طلحہؓ بن عثمان کا بیان نقل کیا ہے کہ اس مینڈھے کے دونوں سینگ کعبہ میں لٹکے ہوئے تھے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ شعبی نے کہا میں نے دونوں سینگ کعبہ سے وابستہ دیکھے تھے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے شروع اسلام میں مینڈھے کا سر مع سینگوں کے معلق تھا اور میزاب کعبہ خشک تھا۔ اصمعی کا بیان ہے میں نے ابو عمرو بن علاء سے پوچھا ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیلؑ تھے یا اسحاق! ابو عمرو نے کہا اصمعی تمہاری عقل کہاں چلی گئی اسحاق مکہ میں کب تھے۔ اسماعیلؑ نے ہی تو اپنے باپ کے ساتھ مل کر کعبہ بنایا تھا۔

بغوی نے لکھا ہے رسول اللہ ﷺ سے دونوں قول مروی ہیں میں کہتا ہوں بغوی کے اس قول سے در پردہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ دونوں میں سے کسی قول کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف صحیح نہیں کیونکہ اگر ایک قول کا ثبوت رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے مل جائے تو دوسرا قول لامحالہ غیر معتبر ہو جائے گا (اور جب دونوں قول مروی اور رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہیں تو معلوم ہوا کہ کسی کی روایت بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی)۔

بغوی نے لکھا ہے کہ صحابہؓ میں سے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور تابعین اور تبع تابعین میں سے کعب احبار، سعید بن جبیر، قتادہؒ، مسروق، عکرمہ، عطا، مقاتل، زہری اور سدی کا قول ہے کہ ذبیح اللہ اسحاق تھے۔ عکرمہ اور سعید بن جبیر کی روایت سے بھی ابن عباسؓ کا یہی قول آیا ہے سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ ملک شام میں حضرت ابراہیم اسحاق کو ذبح کرنے کا خواب دکھایا گیا تھا، آپ اسحاق کو ساتھ لے کر مکہ کی طرف چل دیئے اور ایک مہینے کی مسافت صبح سے دوپہر تک طے کر کے قربان گاہ منیٰ میں پہنچ گئے۔ پھر جب اللہ نے آپ کو بجائے اسحاق کے مینڈھا ذبح کرنے کا حکم دے دیا اور آپ نے مینڈھا ذبح کر دیا تو دوپہر سے شام تک ایک ماہ کی راہ آدھے دن میں چل کر شام میں پہنچ گئے، آپ کے لئے اللہ نے وادیوں اور پہاڑوں کو لپیٹ دیا۔ جن لوگوں نے حضرت اسحاق کو ذبیح اللہ مانا ہے شاید انہوں نے یہودی روایات پر اعتماد کیا ہے۔ (ورنہ حقیقت میں تو اسماعیلؑ ذبیح اللہ تھے)

اسماعیلؑ کا ذبیح اللہ ہونا مندرجہ ذیل امور سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

(۱) بالاجماع ثابت ہے کہ شام کو ہجرت کرنے کے بعد حضرت ابراہیمؑ کا اول ترین ولد اسمٰعیلؑ ہی تھے۔

(۲) اللہ نے اپنے بیان فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ کا عطف آیت اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ پر ف کے ساتھ کیا ہے اور عطف کے لئے ف کا استعمال بتاتا ہے کہ بعد کی چیز اول چیز سے بعد تو ہوئی لیکن اول اور بعد کے درمیان کوئی مدت نہیں ہوئی اور چونکہ حضرت اسحاق کی پیدائش ہجرت سے بہت سالوں بعد ہوئی اس لئے حضرت اسحاق ذبیح اللہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ جس کی پیدائش کی بشارت دی گئی تھی اسی کو ذبح کرنے کا حکم بھی دیا گیا تھا اور پیدائش سے پہلے حکم ذبح کا کوئی معنی نہیں۔

(۳) آگے حضرت اسحاق کی پیدائش کی بشارت کا ذکر آ رہا ہے۔ جس کا عطف غلام حلیم کی بشارت پر کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غلام حلیم (جس کو آئندہ ذبح کرنے کا حکم دیا گیا) اسحاق کے علاوہ کوئی اور لڑکا ہے (کیونکہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ہونی ضروری ہے)۔

ایک شبہ: حضرت اسحاقؑ کی بشارت دو مرتبہ دی گئی ایک بار ان کی پیدائش کی اور دوسری بار ان کی نبوت کی۔ غلام حلیم کی پیدائش کی بشارت پر بشارت نبوت اسحاق کا عطف کیا گیا ہے۔ ولادت اسحاق کی بشارت کا عطف نہیں کیا گیا۔

ازالہ: یہ شبہ بے بنیاد اور ظاہر آیت کے خلاف ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ یعنی ہم نے ابراہیمؑ کو نفس اسحاق کی پیدائش کی بشارت دی اور کہہ دیا کہ ان کی نبوت اور صلاح کا فیصلہ کر دیا گیا ہے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے اسحاق کی نبوت کی بشارت دی (یعنی بشارت میں دونوں باتوں کا ذکر کیا گیا ہے اسحاق کی پیدائش اور ان کی نبوت کا تنہا ان کی نبوت کا ذکر نہیں ہے)۔

(۴) سارہؓ کو جب اسحاق کے آئندہ پیدا ہونے کی اور ان کے بیٹے یعقوبؑ کی پیدائش کی بھی قبل از وقوع بشارت دی گئی جس کے متعلق فرمایا فَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ - تو اس صورت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ یعقوبؑ کی پیدائش سے پہلے اسحاق کے محض مراہق ہونے کی حالت میں ان کو ذبح کر ڈالنے کا حکم دیا گیا ہو۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ پھر وہ لڑکا جب ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیمؑ کے ساتھ چلنے پھرنے لگا۔

اس جملہ کا عطف محذوف جملہ پر ہے پورا کلام اس طرح تھا کہ بشارت کے بعد ابراہیمؑ کا لڑکا پیدا ہو گیا پھر اتنی عمر کو بھی پہنچ گیا کہ کام کاج میں ابراہیمؑ کا ہاتھ بٹا سکے۔

سعی سے مراد عملی کوشش۔ کلبی نے کہا سعی سے مراد ہے اللہ کے لئے کچھ کام کرنا۔ قتادہ نے کہا سعی سے مراد یہ ہے کہ ابراہیمؑ کے ساتھ وہ پہاڑ تک دوڑنے کے قابل ہو گیا۔ مجاہد نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ سعی کو پہنچنے سے مراد ہے جوان ہو جانا اور حضرت ابراہیمؑ کی طرح عملی سعی کرنا۔ بعض اقوال میں آیا ہے کہ ۱۳ سال کی عمر مراد ہے بعض نے سات سال کی صراحت کی ہے۔

قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ ابراہیمؑ نے کہا میرے پیارے بیٹے میں خواب میں دیکھ رہا تھا کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ ممکن ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا ہو کہ میں بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایسا خواب دیکھا ہو جس کی تعبیر ہو بیٹے کو ذبح کرنا۔

محمد بن اسحٰق نے بیان کیا جب حضرت ابراہیمؑ ہاجرہ اور اسماعیلؑ کے پاس جانا چاہتے تھے تو براق پر سوار ہو کر صبح کو شام سے روانہ ہوتے اور دوپہر کو مکہ میں پہنچ کر قیلولہ کرتے پھر جب مکہ سے واپس آتے تو دوپہر کے بعد چل کر شام کو شام میں پہنچ جاتے اور یہیں رات گزارتے تھے۔ جب اسماعیلؑ بڑے ہو گئے اور حضرت ابراہیمؑ کی جو آرزو حضرت اسماعیلؑ سے وابستہ تھی کہ اپنے رب کی عبادت اور حرمات الٰہیہ کی تعظیم کریں گے اس کے پورا ہونے کی امید ہو گئی تو خواب میں آپ کو حکم دیا گیا کہ اسماعیلؑ کو ذبح کر دو اس حکم کی صورت یہ ہوئی کہ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کی شب میں آپ نے خواب میں دیکھا کہ اللہ نے اسماعیلؑ کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے صبح کو اٹھے تو سوچ میں پڑ گئے (کہ کیا یہ حکم خداوندی تھا) صبح سے شام تک اسی سوچ میں رہے کہ یہ خواب رحمانی ہے یا شیطانی اسی لئے ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو یوم الترویہ (سوچ کا دن) کہا جاتا ہے جب شام ہو گئی اور آپ سو گئے تو دوسری بار بھی آپ نے وہی پہلا خواب دیکھا جب صبح کو اٹھے تو پہچان گئے کہ یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے اسی لئے اس نویں تاریخ کو عرفہ (پہچاننے کا دن) کہا جاتا ہے۔ کذا اخرج البیہقی فی شعب الایمان من طریق الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس، محمد بن اسحاق وغیرہ کا بیان ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ نے اسماعیلؑ سے فرمایا رسی اور چھری لے لو ہم اس گھاٹی میں لکڑیاں جمع کرنے جا رہے ہیں جب کوہ ثبیر کی گھاٹی میں پہنچے اور تنہائی ہوئی تو آپ نے اسماعیلؑ کو اس حکم کی اطلاع دی جو آپ کو ملا تھا۔

مقاتل کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے پیہم تین رات یہی خواب دیکھا آخر جب آپ کو یقین ہو گیا (کہ یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے) تو بیٹے کو اطلاع دی اور فرمایا اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ سدی کا قول ہے کہ جب ابراہیمؑ نے دعا کی اور عرض کیا رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ تو ان کو آئندہ بیٹا عطا ہونے کی بشارت دی گئی بشارت پاتے ہی آپ نے (نذر مانی اور) فرمایا تو وہ اللہ کے لئے قربان کیا جائے گا۔ جب اسماعیلؑ پیدا ہو گئے اور بڑھ گئے تو اللہ کی طرف سے ان سے کہا گیا کہ اپنی نذر پوری کرو بیٹے کو ذبح کرنے کے حکم کا یہی سبب تھا۔ سدی کا یہ قول مفہوم امتحان کے خلاف ہے (حقیقت میں اللہ نے ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی جانچ کی تھی یہ ایفاء وعدہ کی طلب نہ تھی)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اسماعیلؑ سے کہا چلو اللہ کے لئے قربانی کریں گے، اسماعیلؑ رسی اور چھری لے کر حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ چل دیئے ابراہیمؑ ان کو پہاڑوں میں لے گئے، پہاڑوں میں پہنچ کر بیٹے نے پوچھا ابا جان آپ کی

قربانی کا جانور کہاں ہے۔ حضرت ابراہیمؑ میرے پیارے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے اللہ کی راہ میں قربان کر رہا ہوں۔

فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ سو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے۔

یعنی تیری رائے کیا ہے۔ لفظ تری رائے سے ماخوذ ہے رویت سے ماخوذ نہیں ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے سے اس کی رائے اس لئے دریافت کی کہ آپ کو بیٹے کے صبر اور اطاعت امر اللہ پر عزیمت کا امتحان لینا تھا۔

قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ز اسماعیلؑ نے کہا باپ جو حکم آپ کو ملا ہے اس کی تعمیل کیجئے۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ انبیاء کا خواب بھی وحی من اللہ ہوتا ہے جس کی تعمیل واجب ہے۔ عبد بن حمید نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے۔ بخاری نے صحیح میں حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے اور مسلم نے حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اور امام احمد و ابن ماجہ نے ابو رزین کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعودؓ کی مرفوع روایت سے بیان کیا ہے کہ نیک خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

سَتَجِدُنِیۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ انشاء اللہ آپ (ذبح ہونے پر) ضرور صابر پائیں گے۔

فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا غرض دونوں نے خدا کے حکم کو تسلیم کر لیا۔

یعنی دونوں نے اللہ کے حکم کو مان لیا اور امر خداوندی کے سامنے جھک گئے۔ قتادہ نے کہا اسلم کا معنی ہے سپرد کر دیا یعنی ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو اور اسماعیلؑ نے اپنی جان کو سپرد کر دیا۔

وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾ اور باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے کروٹ پر لٹایا۔

اور ابراہیمؑ نے اسماعیلؑ کو زمین پر پچھاڑ دیا (یعنی لٹا دیا) پیشانی کے بل۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس کا یہ مطلب بیان کیا کہ کروٹ سے لٹا دیا، پیشانی دونوں پہلوؤں کے درمیان رہی۔ یہ واقعہ منیٰ میں جمرہ کے پاس ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی نسبت عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے کی ہے۔ بغوی نے عطاء بن سائب کی روایت سے کسی قریشی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ واقعہ اسی قربان گاہ میں ہوا جو آج بھی قربان گاہ ہے۔

بغوی نے لکھا ہے اہل روایت کا بیان ہے کہ اسمٰعیلؑ نے باپ سے کہا ابا میرے بندھن کس کر باندھنا تاکہ میں تڑپ نہ سکوں اور اپنے کپڑے میری طرف سے سمیٹے رکھنا تاکہ میرا خون اچھل کر آپ کے کپڑوں پر نہ پڑ جائے اور میرے اجر میں کمی آجائے اور اس خون کو دیکھ کر میری ماں رنجیدہ ہو جائے اور چھری کو تیز کر لینا اور میرے حلق پر تیزی سے چلا دینا تاکہ میرے لئے دشواری نہ ہو کیونکہ موت سخت چیز ہے اور آپ جب میری ماں کے پاس جائیں تو ان کو میرا سلام کہنا اور اگر آپ میرا کرتہ میری ماں کے پاس واپس لے جانا چاہتے ہوں تو لے جائیں اس سے ان کو بڑی تسلی ہو گی۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا میرے پیارے بیٹے اللہ کے حکم کی تعمیل کے لئے تو میرا بہت اچھا مددگار ہے پھر بیٹے نے جو کچھ کہا تھا باپ نے ویسا ہی کیا اول بیٹے کو پیار کیا پھر باندھ دیا اور رونے لگے، پھر اسماعیلؑ کے حلق پر چھری رکھ دی لیکن چھری سے حلق پر نشان بھی نہ پڑا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حلق پر چھری تیزی سے چلانے لگے لیکن چھری کچھ کاٹ نہ سکی، آپ نے چھری کو دو تین بار پتھر سے تیز کیا لیکن چھری کچھ بھی نہیں کاٹ سکی۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سدی کے حوالہ سے بیان کیا کہ حضرت ابراہیمؑ نے قوت کے ساتھ کئی بار اسماعیلؑ کے حلق پر چھری چلائی لیکن چھری نے کچھ بھی نہیں کاٹا اسمٰعیلؑ کے حلق پر اللہ نے تانبے کی تختی لگا دی (جس پر چھری کا کوئی اثر ہی نہیں ہوا) اہل روایت نے بیان کیا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ نے حضرت ابراہیمؑ سے اس وقت کہا باپ مجھے پٹ کر دو۔ آپ کی نظر میرے چہرہ پر پڑے گی تو آپ کو پیار آجائے گا اور آپ کے دل میں رقت پیدا ہو جائے گی جو حکم کی تعمیل میں رکاوٹ پیدا کر دے گی اور چھری پر میری نظر پڑے گی تو بیتابی اور بے قراری میرے اندر پیدا ہو جائے گی۔ حضرت ابراہیمؑ نے ایسا ہی کیا اور

جب گردن پر چھری رکھی تو چھری کی دھار الٹ گئی۔

عبد بن حمید، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اور عبد بن حمید ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے مجاہد کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو منہ کے بل لٹایا تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کعب احبار کا قول اور محمد بن اسحاق نے اپنے رواۃ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا تو شیطان نے کہا اگر میں اس وقت ابراہیمؑ کے گھر والوں کو نہ بہکا سکا تو پھر کبھی ان کی اولاد میں سے کسی کو نہ بہکا سکوں گا۔ یہ ارادہ کر کے وہ مرد کی شکل میں لڑکے کی ماں حضرت ہاجرہؓ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کیا تم کو معلوم ہے کہ ابراہیمؑ تمہارے بیٹے کو کہاں لے گئے ہیں ماں نے کہا دونوں اس گھاٹی سے لکڑیاں لینے گئے ہیں۔ شیطان نے کہا نہیں خدا کی قسم ایسا نہیں ہے بلکہ ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے لے گئے ہیں۔ ماں نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا وہ تو بیٹے سے بہت پیار کرتے ہیں اور ان کے دل میں بیٹے کی بڑی محبت ہے۔ شیطان نے کہا وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے ماں نے کہا کہ اگر ان کے رب نے یہ حکم دیا ہے تو حکم رب کی اطاعت کرنی ہی بہتر ہے شیطان یہاں سے مایوس ہو کر بیٹے کے پاس پہنچا بیٹا اس وقت باپ کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا شیطان نے اس سے کہا لڑکے کیا تم جانتے ہو کہ تمہارا باپ تم کو کہاں لے کر جا رہا ہے لڑکے نے کہا ہم گھر کے لئے ایندھن کی لکڑیاں اس گھاٹی سے لینے جا رہے ہیں شیطان نے کہا نہیں خدا کی قسم اس کا مقصد یہ نہیں بلکہ وہ تم کو ذبح کرنا چاہتا ہے لڑکے نے کہا کیوں۔ شیطان نے کہا اس کا خیال ہے کہ اس کے رب نے اس کو اس بات کا حکم دیا ہے لڑکے نے کہا ایسا ہے تو اس کو اپنے رب کے حکم کی اطاعت بسرو چشم کرنی ضروری ہے (میں بھی اس پر راضی ہوں)

جب لڑکے نے شیطان کا مشورہ نہ مانا تو شیطان نے ابراہیمؑ کی طرف رخ کیا اور کہنے لگا شیخ کہاں کا ارادہ ہے حضرت ابراہیمؑ نے کہا میں ایک کام سے اس گھاٹی میں جانا چاہتا ہوں شیطان بولا خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ شیطان نے خواب میں آ کر تم کو اپنے لڑکے کے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے حضرت ابراہیمؑ اس وقت پہچانے کہ یہ شیطان ہے بولے دشمن خدا میرے پاس سے ہٹ جا میں ضرور ضرور اپنے رب کے حکم پر عمل کروں گا، شیطان غضب ناک ہو کر لوٹ گیا اور ابراہیمؑ اور ان کے گھر والوں کے معاملہ میں کچھ بھی کامیاب نہ ہو سکا اللہ نے ان سب کو شیطان سے محفوظ رکھا۔

ابو الطفیل نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے کے ذبح کر دینے کا حکم دیا گیا تو اس مشعر پر شیطان روکنے کے لئے آپ کے سامنے آ گیا لیکن آپ آگے نکل چکے تھے، پھر آپ جمرہ عقبہ پر پہنچے وہاں بھی شیطان سامنے آ گیا آپ نے اس کے سات پتھریاں ماریں، شیطان چلا گیا۔ پھر آپ جمرہ وسطے پر پہنچے وہاں بھی شیطان آگے آ گیا آپ نے اس کے سات کنکریاں ماریں شیطان چلا گیا اور پھر جمرۂ کبریٰ کے پاس ابراہیمؑ نے شیطان کو پایا، یہاں بھی آپ نے اس کے سات سنگ ریزے مارے اور شیطان چلا گیا اس کے بعد آپ اللہ کے حکم کی تعمیل کے لئے چل دیئے۔

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۝ اس وقت ہم نے ان کو آواز دی اے ابراہیمؑ۔

بغوی نے لکھا ہے اس جملہ میں واؤ زائد ہے اور یہ کلام فلما اسلما کا جواب جزاء ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے لما اسلما کی جزاء محذوف ہے کلام محذوف اس طرح تھا کہ جو کچھ واقعہ ہونا تھا وہ ہو گیا تو دونوں کی خوشی ناقابل بیان ہوئی کوئی حالت یا مقامی وضاحت اس کا اظہار نہیں کر سکتی، آئی ہوئی مصیبت کو اللہ نے دور کر دیا اور باپ بیٹے کو وہ توفیق عنایت کی جو کسی اور کو عنایت نہیں کی سارے جہان پر ان کو برتری عطا فرمائی اور ثواب آخرت جو ان کے لئے مقرر فرمایا اس کا اظہار ہی نہیں ہو سکتا ان تمام نعمتوں پر دونوں نے اپنے رب کا شکر ادا کیا۔

میں کہتا ہوں یہ بھی ممکن ہے کہ واؤ عطف کے لئے ہو اور لما اسلما کے محذوف جواب پر اس کا عطف ہو یعنی جب بیٹے اور باپ نے حکم الٰہی کے سامنے سر جھکا دیا اور اسماعیلؑ کو بچا لیا اور ابراہیمؑ کو ندا دی کہ

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔

یعنی تمہارے اختیار میں جو کچھ تھا وہ تم نے پورا کر دیا کسی کام پر مامور کرنے کا مقصد صرف آزمائش اور اس امر کا امتحان کہ بقدر اختیار بندہ حکم کی تعمیل کرتا ہے یا نہیں امر کی اس کے سوا کوئی غرض نہیں ہوتی۔ ابراہیمؑ نے امر ذبح کی پوری تعمیل کی اور اپنی دانست میں ذبح کر ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن اللہ نے اسماعیلؑ کو بچا لیا یہ کام اللہ کا تھا۔ مترجم۔

بعض اقوال میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے خواب صرف یہ دیکھا تھا کہ میں بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں خون بہاتے نہیں دیکھا تھا پس جو کچھ خواب میں دیکھا تھا بیداری میں اس کو پورا کر دیا اس مطلب پر تصدیق رویا کا حقیقی مفہوم مراد ہو گا اور اول مطلب پر مجازی معنی مراد ہو گا۔

سوال: اگر بیٹے کو ذبح کر دینا ابراہیمؑ پر واجب نہ تھا بلکہ فعل ذبح کا ارتکاب اور اسباب ذبح کی فراہمی ان پر واجب تھی تو پھر فدینہ (ہم نے ان کے بدلہ میں دے دیا) کا کیا معنی، فدیہ تو واجب کے عوض ہوتا ہے۔

جواب: فعل ذبح کا ارتکاب اصل واجب تھا لیکن فعل ذبح کرنے کے بعد ذبح ہو جانا عام طور پر لازم ہوتا ہے اس لئے ذبح کر ڈالنے کا وجوب دلالت التزامی کے طور پر ہو گیا پس دلالت التزامی کے طور پر جو امر واجب تھا اس کی تکمیل نہ ہونے پر اس کے بدل کو فدیہ کہہ دیا گیا۔

نوٹ: آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ واجب التزامی کے ادا پر قدرت حاصل ہونے سے پہلے ہی حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱۰﴾　　ہم نیکیاں کرنے والوں کو ایسا ہی اچھا بدلہ دیتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ کی نیکی کو تکلیف و مصیبت دور کرنے کا سبب قرار دیا۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ابراہیمؑ کو ہم نے جزا دی، ثواب عظیم ذبح کا عطا کیا اور ذبح اسماعیلؑ سے درگذر کی اسماعیلؑ کو بچا لیا اور سارے جہان پر ان کو برتری عنایت کی۔ اسی طرح عام طور پر ہم تمام نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ﴿۱۰۶﴾　　بیٹے کو ذبح کر دینے کا یہ حکم بلاشبہ کھلا ہوا امتحان تھا۔

اس سے مخلص اور غیر مخلص کی جانچ ہو جاتی تھی یا (بلاء کا معنی ہے) تکلیف اور کھلی ہوئی سختی تھی اس سے زیادہ سخت حکم اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک بلاء سے مراد ہے نعمت یعنی بیٹے کی جگہ مینڈھے کو ذبح کر دینے کا حکم اللہ کا بڑا انعام تھا۔

وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ﴿۱۰۷﴾　　اور ہم نے ایک بڑا ذبیح اس کے عوض دے دیا۔

روایت میں آیا ہے کہ جب ابراہیمؑ نے ایک آواز سنی تو نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اوپر جبرئیلؑ نظر آئے جن کے ساتھ ایک سینگوں والا مینڈھا تھا جبرئیلؑ نے کہا یہ آپ کے بیٹے کا فدیہ ہے اس کی قربانی کر دیجئے، اس کے بعد جبرئیلؑ نے تکبیر کہی اور مینڈھے نے بھی تکبیر کہی اور ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے نے بھی تکبیر کہی پھر منیٰ کی قربان گاہ میں جا کر مینڈھے کو ذبح کر دیا۔ بجائے بیٹے کے فدیہ پیش کرنے والے تو حقیقت میں ابراہیمؑ تھے لیکن قربانی کا جانور اللہ کا عطا کردہ تھا اور اللہ ہی نے جانور کو بجائے اسمٰعیلؑ کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا اس لئے فدینہ میں فعل فدیہ کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی۔

عظیم سے مراد ہے عظیم الجثہ۔ موٹا۔ یا ثواب کے لحاظ سے عظیم المرتبت حسین بن فضل نے کہا عظیم ہونے کی یہ وجہ تھی کہ وہ اللہ کی طرف سے تھا۔ سعید بن جبیر نے کہا اس کو عظیم ہونے کا حق تھا۔ مجاہد نے کہا اس کو عظیم اس لئے فرمایا کہ اس کو قبول فرمایا گیا بغوی نے لکھا ہے اکثر مفسرین کا بیان ہے کہ وہ مینڈھا جنت کے اندر چالیس خریف (یعنی موسم بہار) رہا تھا (یعنی چالیس بہار کے موسموں میں جنت کا سبزہ چر کر موٹا ہوا تھا) ابن ابی شیبہ ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم کی روایات میں بھی آیا ہے۔ سعید بن جبیرؓ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جس مینڈھے کی اسماعیلؑ کی جگہ ابراہیمؑ نے قربانی پیش کی تھی وہ وہی مینڈھا تھا جس کی آدمؑ کے بیٹے ہابیلؑ نے قربانی پیش کی تھی اس آیت سے حنیفہ نے استدلال کیا ہے کہ جس شخص

نے اپنے بیٹے کے قربان کرنے کی نذر مانی ہو اس پر ایک بکری کی قربانی لازم ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے حنفیہ کے قول کی آیت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

حضرت مفسرؒ نے کہا میں کہتا ہوں کہ سورۂ حج کی آیت وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ کی تفسیر میں اس مسئلہ کی وضاحت کر دی ہے = قیاس کا تقاضا ہے کہ مسئلہ زیر بحث میں کچھ بھی واجب نہ ہو نہ بیٹے کو قربان کرنا نہ بکری کو کیونکہ یہ گناہ کی منت ہے۔ امام ابو یوسف کا یہی قول ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ نے خلاف قیاس استحسان کی روشنی میں بیان کیا ہے کہ بکری کی قربانی لازم ہے کیونکہ جب حقیقت شرعاً واجب الترک ہو تو مجازی معنی متعین ہو جاتا ہے پس جب کسی نے بیٹے کو قربان کرنے کی نذر مانی تو ظاہر ہے بیٹے کی قربانی واجب الترک ہے اس لئے ہم کہیں گے کہ بیٹے کے قائم مقام بکری کی قربانی کرنے کا خود اپنے اوپر التزام کر لیا۔ بکری کی قربانی کی تعیین اس لئے ہو گئی کہ اللہ نے اسمٰعیلؑ کی جگہ مینڈھے کی قربانی کا حکم دے دیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے اسی پر فتویٰ دیا تھا۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿۱۰۸﴾ اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات ان کے لئے رہنے دی۔ ترکنا کا مفعول محذوف ہے یعنی ابراہیمؑ کا ذکر خیر اور تعریف رفتار کلام سے مفعول ذہن میں آجاتا ہے اس لئے ذکر کی ضرورت نہیں۔ الآخرین سے مراد ہیں اگلے زمانہ میں آنے والی قومیں۔

سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱۰﴾ کہ ابراہیمؑ پر سلام ہو ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔

کذلک نجزی سلامتی کی علت ہے یعنی ابراہیمؑ کے لئے سلامتی اس وجہ سے ہوئی کہ ہم نیکی کرنے والوں کو یوں ہی بدلہ دیتے ہیں)۔

کذلک سے پہلے اس جگہ لفظ انا (تاکید یہ تحقیقیہ) اس لئے ذکر نہیں کیا کہ (تکرار سے کوئی فائدہ نہ تھا) آیت سابقہ میں انا مذکور ہے۔ وہی کافی ہے (یعنی یہاں بھی وہی مراد ہے جو سابق آیت میں مراد تھی)۔

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۱﴾ بلاشبہ وہ ہمارے (خالص پختہ) ایمان والے بندوں میں سے تھا۔

وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۱۲﴾ اور ہم نے اسحاقؑ کی ان کو بشارت دی کہ نبی اور نیک بختوں میں سے ہوں گے۔

یعنی ہم نے ابراہیمؑ کو بشارت دی کہ ہم تم کو ایک لڑکا عنایت کریں گے جس کا نام اسحاق ہوگا اور جس کی نبوت کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔ اور جو صالحین میں سے ہوگا۔ نبوت کے بعد صالح ہونے کا ذکر کرنا اسحاق کی عظمت شان اور تعریف کو ظاہر کر رہا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ صلاح ہی نبوت کا ہدف اصلی ہے۔ نبوت سے تمام افکار و اعمال کی درستگی ہوتی ہے۔

وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ اور ہم نے ابراہیمؑ پر برکت نازل کی۔

یعنی دین و دنیا کی برکتیں ہم نے ابراہیمؑ پر جاری کر دیں یا یہ مطلب ہے کہ ابراہیمؑ کی اولاد میں ہم نے برکت عطا کی (آپ کی نسلی اولاد کی تعداد بہت بڑھادی)۔

وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ ۚ اور خصوصیت کے ساتھ اسحاقؑ کو بھی برکت عطا کی۔ آپ کی نسل میں ایک ہزار نبی پیدا ہوئے سب سے پہلے حضرت یعقوبؑ ہوئے اور سب سے آخر میں (آپ کی نسل سے) حضرت عیسیٰؑ ہوئے۔

وَمِن ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ ﴿۱۱۳﴾ اور دونوں کی نسل میں نیکوکار بھی ہوئے اور اپنے نفس پر کھلا ہوا ظلم کرنے والے بھی۔

محسن یعنی کچھ لوگ اچھے کردار کرنے والے یا ایمان و اطاعت اختیار کر کے اپنے نفس سے بھلائی کرنے والے ہوئے

اور کچھ لوگ کفر و معاصی کا ارتکاب کر کے اپنے نفس کے لئے ظالم ہو گئے۔

مبین یعنی ان کا ظلم کھلا ہوا ہے۔ آیت میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ ہدایت و گمراہی پر نسب اثر انداز نہیں ہوتا اور اولاد و نسل کے ظالم ہونے سے حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسحٰقؑ کا کچھ نقصان نہیں ہوا۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اور ہم نے موسیٰؑ و ہارونؑ پر احسان کیا یعنی نبوت اور دین و دنیا کی بہبودی عنایت کی۔

وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ اور ان دونوں کو اور ان کی قوم والوں کو ہم نے بڑی مصیبت سے نجات دی۔

قوم سے مراد ہیں بنی اسرائیل، اور کرب عظیم سے وہ تکلیفیں اور ایذائیں مراد ہیں جو فرعون ان کو دیا کرتا تھا۔ بعض کے نزدیک غرق ہونے سے محفوظ رکھنا مراد ہے۔

وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ اور ہم نے ان کی (یعنی موسیٰؑ اور ان کی قوم کی) مدد کی، آخر وہی فرعون اور اس کی قوم پر غالب آگئے۔

وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ اور ہم نے دونوں کو بالکل واضح کتاب (توریت) دی یعنی ایسی کتاب دی جس میں اللہ کے احکام و قوانین کھول کر بیان کر دیے تھے۔

وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ اور دونوں کو سیدھا راستہ دکھایا۔ یعنی ایسا راستہ دکھایا جو راہ گیر کو حق تک پہنچانے والا تھا۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ اور دونوں کا ذکر خیر ہم نے آئندہ قوموں میں قائم رکھا۔ موسیٰؑ اور ہارونؑ کے لئے سلامتی ہو، ہم نیکو کاروں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ دونوں بلاشبہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔

ان جملوں کی تشریح سطور بالا میں گزر چکی ہے۔

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اور یقیناً الیاسؑ پیغمبروں میں سے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا الیاسؑ، ادریسؑ ہی تھے (دونوں نام ایک ہی پیغمبر کے تھے) مصحف ابن مسعودؓ میں وَاِنَّ اِدْرِيْسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ لکھا ہوا تھا۔ عکرمہ کا قول بھی یہی ہے۔ باقی دوسرے علماء قائل ہیں کہ الیاسؑ، ادریسؑ کے علاوہ ایک اسرائیلی پیغمبر تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، الیاسؑ حضرت الیسعؑ کے چچا کے بیٹے تھے۔

محمد بن اسحاق نے حضرت الیاسؑ کا نسب اس طرح بیان کیا ہے الیاس بن بشیر بن فنحاص بن عیزار بن ہارون بن عمران۔

محمد بن اسحاق کا بیان ہے اصحاب روایت کہتے ہیں کہ جب الیاسؑ سے پہلے جو پیغمبر تھے ان کی وفات ہو گئی تو بنی اسرائیل میں نئی نئی بدعتیں بڑھ گئیں، شرک پھیل گیا، بت نصب کر دیے گئے، بتوں کی پوجا ہونے لگی، اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے الیاسؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ حضرت موسیٰؑ کے بعد انبیاء کی بعثت اس غرض سے ہوتی تھی کہ توریت کے بھولے ہوئے احکام کو از سر نو تازہ کر دیا جائے بنی اسرائیل ملک شام میں پھیلے ہوئے تھے اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت یوشع بن نون نے جو ملک شام فتح کیا تھا تو وہاں بنی اسرائیل کو بسا دیا تھا اور ان میں سے ایک سبط (خاندان) کو بعلبک اور اس کے اطراف میں آباد کر دیا تھا، انہیں میں سے الیاسؑ پیغمبر ہوئے۔ اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے الیاسؑ کو نبی بنا کر بھیجا، اس زمانے میں بعلبک کا بادشاہ اجب تھا۔ اجب نے بنی اسرائیل کو بت پرستی پر مجبور کیا کیونکہ وہ خود بت پرست تھا بعل نامی بت کی پوجا کرتا تھا۔ یہ بت دس ہاتھ لمبا تھا اور اس کے چار منہ تھے، حضرت الیاسؑ تنہا اللہ کی عبادت کی ان کو دعوت دیتے تھے لیکن آپ کی بات کوئی نہیں سنتا تھا، صرف بادشاہ کو بھی راہ راست دکھاتے اور اس کے احکام کی درستی کرتے رہتے تھے، بادشاہ کی ایک بیوی تھی جس کا نام ازبیل تھا، بادشاہ کا قاعدہ تھا کہ

جب کسی لڑائی پر یا اور کسی غرض سے ملک سے باہر جاتا تھا تو ازبیل کو اپنا جانشین بناجاتا تھا۔ عورت باہر نکل کر حکومت کرتی تھی اور انبیاء کی (بڑی دشمن اور) زبردست قتالہ تھی۔

کہا جاتا ہے کہ یحییٰ بن زکریا پیغمبر کو بھی اسی نے قتل کرلیا تھا، اس کا ایک پیش کار تھا جو دانشمند مرد مومن تھا، اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا اسی نے تین سو انبیاء کو جن کو قتل کرنے کا ازبیل نے ارادہ کرلیا تھا، اس قتالہ کے پنجے سے رہائی دلائی تھی اور جن انبیاء کو یہ قتالہ قتل کرچکی ان کو تو قتل کرچکی تھی (ان کا تو ذکر ہی نہیں) یہ عورت بجائے خود باعصمت بھی نہیں تھی۔ سات اسرائیلی پیغمبروں سے نکاح کرچکی تھی اور ہر ایک کو دھوکے سے اس نے قتل کردیا تھا، اس کی عمر بہت تھی، روایت میں آیا کہ اس کی ستر اولادیں ہوئیں۔

بادشاہ اجب کا ایک ہمسایہ بڑا مرد صالح تھا۔ جس کا نام مزدکی تھا اس کا ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا جس پر اس کا گزر بسر تھا اسی کی درستی اور اصلاح میں وہ مشغول رہتا تھا یہ باغیچہ شاہی قصر کے برابر تھا بادشاہ اور اس کی بیگم دونوں اس باغیچہ میں سیر تفریح کرتے وہاں کھاتے پیتے اور غسل کرتے تھے اجب اپنے ہمسایہ سے اچھا سلوک کرتا تھا لیکن اس کی بیوی ازبیل ہمسایہ سے جلتی تھی اور کسی حیلے بہانے سے اس کو قتل کردینا چاہتی تھی تاکہ باغیچہ چھین لے کیونکہ لوگوں میں باغیچہ کی بڑی شہرت تھی اور لوگ اس کی خوبصورتی کی بہت تعریف کرتے تھے اجب اپنی بیوی کو روکتا رہتا تھا اس لئے بی بی کو مقصد بر آری کا کوئی راستہ نہیں ملتا تھا ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ بادشاہ دور کے سفر پر چلا گیا اور طویل مدت تک اپنے ملک سے غیر حاضر رہا ازبیل نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور کچھ لوگوں کو حکماً اس امر پر آمادہ کرلیا کہ وہ مزدکی کے خلاف شہادت دیں اور یہ کہیں کہ مزدکی نے بادشاہ کو ہمارے سامنے گالی دی ہے اس زمانہ کا یہ قانون تھا کہ بادشاہ کو گالی دینے والے کی سزا قتل تھی ملکہ نے شہادت مرتب کرلی تو مزدکی کو طلب کیا اور اس سے کہا تو نے بادشاہ کو گالی دی ہے مجھے یہ اطلاع ملی ہے۔ مزدکی نے انکار کیا ملکہ نے گواہوں کو بلوایا گواہوں نے مزدکی کے خلاف جھوٹی شہادت دی۔ ملکہ نے مزدکی کو قتل کرنے کا حکم دے دیا اور اس کے باغیچے پر خود قبضہ کرلیا اس بندہ صالح کے ناحق ظلماً قتل کئے جانے پر وہ لوگ غضب خداوندی میں مبتلا ہوگئے۔ بادشاہ سفر سے واپس آیا تو ملکہ نے اس کو یہ خبر سنائی بادشاہ نے کہا تو نے اچھا نہیں کیا میرا خیال ہے کہ ہم آئندہ فلاح نہیں پائیں گے۔ ایک مدت سے وہ ہمارے پڑوس میں رہتا تھا اور ہم نے بھی اس کا پڑوس اچھی طرح نباہا تھا اور ہر طرح کی ایذا رسانی کو اس سے دور رکھا تھا کیونکہ اس کا حق ہم پر واجب تھا لیکن تو نے بدترین سلوک کے ساتھ اس کا کام تمام کردیا۔ عورت بولی مجھے تو آپ کی وجہ سے غصہ آیا اور آپ ہی کے فیصلہ کے موافق میں نے فیصلہ کیا، بادشاہ نے کہا کیا تیرے لئے برداشت کی گنجائش نہ تھی کہ اس کے حق ہمسائیگی کا لحاظ کرتی عورت نے کہا اب تو جو کچھ ہوگیا سو ہوگیا۔ اللہ نے حضرت الیاسؑ کو شاہ اجب اور اس کی قوم کے پاس یہ اطلاع دینے کے لئے بھیجا کہ اللہ کے ولی کو جب لوگوں نے ظلم سے قتل کردیا تو اس حرکت سے اللہ سخت ناراض ہوگیا اور اس نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ اگر بادشاہ اور اس کی ملکہ اپنی حرکت سے توبہ نہیں کریں گے اور باغیچہ مزدکی کے وارثوں کو لوٹا نہیں دیں گے تو اللہ ان کو تباہ کردے گا اور باغیچہ کے اندر ہی دونوں کی مردار لاشیں پھینک دے گا کہ ان کی ہڈیاں گوشت سے ننگی ہوجائیں گی۔

الیاسؑ نے نعسب الحکم یہ پیام پہنچادیا، بادشاہ یہ بات سن کر سخت غضب ناک ہوگیا اور کہنے لگا الیاسؑ تو جس بات کی مجھے دعوت دے رہا ہے۔ وہ غلط ہے فلاں فلاں بادشاہوں نے ہماری طرح بتوں کی پوجا کی اس کے باوجود وہ کھاتے رہے مزے اڑاتے رہے، حکومت کرتے رہے اور جس بات کو تو باطل (غلط اور بے حقیقت) قرار دے رہا ہے ان کو اس باطل پرستی سے کوئی دنیوی نقصان نہیں پہنچا اور ہم اپنے خیال میں ان سے برتر نہیں ہیں غرض بادشاہ نے حضرت الیاسؑ کو قتل کرنے اور دکھ پہنچانے کا ارادہ کرلیا۔ حضرت الیاسؑ کو جب بادشاہ کی شرارت کا احساس ہوگیا تو آپ اس کو چھوڑ کر چل دیئے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر کہیں سکونت پذیر ہوگئے۔ بادشاہ دوبارہ بعل کی پوجا کرنے لگا۔ الیاسؑ کسی بڑے اونچے دشوار گذار پہاڑ پر چڑھ گئے اور وہاں ایک غار میں داخل ہوگئے بعض روایات میں آیا ہے کہ سات برس آپ نے آوارگی خوف اور خانہ بدوشی کی حالت میں چھپتے چھپاتے زمین کی

گھاس اور درختوں کے پھل کھا کھا کر گزار دیے بادشاہ کے آدمی آپ کی تلاش میں رہے آپ کے پیچھے جاسوس بھی لگا دیے، لیکن اللہ نے آپ کو پوشیدہ رکھا۔

سات سال پورے ہو گئے تو اللہ نے آپ کو برآمد ہونے اور قوم سے انتقام لینے کی اجازت عطا فرمائی چنانچہ اجب کا سب سے پیارا بیٹا جو باپ کا بہت زیادہ ہم شکل تھا۔ بحکم خدا اتنا سخت بیمار ہو گیا کہ باپ کو اس کی طرف سے ناامیدی ہو گئی۔ اجب نے اپنے معبود بعل سے دعا کی (لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا) اجب اور اس کی رعایا سب بعل کی پرستش میں مبتلا تھے۔ اس کی تعظیم اس حد تک کرتے تھے کہ اس کی نگرانی اور خدمت کے لئے چار سو مجاور مقرر کر رکھے تھے جن کو وہ انبیاء کہتے تھے شیطان بعل کے پیٹ میں گھس کر بولتا تھا اور یہ خدام کان لگا کر اس کا کلام سنتے تھے۔ شیطان کوئی گمراہ کن قانون مجاوروں کے دلوں میں ڈال دیتا تھا اور مجاور وہ حکم لوگوں کو بتا دیتے تھے اسی لئے ان مجاوروں کو انبیاء کہا جاتا تھا۔

شاہزادے کی بیماری جب شدت پکڑ گئی تو اس نے مجاوروں سے درخواست کی کہ بعل سے اس کے بیٹے کی صحت کے لئے سفارش کریں۔ مجاوروں نے بعل سے دعا کی لیکن بعل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اللہ نے شیطان کو بت کے اندر گھسنے سے روک دیا اس لئے بت بول نہ سکا اور مجاور اس کے سامنے گڑگڑاتے رہے۔ جب مجاوروں کو زاری کرتے اور گڑگڑاتے زیادہ وقت ہو گیا (اور کوئی نتیجہ نہ نکلا یہاں تک کہ بت نے کوئی بات بھی نہ کی) تو لوگوں نے اجب سے کہا اطراف شام میں کچھ معبود اور ہیں آپ نے انبیاء کو ان کے پاس بھیجئے تاکہ وہ بعل سے سفارش کر دیں۔ بعل آپ سے سخت ناراض معلوم ہوتا ہے اگر ناراض نہ ہوتا تو جواب ضرور دیتا اور آپ کی دعا قبول کر لیتا اجب نے کہا بعل مجھ سے ناراض معلوم ہوتا ہے اگر ناراض نہ ہوتا تو جواب ضرور دیتا اور آپ کی دعا قبول کر لیتا اجب نے کہا بعل مجھ سے ناراض کیوں ہے میں تو اس کی پوجا کرتا اور اس کے حکم کو مانتا ہوں، لوگوں نے کہا، بعل کی ناراضگی کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اب تک الیاسؑ کو قتل نہیں کیا اس کے قتل کرنے میں آپ سے کوتاہی ہوئی کہ وہ صحیح سالم بچ کر چلا گیا اور وہ آپ کے معبود کا منکر ہے اجب نے کہا میں الیاسؑ کو کیسے قتل کر سکتا ہوں میں تو اپنے بیٹے کی بیماری میں لگا ہوا ہوں۔ میری یہ ہی مشغولیت الیاسؑ کی تلاش سے روک رہی ہے اور الیاسؑ کا مقام بھی مجھے معلوم نہیں کہ وہاں سے اس کو گرفتار کر لیا جائے میرا بیٹا اچھا ہو جائے تو الیاسؑ کو ڈھونڈھنے کی مجھے فراغت مل جائے گی، پھر میں اس کو کہیں پا کر قتل کر دوں گا اور اپنے معبود کو راضی کر لوں گا اس کے بعد اجب نے چار سو انبیاء کو ملک شام کے بتوں کے پاس یہ درخواست کرنے کے لئے بھیجا کہ وہ اجب کے معبود سے بیٹے کو تندرست کر دینے کی سفارش کر دیں۔ حسب الحکم انبیاء روانہ ہو گئے۔

جب یہ لوگ پہاڑ کے سامنے پہنچے جس میں الیاسؑ سکونت پذیر تھے تو اللہ نے الیاسؑ کے پاس وحی بھیجی کہ اب تم نیچے اتر کر ان کے سامنے جاؤ اور ان سے گفتگو کرو، ان سے کوئی خوف نہ کرو میں ان کی شرارت کو تمہاری طرف سے پھیر دوں گا (یہ تمہارا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے) اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈالوں گا۔

حسب الحکم الیاسؑ پہاڑ سے اتر آئے جب ان کے سامنے پہنچے تو ان کو ٹھیر جانے کا حکم دیا سب رک گئے۔ حضرت الیاسؑ نے فرمایا اللہ نے مجھے تمہارے پاس اور ان لوگوں کے پاس جن کو تم اپنے پیچھے چھوڑ کر آئے ہو ایک پیام دے کر بھیجا ہے لوگو! اپنے رب کا پیام خوب سن لو اور واپس جا کر اپنے آقا کو بھی پہنچا دو اور اس سے کہہ دو کہ اللہ فرماتا ہے۔

اے اجب کیا تو نہیں جانتا کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں میں ہی بنی اسرائیل کا خدا ہوں جس نے ان کو پیدا کیا اور رزق دیا ہے اور وہی ان کو زندگی عطا کرتا اور موت دیتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ تو دوسروں کو میرا شریک قرار دیتا اور میرے سوا ان سے اپنے بیٹے کی شفا مانگتا ہے۔ جن کے قبضے میں اگر میں نہ چاہوں تو کچھ بھی نہیں۔ میں اپنے نام کی قسم کھاتا ہوں کہ بیٹے کے سلسلے میں تجھے ضرور غضب میں مبتلا کروں گا اور ضرور ضرور اس پر موت کو مسلط کر دوں گا تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ میرے سوا کوئی بھی اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔

حضرت الیاسؑ کا یہ کلام سن کر مجاور خوف زدہ ہو گئے اور لوٹ پڑے اور بادشاہ کے پاس پہنچ کر اس کو بتلایا کہ الیاسؑ ہمارے

پاس اتر کر آیا تھا اور اس نے ہم کو ٹھہر جانے کا حکم دیا ہم ٹھہر گئے۔ ہمارے دلوں میں اس کا رعب بیٹھ گیا اور ہیبت چھا گئی ہماری زبانیں بند ہو گئیں ہم اتنی کثیر تعداد میں تھے لیکن اس سے بات بھی نہ کر سکے نہ اس کی بات کا جواب دے سکے وہ ایک دراز قامت دبلا پتلا آدمی تھا سر کے بال جھڑ گئے تھے بدن کی کھال کھردری ہو گئی تھی بالوں کا بنا ہوا ایک کرتہ اور جبہ پہنے ہوئے تھا کانٹوں سے اس نے کرتے کا گریبان سی لیا تھا۔ آخر ہم آپ کے پاس لوٹ آئے غرض حضرت الیاسؑ کی بات انہوں نے بادشاہ کو پہنچادی اس کے بعد الیاسؑ کے زندہ رہتے ہوئے اجب کو اپنی زندگی بے سود معلوم ہونے لگی۔ لیکن بغیر دھوکے اور فریب کے الیاسؑ تک اس کی دسترس بھی ممکن نہ تھی اس لئے اس نے ایک چال چلی اپنی قوم کے پچاس طاقتور قوی آدمی مقرر کئے اور ان کو ذمہ دار بنادیا اور حکم دے دیا کہ فریب سے کام لیں اور دھوکے میں ڈال کر الیاسؑ کو قتل کر دیں اور الیاسؑ کو جا کر لالچ دیں کہ ہم اور وہ لوگ جب کو ہم اپنے پیچھے چھوڑ کر آئے ہیں سب کے سب آپ پر ایمان لے آئے ہیں ایسی باتیں سن کر الیاسؑ کو اطمینان ہو جائے گا اور وہ دھوکا کھا جائیں گے اور اپنے آپ پر تم لوگوں کو قابو دے دیں گے تم ان کو لے کر بادشاہ کے پاس آجانا۔ حسب الحکم یہ لوگ روانہ ہو گئے اور جس پہاڑ میں الیاسؑ سکونت گزین تھے جب اس پر چڑھے تو منتشر ہو گئے اور انتہائی اونچی آواز سے الیاسؑ کو پکارنے لگا اور کہنے لگے اے اللہ کے نبی آپ ہم پر کرم کیجئے اور ہمارے سامنے آجائیے۔ ہم آپ پر ایمان لے آئے ہیں اور آپ کو سچا جانتے ہیں اور ہمارا بادشاہ اجب اور سارے لوگ بھی آپ پر ایمان لا چکے ہیں۔ تمام بنی اسرائیل آپ کو سلام کہتے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ آپ کا پیام ہم کو پہنچ گیا اور جو کچھ آپ نے فرمایا ہم نے اس کو جان لیا اور آپ پر ایمان لے آئے اور آپ کی دعوت کو قبول کر لیا اب آپ ہمارے پاس آجائیے اور ہمارے ساتھ قیام فرمائیے جو کچھ آپ ہم کو حکم دیں گے ہم اس کی اطاعت کریں گے اور جس بات سے روکیں گے اس سے باز رہیں گے اب جب کہ ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں اور آپ کے فرماں بردار ہو گئے ہیں تو آپ کے لئے ہم سے الگ رہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے ہمارے پاس واپس آجائیے۔

ان لوگوں کی یہ باتیں ایک دھوکہ تھیں، ایک فریب تھا۔ حضرت الیاسؑ کے دل میں ان کا کلام بیٹھ گیا۔ آپ کو ان کے مومن ہونے کا خیال بھی ہوا اور ایسی حالت میں برآمد ہونے سے اللہ کی ناراضگی کا اندیشہ بھی ہوا لیکن اللہ کی طرف سے ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ ابھی توقف کرنا چاہئے اور اللہ سے دعا کرنی چاہئے چنانچہ آپ نے دعا کی اور کہا اے اللہ اگر یہ لوگ اپنے قول میں سچے ہیں تو مجھے برآمد ہونے کی اجازت عطا فرما دے اور اگر یہ جھوٹے ہیں تو ان کو مجھ سے باز رکھ اور ان پر ایسی آگ برسا جو ان کو سوختہ کر دے، ابھی یہ لفظ پورے نہ ہونے پائے تھے کہ اوپر سے آگ برسنے لگی اور سب جل کر رہ گئے۔

اجب اور اس کی قوم کو جب یہ اطلاع ملی تب بھی اجب اپنے ارادہ شر سے باز نہیں آیا اور دوبارہ فریب سے کام لیا اور پہلی جماعت کی برابر ایک اور جماعت مقرر کی، جو پہلی جماعت سے زیادہ طاقتور بڑے حیلہ ساز اور چالاک تھی۔ حسب ہدایت یہ لوگ چل دیئے اور پہاڑیوں کی چوٹیوں پر پھیل گئے اور پکارنے لگے، اے اللہ کے نبی ہم اللہ کے غضب اور گرفت سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں وہ لوگ جو آپ کے پاس پہلے آئے تھے ہم ان کی طرح نہیں ہیں وہ تو منافق تھے ہمارے مشورے کے بغیر وہ آپ کو فریب دینے کے لئے آئے تھے اگر ہم کو ان کی حرکت کا علم ہو جاتا تو ہم ان کو قتل کر دیتے اور آپ کو تکلیف نہ اٹھانی پڑتی۔ اب اللہ نے ان کا کام تمام کر دیا، ان کو ہلاک کر دیا اور ہمارا اور آپ کا ان سے انتقام لے لیا۔ حضرت الیاسؑ نے ان کی باتیں سن کر سابق کی طرح اللہ سے دعا کی اللہ نے فوراً ان پر آگ کی بارش کر دی جس سے سب سوختہ ہو گئے۔

اس تمام کاروائی کے دوران شاہزادہ کی بیماری کی مصیبت شدید ہوتی رہی۔ بادشاہ نے جب دوسرے گروہ کے ہلاک ہو جانے کی خبر سنی تو اس کا غضب بالائے غضب ہو گیا اور خود الیاسؑ کی تلاش میں جانا چاہا لیکن بیٹے کی بیماری آڑے آئی اور خود نہ جا سکا۔

ایک شخص اجب کی بیوی کا میر منشی یا سکریٹری تھا اور در پردہ مومن تھا لیکن بادشاہ کو اس کا مومن ہونا معلوم تھا بادشاہ نے اس کو بھیجنے کی تجویز اس خیال سے کی کہ الیاسؑ اس سے مانوس ہے۔ اس کے ساتھ پہاڑ سے اتر کر آجائے گا اور چونکہ

سکریٹری کا مومن ہونا بادشاہ کو معلوم تھا اور یہ جاننے کے باوجود اس نے سکریٹری کی طرف سے چشم پوشی محض اس کی کار گزاری، امانت داری اور درستی رائے کی وجہ سے کر رکھی تھی، اس لئے اس نے سکریٹری پر یہی ظاہر کیا کہ میں الیاسؑ سے کوئی بدسلوک کرنا نہیں چاہتا، سکریٹری کے ساتھ اس نے کچھ آدمیوں کی ایک جماعت اور بھی کر دی تھی اور اس بات پر آمادہ کر دیا تھا کہ اگر الیاسؑ ساتھ آنا نہ چاہے تو گرفتار کر کے باندھ کے لے آئے اور اگر سکریٹری پر اعتماد کر کے ساتھ آجائے تو پھر خوف زدہ کرنے اور ڈرانے کی ضرورت نہیں۔ سکریٹری پر اس نے اپنی توبہ کا اظہار بھی کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ اب جب کہ میرے آدمی جل چکے اور میرا بیٹا سخت بیمار ہے اور یہ سب مصیبتیں مجھ پر آپڑی ہیں تو میں سمجھ گیا کہ یہ سب کچھ الیاسؑ کی بددعا کا نتیجہ ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ الیاسؑ ہم سب لوگوں کے لئے جو باقی رہ گئے ہیں بددعا کر دے گا تو ہم سب ہلاک ہو جائیں گے اس لئے تم الیاسؑ کے پاس چلے جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ ہم نے توبہ کر لی ہے اور اللہ کی طرف رجوع کر چکے ہیں اور ہماری یہ توبہ اور رضاء رب کی طلب اور ترک اصنام کا عمل اسی وقت صحیح ہوگا جب الیاسؑ ہمارے پاس موجود ہوں اوامر و نواہی صادر کریں اور رب کی خوشنودی حاصل کرنے کا راستہ بتائیں۔ بادشاہ نے اپنے ساتھیوں کو بھی ہدایت کر دی تھی اور اس کے حکم کے مطابق علیحدگی میں انہوں نے بھی سکریٹری کے سامنے اعتراف کر لیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ جن بتوں کی ہم پہلے پوجا کرتے تھے ان کی پوجا ہم نے چھوڑ دی ہے اور الیاسؑ کے اتر کر آنے تک ہم نے اس معاملہ کو ملتوی کر رکھا ہے تاکہ وہ آکر ان کو جلا دیں اور برباد کر دیں ان باتوں میں سے کسی بات میں خلوص نہ تھا بلکہ یہ سب کچھ بادشاہ کا فریب تھا۔

غرض سکریٹری اور اس کے ساتھ ایک جماعت سب روانہ ہو گئے اور حضرت الیاسؑ والے پہاڑ پر سکریٹری چڑھ گیا اور حضرت الیاسؑ کو پکارا آپ نے اس کی آواز پہچان لی دل میں اس سے ملنے کا شوق پہلے ہی تھا۔ آواز سن کر ملاقات کی ایک ہوک اٹھی فوراً اللہ کی طرف سے وحی بھی آگئی کہ باہر نکل آؤ اور اپنے صالح بھائی سے ملو اور اس سے دوستی کے عہد کی تجدید کر و وحی آتے ہی حضرت الیاسؑ سکریٹری کے سامنے آگئے سلام علیک کی اور مصافحہ کیا اور خبر دریافت کی مرد مومن نے کہا مجھے اس ظالم اور سرکش قوم نے آپ کے پاس بھیجا ہے اس کے بعد پوری سرگذشت بیان کر دی اور یہ بھی کہ کہ اگر آپ میرے ساتھ نہ ہوں گے اور میں تنہا واپس جاؤں گا تو مجھے خوف ہے کہ بادشاہ مجھے قتل کر دے گا اب جیسا چاہیں آپ مجھے حکم دیں میں اس کی تعمیل کروں گا اگر آپ چاہیں تو میں بادشاہ سے کٹ کر آپ کے پاس ہی رہنے لگوں اور اس کو بالکل چھوڑ دوں اور اگر آپ چاہیں تو آپ کے ہمرکاب رہ کر میں اس سے مقابلہ کروں اور اگر آپ کا ارادہ کچھ پیام دیکر مجھے اس کے پاس بھیجنے کا ہو تو میں آپ کا پیام بھی پہنچا دوں گا اور اگر آپ چاہیں تو اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمارے اس الجھے ہوئے معاملہ میں کشائش کا کوئی راستہ نکال دے۔

اللہ نے الیاسؑ کے پاس وحی بھیجی کہ جتنی حرکتیں کی ہیں سب فریب اور دھوکہ ہیں، وہ تمہارے اوپر قابو پانا چاہتے ہیں۔ بادشاہ اجب کو اگر اس کے بھیجے ہوئے نمائندے واپس جا کر خبر دے دیں گے کہ اس مرد مومن کی تم سے ملاقات ہو گئی ہے اور وہ تم کو اپنے ساتھ نہ لے جا سکا ہے تو وہ اس شخص پر تم سے مل جانے کی تہمت لگائے گا اور سمجھ لے گا کہ مردم مومن نے تمہارے معاملہ میں سستی سے کام لیا اس لئے اس کے قتل ہو جانے کا اندیشہ ہے تم اس کے ساتھ چلے جاؤ، میں تم دونوں کی طرف سے اجب کو روک دوں گا، اس کے بیٹے کی مصیبت دوگنی کر دوں گا تاکہ بیٹے کے سوا کسی اور چیز کی اہمیت ہی اس کی نظر میں نہ رہے پھر اسی بری حالت میں میں اس کے بیٹے پر موت کو مسلط کر دوں گا۔ جب وہ مر جائے تو اس وقت تو اس کے پاس سے لوٹ آنا۔

حضرت الیاسؑ یہ حکم ملنے کے بعد ان لوگوں کے ساتھ روانہ ہو گئے اور سب لوگ اجب کے پاس پہنچ گئے جوں ہی یہ لوگ پہنچے اللہ نے اجب کے بیٹے کی بیماری شدید کر دی یہاں تک کہ موت اس کے گلوگیر ہو گئی اس طرح اللہ نے اجب اور اس کے ساتھیوں کو الیاسؑ کی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی نہیں دیا اور الیاسؑ بخیریت واپس آگئے۔ جب اجب کا بیٹا مر گیا اور لوگ

اس کے مسئلہ سے فارغ ہو گئے اور غم میں بھی کچھ کمی آ گئی تو اس وقت الیاسؑ کے سلسلے میں ان کی آنکھیں کھلیں اور سکریٹری جو حضرت الیاسؑ کو لایا تھا اس سے الیاسؑ کے متعلق دریافت کیا۔ سکریٹری نے کہا مجھے الیاسؑ کا کوئی علم نہیں۔ مجھے شاہزادے کی موت اور اس کے غم نے فرصت ہی نہیں دی اور میرا خیال تھا کہ آپ نے الیاسؑ کے متعلق کچھ اعتماد کر لیا ہو گا اس جواب پر سکریٹری کی طرف سے اجب نے پہلو تہی کر لی کیونکہ گفتگو سے معلوم ہو گیا کہ سکریٹری کو شاہزادے کے مرنے کا سخت غم تھا۔ جب حضرت الیاسؑ کو پہاڑوں میں رہتے ہوئے ایک طویل مدّت گزر گئی اور ان کو دوسرے آدمیوں کے ساتھ رہنے کا شوق پیدا ہو گیا تو پہاڑ سے اتر کر چل دیے اور ایک اسرائیلی عورت کے گھر جا کر ٹھیرے، یہ عورت مچھلی والے حضرت یونسؑ بن متی کی ماں تھی اس عورت کے گھر آپ چھ ماہ چھپے رہے یونسؑ اس وقت شیر خوار بچہ تھے، یونسؑ کی ماں حضرت الیاسؑ کی خدمت خود کیا کرتی تھی اور اپنے مال سے ان کی مدد کرتی تھی۔ حضرت الیاسؑ تو پہاڑوں کی سکونت کے عادی ہو چکے تھے۔ یہاں گھروں کی تنگی میں رہنے سے اکتا گئے اور پہاڑ پر ہی چلا جانا آپ نے پسند کیا۔ آخر گھر سے نکل کر اپنی کوہستانی جگہ پر لوٹ آئے۔

حضرت الیاسؑ کی جدائی سے یونسؑ کی ماں بے تاب ہو گئی اور آپ کے نہ ہونے سے وحشت زدہ ہو گئی پھر کچھ ہی مدّت کے بعد جب اس نے اپنے یونسؑ کا دودھ چھڑایا تو یونسؑ کا انتقال ہو گیا اب تو یونسؑ کی ماں پر مصیبت عظیم آ پڑی اور الیاسؑ کو تلاش کرنے کے لئے گھر سے نکل کھڑی ہوئی اور برابر پہاڑوں پر چڑھتی اور گھومتی پھری آخر آپ کو اس نے پا لیا اور عرض کیا آپ کے آ جانے کے بعد میرے بچہ کے مرنے کی مجھ پر بپتا پڑ گئی جس کی وجہ سے میری مصیبت میں بڑا اضافہ ہو گیا اور اس کے نہ ہونے سے میں بڑی دکھی ہو گئی میرا اس کے سوا کوئی اور بچہ بھی نہیں ہے آپ مجھ پر رحم کیجئے اور اللہ سے دعا کر دیجئے کہ میرا بیٹا زندہ ہو جائے میں نے اس کو دفن نہیں کیا ہے اور یوں ہی کپڑے سے ڈھانک دیا ہے اور اس کی موجودگی کو چھپا رکھا ہے۔ حضرت الیاسؑ نے فرمایا مجھے تو اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے (یعنی مردے کو زندہ کرنے کی دعا کا حکم نہیں دیا گیا ہے اور میں تو بندہ ہوں وہی کرتا ہوں جس کا مجھے حکم دیا جاتا ہے۔ عورت یہ جواب سن کر بے قرار ہو گئی اور گڑگڑانے لگی۔ اللہ نے حضرت الیاسؑ کے دل کو عورت کی درخواست کی جانب مائل کر دیا پوچھا تیرا بیٹا کب مرا ہے، عورت نے کہا۔ سات روز ہوئے۔ حضرت الیاسؑ اس کے ساتھ چل کھڑے ہوئے اور سات روز چلنے کے بعد اس کے گھر پہنچے اور اس کے بیٹے کو ۱۴ روز کا مردہ پایا آپ نے وضو کیا نماز پڑھی اور دعا کی اللہ نے یونسؑ بن متی کو زندہ کر دیا یونسؑ زندہ ہو کر اٹھ بیٹھے جوں ہی یونسؑ اٹھ کر بیٹھے فوراً حضرت الیاسؑ اچھل کر اٹھے اور یونسؑ کو چھوڑ کر چل دیے اور اپنے مقام پر لوٹ گئے۔

جب قوم کی نافرمانی بہت طویل ہو گئی تو حضرت الیاسؑ ان کی نافرمانی سے بڑے تنگ دل ہو گئے اللہ نے سات سال کے بعد ان کے پاس وحی بھیجی آپ نزول وحی سے پہلے بڑے خوف زدہ تھے اللہ نے الیاسؑ کو ندا دی اور فرمایا الیاسؑ یہ غم اور بے تابی جس میں تو مبتلا ہے کیا ہے کیا تو میری وحی کا امین اور زمین پر میری برہان اور ساری مخلوق میں میرا انتخاب کردہ نہیں ہے جو کچھ چاہے مجھ سے مانگ لے میں تجھے عطا کر دوں گا۔ میں وسیع رحمت اور بڑے فضل والا ہوں حضرت الیاسؑ نے عرض کیا تو مجھے موت دے دے اور میرے اسلاف کے ساتھ مجھے ملا دے میں بنی اسرائیل سے تنگ آ گیا ہوں اور بنی اسرائیل مجھ سے تنگ دل ہو گئے ہیں اللہ نے الیاسؑ کے پاس وحی بھیجی اور فرمایا یہ وہ دن نہیں کہ میں زمین اور اہل زمین کو تجھ سے خالی کر دوں زمین کا قیام اور بہبودی تو تیری اور تجھ جیسے دوسرے لوگوں کی برکت کی وجہ سے ہے اگرچہ تم لوگ تھوڑے ہو مجھ سے کچھ اور سوال کر تیرا سوال پورا کر دوں گا حضرت الیاسؑ نے عرض کیا اگر تو موت نہیں دیتا تو بنی اسرائیل سے مجھے انتقام لینے کی قدرت عطا فرما دے اللہ نے فرمایا تو کیا چاہتا ہے۔ الیاسؑ نے عرض کیا سات سال تک بارش کے خزانے میرے قبضہ میں دے دے کہ میری دعا کے بغیر کوئی بدلی ان پر نہ پھیلے اور میری سفارش کے بغیر ایک بوند بارش کی ان پر نہ ہو اس کے بغیر یہ فرماں بردار نہ ہوں گے اللہ نے فرمایا الیاسؑ میں اپنی مخلوق پر بڑا رحیم ہوں اگرچہ وہ ظلم کرتے ہیں مگر میں ان پر مہربانی کرتا ہوں الیاسؑ نے عرض کیا تو چھ سال بارش روک دے اللہ نے فرمایا میں اپنی مخلوق پر اس سے زیادہ مہربان ہوں الیاسؑ نے عرض کیا۔ اچھا تو پانچ سال اللہ نے فرمایا یہ

مدت بھی میرے تقاضا اور رحم سے زائد ہے البتہ تین سال میں بارش روک کر ان کی نافرمانی کا بدلہ میں تجھے دے دوں گا۔ بارش کے خزانے تیرے قبضہ میں دے دوں گا۔ حضرت الیاسؑ نے کہا پھر میں کس طرح زندہ رہوں گا اللہ نے فرمایا میں پرندوں کی ایک جماعت تیری خدمت پر لگادوں گا۔ سبزہ زار اور شاداب زمین سے وہ تیرا کھانا پینا لا کر تجھے پہنچادے گا۔ اس کے بعد اللہ نے بارش روک دی نتیجہ میں جانور چوپائے اور زمین کے کیڑے مکوڑے مرگئے۔ درخت سوکھ گئے اور انسان سخت ترین مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ الیاسؑ اس مدت میں حسب سابق اپنی قوم سے چھپے رہے جہاں بھی ہوتے ان کا رزق وہاں رکھ دیا جاتا تھا قوم والوں کو بھی اس کا احساس ہو گیا اگر کسی گھر کے اندر سے روٹی کی خوشبو محسوس ہوتی تو سمجھ جاتے یہاں الیاسؑ آیا تھا چنانچہ وہاں الیاسؑ کو تلاش کرتے اور الیاسؑ نہ ملتے تو گھر والوں کو ان کے ہاتھوں سے بڑا دکھ پہنچتا۔

حضرت الیاسؑ نے فرمایا تین سال تک بنی اسرائیل قحط کی مصیبت میں مبتلا رہیں گے ایک روز کسی بوڑھیا کی طرف سے آپ کا گزر ہوا آپ نے اس سے فرمایا کیا تیرے پاس کچھ کھانا ہے بڑھیا نے کہا ہاں! کچھ آٹا اور تھوڑا سا روغن زیتون ہے راوی کا بیان ہے حضرت الیاسؑ نے دونوں چیزیں منگوائیں اور موجود چیزوں میں برکت کی دعا کی اور ان پر ہاتھ پھیر دیا، فوراً بوڑھیا کا بورا آٹے سے اور مٹکے روغن زیتون سے بھر گئے (اور خود چل دیے) لوگوں نے جب بڑھیا کے پاس یہ چیزیں دیکھیں تو پوچھا یہ چیزیں تیرے پاس کہاں سے آئیں بڑھیا نے حضرت الیاسؑ کا پورا حلیہ بیان کیا اور کہا اس حلیہ کا ایک آدمی یہاں آیا تھا اسکی دعا سے ایسا ہوا لوگ پہچان گئے کہ وہ الیاسؑ ہی تھے آخر آپ کو تلاش کر کے ایک جگہ پالیا لیکن آپ بھاگ گئے اور کسی اسرائیلی عورت کے گھر میں جا کر مقیم ہو گئے اس عورت کا ایک لڑکا سخت بیمار تھا جس کا نام الیسع بن اخطوب تھا عورت نے حضرت الیاسؑ کو مکان میں جگہ دی اور چھپالیا۔ آپ نے اس لڑکے کے لئے دعا کی لڑکا تندرست ہو گیا اور حضرت الیاسؑ پر ایمان لے آیا اور آپ کے ساتھ ہولیا پیچھے لگ گیا جہاں الیاسؑ جاتے وہ لڑکا بھی ساتھ جاتا۔ حضرت الیاسؑ اس وقت عمر رسیدہ اور کبیر السّن ہو چکے تھے الیسع نوجوان تھا۔

اللہ نے الیاسؑ کے پاس وحی بھیجی کہ تو نے بہت مخلوق کو بارش کو روک دینے کی وجہ سے ہلاک کر دیا وہ مواشی اور چوپائے اور پرندے اور کیڑے مکوڑے جو بے قصور تھے بارش بند ہو جانے کی وجہ سے مرگئے (بقول اہل روایت) الیاسؑ نے عرض کیا اے میرے رب اب مجھے ہی تو اجازت دے دے کہ میں ہی ان کے لئے دعا کروں اور جس دکھ میں یہ پھنسے ہوئے ہیں اس سے رہائی میری ہی دعا سے ان کو مل جائے اس طرح شاید یہ باز آجائیں اور جس شرک میں مبتلا ہیں اس سے نکل آئیں جواب ملا۔ اچھا یہ جواب پانے کے بعد حضرت الیاسؑ بنی اسرائیل کے پاس گئے اور فرمایا کوئی شک نہیں کہ تم لوگ بھوک اور دکھ سے ہلاک ہو گئے اور تمہارے گناہوں کی وجہ سے مویشی اور چوپائے اور پرندے اور کیڑے مکوڑے بھی مرگئے اور درخت بھی مردہ ہو گئے تم سب بلاشبہ باطل پرست ہو اگر تم کو اس کا ثبوت درکار ہے تو اپنے بتوں کو میرے سامنے نکال کر لاؤ اگر وہ تمہاری دعائیں قبول کرلیں اور بارش ہو جائے تو بے شک تمہاری بات سچی ہو گی اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو خود تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تم باطل پرست ہو اس وقت تم اپنے خود ساختہ شرک سے نکل آنا پھر میں اللہ سے دعا کروں اور وہ تمہاری یہ مصیبت جس میں تم پھنسے ہوئے ہو دور کر دے گا۔ قوم والوں نے کہا آپ نے انصاف کی بات کی چنانچہ وہ اپنے بتوں کو باہر نکال کر لے آئے اور ان سے دعائیں کیں جس مصیبت میں گرفتار تھے وہ دور نہ ہوئیں پھر حضرت الیاسؑ نے دعا کی الیسع بھی آپ کے ساتھ شریک تھے فوراً سطح سمندر پر ایک ڈھال کے برابر بدلی اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی طرف بڑھی اور آفاق پر چھا گئی پھر بحکم خدا اس سے اتنی بارش ہوئی کہ مردہ بستیوں میں جان پڑ گئی اور اللہ نے ان کی فریادرسی کی جب اللہ نے ان کا دکھ دور کر دیا تب بھی انہوں نے وعدہ پورا نہیں کیا اور کفر کو نہ چھوڑا اور اپنی بدترین حالت پر قائم رہے۔

الیاسؑ نے جب یہ حالت دیکھی تو مایوس ہو کر اللہ سے دعا کی کہ اب مجھے ان لوگوں سے نجات دے بقول اہل روایات جواب ملا فلاں تاریخ کا انتظار کرو مقرر دن آجائے تو فلاں مقام پر چلے جانا اور جو سواری تمہارے پاس آجائے بے دھڑک اس پر

سوار ہو جانا۔
حسب الحکم الیاسؑ اور ان کے ساتھ الیسع نکل کر اس مقام پر پہنچے جہاں پہنچے کا حکم دیا گیا تھا ایک آتشیں گھوڑے اور بقول بعض آگ کے رنگ کا گھوڑا پاس آکر کھڑا ہو گیا الیاسؑ کود کر اس پر سوار ہو گئے اور گھوڑا آپ کو لے کر روانہ ہو گیا۔ الیسع نے پکار کر کہا حضرت میرے متعلق آپ کا کیا حکم ہے۔ حضرت الیاسؑ نے فضاء اعلیٰ کی بلندی سے اپنی ایک تحریر پھینک دی۔ یہ علامت تھی کہ الیسع کو بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے حضرت کا خلیفہ بنا دیا گیا۔ حضرت الیسع کی حضرت الیاسؑ سے یہ آخری ملاقات تھی۔ اللہ نے الیاسؑ کو بنی اسرائیل کے اندر سے نکال کر اوپر اٹھا لیا۔ الیاسؑ کو کھانے پینے سے بے نیاز کر دیا اور فرشتوں جیسے پر دار بازو عنایت کر دیے اور ان کو ملکی انسان بنا دیا جو ارضی انسان بھی تھے اور سماوی فرشتہ بھی۔
شاہ اجب اور اس کی قوم پر اللہ کے ایک غیبی دشمن کو مسلط کر دیا کہ لوگوں کی بے خبری میں اس نے ان پر حملہ کر دیا اور اجب اور اس کی بیوی کو مزدکی کے باغ میں قتل کر دیا اور اسی باغیچہ میں ان کی لاشیں پڑی رہیں کہ گوشت پارہ پارہ ہو گیا اور ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں۔ اللہ نے وحی کے ذریعے سے اس واقعہ کی اطلاع الیسع کو دے دی اور رسول بنا کر بنی اسرائیل کے پاس بھیج بنی اسرائیل الیسعؑ پر ایمان لائے۔ آپ کی عزت کی اور وفات تک آپ کی حکومت بنی اسرائیل پر قائم رہی۔
سری بن یحییٰ نے عبدالعزیز بن ابی الدرداء کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت الیاسؑ اور حضرت خضرؑ دونوں بیت المقدس میں ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھتے ہیں اور حج کے موقع پر ہر سال دونوں ملتے ہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ الیاسؑ بیابانوں اور خضر سمندروں کی ڈیوٹی پر مقرر ہیں الیاسؑ جنگلوں میں بھولے بھٹکے کی راہنمائی کرتے ہیں اور خضر بحری مسافروں کی مدد کرتے ہیں کذا ذکرا لبغوی فی تفسیر قولہ تعالیٰ وان الیاس لمن المرسلین۔

إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۲۴﴾ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم لوگ اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ﴿۱۲۵﴾ کیا تم بعل کی پوجا کرتے ہو اور سب سے اعلیٰ خالق کو چھوڑ بیٹھے ہو یعنی اس کی خالص بغیر شرک کے عبادت نہیں کرتے۔
بعل ایک بت کا نام تھا جس کو وہ لوگ پوجتے تھے اسی کے نام پر ان کے شہر کا نام بعلبک رکھ دیا گیا تھا۔ مجاہد، عکرمہ اور قتادہ نے کہا یمنی زبان میں بعل کا معنی ہے رب۔

اللَّهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۲۶﴾ جو معبود برحق ہے تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی رب ہے۔

فَكَذَّبُوهُ فَإِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿۱۲۷﴾ سو انہوں نے الیاسؑ کو جھوٹا قرار دیا اس لئے بلاشبہ ان کو عذاب میں حاضر کیا جائے گا۔
قرینۂ عبارت بتا رہا ہے کہ حاضر کرنے سے مراد ہے عذاب میں حاضر کرنا۔ یا یوں کہا جائے کہ اگر لفظ احضار مطلق بولا جاتا ہے تو عرف عام میں اس سے مراد برے مقام میں حاضر کرنا ہوتا ہے اس لئے عذاب میں حاضر کرنا مراد ہے۔

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۱۲۸﴾ مگر جو اللہ کے خالص بندے تھے۔
کذبوا کی ضمیر فاعل سے یہ استثناء ہے المحضرین سے مستثنیٰ نہیں ہے ورنہ عبارت کا معنی صحیح نہ ہو گا (کیونکہ المحضرین سے عذاب میں حاضر کئے ہوئے لوگ مراد ہیں) بعض کے نزدیک استثناء منقطع ہے یا یوں کہا جائے کہ المحضرین سے ہی استثناء ہے (لیکن المحضرین سے مراد اچھے برے مومن کافر سب لوگ مراد نہیں ہیں بلکہ اگر بعض افراد اگر کسی وصف کے ساتھ متصف ہوں تو کل پر حکم لگانا (مجازاً محاورات میں) صحیح ہوتا ہے جیسے آیت میں آیا ہے أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ (ظاہر ہے کہ سب قافلہ والے چور نہیں تھے لیکن منادی نے سب کو چوری کہہ کر ندا دی)۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿۱۲۹﴾ سَلَامٌ عَلَىٰ إِلْ يَاسِينَ ﴿۱۳۰﴾ اور ہم نے الیاسؑ کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ الیاسین پر سلامتی ہو۔

الیاسؑ کو الیاسین بھی کہا جاتا ہے جیسے سیناء کو سینین، اسماعیل کو سمعین اور میکائیل کا میکائین۔ فراء نے کہا الیاسین الیاس کی جمع ہے اس سے مراد ہیں حضرت الیاسؑ اور حضرت کے مومن ساتھی (یعنی الیاس والے) جیسے اشعریین (اشعری مع ان کے گروہ کے) اور اعجمین

(یہ لفظ اصل میں اعجمیین تھا۔ ایک یاء کو تخفیف کر دیا گیا) فراء کے قول پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ کسی علم (نام) کی نام کی جب جمع بنائی جاتی ہے تو اس پر الف لام تعریف کا اضافہ ضرور کیا جاتا ہے تاکہ جو علمیت جمع بنانے سے زائل ہو گئی وہ الف لام تعریف کے اضافہ سے پھر لوٹ آئے۔ نافع اور ابن عامر کی روایت میں آل یاسین دونوں لفظ جدا جدا الگ شکل میں آئے ہیں یعنی یاسین کے بیٹے پر سلام ہو اس صورت میں یاسین الیاس کے باپ کا نام قرار پائے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یاسین الیاس کا ہی نام ہو اور آل یاسین سے مراد ہوں الیاس مع مومن ساتھیوں کے۔ بعض اقوال میں آیا ہے کہ یاسین سے مراد ہیں رسول اللہ ﷺ یا قرآن مجید یا دوسری آسمانی کتابیں لیکن یہ قول نامناسب ہے اس جگہ کے لئے موزوں نہیں اس سے پہلے انبیاء کے قصے بیان کئے گئے ہیں اور اس کے بعد بھی واقعات انبیاء کا بیان ہے اور فرمایا ہے۔

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳۱﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۲﴾ ہم اپنے مخلص بندوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں بلاشبہ وہ ہمارے ایمان والے بندوں میں سے تھے۔ یہ آیت بتارہی ہے کہ انہ کی ضمیر الیاس ہی کی طرف راجع ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت میں چونکہ الیاس کی جگہ ادریس کا لفظ آیا ہے اور اِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ کی بجائے ان ادریس لمن المرسلین مروی ہے اس لئے اس جگہ بھی سلام علٰی ادریسین منقول ہے۔

وَإِنَّ لُوطًا لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۳۳﴾ إِذْ نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿۱۳۴﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿۱۳۶﴾ اور بے شک لوط بھی پیغمبروں میں سے تھے جبکہ ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین کو سب کو بچالیا سوائے ایک بڑھیا کے جو رہ جانے والوں میں رہ گئی پھر ہم نے سب کو ہلاک کر دیا۔

اذنجیناہ یعنی لوط کی قوم پر نازل ہونے والے عذاب سے بچالیا عجوزاً سے مراد ہے حضرت لوط کی بیوی الغابرین یعنی عذاب میں رہ جانے والے الاخرین یعنی لوط کی قوم کے دوسرے سب لوگوں کو۔

وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِم مُّصْبِحِينَ ﴿۱۳۷﴾ وَبِاللَّيْلِ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۳۸﴾ اور تم (اے مکہ والو) ان (کے ویران کھنڈروں) پر صبح ہوتے اور رات میں گذرا کرتے ہو کیا پھر بھی نہیں سمجھتے۔

علیہم یعنی ان کے گھروں پر سے گزرتے ہو جب ملک شام کا سفر کرتے ہو تو سدوم سر راہ واقع ہوتا ہے مصبحین وباللیل یعنی صبح شام مراد ہے دن رات یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قوم لوط کی بستیوں کے کھنڈر مسافروں کی فرودگاہ کے قریب ہوں فرودگاہ سے صبح کو کوچ کرنے والا صبح کو ان بستیوں کی طرف سے گزرتا ہو اور جو فرودگاہ پر شام کو پہنچنے والا وہ ان پر شام کو گزرتا ہو۔ افلا تعقلون یعنی کیا اہل عقل نہیں ہو کہ ان کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو۔ یہ جملہ معترضہ ہے۔

وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۳۹﴾ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿۱۴۰﴾ اور بے شک یونسؑ بھی پیغمبروں میں سے تھے جب کہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے۔

ابق کا اصل معنی ہے غلام آقا کے پاس سے بھاگ گیا حضرت یونسؑ اللہ کی اجازت کے بغیر اپنی قوم کو چھوڑ کر بھاگے تھے اس لئے ان کے بھاگنے کو اباق قرار دیا۔

امام احمد نے زہد میں اور عبدالرزاق عبد بن حمید اور ابن المنذر نے طاؤس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت

یونسؑ نے اپنی قوم کو عذاب آنے کی دھمکی دی اور نزول کا دن مقرر کر دیا اور اس مقرر وقت پر عذاب نہیں آیا عذاب آنے میں تاخیر ہو گئی) تو آپ اللہ کا حکم ملنے سے پہلے نکل کھڑے ہوئے اور بھاگ کر ایک کشتی پر جا کر سوار ہو گئے لیکن وہ کوشش کے بعد بھی) اڑ کر کھڑی ہو گئی ملاحوں نے کہا کشتی میں کوئی بھاگا ہوا غلام موجود ہے چنانچہ قرعہ اندازی کی گئی اور یونسؑ کے نام پر قرعہ نکل آیا (اور آپ مفرور غلام قرار پا گئے)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور وہب بن منبہ کا قول آیا ہے کہ تین بار لوگوں نے قرعہ ڈالا اور ہر مرتبہ یونسؑ کا نام نکلا۔ بغوی نے لکھا ہے یہ بھی مروی ہے کہ جب آپ سمندر پر پہنچے تو آپ کے ساتھ بیوی اور آپ کے دو لڑکے تھے کشتی آئی آپ نے پہلے سوار ہونے کے لئے بیوی کو آگے بڑھایا لیکن سوار کرتے کرتے ایک لہر بیچ میں آگئی (جو بیوی کو بہا کر لے گئی) پھر دوسری ایک لہر آئی جو بڑے بیٹے کو پکڑ کر لے گئی۔ چھوٹا بیٹا (کنارہ پر) اکیلا رہ گیا تھا اس کو بھیڑیا لے گیا اتنے میں ایک اور کشتی آگئی آپ اس میں تنہا سوار ہو گئے اور لوگوں سے الگ ایک گوشہ میں بیٹھ گئے کشتی روانہ ہو گئی لیکن بیچ سمندر میں پہنچ کر اڑ کر رک گئی اور کشتی والوں نے قرعہ ڈالا ہم نے سورۂ یونس میں پورا قصہ بیان کر دیا ہے۔

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ﴿۱۴۱﴾ پھر یونسؑ شریک قرعہ ہوئے تو یہی ملزم ٹھہرے المدحضین قرعہ میں ہارے ہوئے لوگ۔ مدحض کا اصل معنی ہے مقام کامیابی سے پھسلا ہوا مُدحض۔ کان کا ترجمہ ہے ہو گیا۔

فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿۱۴۲﴾ پھر ان کو مچھلی نے (ثابت) نگل لیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔

التقمہ اس کو لقمہ بنالیا (یعنی ثابت نگل لیا) ملیم یعنی ملامت میں داخل ہونے والے تھے یا ایسا فعل کیا تھا جس پر ان کو ملامت کی جا سکتی تھی یا خود اپنے کو ملامت کر رہے تھے۔

فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۱۴۴﴾ سو اگر وہ (اس وقت) تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے (یعنی اللہ کی پاکی نہ بیان کرتے) تو مچھلی کے پیٹ میں روز قیامت تک رہتے۔

المسبحین کا ترجمہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا نماز پڑھنے والے۔ وہب بن منبہ نے کہا عبادت کرنے والے حسن نے کہا مچھلی کے پیٹ کے اندر انہوں نے نماز نہیں پڑھی بلکہ پہلے کوئی اچھا کام کیا تھا۔ ضحاک نے کہا اللہ نے ان کی سابق طاعت کی قدر دانی فرمائی۔

میں کہتا ہوں شاید مچھلی کے پیٹ کے اندر انہوں نے اشارہ سے نماز پڑھی ہو کیونکہ اس وقت زندہ اور باہوش تھے سب سے مناسب تفسیری قول یہ ہے کہ تسبیح سے مراد ہے اللہ کو یاد کرنا یعنی اگر انہوں نے لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ نہ کہا ہوتا اور اللہ کو ان الفاظ سے یاد نہ کیا ہوتا تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ سے برآمد نہ ہوتے بلکہ اسی کے پیٹ میں مر جاتے اور مچھلی کا جز غذائی بن جاتے۔

فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ﴿۱۴۵﴾ پھر ہم نے ان کو (مچھلی کے پیٹ سے برآمد کر کے) ایک میدان میں ڈال دیا اور اس وقت وہ بدحال تھے۔

فنبذنہ یعنی مچھلی کو اگل دینے کا حکم دے دیا۔ العراء وہ جگہ جو درختوں وغیرہ سے خالی ہو۔ وھو سقیم یعنی بغیر پروں کے چوزے کی طرح تھے۔ بعض اقوال میں آیا ہے آپ کا گوشت بسک گیا تھا ہڈیاں کمزور ہو گئی تھیں۔ بدن میں قوت باقی نہیں رہی تھی۔

مچھلی کے پیٹ میں یونسؑ کتنی مدت رہے علماء کے اقوال اس کے متعلق مختلف ہیں۔ بغوی نے بحوالہ مقاتل بن حبان لکھا ہے تین روز رہے۔ عبد بن حمید ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے قتادہ کا بھی یہ قول نقل کیا ہے عطا نے کہا سات روز۔ ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے اس قول کی نسبت سعید بن جبیر کی طرف بھی کی ہے ضحاک نے کہا بیس روز (بغوی) سدی کلبی اور مقاتل بن سلیمان نے کہا چالیس روز۔ حاکم کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول اور ابن ابی شیبہ احمد، عبد بن حمید ابن جریر ابن

المنذر، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ کی روایات میں ابو مالک کا قول اور عبد الرزاق اور ابن مردویہ کی روایت میں ابن جریج کا قول اور عبد بن حمید و ابن المنذر کی روایت میں عکرمہ کا قول آیا کہ دن کے کچھ حصہ یونس مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ ابن ابی حاتم، حاکم اور بغوی نے شعبی کا قول نقل کیا ہے کہ چاشت کے وقت (دن چڑھے) مچھلی نے نگلا تھا اور شام کو اگل دیا۔

وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾ اور ان پر ہم نے ایک بیلدار درخت بھی اگا دیا۔

بغوی نے مقاتل اور حسن کا قول بیان کیا ہے کہ جس درخت کا تنا نہ ہو اور اس کی بیل زمین پر پھیلتی ہو اور سردی کے زمانہ میں باقی نہ رہتا ہو وہ یقطین ہے جیسے کدو کھیرا ککڑی خربوزے کی بیل بغوی نے لکھا ہے خلاف معمول اس بیلدار درخت کا تنہ بھی تھا۔ یقطین بروزن یفعیل قطن سے ماخوذ ہے قطن بالمکان اس جگہ وہ اقامت پذیر ہو گیا۔

(مفسرؒ نے فرمایا) میں کہتا ہوں کدو کے درخت نے حضرت یونسؑ کے بدن کو مکھیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنے پتوں سے چھپا لیا تھا بغوی نے لکھا ہے یہی قول تمام علماء تفسیر کا ہے عبد بن حمید اور ابن جریر نے قتادہ کا یہی قول نقل کیا ہے۔

مقاتل بن حبان نے کہا یونس درخت کے سایہ میں رہنے لگے ایک پہاڑی بکری آپ کے پاس آجاتی تھی آپ صبح و شام اس کا دودھ پیتے تھے آخر جب گوشت میں کچھ سختی آ گئی بال اگ آئے اور قوت بھی آ گئی تو آپ سو گئے لیکن جب بیدار ہوئے تو درخت سوکھ چکا تھا دھوپ کی تپش بدن پر لگی تو آپ کو درخت کے سوکھ جانے کا بڑا غم ہوا اور رونے لگے اللہ نے جبریلؑ کی معرفت یہ فرمان بھیجا کہ تم کو ایک درخت کا تو اتنا غم ہوا اور اپنی امت کے ایک لاکھ آدمیوں کا غم نہ ہوا جو مسلمان بھی ہو گئے ہیں اور توبہ بھی کر چکے ہیں۔

مسئلہ: کیا انبیاء کی کسی لغزش کا بیان کرنا جائز ہے۔

کسی نبی کی کسی لغزش کا ذکر جائز نہیں کیونکہ انبیاء کی لغزشیں تو اللہ کی طرف مزید رجوع کرنے اور مراتب میں ترقی پانے کی موجب ہوتی تھیں جس نے کسی نبی پر اعتراض کیا وہ کافر ہو گیا اللہ نے (مومنوں کو یہ کہنے کا حکم دیا اور) فرمایا ہے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی بندہ کے لئے یہ کہنا جائز نہیں کہ میں یونس بن متی سے افضل ہوں (متفق علیہ) بخاری کی روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے یہ کہا کہ میں یونس بن متی سے افضل ہوں اس نے غلط کہا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں باہم گالی گلوچ ہوئی مسلمان نے کہا قسم ہے اس کی جس نے محمد ﷺ کو سارے عالم والوں پر برتری عطا فرمائی یہودی بولا قسم ہے اس کی جس نے موسیٰؑ کو سارے جہان والوں پر فضیلت عنایت کی۔ یہ سنتے ہی مسلمان نے ہاتھ اٹھا کر یہودی کے منہ پر ایک طمانچہ مار دیا۔ یہودی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کیفیت واقعہ عرض کی۔ اس کے اور مسلمان کے درمیان جو ماجرا ہوا تھا بیان کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مسلمان کو طلب فرمایا۔ اور واقعہ دریافت کیا مسلمان نے بتا دیا۔ حضور نے فرمایا مجھے موسیٰؑ پر فضیلت مت دو کیونکہ قیامت کے دن جب (سب) لوگ بے ہوش ہو جائیں گے تو میں بھی ان کے ساتھ بے ہوش ہو جاؤں گا پھر سب سے پہلے میں ہی ہوش میں آؤں گا اور دیکھوں گا کہ موسیٰؑ عرش کا ایک کنارہ پکڑے (کھڑے) ہیں مجھے نہیں معلوم کہ وہ بیہوش ہونے والوں میں شامل تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا اس مخلوق میں شامل تھے جن کو اللہ نے بیہوش ہونے سے مستثنیٰ کر دیا ہو گا۔

ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے نہیں معلوم کہ موسیٰؑ کو طور کے اوپر والی بے ہوشی کی مجرائی دیدی گئی (اور قیامت کے دن صور کی آواز سے وہ بے ہوش نہیں ہوئے) یا مجھ سے پہلے اٹھ کھڑے ہوئے اور میں نہیں کہتا کہ کوئی بھی یونس بن متی سے افضل ہے۔

حضرت ابو سعید کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انبیاء کو باہم ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کے نبیوں کو باہم فضیلت نہ دو۔

ایک سوال

نص قرآنی اور اجماع امت سے بعض انبیاء کی بعض پر فضیلت ثابت ہے اللہ نے فرمایا ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میں اولاد آدم کا سردار اور سب سے پہلے شفاعت کرنے والا میں ہی ہوں اور میری ہی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی۔ (رواہ مسلم وابوداؤد عن ابی ہریرہ)

دوسری حدیث میں حضرت ابوسعید کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میں ہی اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور کوئی فخر نہیں (یعنی میرا یہ کلام بطور فخر نہیں ہے) اور اس روز ہر پیغمبر آدم ہوں یا کوئی دوسرا میرے ہی جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور سب سے پہلے زمین پھٹ کر میں ہی برآمد ہوں گا اور کوئی فخر نہیں اور میں ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں گا اور میں ہی وہ شخص ہوں گا جس کی شفاعت پہلے قبول کی جائے گی اور کوئی فخر نہیں ہے۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

حضرت جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں قائد المرسلین (پیغمبروں کا لیڈر) ہوں اور کوئی فخر نہیں۔ میں ہی خاتم النبیین ہوں اور کوئی فخر نہیں۔ میں ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے مقبول الشفاعت ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔ (رواہ الدارمی)

میں کہتا ہوں تفضیل بین الانبیاء کی ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ جب تک من جانب اللہ (وحی کے ذریعے سے) یقینی علم حاصل نہ ہو جائے اس وقت تک اپنی رائے اور گمان سے ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو لیکن جب وحی کے ذریعے سے ایک کی دوسرے پر فضیلت ثابت ہو جائے تو بعض کو بعض سے افضل قرار دینے میں کوئی حرج نہیں۔

یا آیت کا یہ مطلب ہے کہ انبیاء کی نبوت میں تفریق نہ کرو کہ ایک کی نبوت مانو اور دوسرے کی نبوت کو غلط قرار دو اور اس پر ایمان نہ لاؤ۔ واللہ اعلم۔

وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۝ اور ہم نے ان کو سو ہزار یا اس سے بھی زائد آدمیوں کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔ بغوی نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ مذکورہ بالا مصیبت سے پہلے حضرت یونسؑ کو نینوا علاقہ موصل کے باشندوں کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا گیا (اور ان کی تعداد تقریباً ایک لاکھ سے زیادہ تھی) عبد بن حمید، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے بھی قتادہ کا یہی قول بیان کیا ہے۔ اور حسن کا قول بھی یہی منقول ہے اور بعض علماء کا قول ہے کہ مچھلی کے پیٹ سے برآمد ہونے کے بعد آپ کو ایک لاکھ آدمیوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا (اور یہ لوگ نینوا کے ہی باشندے تھے) بعض نے کہا کچھ اور لوگ تھے (جن کو چھوڑ کر حضرت یونس بھاگے تھے وہ لوگ یہ نہ تھے۔

اویزیدون کی تشریح میں مقاتل اور کلبی نے کہا او اس جگہ بل کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ ایک لاکھ کی طرف بلکہ اس سے زیادہ کی طرف ہم نے یونسؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا او بمعنی واو ہے جیسے آیت عذرا اونذرا میں زجاج نے کہا او اس جگہ اپنے اصلی معنی میں مستعمل ہے مگر مطلب یہ (نہیں ہے کہ خدا کو ان کی تعداد صحیح معلوم نہیں تھی بلکہ مطلب یہ) ہے کہ تم لوگ اگر ان کو دیکھتے تو کہتے یہ ایک لاکھ ہیں یا زیادہ ہیں جیسے کوئی شخص کسی گروہ کو دیکھ کر کہتا ہے یہ ایک لاکھ ہیں یا اس سے بھی زیادہ ہیں۔ خلاصہ یہ کہ آیت میں یقینی تعداد مذکور نہ ہونے کی بناء مخلوق کے تخمینے اور اندازے کے غیر یقینی ہونے پر ہے۔

ایک لاکھ سے زیادہ تعداد کتنی تھی اس سلسلہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں حضرت ابن عباسؓ اور مقاتل کے نزدیک

ایک لاکھ کے اوپر بیس ہزار تک ان کی تعداد تھی۔ ترمذی نے حضرت ابی بن کعب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ بیس ہزار (تک) زیادہ تھے حسن نے تیس ہزار سے کچھ زیادہ اور سعید بن جبیر نے ستر ہزار تعداد بیان کی ہے۔

فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾ پھر وہ ایمان لے آئے اور ایک وقت (یعنی مقررہ وقت) تک زندگی سے بہرہ اندوز کیا۔

یعنی عذاب کے معائنہ کے بعد یونسؑ کی قوم ایمان لے آئی (اور ہم نے ان کے سروں سے عذاب اٹھالیا)

سوائے حضرت لوطؑ اور حضرت یونسؑ کے باقی انبیاء کے قصوں کے آخر میں سلام کا لفظ آیا ہے۔ یونسؑ اور لوطؑ کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں کیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ عالی قدر اولوالعزم پیغمبروں کا امتیاز کے ساتھ تذکرہ مقصود ہو یا یہ سبب ہو کہ سورت کے آخر میں مجمل طور پر تمام پیغام بروں کے لئے تو لفظ سلام استعمال کیا (جس میں لوط و یونس بھی شامل ہیں) اسی پر اکتفا کیا۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ سو آپ ان لوگوں سے پوچھئے کہ کیا آپ کے رب کی تو بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے بیٹے ہیں۔

اس جملہ کا عطف سابق آیت فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا پر ہے۔ اللہ نے اپنے رسول کو پہلے حکم دیا کہ منکرین قیامت سے انکار قیامت کی وجہ جتائیں اور تقریر سوال کے طور پر فرمایا کیا ان کی تخلیق مشکل اور سخت ہے یا ان کے علاوہ آسمان زمین ملائکہ اور گزشتہ اقوام عاد ثمود وغیرہ کی جب وہ اقرار کرلیں کہ آسمان زمین ملائکہ اور اقوام گزشتہ کی تخلیق سخت اور مشکل ہے تو لازمی طور پر ان لوگوں کو اس ہمہ گیر طاقت والے خدا کے عذاب سے ڈرنا چاہئے جس نے گزشتہ اقوام سے انتقام لیا اور کفر کی وجہ سے ان کو غارت اور تباہ کیا وہی ہمہ گیر قدرت رکھتا ہے تخلیق پر بھی اور دوبارہ زندہ کرنے پر بھی اور عذاب دینے پر بھی۔ اس کے بعد کچھ پیغمبروں کے واقعات بیان فرمائے۔ اس کے بعد رسول اللہ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ ان سے دریافت کریں کہ کیا خدا کے لئے تو بیٹیاں ہیں اور تمہارے لئے بیٹے کیونکہ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں ان لوگوں کا عقیدہ شرک کے علاوہ اور بہت سی گمراہیوں کا حامل تھا اللہ کو انسان کی طرح مجسم مانتے تھے اور اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے حالانکہ سلسلۂ توالد و تولید کا تعلق تو ان اجسام کے لئے مخصوص ہے جو بناؤ بگاڑ اور تغیرات کے قابل ہیں پھر اپنے آپ کو خدا پر ترجیح دیتے تھے بیٹیاں جو بیٹیوں کے مقابلہ میں تخلیقاً کمزور اور عاجز ہوتی ہیں ان کو تو خدا کے لئے مانتے تھے اور اپنے لئے بیٹوں کو پسند کرتے تھے پھر ملائکہ کی بھی تحقیر و توہین کرتے تھے کہ ان کو مادہ قرار دیتے تھے اسی لئے اللہ نے اپنی کتاب میں بار بار کتنی ہی آیات میں اس عقیدے کا ابطال کیا اور اس قول کو ایسا منحوس اور تعجب انگیز اور غلط قرار دیا کہ جس کو اگر صحیح مان لیا جائے۔ تو اس سے آسمان پھٹ جائیں زمین شق ہو جائے اور پہاڑ زمین پر گر جائیں۔

اس جگہ (انکاری) استفہام کا تعلق صرف دو باتوں سے ہے اللہ کے لئے لڑکیاں ہونا اور ملائکہ کا مادہ ہونا قبیلہ جہینہ اور بنی سلمہ کا یہی عقیدہ تھا وہ کہتے تھے کہ ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔

اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ہاں کیا ہم نے فرشتوں کو (ان کی نظروں کے سامنے) عورتیں بنایا ہے کہ یہ (فرشتوں کو پیدا کرنے کے وقت) حاضر تھے۔

یہ سوال استہزاء آمیز ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یہ بہت ہی زیادہ جاہل ہیں اور انتہائی جہالت کی وجہ سے ایسی بات کہہ رہے ہیں کہ گویا یہ مشاہدہ کر چکے ہیں۔

اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ خوب سن لو کہ یہ بلاشبہ اپنی سخن تراشی ہی کی وجہ سے کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ صاحب اولاد ہے قطعاً یہ بالکل جھوٹے ہیں۔

من افکھم یعنی اپنے ایسے جھوٹ کی وجہ سے جس کا غلط ہونا ظاہر ہے اور تقاضائے عقل کے بھی خلاف ہے۔

لکاذبون یعنی تمام اہل دانش کے نزدیک جھوٹے ہیں۔

اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ۝ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

کیا اللہ نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیاں زیادہ پسند کیں تم کو کیا ہو گیا تم کیسا حکم لگاتے ہو سو کیا تم (عقل) اور سوچ سے کام نہیں لیتے۔

کیف تحکمون یعنی یہ تم کیسا حکم لگا رہے ہو کہ اللہ کی بیٹیاں تو مرتبہ میں بیٹیوں سے کم ہوتی ہیں۔

افلا تذکرون یعنی کیا تم غور نہیں کرتے اور نہیں سمجھتے کہ اللہ اس بہتان سے پاک ہے۔

اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ہاں کیا تمہارے پاس (اس عقیدہ اور قول کی) کوئی واضح دلیل موجود ہے سو اگر تم اس میں سچے ہو تو اپنی وہ کتاب پیش کرو۔

سُلْطَانٌ مُّبِيْنٌ کھلی ہوئی دلیل جو اللہ کی طرف سے اتاری گئی ہو اور بتا رہی ہو کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

اسباب علم (بقول اشاعرہ) ہیں عقل حس اور سچی خبر اور سچی خبر جب تک حس پر مبنی نہ ہو مفید یقین نہیں ہوتی یا اللہ کی طرف سے اطلاع ملی ہو (تو ایسی خبر موجب یقینی ہوتی ہے) دلالت عقل کی نفی تو پہلی آیت میں کر دی اور فرمادیا اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کا صاحب اولاد ہونا عقلاً محال ہے اس پر مزید یہ کہ کوئی ہوشمند ملائکہ کو عورتیں نہیں سمجھ سکتا۔ کوئی صحیح عقل اور اک نہیں کر سکتی کہ فرشتے مونث ہوں خالق کی اولاد تو عاجز اور کم درجہ ہو اور مخلوق کے لئے جو اولاد ہو وہ اعلیٰ اور اشرف ہو۔ رہی دلالت حس تو ظاہر ہے شہادت نہیں دے سکتا کہ میرے سامنے فرشتوں کو مؤنث بنایا گیا تھا اسی مضمون کے متعلق فرمایا اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ تیسری چیز مفید یقین خبر صادق ہے یہ اس وقت موجب یقین ہو گی جب اللہ کی طرف سے بیان کی گئی ہو اسی کے متعلق فرمایا ام لکم سلطان مبین یعنی کیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے کوئی واضح دلیل اتری ہے ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے لیکن (ہٹ دھرمی اور ضد کے طور پر) وہ کہہ سکتے تھے کہ ہاں اللہ نے ہم کو اس کی تعلیم دی ہے جیسے کہ دوسری آیت میں آیا ہے اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَا اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا اس (عناد آگیں) قول کی تردید کے لئے فرمایا (اگر تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نازل شدہ کوئی ایسی کتاب ہے جس میں ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہا گیا ہو تو) اپنی وہ کتاب لاؤ پیش کرو۔

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ اور ان لوگوں نے اللہ اور جنات کے درمیان رشتہ داری قرار دے رکھی ہے۔

جویبر کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ آیت قریش کے تین قبائل کے متعلق نازل ہوئی سلیم خزاعہ اور جہینہ مجاہد اور قتادہ نے کہا الجنۃ سے مراد ملائکہ ہیں فرشتے (انسان کی) نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں اس لئے ان کو الجنۃ فرمایا (جن کا معنی ہے پوشیدہ ہونا)

میں کہتا ہوں ملائکہ کو الجنۃ کے لفظ سے ذکر کرنا یہ بات بتا رہا ہے کہ وہ ابنیت خدا کے سزاوار نہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ملائکہ کا ہی ایک خاص گروہ ہے جن میں سے ابلیس بھی ہے ان کو جن کہا جاتا ہے انہیں کو وہ لوگ اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔

کلبی نے کہا ان کا قول تھا کہ خدا نے کسی جنی عورت سے اپنا جوڑ لگا لیا اور اس سے ملائکہ پیدا ہو گئے (نعوذ باللہ منہا)

بعض قریشیوں نے جب ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے پوچھا ان کی مائیں کون ہیں بولے جنات کی شریف ترین اعلیٰ عورتیں (یعنی پریاں) ان کی مائیں ہیں۔ کذا اخرج البیہقی فی شعب الایمان عن مجاہد۔

وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۝ اور (خود) جنات جانتے ہیں کہ ان میں جو کافر ہیں وہ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے۔

انھم یعنی اس قول کے قائل۔ یا انسان (جو اس قول کے قائل ہیں) یا جنات (لیکن یہ مرجع اس وقت ہوگا) جب یہ کہا جائے کہ جنّات کا لفظ ملائکہ کو بھی شامل ہے۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ یہ جو کچھ (اللہ کا صاحب اولاد ہونا اور جنّات سے اس کی راشتہ داری ہونا) بیان کرتے ہیں اللہ اس سے پاک ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ الخ جملہ معترضہ ہے اور سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ دوسرا جملہ معترضہ ہے۔

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ مگر جو اللہ کے خاص (ایمان والے) بندے ہیں۔ یہ استثناء متصل ہے اگر انھم کی ضمیر تمام انسانوں کی طرف راجع ہو خواہ وہ مومن ہوں یا کافر یا استثناء منقطع ہے اگر ھم کی ضمیر صرف ان لوگوں کی طرف راجع کی جائے جو اللہ کو صاحب اولاد کہتے تھے۔

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾

سو تم اور تمہارے سارے معبود خدا کے معاملہ میں کسی کو گمراہ نہیں کرسکتے مگر اسی کو جو (اللہ کے علم میں) جہنم رسید ہونے والا ہے۔

یہ خطاب مکہ والوں کو ہے اور ف جزائیہ ہے شرط محذوف ہے یعنی جب تم نے خدا کی جنات سے رشتہ داری قائم رکھی ہے تو تم اور تمہارے سارے معبود اس قول سے کسی کو اغواء نہیں کرسکتے۔

اور ہم میں سے ہر ایک کا ایک معین درجہ ہے۔

یعنی جنّات (ملائکہ) نے کہا کہ ہم میں سے ہر ایک کا ایک مقرر مقام عبودیت ہے یا آسمانوں میں ایک معین مقام ہے جہاں وہ اللہ کی عبادت میں مشغول ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا آسمان اور اس کو چرچرانا چاہئے قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے چار انگل کی کوئی جگہ آسمان میں ایسی نہیں جہاں کوئی فرشتہ اپنی پیشانی رکھے ہوئے سجدہ نہ کر رہا ہو۔ رواہ البغوی۔

مقام معلوم سے یا مرتبہ قرب مراد ہے سدی نے اس آیت کی تشریح میں یہی کہا کہ قرب اور مشاہدہ کا درجہ ہر فرشتے کا مقرر ہے۔ ابوبکر وراق نے کہا مقام عبودیت مراد ہے جیسے خوف امید محبت رضا۔

میں کہتا ہوں (یہ بات تو صرف ملائکہ کے لئے ہے) انسان مراتب قرب میں برابر ترقی کرتا رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کا ارشاد نقل کیا میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے میرے قریب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ مجھے اس سے محبت ہوجاتی ہے الخ۔ رواہ البخاری عن ابی ہریرہ

ملائکہ اپنے معین درجہ سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ حضرت زرارہؓ بن ابی اوفی راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیلؑ سے دریافت کیا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے جبرئیلؑ نے یہ سنتے ہی بازو پھڑ پھڑائے (یعنی خوف کی وجہ سے ان پر لرزہ طاری ہوگیا) اور کہا محمد میرے اور اس کے درمیان تو ستر ہزار نوری حجاب حائل ہیں ان پردوں میں سے اگر میں کسی کے قریب بھی پہنچ جاؤں تو جل جاؤں۔ کذا فی المصابیح۔ ابونعیم نے حلیہ میں حضرت انسؓ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے لیکن اس روایت میں حضرت جبرئیلؑ کے بازو پھڑپھڑانے کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے جب سے اسرافیلؑ کو پیدا کیا ہے اسی وقت سے وہ برابر اپنے قدموں پر کھڑا ہے نظر اوپر نہیں اٹھاتا اس کے اور رب کے درمیان ستر نور (یعنی نوری پردے) حائل ہیں اگر ایک کے بھی قریب چلا جائے تو جل جائے۔ رواہ الترمذی وصححہ۔

اس آیت میں ملائکہ پرستوں کے خیال کی تردید ہے جیسے (مسیح پرستوں کی تردید میں) اللہ نے فرمایا لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ

بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ

(ترجمہ) جن لوگوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہے وہ کافر ہو گئے مسیح نے تو کہا تھا اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے جو اللہ کے ساتھ عبادت میں کسی کو ساجھی قرار دے گا اللہ نے اس کے لئے جنت حرام کردی ہے اور اس کا ٹھکانہ آگ ہے۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ اور (عبادت کے وقت یا خدا کا حکم سننے کے وقت) ہم صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔

ابن ابی حاتم نے یزید بن مالک کی روایت سے بیان کیا کہ لوگ منتشر طور پر نماز پڑھا کرتے تھے (یعنی قطار نہیں بناتے تھے) جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو صف بندی کا حکم دیدیا۔ ابن المنذر اور ابن جریج نے بھی اسی طرح کی روایت بیان کی ہے کلبی نے کہا آسمان پر عبادت کے فرشتوں کی صفیں ایسی ہی ہوتی ہیں جیسے نماز میں زمین پر آدمیوں کی صفیں۔

مسلم نے حضرت جابر بن سمرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ملائکہ کی صفوں کی طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ملائکہ کیسے صف بندی کرتے ہیں فرمایا ملائکہ اپنے رب کے سامنے اس طرح صف بندی کرتے ہیں کہ اگلی صفوں کو پورا (پورا) بھر دیتے ہیں اور باہم مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ادائے طاعت کے وقت ہم اپنے قدموں کو صف بستہ رکھتے ہیں۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ اور ہم اللہ کی پاک بیان کرنے میں (بھی) لگے رہتے ہیں۔ یعنی تمام عیوب اور نازیبا نقائص سے جیسے اللہ کا صاحب اولاد ہونا وغیرہ اس کا پاک ہونا بیان کرتے رہتے ہیں۔

وانا لنحن الصافون کا جملہ مفید حصر ہے اسی طرح وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ کا جملہ بھی مفید حصر ہے (اس پر شبہ کیا جا سکتا ہے کہ کیا مسلمان آدمی اللہ کے سامنے عبادت میں صف بستہ نہیں ہوتے کیا وہ اللہ کی پاکی بیان نہیں کرتے اس لئے کہا جائے گا کہ) یہ حصر اضافی ہے کافروں کے مقابلہ میں ان اوصاف کی خصوصیت ملائکہ کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم کافروں کی طرح نہیں ہیں کہ عبادت اور تسبیح میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک بنائیں۔

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ اور یہ لوگ (یعنی کفار مکہ) کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت کی کتاب پہلے لوگوں کے (کتابوں کے) طور پر آتی تو ہم اللہ کے مخلص بندے ہوتے اب (جب کہ ان کے پاس نصیحت کی کتاب پہلے لوگوں کی کتابوں کے طور پر آگئی تو) یہ اس کا انکار کرنے لگے خیر آئندہ ان کو (اس انکار کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔ (تفسیری ترجمہ از مولانا اشرف علیؒ)

حضرت مفسرؒ نے فرمایا لیقولون یعنی رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے کہا کرتے تھے ذکرا یعنی پہلے لوگوں پر جو کتابیں نازل ہوئی تھیں۔ ان میں سے کوئی کتاب ہمارے پاس ہوتی تو ہم اللہ کی خالص عبادت کرتے اور کتاب کی مخالفت نہ کرتے۔ فکفروا بہ لیکن جب وہ کتاب آگئی جو سب کتابوں سے (تعلیم و ہدایت میں) بڑھ کر ہے تو اس کا انکار کر دیا آئندہ انکو اپنے کفر کا انجام معلوم ہو جائے گا اور یہ جان لیں گے کہ ان سے کیسا انتقام لیا جائے گا اور ان پر کیسا عذاب نازل ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾

اور ہمارے خاص بندوں یعنی پیغمبروں کے لئے ہمارا یہ قول پہلے سے ہی مقرر ہو چکا ہے کہ بلاشبہ وہی غالب کئے جائیں گے اور ہمارا تو عام قاعدہ ہے کہ ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے۔

میں کہتا ہوں آیت میں بیان کردہ ضابطہ خداوندی اگر (بھی) ہوتا ہے تو انسان کی نافرمانی کی نحوست کی وجہ سے ہوتا ہے اللہ نے فرمایا اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا دوسری آیت ہے اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ

شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِيْنَ جب کہ تم کو اپنی کثرت تعداد پر غرور ہو گیا لیکن کثرت نے تم کو کچھ فائدہ نہیں دیا اور زمین باوجود فراخ ہونے کے تمہارے لئے تنگ ہو گئی آخر کار تم منہ پھیر کر پیٹھ موڑ کر بھاگ نکلے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾ اب تھوڑے وقت کے لئے آپ ﷺ ان سے بے رخی اختیار کر لیجئے (اور ان کی طرف سے ایذا رسانی کا اندیشہ نہ کیجئے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حین سے مراد ہے وقت موت بعض کے نزدیک عذاب دنیا کا دن مراد ہے مجاہد کے نزدیک بدر کا دن مراد ہے ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سدی کی طرف بھی اسی قول کی نسبت کی ہے بغوی نے لکھا ہے کہ سدی نے کہا (حین کی تشریح میں) جس روز کہ اللہ کافروں سے جہاد کرنے کا حکم دے گا۔ مقاتل کے نزدیک بھی یہی تشریح مراد ہے کیونکہ انہوں نے کہا اس حکم کو آیت قتال نے منسوخ کر دیا۔

وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾ اور (ذرا) ان کو دیکھتے رہئے یہ بھی عنقریب (اپنا انجام) دیکھ لیں گے۔

وَاَبْصِرْهُمْ یعنی اپنے سامنے انکو مقتول مغلوب اور عذاب میں ماخوذ دیکھ لیجئے مطلب یہ کہ یہ باتیں عنقریب ہونے والی ہیں گویا آپ کے سامنے موجود ہی ہیں۔ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ یعنی ہم نے جو آپ ﷺ کی مدد کرنے اور دنیا میں فتح عطا کرنے اور آخرت میں آپ کو ثواب عنایت کرنے اور ان کو عذاب میں ماخوذ کرنے کا وعدہ کیا ہے وہ عنقریب دیکھ لیں گے۔

ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ نازل ہوئی تو کافروں نے پوچھا یہ عذاب کب آئے گا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی جویبر کی روایت سے بھی حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول منقول ہے۔

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ کیا ہمارا عذاب جلد آجانے کے یہ خواستگار ہیں۔

اس جملہ کا ایک محذوف کلام پر عطف ہے۔ اصل کلام اس طرح تھا کیا ہماری عظمت شان کو یہ نہیں جانتے اور عذاب کا تقاضا کرتے ہیں۔

فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾ سو وہ عذاب جب ان کے روبرو آنازل ہو گا سو وہ دن ان لوگوں کا جن کو ڈرا لیا گیا ہے بہت ہی برا ہو گا۔ (ٹل نہ سکے گا)

ساحت صحن فراء نے کہا عرب قوم کی جگہ ساحت کا ذکر کافی سمجھتے ہیں (یعنی ساحت سے مراد وہ قوم ہی ہوتی ہے جس کا وہ ساحت ہو) یا یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ جس روز ان کے صحن میں اتریں گے وہ دن ان کے لئے برا دن ہو گا۔

صباح سے مراد ہے شبخون مارنے والے لشکر کے حملہ کرنے کی صبح عرب کا حملہ کرنے کا زیادہ قاعدہ یہی تھا کہ آخر شب میں صبح کے قریب چھاپہ مارتے تھے اس لئے چھاپہ مارنے اور لوٹنے کو صباح کہنے لگے خواہ غارت گری کسی وقت ہو۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ خیبر کی طرف نکل چلے اور رات کو وہاں پہنچے اور آپ کا قاعدہ تھا کہ رات کو اگر (دشمن) قوم پر پہنچ جاتے تھے تو صبح تک حملہ نہیں کرتے تھے جب صبح ہوئی تو خیبر کے یہودی اپنے پھاوڑے اور ٹوکرے لے کر (شہر کے باہر نکلے اور جونہی رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگے خدا کی قسم محمد ہیں اور (ان کے ساتھ) پورا لشکر بھی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ اکبر خیبر ویران ہو گیا۔ ہم جب ان کے صحن میں اتر گئے تو ان لوگوں کا دن بہت برا ہو گیا جن کو (پہلے سے) ڈرا دیا گیا تھا۔ (رواہ البغوی)

صحیحین میں حضرت انسؓ کا بیان آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ہم کو لے کر کسی قوم پر حملہ (کرنا) چاہتے تھے تو صبح سے پہلے حملہ سے باز رہتے تھے انتظار کرتے رہتے تھے صبح کو اگر (ان کی آبادی کی طرف سے) اذان کی آواز سن لیتے تھے تو حملہ سے باز رہتے تھے اگر اذان نہیں سنتے تھے تو ان پر حملہ کر دیتے تھے چنانچہ جب ہم خیبر کی طرف چلے تو رات کو وہاں پہنچے (اور حملہ نہیں

کیا) صبح ہوئی اور آپ نے (بستی کے اندر سے) اذان کی آواز نہیں سنی تو سوار ہو گئے۔ میں بھی ابو طلحہ کے پیچھے سوار ہو گیا۔ میرا قدم رسول اللہ کے قدم سے لگ لگ جاتا تھا جب وہ لوگ اپنے ٹوکرے اور پھاوڑے لے کر نکلے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگے خدا کی قسم محمد ہیں اور پورا لشکر بھی ہے پھر جا کر قلعہ بند ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر خیبر کی ویرانی ہو گئی۔ جب ہم کسی قوم کے صحن میں اترتے ہیں تو ان لوگوں کے لئے وہ دن بہت برا ہوتا ہے جن کو ڈرا دیا جاتا ہے۔

وعید عذاب کی تاکید کے لئے اللہ نے دوبارہ فرمایا۔

وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ۝ آپ ان سے ایک وقت تک منہ پھیر لیجئے اور ان کو دیکھتے رہئے یہ خود عنقریب (اپنے برے انجام کو) دیکھ لیں گے۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ آپ کا رب جو بڑی عظمت والا ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ (کافر) بیان کرتے ہیں۔

العزت غلبہ (عظمت) قوت، رب کی اضافت عزت کی طرف بتا رہی ہے کہ عزت اسی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے یا ان پیغمبروں اور مومنوں کو عزت (واقعی) حاصل ہے جو اللہ سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں۔ آیت میں دلالت ہے اس امر پر بھی کہ اللہ کی صفات بذات خود واجب ہیں ذات خداوندی ان صفات کی مقتضی ہے۔

اما یصفون یعنی مشرکوں کے اس بیان سے اللہ پاک ہے جو اس سورت میں آیا ہے اور اسی کے ذیل میں اللہ نے اپنی سلبی اور صفات کا ذکر کر دیا ہے اور توحید پر بھی تنبیہ کر دی ہے۔

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اور تمام پیغمبروں پر سلام ہو۔

یعنی ان تمام پیغمبروں پر سلام ہے جنہوں نے اللہ کی واقعی صفات بیان کی ہیں۔ اس جملہ میں اللہ کے تمام پیغمبر داخل ہیں سب کے لئے سلامتی ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اور ساری خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو رب العالمین ہے۔ یعنی اللہ رب العالمین کے لئے حمد و شکر ہے جس نے پیغمبر بھیج کر اور کتابیں نازل کر کے اور انبیاء کی مدد کر کے اور کافروں کو تباہ کر کے اپنی ذات و صفات کی سچی معرفت مومنوں کو عطا فرمائی۔

حضرت علیؓ کا قول مروی ہے آپ نے فرمایا جو شخص چاہتا ہو کہ قیامت کے دن پورے ناپ سے اس کو اجر ناپ کر دیا جائے اس کا مجلس سے اٹھنے کے وقت آخری کلام سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَ سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہونا چاہئے۔ رواہ البغوی فی تفسیر و عبد بن رنجویہ فی الترغیب۔

والحمد للّٰہ ربّ العٰلمین وصلّی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد

وآلہ واصحابہ اجمعین وعلیٰ سائر الانبیاء و المرسلین

وعلیٰ اھل طاعتہ اجمعین

الحمد للّٰہ سورۃ الصافات کی تفسیر بروز شنبہ ۲۸ / جمادی الاول ۱۲۰۷ھ کو ختم ہوئی اس کے بعد سورۃ صٓ کی تفسیر

انشاء اللہ آئے گی۔

سورۃ صٓ

یہ سورت مکی ہے اس کی ۸۸ آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احمد ترمذی نسائی اور حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ ابو طالب جب بیمار ہوئے تو قریش عیادت کے لئے گئے۔ رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے آئے۔ لوگوں نے ابو طالب سے رسول اللہ ﷺ کی شکایت کی ابو طالب نے کہا میرے بھتیجے تم قوم والوں سے کیا چاہتے ہو آپ نے کہا میں ان سے صرف ایک بات (کا اقرار) چاہتا ہوں جس کی وجہ سے سارے عرب ان کے مطیع حکم ہو جائیں گے اور عجمی بھی ان کو جزیہ ادا کریں گے۔ ابو طالب نے کہا ایک بات حضور نے فرمایا بس ایک بات ابو طالب نے کہا وہ بات کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا لا الہ الا اللہ قریش بولے کیا اس نے سب معبودوں کو ایک معبود بنا دیا یہ تو بڑی انوکھی بات ہے اس پر آیات ذیل لَمَّا يَذُوقُوا الْعَذَابِ تک نازل ہوئیں۔

صٓ بعض علماء کے نزدیک ص قسم ہے بعض نے سورت کا نام قرار دیا ہے۔ حروف تہجی کے بیان میں اس کا تذکرہ آچکا ہے۔ محمد بن کعبؓ کے قول پر اللہ کے نام یعنی صمد اور صادق الوعد کی کنجی ہے۔ ضحاک نے کہا اس کا معنی ہے صدق اللہ اللہ نے سچ فرمایا حضرت ابن عباسؓ کا قول ایک روایت میں آیا ہے کہ ص کا معنی ہے صدق محمد رسول اللہ بعض کے نزدیک صاد بالکسر مصارت سے امر کا صیغہ ہے صدی آواز بازگشت کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اپنے عمل سے قرآن کی آواز بازگشت پیش کرو۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ متشابہات میں سے ہے اس کی تحقیق سورۂ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں ہم نے کر دی ہے۔

وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ۝۱ قسم ہے قرآن کی جو نصیحتوں سے پر ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ عقائد، احکام، وعد و وعید اور چندرہ نصائح کا واضح بیان قرآن میں مذکور ہے۔ ضحاک نے ذکر کا ترجمہ شرف کیا ہے۔ جس طرح کہ آیت وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ میں ذکر بمعنی شرف ہے۔

اگر ص سے مراد حرف صاد ہو اور اس سے دعوت مقابلہ مراد ہو یا صدق اللہ یا صدق محمد یا اللہ کے اسم صمد وغیرہ کی طرف پوشیدہ اشارہ ہو تو والقرآن میں واؤ قسم کے لئے ہو گا ورنہ عطف کے لئے ہو گا۔

اخفش (نحوی ادیب مشہور) نے کہا قسم کا جواب (یعنی جس مضمون کیلئے قسم کے ساتھ کلام کیا گیا ہے) ان کل الا کذب الرسل فحق عقاب ہے اخفش کا یہ قول بعید از فہم ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ جواب محذوف ہے جس پر ص کا لفظ دعوت مقابلہ پر دلالت کر رہا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ قسم ہے قرآن کی کہ یہ ایک معجزہ ہے یا اس پر عمل واجب ہے یا محمد سچے ہیں یا بات وہ نہیں ہے جو کافر کہہ رہے ہیں مؤخر الذکر قول پر آگے والی آیت دلالت کر رہی ہے۔

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝۲ بلکہ (خود) یہ کافر تعصب اور مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں۔

یعنی رسول اللہ ﷺ کی عداوت اور آپ کی مخالفت میں ڈوبے ہوئے ہیں اسی لئے ایمان نہیں لاتے یا شقاق سے مراد ہے عقل و نقل کی مخالفت اور عزت سے مراد ہے جاہلیت کا تعصب اور قبول حق سے مغرورانہ سرکشی۔ قتادہ نے کہا بل اس جگہ

(اعراض کے لئے نہیں ہے بلکہ) ابتدائیہ ہے اور یہ جملہ قسم کا جواب ہے جیسے دوسری آیت میں کیا ہے ق وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ بَلْ عَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ الخ۔ قیسی نے کہا بل ایک کلام کے تدارک اور دوسرے کلام کی نفی کے لئے ہے کیونکہ اللہ نے صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ کی قسم کھا کر فرمایا کہ (اہل مکہ میں سے) جو کافر ہیں وہ غرور اور مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں۔

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۝ ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہم (عذاب سے) ہلاک کر چکے ہیں سو انہوں نے (ہلاکت کے وقت بڑی) ہائے پکار کی اور وہ وقت رہائی کا نہ تھا۔

كَمْ اَهْلَكْنَا الخ یہ مکہ کے کافروں کے لئے وعید ہے فنادوا یعنی نزول عذاب کے وقت فریادرسی کے لئے بہت چیخے چلائے یا توبہ واستغفار کا شور مچایا لیکن رہائی اور خلاصی کا وقت (نکل چکا تھا) باقی نہیں رہا تھا۔ کافروں کی حالت بیان کرنے کے بعد ان کے مآل کو (بطور کنایہ) بیان فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح سابق امتیں عذاب سے ہلاک کر دی گئیں اسی طرح ان کو بھی ہلاک کر دیا جائے گا۔

لات مناص میں لا لیس کے مشابہ ہے تاء تانیث تاکید کے لئے بڑھادی گئی ہے جیسے ربہ اور ثمہ میں تاء برائے تاکید بڑھادی گئی ہے لا کے بعدت بڑھانے سے لا کا حکم بدل گیا اور خاص طور پر اس کا داخلہ وقت پر ہونے لگا اور اسم و خبر میں سے ایک کا حذف کرنا ضروری ہو گیا خلیل اور سیبویہ اسم کو محذوف مانتے ہیں۔ اخفش کے نزدیک یہ لانفی جنس کا ہے حین مناص لا کا اسم ہے اور خبر محذوف ہے یعنی خلاصی کا وقت نہیں رہا۔ بعض کے نزدیک لا کے بعد فعل محذوف ہے یعنی لا اری حین مناص حاصلا لھم زجاج کے نزدیک لات کی ت پر وقف ہے لات اور کسائی کے نزدیک حالت وقف میں لاہ پڑھا جائے گا۔ بعض کا خیال ہے کہ لا پر وقف ہے اور ت کا تعلق حین سے ہے یعنی۔ لاتحین ابو عبیدہ نے اسی کو اختیار کیا ہے ابو عبیدہ نے کہا میں نے مصحف عثمانی میں اسی طرح لکھا پایا تھا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

والعاطفون تحین مامن عاطف والمطعمون زمان مامن مطعم

وہ ایسے وقت مہربانی کرتے ہیں جب کوئی مہربان موجود نہیں ہوتا اور ایسے وقت کھانا کھلاتے ہیں جب کوئی شخص کھانا کھلانے والا نہیں ہوتا۔

مناص (اجوف واوی) مصدر ہے اس کا معنی ہے چھوٹ جانا۔ قاموس میں ہے نوص پیچھے رہ جانا اور مناص جائے پناہ۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کفار مکہ جب جنگ کرتے تھے تو لڑائی میں سرمست ہو جاتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتا تھا مناص اس پر اللہ نے فرمایا ولات حین مناص یعنی مناص کہنے کا وہ وقت نہ تھا یعنی نہ کوئی جائے پناہ تھی نہ بھاگ جانے کا مقام۔

وَعَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ؗ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝ اور ان (کفار مکہ) نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان کے پاس انہیں میں سے ایک ڈرانے والا (پیغمبر) آ گیا یہ شخص جادوگر ہے جھوٹا ہے (جادوگروں کے ایسے کرشمے دکھاتا ہے اور نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے) کیا (ایسا شخص سچا ہو سکتا ہے کہ) اس نے سارے معبودوں کی جگہ ایک معبود کو دیدی واقعی یہ بہت بڑی عجیب بات ہے۔

منذر منهم یعنی ایک انسان اور وہ بھی انہیں میں سے پیغمبر ہو کر ان کو ڈرانے آیا ہے۔

وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ اظہار غضب اور مذمت کے لئے اور اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے کہ کفر نے ہی ان کو ایسا کہنے کی جرات دلائی بجائے ضمیر کے الکافرون صراحت کے ساتھ فرمایا۔

هذا ساحر یعنی اس کے معجزے اس کے جادو کے کرشمے ہیں۔ کذاب یعنی نبوت کی دعویٰ میں پکا جھوٹا ہے۔

اجعل یہ سوال بطور تعجب ہے یعنی متعدد اور کثیر معبودوں کی جگہ اس نے ایک خدا کی معبودیت کو دیدی یہ کیسی عجیب بات ہے۔
ان ھذا یہ تو بڑی ہی انوکھی بات ہے ہمارے اسلاف کے اجماعی طریقہ کے خلاف ہے ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ ایک کا علم اور قدرت اس قدر ہمہ گیر ہو جو کثیر تعداد کی جگہ پوری لے لے۔

بغوی نے لکھا ہے جب حضرت عمر بن خطاب مسلمان ہو گئے تو قریش کو آپ کا مسلمان ہو جانا بڑا شاق گزرا لیکن مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ ولید بن مغیرہ نے سرداران قریش کی ایک جماعت کو جو تعداد میں پچیس تھے جمع کر کے کہا چلو ابوطالب کے پاس چلیں ولید بن مغیرہ کی عمر سب سے زیادہ تھی حسب مشورہ سب لوگ ابوطالب کے پاس گئے اور ان سے کہا آپ ہمارے بزرگ اور سردار ہیں اور ان بے وقوف (مسلمانوں) کی حرکتوں سے آپ واقف ہیں۔ ہم آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں کہ آپ ہمارا اپنے بھتیجے سے تصفیہ کرا دیجئے ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کو بلوایا۔ جب آپ ﷺ تشریف لے آئے تو ابوطالب نے کہا میرے بھتیجے یہ تمہاری قوم والے تم سے کچھ درخواست کرنا چاہتے ہیں تم اپنی رائے بالکل ہی ان کے خلاف نہ کرلینا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہو قریش نے کہا تم ہمارے معبودوں کا ذکر چھوڑ دو اور ہم تم کو تمہارے معبودوں سے نہیں روکیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم لوگ مجھ سے ایک بات کا وعدہ کرتے ہو جس کی وجہ سے تم عرب کے حاکم بن جاؤ گے اور عجمی بھی تمہارے فرمانبردار ہو جائیں گے۔ ابوجہل بولا اگر ایسی بات ہے تو ہم ایک نہیں اس جیسی دس باتیں مان لیں گے حضور ﷺ نے فرمایا تو لا الہ الا اللہ کہہ دو۔ یہ سنتے ہی سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور منتشر ہو گئے اور کہنے لگے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ساری مخلوق ایک خدا کا کلام کیسے سن سکتی ہے اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ

عجیب اور عجاب کا فرق بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ انوکھی بات جس کی نظیر ہو عجیب کہلاتی ہے اور بے نظیر ہو تو اس کو عجاب کہتے ہیں۔

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ ۚ　اور قریش کے سردار ابوطالب کی مجلس سے (یہ کہتے ہوئے اٹھ کر) چل دیئے کہ چلو (آپ بات چیت سے کوئی فائدہ نہیں) اور اپنے معبودوں (کی پوجا) پر جمے رہو۔

بعض اہل تفسیر نے انطلق کا ترجمہ کیا ہے بات شروع کی اور امشو کا ترجمہ کیا ہے جمع ہو جاؤ مشیت المراۃ وہ عورت کثیر الاولاد ہو گئی۔ ماشیۃ کا لفظ بھی اسی مفہوم کا حامل ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝　یہ کوئی مطلب کی بات ہے۔

ان ھذا بے شک یہ یعنی توحید کا اقرار یقیناً کوئی مطلب کی بات ہے بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر کے ایمان لانے سے مسلمانوں کو ایک خاص قوت حاصل ہو گئی۔ اس پر کافروں نے کہا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ

بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ سرداران قریش نے کہا محمد کے ساتھی جو بڑھتے جا رہے ہیں یقیناً یہ مقصود خداوندی ہے اس کو لوٹانا ممکن نہیں۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ محمد جس توحید کا دعویٰ کر رہے ہیں یا عرب و عجم کی حکومت کے طلب گار ہیں اس کی خواہش اور تمنا تو ہر ایک کو ہوتی ہے۔

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚۖ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝　یہ بات تو ہم نے اپنے پچھلے مذہب میں نہیں سنی ہو نہ ہو یہ (اس شخص کی) من گھڑت ہے۔

بھذا یعنی یہ حقیر دعوت توحید جس کے محمد قائل ہیں۔ فی الملۃ الاخرۃ حضرت ابن عباس کلبی اور مقاتل نے کہا الملۃ الاخرۃ سے مراد عیسائیت ہے آخری (سماوی) مذہب یہی تھا۔ عیسائی بھی توحید کے قائل نہیں (رہے) تھے بلکہ خدا کو تین (اقانیم) میں کا تیسرا کہتے تھے۔ مجاہد نے کہا الملۃ الآخرۃ سے قریش کا مذہب جس پر وہ چلتے تھے مراد ہے یعنی جس مذہب پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اس میں بھی یہ بات نہیں سنی۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جس مذہب کا انتظار کیا جا رہا تھا اس میں توحید

کی تعلیم کا ہوتا تو ہم نے نہ اہل کتاب سے سنا نہ کاہنوں سے۔

اختلاق جھوٹی من گھڑت

ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا کیا ہم سب میں سے اس پر یہ نصیحت نامہ (یعنی قرآن) اتار آگیا۔

یعنی یہ شخص نہ تو ہمارا بزرگ اور شیخ ہے نہ مال و عزت میں ہم سے زائد ہے پھر اس پر نزول قرآن ہوا یہ عجیب بات ہے ہم نہیں مان سکتے۔

بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِي ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوقُوا عَذَابِ ۝ بلکہ یہ لوگ خود میری وحی کی طرف سے شک (یعنی انکار) میں ہیں بلکہ (اصل وجہ یہ ہے کہ) انہوں نے اب تک میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا۔

یعنی قرآن کی طرف سے ان کو شک ہے کیونکہ قرآن لانے والے کو یہ جھوٹا قرار دے رہے ہیں۔ بل کا لفظ انکار سے اعراض اور شک کے اثبات کو ظاہر کر رہا ہے کیونکہ وہ لوگ تقلید اسلاف کی طرف جھکے ہوئے اور یقینی دلیل سے روگرداں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی ایسی یقینی دلیل نہیں ہے کہ جس سے وہ رسول اللہ کا ساحر اور کذاب ہونا ثابت کر سکیں۔

بَلْ لَّمَّا يَذُوقُوا بلکہ انہوں نے ابھی عذاب کا مزہ نہیں چکھا اگر چکھ لیتے تو ایسی بات نہ کہتے لیکن عنقریب عذاب کا مزہ چکھ لیں گے اس وقت ان کا شک دور ہو جائے گا مگر بے فائدہ۔

اس جملہ میں بل کا لفظ دو باتیں بتا رہا ہے۔ (۱) شک سے اعراض۔ (۲) قرآن کی حقانیت کی نفی کا اعتقاد اور یقین۔ اثبات شک کی بنیاد تو یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور یقینی انکار کی بنیاد محض ان کی ضدہٹ اور جہل مرکب ہے۔

بعض اہل علم کے نزدیک بل دونوں جملوں میں ابتدائیہ ہے اضراب و اعراض کے لئے نہیں ہے۔ پہلا جملہ کافروں کے کلام کا جواب ہے اور دوسرا جملہ پہلے جملہ کی تاکید ہے۔

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ۝ کیا ان لوگوں کے قبضہ میں آپ کے فیاض غالب (کل) پروردگار کی رحمت کے خزانے ہیں (کہ جس کو چاہیں دیں اور جس کو نہ دینا چاہیں نہ دیں)

رحمت رب یعنی نعمت رب مراد نبوت کے خزانے یعنی ان کے پاس نبوت کے خزانے ہیں کہ جس کو چاہیں نبوت دیدیں۔ سوال انکاری ہے یعنی ایسا نہیں ہے بلکہ نبوت ایک عطیۂ خداوندی ہے جس بندہ کو چاہتا ہے اللہ اپنی مہربانی سے عطا فرماتا ہے اس کی عطا کو کوئی روک نہیں سکتا۔

العزیز سب پر غالب جس پر کوئی غالب نہیں۔ الوہاب بڑا داتا کہ جس کو جو کچھ دینا چاہتا ہے دیتا ہے۔

اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۟ فَلْيَرْتَقُوا فِي الْاَسْبَابِ ۝

یا کیا ان کو آسمانوں کا اور زمین کا اور ان دونوں کی درمیانی کائنات کا مکمل اختیار حاصل ہے تو ان کو چاہئے کہ سیڑھیاں لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں۔

اوپر کی آیت میں فرمایا تھا کہ خزائن رحمت یعنی نبوت (جو ایک روحانی عظیم الشان نعمت رب ہے) ان کے قبضے میں نہیں ہے اب اس آیت میں فرمایا کہ رحمت رب کے ایک ادنیٰ جز یعنی اس عالم مادی میں بھی ان کا کوئی تصرف نہیں۔

فَلْيَرْتَقُوا فِي الْاَسْبَابِ یعنی اگر عالم سماوی و ارضی کے نظم میں ان کو کچھ دخل ہے تو سیڑھیاں لگا کر آسمان پر چڑھ کر عرش تک پہنچ کر اس پر متمکن ہوں اور وہاں سے اس کائنات کا انتظام چلائیں اور جس پر چاہیں وحی نازل کریں۔

فلیرتقوا سے امر کا مقصد زجر کرنا اور اس بات کو ظاہر کرنا ہے کہ تم ایسا کرنے سے عاجز ہو۔ قتادہ اور مجاہد نے کہا اسباب سے مراد ہیں آسمان کے دروازے اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پہنچنے کا راستہ۔ کہیں تک پہنچنے کا جو ذریعہ اور سبب ہو خواہ راستہ ہو دروازہ ہو یا کچھ اور ہو اس کو سبب کہا جاتا ہے۔

جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ (11) (ان لوگوں کی) یہاں (یعنی مکہ میں) ایک شکست خوردہ حقیر بھیڑ ہے من جملہ (مخالفین انبیاء کے) گروہوں کے۔

مَا هُنَالِكَ میں ما اظہار قلت کے لئے هُنَالِكَ سے مراد ہے مکہ مہزوم شکست خوردہ یعنی عنقریب ان کو شکست ہو جائے گی۔ الاحزاب سے مراد میں کافروں کی وہ جماعتیں جو اپنے اپنے پیغمبروں کے زمانہ میں ان کے خلاف فرقہ بند ہو گئی تھیں۔ مطلب یہ کہ گزشتہ کافر امتوں کے مقابلہ میں تو مکہ کے کافر ایک کم تعداد و شکست پانے والی جماعت ہے پس گزشتہ اقوام کو مغلوب کر کے ہلاک کر دیا گیا تو ان کے پاس ایسی طاقت کہاں سے آسکتی ہے کہ اللہ کے انتظام عالم میں یہ دخل دے سکیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس حقیر جماعت کی آپ پرواہ نہ کیجئے۔ قتادہ نے کہا اللہ نے پہلے ہی فرمادیا تھا۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ عنقریب کافروں کی جماعت کو شکست ہو جائے گی اور یہ پشت موڑ کر بھاگ جائیں گے چنانچہ اس کا ظہور بدر کے دن ہو گیا۔ هُنَالِكَ سے اشارہ بدر کی لڑائی میں کافروں کی قتل گاہوں کی طرف ہے۔

(مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ہنالک سے مراد لیا ہے مکہ) حضرت مفسرؒ نے فرمایا۔

میں کہتا ہوں کہ ہنالک سے مراد (کوئی مقام مخصوص نہیں بلکہ) وہ مقام ہے جہاں کافروں نے اپنا استقرار پسند کیا (یعنی مقام کفر) اور ایسی بیہودہ بات زبان سے نکالی اور رسول اللہ کی تکذیب کی۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ (12) وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ لْئَيْكَةِ أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ (13) ان سے پہلے قوم نوحؑ نے اور عاد نے اور فرعون نے جس کی سلطنت کی میخیں گڑ گئی تھیں اور ثمود نے اور لوط کی قوم نے اور مدین والوں نے (یعنی قوم شعیبؑ نے اپنے اپنے زمانے کے نبیوں کی) تکذیب کی تھی وہ گروہ یہی امتیں تھیں (آخری آیت کا ترجمہ عام اہل تفسیر نے تقریباً یہی کیا ہے حضرت مفسرؒ کی بھی یہی رائے ہے جو ذیل میں بیان کر دی گئی ہے لیکن ہیچمدان فقیر کی نظر میں اگر أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ کو قوم نوح و عاد الخ سے بدل یا ان کا بیان قرار دیا جائے تو ترجمہ بے محاورہ اور نامناسب نہ ہوگا۔ ترجمہ اس طرح ہوگا ان کافروں سے پہلے قوم نوحؑ نے اور عاد نے اور فرعون نے اور ثمود نے اور قوم لوط نے اور مدین والوں نے ان سب گروہوں نے تکذیب کی۔ اس صورت میں اولئک الاحزاب مبتدا خبر کا جملہ نہ ہوگا بلکہ اشارہ مشارٌ الیہ ہوگا اور مختلف اقوام (مذکورہ) سے بدل قرار پائے گا۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

قبلہم یعنی مکہ والوں سے پہلے۔ قوم معنی کے لحاظ سے مؤنث ہے۔ اس لئے کذبت مؤنث کا صیغہ استعمال کیا۔ حضرت ابن عباسؓ اور محمد بن کعب نے ذوالاوتاد کا ترجمہ کیا مضبوط عمارتوں والا۔ بعض علماء نے ترجمہ کیا قوی پائیدار حکومت والا قتیبی نے کہا عرب بولتے ہیں وہ لوگ گڑی ہوئی میخوں والی عزت کے مالک ہیں یعنی لازوال قوی عزت ان کو حاصل ہے۔ ضحاک نے کہا مضبوط قوت اور گرفت والا۔ عطیہ نے کہا کثیر لشکروں والا۔ اور بڑے جتھوں والا جس طرح کسی چیز کو مضبوط جمانے کے لئے اس میں کیلیں یا میخیں ٹھونک دی جاتی ہیں۔ اسی طرح فرعون کی قوم نے اپنی حکومت اور اقتدار کو مضبوط اور طاقتور بنا رکھا تھا۔

فرجون کو مخین (اوتاد) اس لئے کہا جاتا ہے کہ سفر کی حالت میں پڑاؤ پر وہ بہت سے ڈیرے خیمے لگاتے اور میخوں سے ان کو باندھتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول عطیہ کی روایت میں یہی آیا ہے۔ کلبی اور مقاتل نے کہا اوتاد وتد کی جمع ہے فرعون جب کسی پر عتاب کرتا تھا تو اس کو چت کر کے زمین سے کچھ اوپر ہر ہاتھ اور ٹانگ ایک ایک ستون میں ٹھونک دیتا تھا اس طرح وہ چت معلق رہتا تھا نہ اوپر جا سکتا نہ نیچے زمین پر گر سکتا تھا اسی طرح مر جاتا تھا۔ مجاہد اور مقاتل کا (یہ بھی) بیان ہے کہ جس شخص کو سزا دینی ہوتی فرعون اس کو زمین پر چت لٹاتا پھر اس کے ہاتھ پاؤں علیحدہ علیحدہ پھیلا کر چومیخا کر دیتا تھا۔ سدی نے کہا چومیخا مضبوط کر کے بچھو اور سانپ اس پر چھوڑ دیتا تھا۔ قتادہ نے کہا فرعون کے پاس (کھلاڑیوں کی) کچھ پارٹیاں تھیں کھیل کے میدان تھے میخیں تھیں اس کے سامنے کھلاڑی میخوں پر (اپنے کرتب دکھاتے اور) کھیلتے تھے۔

أَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ مدین والے یعنی قوم شعیب أُولٰئِكَ الْأَحْزَابُ الاحزاب میں الف لام عہدی ہے یعنی وہی احزاب جن کا ذکر آیت جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ میں کر دیا گیا ہے یہ سب لوگ پیغمبروں کے خلاف اپنے اپنے زمانہ میں جتھ بند ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے خلاف مشرکین مکہ نے بھی ایک جتھ بنا لیا تھا۔

إِنْ كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ (ان میں سے کوئی جماعت ایسی نہ تھی کہ اس نے پیغمبروں کو نہ جھٹلایا ہو یعنی) ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تھا سو میرا عذاب ان پر واقع ہو گیا۔ اِن نافیہ ہے یعنی ان میں سے کسی جماعت نے سواء اس کے کچھ نہیں کیا کہ پیغمبروں کو جھوٹا قرار دیا۔ اور سخت ترین عذاب کی مستحق بنی۔ کل کے لفظ کو مبہم رکھ کر تکذیب کی اس کی طرف نسبت کرنے سے اس مقصد کے بیان میں پختگی پیدا ہو گئی گویا اس بات پر مہر لگ گئی کہ (تکذیب کی وجہ سے) وہ مستحق عذاب ہو ہی گئے اسی لئے آئندہ فقرہ حق عقاب فرمایا یعنی عذاب ان پر لازم ہو گیا اور (کفر کی وجہ سے) واقع ہو گیا۔

كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ اقوام گزشتہ کے ہر فرد نے یا ہر امت نے تمام پیغمبروں کی تو تکذیب نہیں کی البتہ اپنے زمانہ کے پیغمبر کو ضرور جھوٹا قرار دیا پھر کل کذب الرسل کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے آیت کے مضمون پر یہ ایک شبہ پیدا ہو سکتا تھا اس کو دور کرنے کے لئے حضرت مفسرؒ نے فرمایا) جمع کا مقابل جمع سے مراد ہے یعنی مجموعہ اقوام نے مجموعہ انبیاء کی تکذیب کی (اب یہ لازم نہیں آتا کہ ہر فرد یا ہر امت نے تمام انبیاء کی تکذیب کی ہو) یا یہ مراد ہے کہ اپنے زمانہ کے پیغمبر کی تکذیب ہر امت نے کی اور ایک پیغمبر کی تکذیب حقیقت میں سارے پیغمبروں کی تکذیب ہے (کیونکہ ہر پیغمبر نے دوسرے ہر پیغمبر کی تصدیق کی تھی۔ اب جبکہ ایک پیغمبر کی تکذیب کی گئی تو یہ پیغمبر کی تصدیق کی تکذیب ہو گئی) لہٰذا یہ کہنا صحیح ہے کہ ہر امت نے تمام پیغمبروں کی تکذیب کی کیونکہ بات سب نے ایک ہی کہی تھی (سب نے شرک سے روکا تھا اور صرف اللہ کی عبادت کا حکم دیا تھا۔

وَمَا يَنْظُرُ هٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ اور یہ لوگ بس ایک چیخ کے (یعنی صور پھونکے جانے کے) منتظر ہیں جس میں دم لینے کی بھی گنجائش نہ ہو گی۔

ھولاء یعنی قریش کے کافر۔ صیحۃ واحدہ صور (پھونکے جانے کی آواز مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ جب تک (قیامت کے) عذاب کو نہ دیکھ لیں گے نہیں مانیں گے لیکن اس وقت ایمان لانا بے سود ہو گا۔

فواق (لغت قریش) فواق (لغت بنی تمیم) دونوں لفظ آئے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؓ نے کہا فواق کا معنی ہے واپس ہونا۔ مجاہد نے ترجمہ کیا۔ مہلت ضحاک نے کہا فواق یعنی پھیرنا موڑنا۔ ابو عبیدہ اور فراء نے کہا فواق کا معنی ہے آرام افاقہ (سکون اور ہوش) اور فواق اس وقفہ کو کہتے ہیں جو اونٹنی کو دوہنے اور پھر دودھ اتارنے کے لئے چھوڑ دینے اور پھر دوہنے کے درمیان ہوتا ہے قاعدہ ہے کہ جانور کو (پہلے دوہ لیا جاتا ہے جب تھنوں میں موجود دودھ سب نکل آتا ہے تو بچہ کو تھنوں کے نیچے چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ بچہ کو پلانے کے لئے جانور دودھ اتارتا ہے یہ دیکھ کر دوہنے والا بچہ کو ہٹا لیتا ہے اور دوبارہ دوہ لیتا ہے۔ دونوں مرتبہ کے دوہنے کے درمیانی وقفہ کو فواق کہا جاتا ہے یہاں مراد ہے مہلت اور بہت ہی قلیل مہلت۔ بعض علماء نے کہا فواق کا کوئی معنی مراد ہو بہر حال مجازی اور بطور استعارہ ہو گا۔ دودھ دوبارہ تھنوں میں اتر آتا ہے مریض صحت کی طرف لوٹتا ہے یعنی نفخ صور کے بعد دنیا میں واپسی نہ ہو گی یا صور کی آواز نہ واپس کی جائے گی نہ پھیری جائے گی یا قلیل مہلت بھی نہیں ملے گی یا افاقہ اور آرام نہیں ملے گا۔

کلبی نے کہا جب سورت الحاقہ میں اللہ نے فرمایا فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ اور وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ تو مکہ کے کافروں نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا اے رب ہمارا کاغذ تو ابھی دیدے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی سعید بن جبیر کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔

وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا اے ہمارے رب ہمارا صحیفہ تو (ہم کو دنیا میں ہی) جلد دیدے قطہ وہ کاغذ جس میں ہر چیز کا اندراج ہو۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہی فرمایا۔ رواہ سعید بن جبیر عنہ۔

قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾ حساب کے دن سے پہلے سعید بن جبیر نے کہا کافروں کی مراد یہ تھی کہ محمد جس جنت کا ذکر کرتے ہیں اس کے اندر ہمارا جو نصیب اور حصہ ہو وہ ہم کو یہیں دیدے۔ حسن قتادہ مجاہد اور سدی نے کہا ان کا مطلب یہ تھا کہ جس عذاب آخرت کی محمد ہم کو دھمکی دیتے ہیں اس کا ہمارا مقررہ حصہ یہیں دنیا میں ہم کو دیدے ایک روایت میں آیا ہے کہ مجاہد نے قطہ کا ترجمہ حساب کیا۔

عطاء نے کہا یہ قول نضر بن حارث کا تھا اس نے کہا تھا اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ اے اللہ اگر یہ ہی حق ہے (اور) تیری طرف سے (نازل ہوا) ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کردے۔

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ یہ کافر جو کچھ (مذاق اڑانے اور جھٹلانے کے لئے) کہتے ہیں آپ اس پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے داؤد کا ذکر کیجئے۔

انبیاء کا تذکرہ ایسے امور پر صبر کرنے پر آمادہ کرتا ہے جو طبیعت کو ناگوار ہوتی ہیں گناہوں سے باز داشت کرتا اور طاعت پر نفس کو قائم اور پابند بناتا ہے۔

ذَا الْاَيْدِ جو طاقت ور اور سخت پکڑ والے تھے اور طاعت خداوندی میں بہت مضبوط تھے۔

اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ وہ (مخلوق سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف اور گناہ کو چھوڑ کر طاعت کی طرف) بہت زیادہ لوٹنے والے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یعنی اللہ کے بڑے اطاعت گزار تھے۔ سعید بن جبیر نے کہا اللہ کی بہت پاکی بیان کرنے والے تھے حبشی زبان میں اواب کا معنی ہے تسبیح بیان کرنے والا۔

یہ جملہ دلالت کر رہا ہے کہ ذالا ید میں اید سے مراد دینی قوت ہے۔ شیخین نے صحیحین میں اور امام احمد و نسائی و ابن ماجہ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے زیادہ اللہ کو پسند داؤد کا (نفل) روزہ رکھنے کا طریقہ ہے۔ داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے تھے ایک دن ناغہ کرتے تھے اور سب سے زیادہ پسندیدہ نماز اللہ کے نزدیک داؤدؑ کی ہے داؤدؑ آدھی رات سوتے تھے ایک تہائی رات نماز پڑھتے تھے پھر آخر رات میں (بقیہ رات یعنی) پوری رات کا چھٹا حصہ سو جاتے تھے (اس طرح دو تہائی رات سونے کے لئے اور ایک تہائی عبادت کے لئے انہوں نے مقرر کر رکھی تھی۔

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ ہم نے ہی پہاڑوں کو حکم دے رکھا تھا کہ شام و صبح ان کے ساتھ تسبیح کیا کریں۔

یہاں سے فصل الخطاب تک اللہ کی طرف سے حضرت داؤدؑ کی عزت افزائی کا بیان ہے۔

یسبحن پہاڑ داؤدؑ کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے۔ یہ جملہ حالیہ ہے گزشتہ حالت کا استحضار اور مسلسل تو بتو تسبیح پڑھنے کا اظہار مقصود ہے۔ بالعشی والاشراق کا ترجمہ کلبی نے کیا شام و صبح اشراق کا مطلب ہے روشنی کی چمک کا انتہا پر پہنچ جانا۔ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک اس سے چاشت کی نماز مراد ہے بغوی نے اپنی سند سے اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کے سلسلہ میں فرمایا اس آیت پر میرا ایمان تو تھا لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ اس کا (مراد ی) معنی کیا ہے یہاں تک کہ حضرت ام ہانی بنت ابوطالب نے فرمایا کہ (ایک روز) رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور وضو کا پانی طلب کیا پھر وضو کیا اور چاشت کی نماز (یعنی دن چڑھے) پڑھی اور نماز کے بعد فرمایا ام ہانی یہ اشراق کی نماز ہے۔ الاوسط میں طبرانی نے اور ابن مردویہ اور ابن جریر و حاکم نے عبداللہ بن حارث کے سلسلے سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے مجھے

چاشت کی نماز کا علم اسی آیت سے ہوا (اس سے پہلے میں نہیں جانتا تھا کہ چاشت کی نماز کونسی ہوتی ہے۔ سعید بن منصور نے بھی اس اثر کی تخریج کی ہے۔

وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ۖ اور (اسی طرح) پرندوں کو بھی جو تسبیح کے وقت ان کے پاس جمع کر دیے جاتے تھے۔

یعنی ہر طرف سے پرندے بھی جمع ہو کر داؤدؑ کے ساتھ اللہ کی تسبیح بیان کرتے تھے۔

كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ ﴿١٩﴾ سب (پہاڑ اور پرندے) ان کی (تسبیح کے وقت) ذکر میں مشغول ہوتے تھے۔

یعنی ان کی تسبیح کی وجہ سے وہ بھی تسبیح خداوندی کی طرف لوٹتے تھے معه یسبحن کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ داؤدؑ کے ساتھ اور ان کی موافقت و معیت میں پہاڑ تسبیح کرتے تھے اور له اواب کا مطلب یہ ہے کہ تسبیح میں برابر مشغول رہتے تھے۔

یا کل سے سب مراد ہیں یعنی داؤدؑ پہاڑ اور پرندے سب کے سب اللہ کی تسبیح میں مشغول ہوتے تھے۔

وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿٢٠﴾ اور ہم نے ان کی سلطنت کو بڑی قوت دی تھی اور ہم نے ہی ان کو حکمت اور فیصلہ کرنے والی تقریر عطا کی تھی۔

وشددنا ملکه یعنی ان کی حکومت کا ڈر (لوگوں کے دلوں میں ڈال دیا تھا) اور اپنی طرف سے نصرت اور فوجوں کی کثرت سے ان کی حکومت کو مستحکم کر دیا تھا۔ بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے تمام بادشاہوں سے بڑھ کر داؤدؑ کو اقتدار عطا فرمایا تھا ان کے قلعہ (اور شاہی محل) کی نگرانی ہر رات ۳۶ ہزار سپاہی کرتے تھے۔

بغوی نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے کسی آدمی نے کسی بڑے آدمی پر حضرت داؤدؑ کے سامنے دعویٰ کیا کہ اس نے میری گائیں چھین لی ہیں۔ حضرت داؤدؑ نے مدعی علیہ سے پوچھا اس نے انکار کر دیا آپ نے مدعی سے گواہ طلب کئے اس کے پاس گواہ نہ تھے آپ نے فرمایا اب چلے جاؤ میں تمہارے معاملہ پر غور کر کے فیصلہ کروں گا اللہ نے خواب میں حضرت داؤدؑ کے پاس وحی بھیجی کہ مدعی علیہ کو قتل کر دیا جائے۔ بیدار ہونے کے بعد آپ نے خیال کیا کہ یہ ایک خواب ہے میں فیصلہ میں جلدی نہیں کروں گا۔ دوسرے روز پھر یہی خواب دیکھا لیکن آپ نے خواب کی تعمیل نہیں کی تیسری بار خواب میں وحی آئی کہ مدعی علیہ کو قتل کر دو یا سخت سزا دو بیدار ہونے کے بعد حضرت داؤدؑ نے مدعی علیہ کو طلب کیا اور فرمایا اللہ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے کہ میں تجھے قتل کرادوں اس نے کہا کیا بغیر ثبوت کے آپ مجھے قتل کرادیں گے۔ حضرت داؤدؑ نے فرمایا ہاں خدا کی قسم میں تیرے معاملہ میں اللہ کا حکم نافذ کر کے رہوں گا جب اس شخص نے دیکھا کہ داؤدؑ مجھے قتل ہی کرادیں گے تو بولا آپ عجلت سے کام نہ لیں میں آپ کو اصل واقعہ بتائے دیتا ہوں میرے لئے اس جرم کی یہ سزا تجویز نہیں کی گئی ہے بلکہ میری یہ پکڑ ایک اور جرم میں ہوئی ہے میں نے اس مدعی کے باپ کو دھوکہ دے کر اچانک قتل کر دیا تھا اس کی مجھے یہ سزا دی گئی ہے حضرت داؤدؑ نے اس اقرار کے بعد اس کو قتل کرنے کا حکم دے دیا اور قتل کرا دیا۔ اس واقعہ سے بنی اسرائیل کے دلوں پر حضرت داؤدؑ کی ہیبت چھا گئی اور آپ کی حکومت بڑی مستحکم ہو گئی۔ عبد بن حمید ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بھی اس بیان کی حضرت ابن عباسؓ کی طرف نسبت کی ہے۔

الحکمة حکمت سے مراد ہے نبوت کامل علم اور عمل کا استحکام۔

فصل الخطاب بغوی نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ فصل الخطاب البینته علی المدعی والیمین علیٰ من انکر ہے (مدعی پر لازم ہے کہ گواہ پیش کرے اور گواہ نہ ہوں تو مدعی علیہ سے حلف لیا جائے) یہ ضابطہ تمام جھگڑوں کو طے کر دیتا ہے فریقین کی بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت ابی ابن کعب کا قول بھی یہی روایت میں آیا ہے حضرت ابیؓ نے فرمایا فصل الخطاب گواہ اور قسم ہے مجاہد اور عطاء بن رباح کا یہی قول ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ حسن کلبی اور مقاتل کے نزدیک فصل الخطاب سے مراد ہے بصیرت فیصلہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا واضح کلام مراد ہے۔ یعنی ایسا کلام جس سے مقصد واضح ہو جائے مخاطب کو مطلب سمجھنے میں کوئی اشتباہ نہ رہے جس میں

فصل وصل عطف اضمار اظہار وغیرہ تمام قواعد و بلاغت کا لحاظ رکھا گیا ہو۔ نہ اس میں اتنا اختصار ہو کہ مطلب سمجھنے میں خلل پیدا ہو جائے نہ اتنا طول ہو جو سننے والوں کے دلوں کو اکتا دے۔ آیت وَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا کی تفسیر کے ذیل میں سورۃ توبہ میں ہم نے ہجرت کے واقعہ میں اُمّ معبد کی ایک حدیث نقل کی ہے جس میں اُمّ معبد نے رسول اللہ ﷺ کے کلام کے متعلق بیان کیا تھا کہ ان کا کلام نہ اتنا کم تھا کہ مطلب فہمی میں خلل انداز ہو نہ اتنا زیادہ تھا کہ طبیعت کو اکتا دے الانزر ولا ھذرنہ ناقص نہ بیکار بکواس)

شعبی نے کہا حمد و ثناء کے بعد جب آدمی مقصد بیان کرنا چاہتا ہے اور بیان مقصد سے پہلے امّا بعد کہتا ہے تو یہ فصل الخطاب ہے بیضاوی نے لکھا ہے یہ فصل الخطاب اس لئے ہے کہ یہ لفظ حمد و ثنا کو بیان مقصد سے جدا کر دیتا ہے۔

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝۲۱ اور بھلا ان اہل مقدمہ کی بھی خبر پہنچی ہے جب کہ وہ لوگ داؤد کے عبادت خانہ کی دیوار پھلانگ کر داؤدؑ کے پاس پہنچے تھے۔

آیت میں استفہام تعجب آگیں ہے جو واقعہ سننے کا شوق دلانے کے لئے ہے الخصم اصل میں مصدر ہے اسی لئے اس کا اطلاق (ایک) دو اور زیادہ پر بھی ہوتا ہے یہاں مراد ہیں دو جھگڑنے والے اس کے جمع کی ضمیر خصم کی طرف راجع کی گئی اور دو کی طرف جمع کی ضمیر راجع کرنا عربی زبان میں درست ہے جیسے ایک دوسری آیت میں فقد صغت قلوبکما کہا گیا ہے اور اس میں تثنیہ کی ضمیر کی اضافت کی گئی ہے۔

اذ تسوروا تسور دیوار پر چڑھنا۔ یہ لفظ سور سے ماخوذ ہے جیسے تسنم سنام (کوہان) سے ماخوذ ہے۔

المحراب، قلعہ، قلعہ کو محراب اس لئے کہا جاتا ہے کہ قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر (باہر والوں سے) جنگ لڑی جاتی ہے۔ یا محراب سے عبادت خانہ مراد ہے عبادت خانہ بھی شیطان سے لڑنے کا مقام ہے۔

الخصم سے پہلے تحاکم کا لفظ محذوف ہے اور اذ کا تعلق تحاکم سے ہے یا نباء سے مراد ہے حضرت داؤد کے زمانہ کا ایک واقعہ اور لفظ قصہ نباء سے پہلے محذوف ہے اس صورت میں اذ کا تعلق نباء سے ہو سکتا ہے۔ اہل مقدمہ کا دیوار پھاند کر آنا حقیقت میں حضرت داؤدؑ کا امتحان تھا۔ یہ امتحان کیوں لیا گیا بغوی نے لکھا ہے اس کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ حضرت داؤدؑ نے ایک روز تمنا کی کہ ان کو بھی ان کے اسلاف ابراہیمؑ، اسحاق اور اسرائیل کا ہم مرتبہ بنا دیا جائے اور اللہ سے دعا کی کہ جس طرح میرے بزرگوں کا تو نے امتحان لیا اور امتحان کے بعد ان کو مراتب عنایت کئے اسی طرح مجھے بھی ان کی طرح مرتبہ میرا امتحان لینے کے بعد عطاء فرما دیا جائے۔ سدی کلبی اور مقاتل نے الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ اپنی اپنی اسناد کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت داؤدؑ نے وقت کے تین حصے کر رکھے تھے ایک روز تو لوگوں کے فیصلوں کے لئے مخصوص کر دیا تھا ایک دن اللہ کی عبادت کے لئے مخصوص تھا اور ایک روز اپنی عورتوں اور دوسرے مشاغل کے لئے۔

عبد بن حمید، ابن جریر اور ابن المنذر نے حسن کے حوالے سے بیان کیا کہ داؤدؑ نے اپنے وقت کو چار حصوں میں بانٹ دیا تھا۔ چوتھا دن وعظ کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ حضرت داؤد جو (آسمانی) کتابیں پڑھتے تھے ان میں ابراہیمؑ، اسحاق اور یعقوبؑ کی فضیلت کا تذکرہ تھا جو داؤدؑ پڑھا کرتے تھے ایک روز انہوں نے دعا کی اے رب میں سمجھتا ہوں کہ ساری خوبیاں تو میرے آباؤ اجداد لے گئے جو مجھ سے پہلے گزر چکے (مجھے بھی ان کا درجہ عنایت فرما) اللہ نے وحی بھیجی ان کو تو (مختلف) آزمائشوں میں مبتلا کیا گیا تھا اور ویسی آزمائشوں میں تم کو مبتلا نہیں کیا گیا۔ ابراہیمؑ کا امتحان تو نمرود کی طرف سے ایذاؤں کی شکل میں اور بیٹے کو ذبح کا حکم دے کر لیا گیا اور اسحاق کا امتحان ذبح ہونے پر راضی ہونے کی صورت میں لیا گیا اور نابینا بھی ان کو بنایا گیا یہ بھی ان کا امتحان ہوا اور یعقوبؑ کا امتحان یوسفؑ کی جدائی کے غم کی شکل میں لیا گیا (اور سب نے مصائب پر صبر کیا) داؤدؑ نے عرض کیا اے میرے رب اگر تو میرا بھی ان کی طرح امتحان لے گا تو میں بھی ثابت قدم رہوں گا اللہ نے وحی بھیجی اچھا تمہارا امتحان فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو لیا جائے گا چوکنے رہنا۔ جب اللہ کی مقررہ کردہ امتحانی تاریخ آئی تو داؤدؑ اپنے عبادت خانے کے اندر جا کر زبور

پڑھنے میں مشغول ہو گئے دوران قرأت میں شیطان کبوتر کی شکل میں سامنے آیا وہ کبوتر سونے کا بنا ہوا تھا۔ ہر خوبصورت رنگ اس میں موجود تھا بعض اقوال میں آیا ہے اس کے بازو موتی اور زمرد کے تھے کبوتر آکر داؤدؑ کے سامنے رک گیا آپ کو اس کی خوبصورتی عجیب معلوم ہوئی پکڑنے کے لئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تاکہ بنی اسرائیل کو بھی دکھائیں اور وہ بھی اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کریں جونہی پکڑنے کو ہاتھ بڑھایا کبوتر اڑ کر اتنے فاصلہ پر جا بیٹھا کہ داؤدؑ کو آگے بڑھ کر پکڑ لینے کا لالچ ہو زیادہ دور نہیں گیا داؤدؑ اس کی طرف بڑھے تو وہ کنارے تک پہنچ گیا داؤدؑ نے وہاں بھی اس کا پیچھا کیا تو وہ اڑ کر روشن دان میں جا بیٹھا داؤدؑ وہاں بھی پکڑنے کے لئے پہنچے تو وہ روشن دان سے نکل کر اڑ گیا۔ داؤد روشن دان سے دیکھتے رہے کہ یہ کہاں جا کر بیٹھتا ہے مقصد یہ تھا کہ کسی کو بھیج کر اس کو پکڑوالیں یہ دیکھ ہی رہے تھے کہ ایک حوض کے کنارے باغیچہ میں ایک عورت پر نظر پڑ گئی جو غسل کر رہی تھی۔

یہ الفاظ کلبی کی روایت کے ہیں۔ سدی کا بیان ہے کہ وہ عورت اپنی چھت پر غسل کر رہی تھی اور انتہائی حسین تھی۔ حضرت داؤدؑ اس کے حسن کو دیکھ کر اچنبھے میں پڑ گئے۔ اتفاقاً عورت کی نظر بھی پڑ گئی اور اس نے (کسی مرد کی) پرچھائیں دیکھ لی تو فوراً اپنے بال بکھیر کر جسم کو چھپالیا۔ حضرت داؤدؑ کو اس پر اور بھی تعجب ہوا۔ آپ نے لوگوں سے اس عورت کی بابت معلومات کیں تو بتایا گیا وہ شائع کی بیٹی تشائع اوریا بن حنانا کی بیوی ہے اور اس کا شوہر حضرت داؤدؑ کے بھانجے ایوب بن صور کے ساتھ بلقاء کے جہاد پر گیا ہوا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت داؤدؑ چاہتے تھے کہ اوریا جہاد میں شہید ہو جائے اور اس کی بیوی سے آپ نکاح کر لیں۔ یہی آپ کا قصور تھا۔ بعض نے بیان کیا کہ حضرت داؤدؑ نے اپنے بھانجے ایوب کو لکھا کہ اوریا کو فلاں جگہ (جہاد کے لئے) بھیج دو اور تابوت سے اس کو آگے رکھنا کیونکہ اس زمانہ میں یہی حکم تھا کہ جس شخص کو تابوت سے آگے بڑھا دیا جاتا اس کے لئے سواء اس کے اور کوئی صورت جائز نہیں تھی کہ یا تو وہ فتحیاب ہو کر لوٹے یا شہید ہو جائے ایوب نے اوریا کو آگے بھیج دیا لیکن وہ فتح یاب ہو گیا۔ ایوب نے داؤدؑ کو اس کی اطلاع دیدی۔ داؤدؑ نے ایوب کو دوسری تحریر بھیجی کہ فلاں فلاں دشمن کے مقابلہ پر اوریا کو بھیج دو ایوب نے حکم کی تعمیل کی اور یا پھر بھی فتح یاب ہو گیا ایوب نے داؤدؑ کو واقعہ لکھ دیا۔ داؤدؑ نے تیسری بار لکھا کہ فلاں دشمن جو بڑا قوی اور جنگجو ہے اوریا کو اس کے مقابلہ پر بھیجو اس مرتبہ اوریا شہید ہو گیا اور عدت گزرنے کے بعد داؤدؑ نے اس کی بیوہ سے نکاح کر لیا یہی بی بی حضرت سلیمان کی ماں ہوئی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا داؤدؑ کا گناہ یہ ہوا کہ انہوں نے ایک شخص سے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے درخواست کی (تاکہ اس کی بیوی سے خود نکاح کر لیں) اہل تفسیر نے لکھا ہے بنی اسرائیل کے لئے یہ بات جائز تھی لیکن اللہ کو یہ عمل پسند نہیں آیا کیونکہ اس عمل سے دنیا کی رغبت اور عورتوں کی زیادتی کی خواہش مترشح ہوتی ہے۔ (جو پیغمبر کے لئے زیبا نہیں) اللہ نے تو داؤدؑ کو اور عورتیں عطا فرما دی تھیں اس ایک عورت کی (مزید) ضرورت ہی نہیں تھی۔

بغوی نے حسن کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت داؤدؑ نے اپنے وقت کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ یہ ہی قول عبد بن حمید کا بھی تھا حسن کے بیان میں اتنا زیادہ ہے ایک روز بنی اسرائیل کو وعظ کہنے کا آپ نے مقرر کر دیا تھا۔ بنی اسرائیل کے ساتھ مل کر آپ ذکر خدا کرتے خود بھی روتے اور ان کو بھی رلاتے تھے۔

ایک روز بنی اسرائیل نے کہا کیا کوئی دن ایسا بھی گزرتا ہے جس میں کوئی گناہ نہ کرتا ہو حضرت داؤدؑ نے اپنے دل میں کہا ہاں، میں ایسا کر سکتا ہوں بعض اہل روایت نے بیان کیا کہ ایک روز آپ کے سامنے عورتوں کا تذکرہ لوگوں نے کیا (کہ ان کے جال سے کوئی بچ نہیں سکتا) حضرت داؤدؑ نے اپنے دل میں کہا اگر میرا امتحان لیا گیا تو میں محفوظ رہوں گا چنانچہ جب آپ کی عبادت کا دن آیا تو اپنے عبادت گاہ میں داخل ہو کر دروازے بند کرا دیئے اور حکم دیدیا کہ کسی کو میرے پاس آنے کی اجازت نہ دی جائے۔ پھر آپ توریت کی تلاوت میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔ اسی حالت میں ایک سونے کا بنا ہوا کبوتر آپ کے سامنے آگیا اس سے آگے کا واقعہ سطور بالا میں ذکر کر دیا گیا ہے۔

اوریا کے شہید ہو جانے کے بعد جب اس کی بیوہ سے آپ نے نکاح کر لیا تو کچھ ہی مدت گزری تھی کہ اللہ نے دو فرشتے دو آدمیوں کی شکل میں خاص عبادت کے دن بھیج دیے اور انہوں نے عبادت خانے میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی پہرے داروں کے انکار پر دونوں شخص دیوار پھاند کر اندر حضرت داؤدؑ کے پاس پہنچ گئے۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے آپ کو اس وقت ان کا علم ہوا جب وہ آپ کے سامنے جا کر بیٹھ گئے یہ دونوں فرشتے جبرئیلؑ و میکائیلؑ تھے۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ وَ لَا تُشْطِطْ وَ اهْدِنَاۤ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ جب وہ داؤدؑ کے پاس پہنچ گئے تو داؤدؑ ان (کے اس طرح آنے) سے گھبرا گئے وہ کہنے لگے آپ کچھ اندیشہ نہ کریں ہم دونوں اہل مقدمہ ہیں (ایک مدعی ہے دوسرا مدعی علیہ) ایک نے دوسرے پر کچھ زیادتی کی ہے آپ انصاف سے ہمارا فیصلہ کر دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے (یعنی کسی کی رورعایت نہ کیجئے) اور ہم کو (معاملہ کی) سیدھی راہ بتا دیجئے۔

فَفَزِعَ مِنْهُمْ کسی شخص کے اندر آنے کی ممانعت تھی پہریدار دروازہ پر موجود تھے جو کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے پھر وہ دونوں شخص کیسے اندر آ گئے اس سے حضرت داؤدؑ کو اندیشہ ہوا۔

خَصْمٰنِ یعنی ہم فریقین معاملہ ہیں۔

بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ اس جملہ کی بناء فرض و تسلیم پر ہے اور تعریض مقصود ہے یعنی جب ہم دونوں مدعی مدعا علیہ اور فریقین مقدمہ ہیں تو ضرور ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔

لَا تُشْطِطْ یعنی حد عدل سے آپ نہ ہٹیں فیصلہ میں جور نہ کریں شط شططا (مجرّد ثلاثی) اور اشط اشطاطا (ثلاثی مزید) دونوں ہم معنی آتے ہیں یعنی اس نے جور کیا حد عدل سے تجاوز کیا شطط اور اشطاط اصل میں مکان کے دور ہونے کو کہتے ہیں شطت الدار اور اشططت الدار کا معنی ہے وہ مکان دور ہے۔

سَوَآءِ الصِّرَاطِ سواء مصدر بمعنی مستوی ہے یعنی وسط راہ نہ اودھر لودھر سواء کی اضافت صراط کی طرف اضافت صفت الی الموصوف ہے۔ صراط موصوف ہے اور سواء اس کی صفت جیسے اخلاق ثیاب (پرانے کپڑے)۔

اِنَّ هٰذَاۤ اَخِیْ لَهٗ تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا وَ عَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾

(پھر ایک شخص بولا) یہ میرا (دینی) بھائی ہے (ہم دونوں ایک ہی شریعت کو مانتے ہیں) اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس (صرف) ایک دنبی ہے سو وہ کہتا ہے کہ وہ ایک بھی مجھے دیدے (میری دنبیوں کے ساتھ اس کو بھی ملا دے) اور بات چیت میں اس نے مجھ کو دبایا ہے در پردہ لفظ نعجہ سے اس کی مراد عورت تھی۔ عرب لوگ بطور کنایہ نعجہ بولکر عورت مراد لیتے ہیں حسن بن فضل نے کہا یہ لفظ اس نے تنبیہ کرنے اور سمجھانے کے لئے کہا تھا واقع میں وہاں دنبیاں نہیں تھیں۔

اکفلنیھا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یعنی وہ مجھے دیدے۔ مجاہد نے کہا یعنی اس کو میرے لئے چھوڑ دے یعنی اس کو طلاق دیدے یا اس سے نکاح نہ کر اس لفظ کا لغوی ترجمہ ہے میری (دنبیوں کے ساتھ اس کو بھی ملا دے جیسے دوسری دنبیاں میری کفالت میں ہیں اسی طرح اس کو بھی میری کفالت میں دیدے۔ بعض اہل تفسیر نے ترجمہ کیا ہے اس دنبی کو میرے حصہ میں دیدے کفل کا معنی ہے حصہ۔

عزنی فی الخطاب گفتگو میں یہ مجھ پر غالب آ جاتا ہے (مجھے دباتا ہے) ضحاک نے کہا مراد یہ ہے کہ یہ مجھ سے زیادہ زبان آور اور زور آور ہے بات چیت میں بھی مجھے دبا لیتا ہے اور اگر میں اس سے لڑوں تو میری کمزوری کی وجہ سے یہ مجھ پر غالب آتا ہے لیکن میں حق پر ہوں حق میرا ہے۔

بعض علماء نے کہا مطلب یہ ہے کہ ایک عورت کو پیام نکاح میں نے بھیجا اور اس نے بھی میرے پیام پر پیام دیا پھر یہ

مجھ پر غالب آیا اور اس نے اس عورت سے نکاح کر لیا۔

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ۗ داؤدؑ نے کہا بلاشبہ اس نے تجھ پر ظلم کیا کہ اپنی دنبیوں میں تیری دنبی کو (چھین کر) کو ملا لینے کا طلب گار ہو اور اکثر شرکاء کی عادت ہے کہ ایک دوسرے پر (یونہی) زیادتی کیا کرتے ہیں مگر ہاں جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں وہ مستثنیٰ ہیں اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں۔

قال یعنی مدعی علیہ کے اقرار کے بعد داؤدؑ نے کہا لقد ظلمک بعض لوگوں نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اگر تیری بات صحیح ہے تو بلاشبہ اس نے تیری حق تلفی کی جملہ کو مؤکد بقسم ذکر کرنے سے مدعی علیہ کے فعل کی برائی اور اس کے ناجائز لالچ کی مذمت پر زور طور پر کرنا مقصود ہے۔

الخطاء یعنی شرکاء جو آپس میں اپنا مال مخلوط کر لیتے ہیں۔ خلطاء خلیط کی جمع ہے۔

قلیل ماھم اس میں مازیادہ ہے جو ابہام اور تعجب کو ظاہر کرنے کے لئے بڑھا دیا گیا ہے۔ غرض داؤدؑ نے جب ان کا فیصلہ کر دیا تو ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنسا پھر دونوں آسمان کی طرف چڑھ کر (غائب ہو گئے)۔

وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ۩ ﴿۲۴﴾ اور داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے ان کا امتحان لیا ہے فوراً وہ اپنے رب سے معافی کے خواستگار ہوئے اور سجدے میں گر پڑے اور (ہماری طرف) رجوع ہوئے۔

وظن داؤد یعنی داؤد سمجھ گئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ ہم نے ان کی جانچ کی ہے کہ اس مقدمہ سے وہ بیدار ہوتے ہیں یا نہیں۔

سدی نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ جب ایک نے ان ھذا اخی الخ کہا تو حضرت داؤدؑ نے دوسرے سے پوچھا تو کیا کہتا ہے اس نے جواب دیا بے شک میرے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور اس کی ایک دنبی ہے میں اس کی دنبی لے کر اپنی سو دنبیاں پوری کرنی چاہتا ہوں مگر اس کو یہ بات ناگوار ہے حضرت داؤدؑ نے فرمایا تو میں تجھ کو اس کی اجازت نہیں دوں گا اگر تو نے اس کا ارادہ بھی کیا تو میں اس پر (ناک پر) اور اس پر (ناک کی جڑ پر) اور اس پر تیری پیشانی پر ماروں گا اس نے کہا داؤدؑ آپ اس سزا کے زیادہ مستحق ہیں اوریا کی تو ایک ہی عورت تھی اور آپ کی ننانوے تھیں آپ برابر اس کے مارے جانے کے درپے رہتے آخر وہ قتل ہو گیا اور آپ نے اس کی بیوی سے نکاح کر لیا اس کے بعد داؤدؑ نے جو دیکھا تو کوئی بھی نظر نہ آیا (دونوں غائب ہو گئے) اس وقت حضرت داؤدؑ سمجھ گئے کہ میں کیسی مصیبت میں مبتلا ہو گیا۔

وہ علماء جو انبیاء کو اس طرح کے عیوب سے پاک مانتے ہیں اس قصہ کے متعلق ان کا قول ہے کہ حضرت داؤدؑ کا قصور صرف اتنا تھا کہ انہوں نے اوریا کی بیوی کو اپنے لئے بنائے جانے کی دل میں تمنا کی تھی اتفاقاً اوریا کسی جہاد پر گیا اور لڑائی میں آگے بڑھ کر شہید ہو گیا۔ حضرت داؤدؑ کو اس کے قتل ہو جانے کی خبر ملی تو آپ اس کے مارے جانے پر ایسے رنجیدہ نہیں ہوئے جیسے آپ کی عادت تھی کہ فوج کا جو سپاہی مارا جاتا تو آپ کو اس کا سخت رنج ہوتا اور آپ غمگین ہو جاتے تھے۔ اس کے بعد آپ نے اوریا کی بیوہ سے نکاح کر لیا اتنے ہی قصور پر آپ پر اللہ کی طرف سے عتاب ہوا کیونکہ انبیاء کا مرتبہ اللہ کے نزدیک چونکہ بہت اونچا ہے اس لئے انبیاء کے چھوٹے گناہ بھی خدا کی نظر میں بڑے ہوتے ہیں۔

بعض اہل علم نے کہا کہ حضرت داؤدؑ کا قصور صرف یہ تھا کہ اوریا نے ایک عورت کو نکاح کا پیام بھجوایا پھر کسی جہاد پر چلا گیا اور غائب ہو گیا اس کے غائب ہو جانے کے بعد حضرت داؤدؑ نے اس عورت کو اپنے نکاح کا پیام بھیجا اور اس سے نکاح کر لیا اوریا (کو اس کی اطلاع ملی تو وہ بہت رنجیدہ ہوا اور داؤد پر اللہ کا عتاب نازل ہوا کہ اس ایک عورت کو بھی انہوں نے (اول) پیام نکاح بھیجنے والے کے لئے نہیں چھوڑا باوجودیکہ ان کے پاس ننانوے عورتیں موجود تھیں۔

بغوی نے حضرت انسؓ بن مالک کی روایت سے بیان کیا ہے حضرت انسؓ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ داؤد نبی نے جو اس عورت کی طرف نظر کی تو دل میں ایک ارادہ کیا اور سپہ سالار کو حکم بھجوا دیا کہ جب دشمن کا مقابلہ ہو تو فلاں شخص کو تابوت کے آگے کر دینا اس زمانہ میں تابوت کی برکت سے ہی اللہ کی نصرت طلب کی جاتی تھی جو شخص تابوت سے آگے ہو تا وہ لوٹ نہیں سکتا تھا یا مارا جاتا یا فتح یاب ہوتا اور دشمن کو شکست ہو جاتی۔ چنانچہ اس عورت کا شوہر شہید ہو گیا اور دو فرشتے نازل ہوئے اور انہوں نے (مذکورہ بالا) قصہ بیان کیا اس وقت داؤدؑ حقیقت کو سمجھ گئے فوراً سجدہ میں گر پڑے اور چالیس روز تک سجدہ میں پڑے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے گھاس اگ کر سر کے اوپر آگئی اور مٹی نے پیشانی (کی کھال) کو کھا لیا سجدہ کی حالت میں وہ برابر کہہ رہے تھے اے میرے رب داؤد سے وہ عظیم الشان لغزش ہو گئی جو مشرق و مغرب کے درمیانی فاصلہ سے بھی بڑی ہے اے میرے رب اگر تو داؤدؑ کے قصور کو کہانی بنا دے گا۔ (تو پھر داؤد پر کون رحم کرے گا) چالیس روز کے بعد حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور کہا داؤد اللہ نے تمہارا وہ ارادہ یعنی (گناہ کا ارادہ) معاف کر دیا جو تم کر چکے تھے۔ داؤد نے کہا بے شک میرا رب میرے گناہ کے ارادہ کو معاف کر دینے کی قدرت رکھتا ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ اللہ منصف ہے (خلاف عدل) کسی کی طرف اس کا جھکاؤ نہ ہو گا پھر قیامت کے دن جب فلاں شخص (آئے گا اور بطور استغاثہ) کہے گا اے میرے رب میرا خون جو داؤد کے ذمے ہے (اس کا عوض دلوا دے) جبرئیل نے کہا اس کے متعلق تو میں نے آپ کے رب سے کچھ دریافت نہیں کیا اگر آپ کی خواہش ہے تو میں ایسا ضرور کروں گا (اور آپ کو فرمان خداوندی بتا دوں گا)

حضرت داؤدؑ نے کہا ہاں (میری خواہش یہی ہے) جبرئیلؑ اوپر چڑھ گئے اور داؤدؑ سجدہ میں پڑ گئے اور وقت حسب مشیت خدا گزرتا رہا پھر جبرئیلؑ اترے اور کہا داؤدؑ میں نے اللہ سے اس بات کے متعلق جس کے لئے آپ نے مجھے بھیجا تھا دریافت کیا تھا اللہ نے فرمایا داؤدؑ سے کہہ دے کہ قیامت کے دن اللہ تم کو اور اس کو جمع کرے گا اور اس سے فرمائے گا جو خون تیرا داؤدؑ کے ذمے ہے وہ مجھے بخش دے وہ جواب دے گا اے میرے رب میں نے تجھے (اختیار) دیا اللہ فرمائے گا اس کے عوض جنت کے اندر تو جو کچھ چاہے اور جس چیز کی تجھے خواہش ہو لیلے۔

کعب احبار اور وہب بن منبہ کا بالاتفاق بیان ہے کہ جب دونوں فرشتے داؤدؑ کے پاس آئے اور داؤد نے اپنے ہی خلاف مقدمہ کا فیصلہ کر دیا تو دونوں اپنی اصلی صورتوں میں آگئے اور یہ کہتے ہوئے اوپر چڑھ گئے کہ اس شخص نے اپنے ہی خلاف فیصلہ کر دیا اور داؤد بھی سمجھ گئے کہ وہ مصیبت میں مبتلا ہو گئے فوراً سجدہ میں گر پڑے اور چالیس روز سجدے میں پڑے رہے نہ کچھ کھاتے تھے نہ پیتے تھے روتے رہتے تھے یہاں تک کہ گھاس ان کے سر کے اردگرد اگ آئی برابر اللہ کو پکارتے اور قبول توبہ کی درخواست کرتے رہے حضرت داؤد سجدہ کی حالت میں یہ دعا کرتے تھے پاک ہے وہ بادشاہ جو سب سے بڑی عظمت والا ہے مخلوق کی جس طور پر چاہتا آزمائش کرتا ہے پاک ہے نور کا خالق پاک ہے وہ جو دلوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے پاک ہے نور کا خالق الٰہی میرے معبود تو نے مجھے اور میرے دشمن ابلیس کو خالی چھوڑ دیا پھر جب فتنہ مجھ پر پڑا تو اس میں کھڑا نہ رہ سکا پاک ہے نور کا خالق داؤدؑ کے لئے ہلاکت ہو گی اس روز جب اس کا پردہ فاش ہو جائے گا اور فرشتہ کہے گا یہ ہے خطاکار داؤد پاک ہے نور کو پیدا کرنے والا اے میرے معبود میں کس آنکھ سے (سر اٹھا کر) تیری طرف دیکھوں گا ظالم تو پوشیدہ نظروں سے اس روز دیکھیں گے پاک ہے نور کو پیدا کرنے والا اے میرے معبود میں کن قدموں سے اس روز تیرے سامنے چلوں گا جب گناہ گاروں کے قدم ڈگمگا رہے ہوں گے پاک ہے نور کو پیدا کرنے والا اے میرے معبود مجھ میں تیرے سورج کی گرمی (برداشت کرنے کی) طاقت نہیں تیری دوزخ کی گرمی کیسے برداشت کر سکوں گا اے میرے معبود میں تیرے رعد کی آواز کو سننے کی طاقت نہیں رکھتا تو جہنم کی آواز (کو سننے) کی طاقت میرے اندر کیسے ہو گی پاک ہے نور کو پیدا کرنے والا ہلاکت ہے۔ داؤدؑ کی اس گناہ کی وجہ سے جس کا اس نے ارتکاب کیا پاک ہے نور کو پیدا کرنے والا اے میرے معبود تو میری اندرونی اور بیرونی باتوں کو جانتا ہے میری معذرت کو قبول فرما پاک ہے نور کا خالق اے میرے رب میں تیری ذات کریم کے نور کی ان گناہوں سے پناہ چاہتا ہوں جنہوں نے مجھے ہلاک

کر دیا پاک ہے نور کو پیدا کرنے والا۔ اے میرے معبود میں تیرے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار اور اپنی خطا کا اعتراف کرتا ہوں مجھے نا امید نہ کر اور قیامت کے دن مجھے رسوا نہ کر۔ پاک ہے نور کا خالق۔

مجاہد کا بیان ہے داؤد چالیس روز تک یونہی سجدہ میں پڑے رہے سر اوپر نہ اٹھایا اور روتے رہے یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے گھاس اگ آئی جس نے آپ کے سر کو چھپالیا۔ چالیس روز کے بعد ندا آئی داؤد کیا تو بھوکا ہے کہ تجھے کھانا دے دیا جائے یا پیاسا ہے کہ تجھے پانی پلا دیا جائے یا ننگا ہے کہ تجھے لباس دے دیا جائے میں تو بلا مانگے یہ چیزیں تجھے دیتا ہوں داؤد اتنا روئے کہ آپ کے سینہ کی گرمی سے لکڑی بھڑکنے لگی اور جل گئی اس کے بعد اللہ نے قبول توبہ اور مغفرت کا حکم نازل فرمایا۔

وہب کا بیان ہے داؤد کو ندا آئی کہ میں نے تجھے بخش دیا۔ داؤد نے عرض کیا یہ کیسے ہوگا تو تو کسی پر ظلم نہیں کرتا (پھر اوریا کے حق کا کیا ہوگا) حکم ہوا اوریا کی قبر پر جاؤ اور اس کو پکارو میں تمہاری آواز اس کو سنادوں گا اس کے حق سے تم سبکدوش ہو جاؤ گے حسب الحکم داؤد روانہ ہو گئے کمبل کا لباس پہن لیا اور اوریا کی قبر کے پاس بیٹھ کر اس کو آواز دی اوریا نے کہا کون ہے جس نے میرے مزے میں خلل ڈالا اور مجھے بیدار کر دیا۔ داؤد نے کہا میں داؤد ہوں اوریا نے کہا اے اللہ کے نبی آپ کو کیا چیز یہاں لائی داؤد نے کہا میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ میری طرف سے جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا اس سے تم مجھے سبکدوش کر دو اوریا نے کہا آپ کی طرف سے میرے ساتھ کیا برا سلوک ہو گیا۔ داؤد نے کہا میں نے تم کو قتل ہونے کی پیش کش کی اوریا نے کہا آپ تو میرے سامنے جنت لے آئے۔ آپ میری طرف سے سبکدوش ہیں۔ اللہ نے داؤد کے پاس وحی بھیجی اور فرمایا داؤد کیا تم نہیں جانتے کہ میں عادل حاکم ہوں کسی کی جنبہ میں فیصلہ نہیں کرتا۔ تم نے اس کو یہ کیوں نہیں جتلایا کہ تم نے اس کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے۔ داؤد پھر اوریا کی قبر کی طرف لوٹے اور اس کو آواز دی اوریا نے جواب میں کہا کون ہے جس نے میرے مزے میں خلل ڈالا۔ داؤد نے کہا میں داؤد ہوں اوریا نے کہا اے اللہ کے نبی کیا میں نے آپ کو معاف نہیں کر دیا داؤد نے کہا ہاں (یہ تو کیا تھا) لیکن میں نے تیرے ساتھ تیری بیوی کے لئے ایسا کیا تھا۔ چنانچہ میں نے اس سے نکاح کر لیا اوریا خاموش ہو گیا پھر کوئی جواب نہیں دیا بار بار داؤد نے پکارا مگر اوریا نے کوئی جواب نہیں دیا داؤد اس کی قبر کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے سر پر خاک ڈالنے لگے اور پکارنے لگے داؤد کی ہلاکت ہوگی اس روز جب کہ انصاف کی ترازو میں قائم کی جائیں گی پاک ہے نور کا خالق ہلاکت ہوگی پھر بڑی ہلاکت ہوگی۔ داؤد کی جب کہ اس کو ٹھوڑی پکڑ کر مظلوم کے حوالے کر دیا جائے گا پاک ہے نور کو پیدا کرنے والا ہلاکت ہوگی پھر بڑی ہلاکت ہوگی داؤد کی جبکہ منہ کے بل اس کو کھینچ کر دوزخ میں گناہ گاروں کے ساتھ ڈال دیا جائے گا پاک ہے نور کو پیدا کرنے والا۔

آسمان سے ایک ندا آئی داؤد میں نے تیری خطا معاف کر دی مجھے تیرے رونے پر رحم آگیا اور میں نے تیری دعا قبول کر لی اور تیری لغزش سے درگزر کی داؤد نے عرض کیا اے میرے رب یہ کیسے ہوگا صاحب حق نے تو مجھے معاف نہیں کیا اللہ نے فرمایا داؤد میں قیامت کے دن اتنا ثواب دوں گا کہ اس کی آنکھوں نے دیکھا نہ ہوگا نہ اس کے کانوں نے سنا ہوگا پھر میں اس سے کہوں گا کیا تو میرے بندے داؤد سے راضی ہو گیا وہ کہے گا اے میرے رب مجھے یہ ثواب کہاں سے مل گیا۔ میرے اعمال تو یہاں تک پہنچانے کے قابل نہیں تھے۔ میں کہوں گا یہ میرے بندے داؤد کے (جرم کے) بدلے میں تجھے دیا گیا ہے اب میں تجھ سے اس کے جرم معاف کر دینے کا خواستگار ہوں آخر وہ میری وجہ سے تجھے معاف کر دے گا۔ داؤد نے کہا اب میں نے جان لیا کہ تو نے مجھے معاف کر دیا۔

خرّ راکعاً داؤد سجدہ میں گر گئے سجود کو رکوع کہا گیا کیونکہ رکوع سجود کا مبدا ہے (یعنی رکوع کے بعد سجود ہوتا ہے)

بعض اہل علم نے یہ مطلب بیان کیا کہ داؤد راکع ہونے کی حالت میں سجدہ میں گر گئے گویا انہوں نے نماز استغفار کی دو رکعتوں کے لئے احرام کیا تھا (نیت کی تھی اور تکبیر تحریمہ کہی تھی) پھر نماز میں ہی سجدہ میں گر گئے اور اللہ کی طرف رجوع کیا توبہ کی۔ علماء حنفیہ نے یہیں سے استدلال کیا ہے کہ جس نے آیت سجدہ پڑھی پھر فوراً سجدۂ تلاوت کی نیت سے رکوع کر لیا تو

اس کے لئے کافی ہے (سجدۂ تلاوت ہو گیا) کیونکہ آیت خر راکعاً میں رکوع کا سجدہ پر اطلاق کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت سجدہ میں سجدہ مقصود نہیں ہے بلکہ تعظیم خداوندی مقصود ہے اور تعظیم کا مفہوم سجدے اور رکوع دونوں میں ایک جیسا ہے۔

اللہ کی تعظیم کی ضرورت یا تو اس وجہ سے ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کی تعظیم کی ہے ان کی پیروی ہو جائے یا جن لوگوں نے اللہ کے سامنے غرور کیا ہے ان کی مخالفت ہو جائے تقاضائے قیاس یہی ہے۔

امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت کی جگہ صرف رکوع کافی نہیں ہے (قیاس جلی کا تقاضا اگرچہ وہی ہے جو حنفیہ نے بیان کیا لیکن) استحسان (یعنی قیاس خفی) کا تقاضا اس کے خلاف ہے (استحسان چاہتا ہے کہ رکوع بجائے سجدہ کے کافی نہ ہو) کیونکہ سجدۂ تلاوت کی آیت پڑھنے سے جو تعظیم واجب ہو جاتی ہے وہ (عام بہمہ ہیئت تعظیم نہیں بلکہ) بصورت سجدہ واجب ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ آیت تلاوت (نماز میں) پڑھنے کے بعد اگر فوراً رکوع نہیں کیا اور اسکے بعد دوسری آیات کی قرأت لمبی کر لی اور پھر رکوع تلاوت کیا تو کسی امام اور عالم کے نزدیک یہ رکوع خواہ نیت سجود تلاوت کیا ہو کافی نہ ہو گا اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں۔

رہی آیت تو اس میں راکعاً کا ترجمہ ساجداً کرنا اور رکوع سے سجدہ مراد لینا نا قابل تسلیم ہے اور اگر مان بھی لیا جائے تو یہ صرف مجازی معنی ہو گا مجازی معنی مراد لینے سے یہ لازم نہیں کہ (ہر جگہ) مجاز حقیقت کی جگہ یا حقیقت مجاز کی جگہ لے لے۔

امام ابو حنیفہؒ نے قیاس جلی کو استحسان پر ترجیح دی ہے کیونکہ اس جگہ قیاس کی تاثیر قوی ہے کیونکہ قیاس کی تائید اور تقویت ایک صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عمرؓ نے نماز کے اندر (آیت سجدہ پڑھنے کے بعد رکوع کو سجدہ کی جگہ کافی قرار دیا ہے اور کسی دوسرے صحابی کا اس سے اختلاف کسی روایت میں نہیں آیا (اس سے معلوم ہوا کہ یہ اجماعی فیصلہ ہے)

قیاس خفی (استحسان) کی قیاس جلی پر ترجیح صرف خفی (اور عمیق و دقیق) ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتی نہ ظاہر کی خفی پر ترجیح محض ظاہر ہونے کی بناء پر ہوتی ہے بلکہ دوسرے معانی کی وجہ سے ہوتی ہے جو ظاہر یا خفی کے ساتھ ہوتے ہیں خفی کے مقابلے میں ظاہر متبادر کی ترجیح کچھ اوپر دس موقعوں پر ہوتی ہے جن کی تفصیل اصول فقہ میں بیان کر دی گئی ہے البتہ استحسان کی ترجیح کے مواقع محدود نہیں ہیں۔

مسئلہ: آیت سجدہ کی تلاوت کے فوراً بعد اگر رکوع کر لیا اور رکوع کی شکل میں سجدۂ تلاوت ادا کرنے کی نیت نہیں کی پھر سجدہ کر لیا تو یہ نماز کا سجدہ سجدۂ تلاوت کے قائم مقام ہو جائے گا۔ سجدۂ تلاوت کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

اگر آیت تلاوت پڑھنے کے بعد ایک یا دو آیتیں اور پڑھ لیں پھر رکوع کیا اور رکوع کے بعد حسب معمول نماز کا سجدہ کیا تب بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سجدہ تلاوت ادا ہو جائے گا لیکن جمہور (یعنی باقی تینوں اماموں) کے نزدیک اس صورت میں سجدۂ تلاوت نماز کا سجدہ کرنے سے ادا نہ ہو گا۔

اگر آیت سجدہ کی تلاوت دو سے زائد آیات پڑھ لیں پھر رکوع اور سجدۂ صلاۃ کیا تو کسی امام کے نزدیک سجدۂ تلاوت ادا نہیں ہو گا خواہ سجدۂ تلاوت کی نیت ہی کی ہو۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہ کے نزدیک جب تک نماز میں ہے سجدۂ تلاوت کی قضا واجب ہے جمہور احناف کا یہی قول ہے۔

محمد بن سلمہ نے کہا سجدۂ صلوٰۃ کا سجدۂ تلاوت کے قائم مقام بن جانا محض تقاضا قیاس ہے۔

استحسان اس کی اجازت نہیں دیتا۔ استحسان تو کہتا ہے کہ نماز کا سجدہ بجائے خود فرض ہے وہ کسی دوسرے سجدہ کا قائم مقام نہیں ہو سکتا جیسے رمضان کا روزہ کسی دوسرے فوت شدہ روزے کا قائم مقام نہیں نہ کوئی فوت شدہ روزہ رمضان کے اندر کسی روزہ سے ادا ہو سکتا ہے یہاں قیاس کو استحسان پر ترجیح حاصل ہے البتہ سجدۂ تلاوت کے قائم مقام رکوع کا ہو جانا تو یہ خلاف

قیاس ہے اور یہ ظاہر ہے استحسان کی رو سے اس کے جواز کا قول کیا گیا ہے اور یہ قیاس خفی ہے۔
مسئلہ: سورت ص کی یہ آیت پڑھنے سے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے امام ہر سجدۂ تلاوت کو سنت کہتے ہیں (واجب نہیں مانتے) اس لئے ان کے نزدیک اس جگہ بھی سجدۂ تلاوت مسنون ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مشہور قول میں یہ سجدۂ شکر ہے جو نماز کے اندر نا جائز ہے اور نماز سے باہر مستحب ہے۔
ابن جوزی نے کہا یہ سجدہ عزائم (واجب) سجدوں میں سے نہیں ہے دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو سورۂ صٓ میں سجدہ کرتے دیکھا (مگر) یہ عزائم سجدہ میں سے نہیں ہے رواہ ابن الجوزی من طریق الترمذی ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔
میں کہتا ہوں بخاری نے صحیح میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ص کا سجدہ واجب سجدوں میں سے نہیں ہے (مگر) میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس میں سجدہ کرتے دیکھا ہے۔
دوسری روایت ہے کہ مجاہد نے کہا میں نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کیا میں سورت ص میں سجدہ کروں آپ نے پڑھا وَمِنۡ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيۡمٰنَ فَبِهُدٰىهُمُ اقۡتَدِهۡ تک اور فرمایا تمہارے نبی کو حکم دیا گیا ہے کہ دوسرے انبیاء کی اقتداء کریں حضرت ابن عباسؓ کا یہ جواب دلالت کر رہا ہے کہ آپ ﷺ کے نزدیک بھی اس جگہ سجدہ واجب ہے یہ روایت ہمارے لئے حجت اور ہمارے قول کی دلیل ہے رہا حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول کہ یہ واجب سجدوں میں سے نہیں ہے تو یہ روایت موقوف ہے اس کے مقابل حضرت ابن عباسؓ کا مؤخر الذکر قول مرفوع ہے جو رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے۔
ابن جوزی نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ حضرت ابو سعیدؓ نے فرمایا ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ہم کو خطاب کیا اور سورت ص پڑھی جب آیت سجدہ پر پہنچے تو ممبر سے اتر کر سجدہ کیا ہم نے بھی آپ کے ساتھ کیا پھر دوران خطبہ میں آپ ﷺ نے یہی سورت پڑھی جب آیت سجدہ پر پہنچے تو ہم سجدہ کرنے کے لئے منتشر ہو گئے حضور ﷺ نے ہم کو (اس حالت میں) دیکھ کر فرمایا یہ تو ایک نبی کی توبہ کا سجدہ ہے۔ مگر میں تم کو دیکھ رہا ہوں کہ تم سجدہ کے لئے تیار ہو۔ پھر آپ ﷺ نے ممبر سے اتر کر سجدہ کیا اور ہم نے بھی سجدہ کیا۔ رواہ ابن الجوزی من طریق الدار قطنی۔
اس حدیث میں بھی ہمارے قول کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے زیادہ سے زیادہ اتنا مستفاد ہوتا ہے کہ عام سجدۂ تلاوت واجب نہیں (مسنون ہے) جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے اور میرے نزدیک فتویٰ کے لئے یہی مناسب بھی ہے۔
احناف میں سے طحاوی کا قول امام ابو حنیفہؒ کے قول کے خلاف ہے (طحاوی سجدۂ تلاوت کو مسنون کہتے ہیں)
ہماری ایک دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ص میں سجدہ کیا رواہ ابن الجوزی من طریق الدار قطنی حضرت ابو سعید کا قول بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ص میں سجدہ کیا رواہ الطحاوی وابوداؤد والحاکم۔
بیہقی نے بیان کیا ہے کہ متعدد صحابہؓ نے ص میں سجدہ کیا۔ حضرت سائب بن یزید کا بیان ہے۔ میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی آپ نے سورت ص پڑھی اور اس میں (تلاوت کا) سجدہ کیا نماز ختم ہونے کے بعد ایک شخص نے دریافت کیا امیر المومنین کیا یہ واجب سجدوں میں سے ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ اس میں سجدہ کرتے تھے۔ ابو مریم راوی ہیں کہ حضرت عمر جب شام میں آئے تو حضرت داؤد کے عبادت خانہ میں بھی گئے وہاں آپ نے نماز پڑھی (اور سورت ص پڑھی جب آیت سجدہ پر پہنچے تو سجدہ کیا۔
حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ص میں سجدہ کیا اور فرمایا داؤد نے سجدہ توبہ کیا تھا اور ہم سجدۂ شکر کرتے ہیں۔ رواہ النسائی من حدیث حجاج بن محمد عن عمر بن ذر۔ موصولاً ورواہ الدار قطنی والشافعی فی الأم عن ابن عیینۃ عن ایوب عن عکرمۃ عن ابن عباسؓ عن النبی ﷺ دوسرا سلسلہ روایت اس طرح ہے عبداللہ بن بزیع عن عمر بن ذر عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ عن النبی ﷺ ابن بزیع کی وجہ سے یہ سلسلہ معلل مجروح ہے ابن السکن نے اس کی تصحیح کی ہے اور

ابن عدی نے غیر معتبر کہا ہے۔ کذا قال ابن حجر ابن ہمام نے کہا اس حدیث سے زائد یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت داؤدؑ کے متعلق اس سجدہ کی وجہ بیان کردی اور ہمارے لئے اس کی وجہ بیان کردی (حضرت داؤدؑ کے لئے توبہ کے لئے اور ہمارے لئے شکر کے طور پر) لیکن بطور شکر اس سجدہ کا ہونا اس کے واجب ہونے کے تو نہیں روکتا تمام فرائض و واجبات کا وجوب اللہ کے پیہم اور مسلسل نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے ہی تو ہوا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ نے مسند میں بروایت سماک بن حرب از عیاض اشعری از حضرت ابو موسیٰ اشعری بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ص میں سجدہ کیا۔ امام احمد نے بکر بن عبداللہ مزنی کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت ابو سعید خدریؓ نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں سورۂ ص لکھ رہا ہوں جب آیت سجدہ پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ دوات قلم اور ہر چیز جو میرے سامنے موجود تھی الٹ کر سربسجود ہو گئی میں نے یہ خواب رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا لیکن آپ نے سجدہ نہیں کیا۔ ابن ہمام نے کہا اس سے معلوم ہوا کہ ص میں دوسری آیات سجدہ کی طرح سجدہ کی پابندی کا حکم ہو گیا اور اسی پر استقرار رہا۔ اس سے پہلے اس کی عزیمت نہ تھی اس سے معلوم ہوا کہ سابق میں جو ابو سعید کی روایات ہیں وہ اس قصہ سے پہلے کی تھیں۔

فصل

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ ایک شخص خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے آج رات خواب میں دیکھا کہ میں ایک درخت کی آڑ میں نماز پڑھ رہا ہوں جب میں نے سجدہ کیا اور میرے سجدہ کے ساتھ اس درخت نے بھی سجدہ کیا اور میں نے سنا کہ سجدہ میں اس نے کہا اے اللہ یہ سجدہ میرے لئے اپنے پاس باعث اجر بنا اور اس کی وجہ سے میرا گناہ ساقط فرما اور اپنے پاس میرے لئے اس کو جمع رکھ اور میری طرف سے اس کو قبول فرما جیسے تو نے اپنے بندے داؤدؑ کا سجدہ قبول فرمایا تھا میں نے خود سنا کہ (اس بیان کے بعد) رسول اللہ ﷺ نے آیت سجدہ پڑھی پھر سجدہ کیا۔ اور اس شخص نے درخت کے جو الفاظ نقل کئے تھے وہی الفاظ حضور ﷺ نے بھی فرمائے۔ رواہ الترمذی نے اس کو حدیث غریب کہا ہے۔ ابن حبان حاکم اور ابن ماجہ نے یہ حدیث بیان کی ہے لیکن ان حضرات نے (آخری عبارت یعنی) میری طرف اس سجدہ کو قبول فرما جیسے تو نے اپنے بندے داؤد کا سجدہ قبول فرمایا تھا نقل نہیں کی۔

فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۗ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ پس ہم نے ان کا وہ قصور جس کی انہوں نے معافی مانگی تھی معاف کر دیا اور بلاشبہ اس مغفرت کے بعد ان کے لئے ہماری بارگاہ میں خاص اقرب اور خوبی انجام ہے۔

لزلفی یعنی ناقابل بیان بے کیف قرب اور وہ اعلیٰ درجہ جو ندامت و استغفار کے بعد ان کو حاصل ہوا اگر ان سے وہ لغزش نہ ہوتی تو وہ مرتبہ ان کو حاصل نہ ہوتا۔ بعض اہل علم کے نزدیک زلفی سے مراد ہے دنیوی خیر کی زیادتی اور آخرت میں اعلیٰ درجہ۔

مآب انجام نتیجہ جس کی طرف وہ لوٹیں گے۔

میں کہتا ہوں جس راوی نے حضرت داؤدؑ کے متعلق یہ بیان کیا کہ آپ اوریا کا قتل ہو جانا ہی چاہتے تھے تاکہ اس کی بیوی سے نکاح کرلیں اور اسی لئے انہوں نے بار بار میدان جنگ میں بھیجا یہ سراسر جھوٹ اور پیغمبر پر تہمت تراشی ہے اور آپ اس تہمت سے پاک تھے۔ قرآنی الفاظ سے تو اتنا معلوم ہوتا ہے کہ داؤد نے اپنے لئے وہ بات یعنی غیر عورت سے نکاح کی خواہش کی جوان کو حاصل نہ تھی باوجودیکہ ان کو اس جیسی ننانوے (عورتیں) حاصل تھیں اس پر تنبیہ کرنے کے لئے اللہ نے مقدمہ کی شکل دے کر فرشتوں کو بھیجا۔ داؤد فوراً متنبہ ہو گئے اور انہوں نے توبہ استغفار کی۔

مفسر مدارک نے لکھا ہے کہ حضرت داؤدؑ کے زمانہ والوں میں ایک رواج عام تھا اور ہمدردی کے طور پر لوگ ایسا کرلیا

کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص (یعنی دوست) دوسرے شخص سے درخواست کرتا کہ تو اپنی بیوی کو چھوڑ دے تاکہ میں اس سے نکاح کرلوں تو وہ ایسا کردیتا تھا جیسے انصار نے مہاجرین کی ہمدردی میں ایسا کیا تھا اتفاقاً جب حضرت داؤد کی نظر اوریا کی بیوی پر پڑ گئی اور وہ عورت آپ کو پسند آگئی تو حسب رواج آپ نے اوریا سے خواہش کی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے اوریا کو حضرت داؤد کی درخواست مسترد کرنے سے شرم آئی اور اس نے طلاق دے دی اور حضرت داؤدؑ نے اس کی مطلقہ سے نکاح کرلیا۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت داؤد نے وہ طریقہ اختیار نہیں کیا جو ہمارے پیغمبر ﷺ نے اختیار کیا تھا۔ جب حضرت زید کی بیوی حضرت زینبؓ کی جانب رسول اللہ ﷺ کا میلان خاطر ہو گیا تو آپ نے حضرت زید سے طلاق دینے کی درخواست نہیں کی بلکہ فرمایا اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ اپنے پاس اپنی بیوی کو روکے رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو لیکن بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت زیدؓ نے طلاق دیدی اور اللہ نے زینب سے آپ کا نکاح کرادیا یہی وجہ تھی کہ داؤدؑ پر اللہ کی طرف سے عتاب ہوا اور آپ نے توبہ واستغفار کی جو قبول ہو گئی اور معافی مل گئی قرآن مجید کے الفاظ بھی اس بیان کی تائید کررہے ہیں کیونکہ جب مدعی نے دعویٰ کیا تو مدعی علیہ کے خلاف اس نے یہ کہا کہ یہ کہتا ہے اَكْفِلْنِيْهَا مدعی نے مدعی علیہ پر یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے اور حضرت داؤدؑ نے بھی فیصلہ میں یہ کہا لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ اور نہیں فرمایا کہ اس نے جو تجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا یہ ظلم کیا) واللہ اعلم۔

بغوی نے لکھا ہے کہ وہب بن منبہ نے بیان کیا جب اللہ نے حضرت داؤدؑ کی توبہ قبول کرلی تب بھی آپ برابر اپنے قصور پر روتے رہے۔ رات دن کسی وقت آپ کے آنسو نہ رکتے تھے اس وقت آپ کی عمر ستر سال کی تھی اس قصور کے بعد آپ نے اپنی عمر کے چار حصے کردیئے ایک دن بنی اسرائیل کے معاملات کے فیصلہ کرنے کے لئے مقرر کیا۔ ایک دن عورتوں کے لئے ایک دن جنگلوں اور پہاڑوں میں جاکر اللہ کی پاکی بیان کرنے (اور حمد وثناء کرنے) کا اور ایک روز اپنے گھر کے اندر رہ کر نوحہ کرنے کا۔ آپ کے گھر کے اندر چار ہزار عبادت کے مقام تھے جب آپ گھر میں خلوت گزین ہوجاتے تو (چار ہزار) تارک الدنیا درویش آپ کے پاس آکر جمع ہو جاتے پھر آپ ان درویشوں کے ساتھ نوحہ کرتے اور درویش بھی اس رونے میں آپ کے مددگار ہوتے پھر جب جنگل میں پھرنے کا دن ہوتا تو آپ صحراء میں نکل جاتے اور (زیروبم) یعنی لے کے ساتھ اونچی آواز سے روتے پہاڑ اور پتھر اور چوپائے اور پرندے بھی آپ کے ساتھ روتے یہاں تک کہ ان سب کے رونے سے نالے بہہ نکلتے۔ پھر آپ دریا کے کنارے پر پہنچتے اور لے کے ساتھ اونچی آواز سے نوحہ کرتے اور مچھلیاں اور دریائی چوپائے اور دریائی پرندے اور درندے سب ہی آپ کے ساتھ رونے میں شریک ہوتے پھر آپ شام کے وقت وہاں سے لوٹتے تھے۔

گھر کے اندر نوحہ کا دن ہوتا تو ایک منادی ندا کرتا آج داؤد کے گریہ وبکا کا دن ہے جو شخص اس رونے میں ان کی موافقت کرنی چاہے وہ آجائے۔ پھر عبادت گاہوں کے احاطے کے اندر آپ تین فرش بچھوا دیتے جن کے اندر کھجور کی چھال کے ریشے بھرے ہوتے تھے۔ آپ فرش پر جاکر بیٹھ جاتے پھر چار ہزار درویش اپنی لمبی لمبی ٹوپیاں پہنے لاٹھیاں ہاتھوں میں لئے اندر آکر فرش پر بیٹھ جاتے۔ حضرت داؤد اپنے گناہ پر اونچی آواز سے رونا شروع کرتے اور درویش بھی آپ کے ساتھ اونچی آوازوں سے نوحہ کرتے۔ روتے روتے یہ حالت ہوجاتی کہ فرش آپ کے آنسوؤں میں ڈوب جاتا اور آپ اس میں گرکر چوزہ مرغ کی طرح تڑپنے لگتے۔ اس کے بعد حضرت سلیمانؑ آکر آپ کو (اپنے ہاتھوں میں) اٹھاتے تھے حضرت داؤد دونوں ہاتھوں کا پلو بناکر آنسوؤں کا پانی اسمیں بھر کر اپنے چہرے پر مل لیتے اور کہتے اے میرے رب میرا قصور معاف فرمادے۔

اگر داؤدؑ کے رونے کا ساری دنیا کے رونے والوں سے موازنہ کیا جائے تو برابر ہی ہوگا۔

وہب کا بیان ہے حضرت داؤدؑ اوپر سر نہیں اٹھاتے جب فرشتے نے آپ سے کہا داؤد تمہارا آغاز گناہ اور انجام مغفرت ہے اپنا سر اٹھاؤ اس وقت آپ نے سر اٹھایا اس کے بعد زندگی بھر جب تک پانی میں آپ نے اپنے آنسوؤں کو شامل نہ کرلیا ہو پانی نہ پیا اور جب تک کھانے کو اشکوں سے تر نہ کرلیا نہ کھایا۔

اوزاعی نے حدیث مرفوع بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا داؤد کی دونوں آنکھیں دو مشکیزوں کی طرح (ہر وقت) پانی ٹپکاتی ہی رہتی تھیں چہرے پر آنسو بہنے سے ایسے گڑھے پڑ گئے تھے جیسے زمین میں پانی (جاری ہونے سے) گڑھے پڑ جاتے ہیں۔

وہب نے بیان کیا جب اللہ نے داؤد کی توبہ قبول کر لی تو داؤدؑ نے عرض کیا اے میرے رب تو نے میرا قصور معاف کر دیا لیکن یہ کیسے ہو کہ اپنے گناہ کو (کبھی) نہ بھولوں اور ہمیشہ معافی مانگتا رہوں اپنے لئے بھی اور دوسرے گناہ گاروں کے لئے بھی۔ اس درخواست پر اللہ نے ان کے دائیں ہاتھ پر ان کا گناہ لکھ دیا (جس کا مٹانا ممکن نہ تھا) جب آپ ہاتھ سے کھانا یا پانی لیتے تو گناہ نظر کے سامنے آجاتا اور جب لوگوں کو خطاب کرنے کھڑے ہوتے اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے تو لوگ گناہ کی تحریر دیکھنے آگے آجاتے اور جب دعا کرتے تو اس گناہ کو سامنے رکھ کر اپنے لئے استغفار سے پہلے دوسرے گناہ گاروں کے لئے استغفار کرتے۔

قتادہؒ نے حسن کا بیان نقل کیا ہے کہ اس گناہ کے بعد حضرت داؤدؑ ہمیشہ گناہ گاروں کے ساتھ ہی بیٹھتے تھے اور فرماتے تھے آؤ داؤد گناہ گار کے پاس آؤ اور جب تک پانی میں اپنے آنسو شامل نہ کر لیتے کبھی پانی نہ پیتے تھے اور خشک روٹی کے ٹکڑے کو رو رو کر اشکوں سے آنسو شامل نہ کر لیتے کبھی پانی نہ پیتے تھے اور خشک روٹی کے ٹکڑے کو رو رو کر اشکوں سے بھگو لیتے پھر اس پر کچھ نمک اور خاک چھڑک کر کھاتے اور فرماتے گناہ گاروں کا یہی کھانا ہے۔ اس گناہ سے پہلے حضرت داؤد آدھی رات سوتے اور نصف ایام (یعنی ایک روز بیچ میں ناغہ کر کے) روزے رکھتے تھے لیکن اس گناہ کے بعد ہمیشہ ہی دن میں روزے رکھتے اور رات بھر نماز پڑھتے تھے۔

ثابت کا بیان ہے جب داؤدؑ اللہ کے عذاب کو یاد کرتے تو آپ کا جوڑ جوڑ ڈھیلا پڑ جاتا کہ بغیر بندھن سے باندھنے کے ان میں قوت نہ آتی تھی اور جب اللہ کی رحمت کو یاد کرتے تو جوڑ اپنے اصلی ٹھکانوں پر آجاتے۔

اس قصہ میں یہ بھی (بعض روایات میں) آیا ہے کہ پہلے آپ کی تلاوت سننے کے لئے جنگلی جانور اور پرندے جمع ہو جاتے تھے لیکن جب آپ سے قصور سرزد ہو گیا تو چوپائے اور پرندے آپ کی آواز کو نہیں سنتے تھے اور کہتے تھے آپ کا گناہ آپ کے آواز کی مٹھاس کو لے گیا۔

يٰدَاوٗدُ اور ہم نے کہا اے داؤدؑ۔

اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ ہم نے تم کو زمین پر (اپنا نائب یا گزشتہ انبیاء کا) جانشین بنا دیا ہے۔ [1]

[1] حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرات طلحہ زبیر، کعب اور سلمان فارسی سے پوچھا خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے فرمایا ہم کو نہیں معلوم حضرت سلمانؓ نے کہا خلیفہ وہ ہوتا ہے جو رعایا میں انصاف کرے سب کو معاشی تقسیم ایک جیسی کرے اور رعایا پر ایسی شفقت کرے جیسے آدمی اپنے گھر والوں پر کرتا ہے اور اللہ کی کتاب کے موافق فیصلہ کرے۔ حضرت کعبؓ نے کہا میں یہ سمجھتا تھا کہ میرے سوا اس مجلس میں کوئی بھی خلیفہ کا معنی نہیں جانتا۔ حضرت سلمانؓ راوی ہیں کہ ایک بار حضرت عمرؓ نے فرمایا میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ حضرت سلمانؓ نے کہا اگر آپ مسلمانوں کی سرزمین سے ایک درہم یا اس سے کم بیش کچھ بھی وصول کریں اور غیر مستحق (بیجا) مقام پر اس کو دیدیں تو آپ بادشاہ ہیں خلیفہ نہیں ہیں یہ سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں۔

سلیمانؓ بن ابو العوجاء کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے نہیں معلوم کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ ایک شخص نے کہا امیر المومنین ان دونوں میں فرق ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا فرق ہے اس شخص نے کہا خلیفہ حق پر لیتا اور حق پر دیتا ہے اور الحمد للہ آپ ایسے ہیں اور بادشاہ ظلم کرتا ہے (ظلماً) اس سے لیتا اور اس کو دیتا ہے حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔

حضرت معاویہؓ جب ممبر پر بیٹھتے تو کہتے لوگو! خلافت مال کو اکٹھا کرنے اور تقسیم کرنے سے نہیں ہوتی بلکہ خلافت نام عمل بالحق کا انصاف سے حکومت کرنے کا اور لوگوں سے بحکم خدا مواخذہ کرنے کا۔ (از مفسر رحمۃ اللہ)

فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ سو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا اور نفسانی جھکاؤ کے پیچھے نہ جانا وہ خدا کے راستہ سے تم کو بھکا دے گا۔

بالحق یعنی اللہ کے حکم کے موافق وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى اور اس بات کے پیچھے نہ چل دینا۔ جس کو تمہارا نفس چاہتا ہو۔ عن سبیل اللہ یعنی جو دلائل اللہ نے حق (کو ثابت کرنے) کے لئے قائم کر دی ہیں نفس کی خواہش ان دلائل سے تم کو بھکادے گی۔ آیت بتا رہی ہے کہ میلان نفس پر چلنے والوں کی رائے میں خلل آجاتا ہے اور وہ اپنے اجتہاد میں بھی سیدھے راستہ سے بھٹک جاتے ہیں جیسا کہ مسلمانوں کے بہتر فرقوں کا حال ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ جو لوگ خدا سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہوگا اس وجہ سے کہ وہ روز حساب کو بھولے رہے (مانسوا میں ما مصدری ہے) یعنی روز حساب کو بھولے رہنے کی وجہ سے ان پر سخت عذاب ہوگا کیونکہ روز حساب کی یاد کا تقاضا ہے کہ اللہ کی راہ پر قائم رہیں اور خواہشات نفس کی مخالفت کریں۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ اور ہم نے آسمان وزمین کو اور دونوں کے درمیان کی کائنات خالی از حکمت نہیں پیدا کیا۔

باطلاً خالی از مصلحت وحکمت یا بے کار محض کھیل کے طور پر یا باطل سے مراد ہے اتباع خواہشات جو حق کے مقابل ہے اس ساری کائنات سے خالق کے وجود پر استدلال اور اس کے احکام کی تعمیل کی صورت میں اس کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرنا حق ہے اور خواہشات نفس کا اتباع باطل ہے (پس اس کائنات کو اللہ نے اس لئے نہیں پیدا کیا کہ انسان اپنے نفس کے میلان و خواہش کا بندہ بن جائے نہ خالق کے وجود کو مانے نہ اس کے اوامر ونواہی کی پابندی کرے بلکہ خواہش پرست بنا رہے)۔

ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ یہ (کائنات کا خالی از حکمت ہونا) ان لوگوں کا خیال ہے جو کافر ہیں سو (آخرت میں) کافروں کے لئے بڑی خرابی ہے یعنی دوزخ۔

کیونکہ ایسے لوگ قیامت کے منکر ہیں خالق کے فرماں برداروں کے ثواب اور نافرمانوں کے عذاب کو نہیں مانتے اور اس انکار کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اس کائنات کی تخلیق کو خالی از حکمت قرار دیتے ہیں۔

فویل پس بڑا عذاب ہے لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اس فقرہ میں کفروا کی دوبارہ صراحت کافروں کی مذمت اور برائی کو ظاہر کرنے کے لئے کی گئی من النار میں من سببیہ ہے۔

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ ہاں تو کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کی برابر کر دیں گے جو دنیا میں تباہی پھیلانے والے ہیں یا ہم پرہیزگاروں کو بدکرداروں کی طرح کر دیں گے۔

ام نجعل میں ام بمعنی بل ہے عالم کی تخلیق کو اگر بے کار مانا جائے تو یہ تسلیم کرنا لازم ہو جائے گا کہ کافر مومن میں کوئی فرق نہیں دونوں فریق برابر ہیں اس مساوات کی نفی کے لئے انکاری سوال کیا گیا اور بل کے ذریعہ سے آسمان وزمین کے بیکار پیدا کرنے سے اعراض مستفاد ہو گیا۔ ام نجعل المتقین میں سوال انکاری ہے پہلے مومنوں اور کافروں کی مساوات کی نفی کی گئی تھی اس جملہ میں مومنوں کے خاص درجہ والے لوگوں اور کفر کے اسفل درجہ میں گرنے والے لوگوں یعنی فاجروں کے درمیان برابر ہونے کا خصوصی انکار کیا۔

یہ بھی جائز ہے کہ اس انکار کو انکار اول کی تکرار قرار دیا جائے اور تقویٰ وفجور کو عدم تسویہ کی علت کہا جائے۔

اس آیت میں وجوب حشر کی ایک عقلی برہان ہے جو دلالت کر رہی ہے کہ اقرار حشر لازم ہے کیونکہ اس زندگی میں دونوں فریقوں کے درمیان برابری نہیں بلکہ تقاضا حکمت کے خلاف اس دنیا میں کافروں کو مومنوں پر (مال دولت اولاد وغیرہ

کے لحاظ سے) عموماً برتری حاصل ہے اس لئے ضروری ہے کہ کوئی دوسری زندگی میں ہر فریق کو اس کی (فکری و عملی) حالت کے موافق بدلہ ملے۔

مقاتل نے کہا کفار قریش کہا کرتے تھے کہ آخرت میں جو بھلائی تم کو ملے گی ہم کو بھی ملے گی اس قول کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٩﴾

یہ ایک برکت والی کتاب ہے جو ہم نے آپ کے پاس اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور سمجھ دار لوگ نصیحت پذیر ہوں۔

کتاب یعنی یہ قرآن اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی کتاب ہے مبارک یعنی اس کے اندر خیر اور منفعت کثیر ہے۔ لیدبروا تاکہ لوگ غور کریں یعنی آپ اور آپ کی امت کے علماء غور کریں اس کے ظاہر کو پڑھیں اور صحیح تاویلات کو سمجھیں اور صحیح طور پر معانی کا استنباط کریں۔ یا یہ مطلب ہے کہ تمام اہل دانش غور کریں اور سمجھیں کہ اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے۔ انسان کی ساختہ پرداختہ ہونے کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ حسن نے کہا تدبّر آیات سے مراد ہے آیات کا اتباع کرنا (اور ان کے احکام پر چلنا)

وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ یعنی صحیح دانش اور سلیم عقل والے نصیحت اندوز ہوں۔

خارجی دلائل کی روشنی میں معرفت خداوندی کے حصول پر سلیم عقل والوں کو فطری طور پر قدرت حاصل ہے صحیح دانش والوں کی عقلوں میں دلائل سے معرفت کا حصول مرکوز ہے اللہ کی بھیجی ہوئی کتابوں سے ان افکار و احکام کا علم حاصل ہو جاتا ہے جو تنہا عقل کی رسائی اور دائرہ دانش سے خارج ہیں اور بغیر شرع کے صرف عقل اپنی فکری جولانی سے وہاں تک نہیں پہنچ سکتی اس لئے ہو سکتا ہے کہ آیت مذکورہ میں تذکر سے مراد ہو اس کتاب کے ذریعے سے اس معرفت کا استحضار اور پیش نظر لانا جو انسانی عقل میں مرکوز و مخفی ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تدبر سے معلوم اول کا تعلق ہو اور (بار بار یاد رکھنا) یعنی تذکر سے معلوم دوئم کا۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿٣٠﴾　　اور ہم نے داؤد کو سلیمانؑ عطا کیا وہ بہت اچھا بندہ تھا بلاشبہ وہ اللہ کی طرف بہت رجوع ہونے والا تھا۔

انہ اواب یہ پہلے کلام کی علت ہے یعنی سلیمانؑ اللہ کے اچھے بندے اس لئے تھے کہ وہ توبہ کی صورت میں یا تسبیح کی شکل میں بہر طور اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے۔

اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿٣١﴾　　یاد کرو کہ جب پچھلے دن میں اس کے سامنے اصیل اور عمدہ گھوڑے لائے گئے (یعنی گھوڑوں کے ملاحظہ میں مشغول ہوئے)

بالعشی دوپہر کے بعد یعنی پچھلا دن۔ الصافات صافن اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو تین ٹانگوں پر کھڑا ہوا ہے اور چوتھی ٹانگ کے سم کی فقط ایک نوک (اس پر زور دیے بغیر) زمین سے لگی ہوتی ہے یہ گھوڑے کے اصیل ہونے کی علامت ہے اور اچھی صفت مانی جاتی ہے۔

الجیاد جواد کی یا جود کی جمع ہے تیز رفتار گھوڑے کو کہتے ہیں بعض کے نزدیک جیاد جید کی جمع ہے (کھرا گھوڑا) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا سب سے آگے بڑھ جانے والے گھوڑے مراد ہیں بعض نے کہا آیت میں گھوڑوں کی دونوں اچھی صفتیں بیان کی گئی ہیں صافن ہونا اور جودت جب گھوڑا کھڑا ہو تو اس کی صفت صافن ہونا ہے کہ سکون و اطمینان کے ساتھ تین ٹانگوں پر کھڑا ہو اور جب چل رہا ہو تو سبک رفتار اور تیز رو ہو یہ جودت کی نشانی ہے۔

کلبی نے بیان کیا کہ حضرت سلیمانؑ نے دمشق اور نصیبین والوں سے جہاد کیا اور وہاں سے ایک ہزار گھوڑے آپ کے

ہاتھ لگے۔ مقاتل نے کہا داؤدؑ کی میراث میں سلیمانؑ کو ہزار گھوڑے ملے تھے۔ یہ قول غلط ہے حدیث کے خلاف ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم گروہ انبیاء کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے ہمارا چھوڑا ہوا مال خیرات ہوتا ہے۔

عبد بن حمید فریابی ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابراہیم تیمی کے حوالہ سے بیان کیا کہ وہ بیس ہزار گھوڑے تھے اور (پرندوں کی طرح) بازوؤں والے تھے ان کو حضرت سلیمانؑ نے ذبح کرا دیا تھا۔

عبد بن حمید اور ابن المنذر نے بروایت عوف بیان کیا کہ حسن نے کہا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جن گھوڑوں کو سلیمانؑ نے ذبح کیا تھا وہ (پرندوں کی طرح) پروں والے تھے اور حضرت سلیمانؑ کے لئے سمندر سے برآمد کئے گئے تھے آپ سے پہلے اور نہ آپ کے بعد کسی کو دریائی گھوڑے نہیں ملے بغوی نے بروایت عکرمہ بیان کیا کہ وہ بیس ہزار پردار گھوڑے تھے۔

اہل روایت کا بیان ہے کہ حضرت سلیمانؑ ظہر کی نماز کے بعد اپنی کرسی پر بیٹھے (قطار در قطار) گھوڑے آپ کے ملاحظہ میں لائے جانے لگے نو سو گھوڑے پیش ہو چکے تو نماز عصر کا آپ کو خیال ہوا دیکھا تو سورج غروب ہو چکا تھا اور عصر کی نماز فوت ہو گئی اور ڈر کے مارے کسی نے آپ کو اطلاع نہیں دی آپ کو اس کا بڑا رنج ہوا۔

فَقَالَ اِنِّیْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ ۚ پھر اس نے کہا (افسوس) میں اس مال کی محبت میں (لگ کر) اپنے رب کی یاد سے غافل ہو گیا۔

الخیر کثیر مال مراد وہ گھوڑے جن کے معائنہ میں مشغول رہنے کی وجہ سے عصر کی نماز فوت ہو گئی تھی۔ یا یوں کہا جائے کہ خیر کا اطلاق خیل (گھوڑوں) پر (اصالتہ اور لغتہ) عربی میں کیا ہی جاتا ہے عرب راء کی جگہ لام اور لام کی جگہ راء بول دیتے ہیں جیسے اختلت کی جگہ اختترت میں نے اس کو دھوکہ دیا کہہ دیتے ہیں۔

گھوڑوں کو خیر کہنے کی یہ وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ گھوڑوں کی پیشانیوں سے خیر وابستہ ہوتی ہے ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روز قیامت تک گھوڑوں کی پیشانیوں سے خیر وابستہ رہے گی ثواب اور مال غنیمت رواہ الشیخان فی صحیحہما عن عدیدۃ۔

عربی کا اصل ضابطہ یہ ہے کہ جب احببت کا معنی اثرت (میں نے ترجیح دی) لیا جائے تو اس کے بعد علی آنا چاہئے (عن نہ آنا چاہئے اور عن ذکر ربی کی بجائے علی ذکر ربی ہونا چاہئے لیکن اس جگہ چونکہ ترجیح دینے کے اندر اعراض کا مفہوم بھی ہے اس لئے علی کی جگہ عن ذکر ربی ربی کہا گیا۔

بعض اہل لغت نے کہا احببت کا معنی ہے میں بیٹھ رہا اور حب الخیر مفعول لہ میں اور بیٹھے رہنے کی علت ہے (یعنی گھوڑوں کی محبت کی وجہ سے میں بیٹھ رہا)۔

حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۟ۙ یہاں تک کہ آفتاب (مغرب کے) پردہ میں چھپ گیا۔

عشی کا لفظ چونکہ آفتاب پر ضمنا یا التزاما دلالت کر رہا تھا اس لئے (لفظ شمس کو ذکر کرنے کے بغیر) توارت کی ضمیر آفتاب کی طرف راجع کر دی گئی۔

بغوی نے لکھا ہے لوگ کہتے ہیں کہ حجاب ایک پہاڑ ہے جو کوہ قاف سے پرے ایک سال کی مسافت پر ہے سورج اس کی آڑ میں غروب ہوتا ہے۔

رُدُّوْهَا عَلَیَّ ؕ گھوڑوں کو میرے پاس واپس لاؤ۔ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَ الْاَعْنَاقِ ۟ (گھوڑے واپس آگئے) تو ان کی پنڈلیوں پر (تلوار سے ہاتھ) صاف کرنا شروع کر دیا۔

یعنی حضرت سلیمانؑ نے تلوار سے گھوڑوں کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹنی شروع کر دیں۔

مسح علی وریدہ اس کی گردن مار دی۔ حضرت ابن عباسؓ، حسن، قتادہ، مقاتل اور اکثر اہل تفسیر نے یہی معنی بیان کئے ہیں۔ ابن المنذر نے بطریق ابن جریج بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا سلیمانؑ نے تلوار سے ان کی پنڈلیاں کاٹ

دیں طبرانی نے الاوسط میں اور اسماعیل نے معجم میں اور ابن مردویہ نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعب کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تلوار سے ان کی پنڈلیاں اور گردنیں باذن خدا کاٹ دیں۔ اس عملی کا باعث تھاذکر خدا سے غافل رہ جانے کے گناہ سے توبہ کرنا۔ قرب خدا کے حصول کی طلب اور مرضی رب پالینے کا جذبہ۔

حسن نے کہا جب سلیمانؑ نے گھوڑوں کو قتل کر دیا تو ان کے عوض اللہ نے آپ کو ایسی سواری عنایت کی جو گھوڑوں سے بہتر اور ان سے زیادہ تیز رفتاری تھی یعنی ہوا کو آپ کا تابع حکم بنادیا۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے گھوڑوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت خیرات کر دیا۔ گھوڑے کا گوشت ان کی شریعت میں حلال تھا۔ ہماری شریعت میں بھی بقول جمہور حلال ہے صرف امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ان گھوڑوں کو جہاد کے لئے وقف کر دیا تھا اور ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر وقف کی علامت کے طور پر داغ لگادیا تھا۔

زہری نے حضرت علیؓ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ سلیمانؑ نے جو رُدُّوهَا عَلَيَّ کہا تھا وہ فرشتوں سے کہا تھا یعنی آفتاب پر جو مؤکل ملائکہ تھے بحکم خدا ان سے کہا تھا کہ سورج کو واپس لوٹا لاؤ کہ میں عصر کی نماز پڑھ لوں چنانچہ فرشتے سورج کو واپس لوٹا لائے اور آپ نے عصر کی نماز بروقت پڑھ لی۔ زہری اور ابن کیسان نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ سلیمانؑ گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ان پر پڑا ہوا غبار صاف کرنے کے لئے محبت اور پیار سے ہاتھ پھیرنے لگے بغوی نے لکھا ہے یہ تفسیر ضعیف ہے مشہور پہلا ہی قول ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت سلیمانؑ نے بطور افسوس کہا تھا اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ آپ کا یہ قول زہری کی تفسیر کو غلط ثابت کر رہا ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ اور ہم نے (ایک اور طرح سے بھی) سلیمان کی جانچ کی اور اس کی کرسی پر ایک (ادھورا) دھڑ لاڈالا پھر اس نے خدا کی طرف رجوع کیا۔

فتنا ہم نے جانچ کی امتحان میں مبتلا کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (ایک روز) سلیمانؑ نے کہا کہ آج رات میں ننانوے عورتوں (اور ایک روایت میں ننانوے کی جگہ سو کا لفظ آیا ہے) کا چکر لگاؤں گا (یعنی سب سے قربت کروں گا) جن میں سے ہر عورت کے بطن سے ایک شہسوار راہ خدا کا مجاہد پیدا ہو گا۔ فرشتے نے کہا انشاء اللہ بھی کہو لیکن سلیمانؑ کو خیال نہیں رہا اور انہوں نے انشاء اللہ نہیں کہا چنانچہ سب عورتوں کا آپ نے چکر لگایا اور سوائے ایک کے کوئی بھی حاملہ نہ ہوئی اور اس ایک کے بھی ادھورا دھڑ پیدا ہوا۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر وہ انشاء اللہ کہہ دیتے تو سب شہسوار اللہ کی راہ کے مجاہد پیدا ہوتے۔ (متفق علیہ)

دایہ نے وہ دھڑ لا کر حضرت سلیمانؑ کی کرسی پر ڈال دیا آیت مذکورہ کا یہی مطلب ہے۔

ثم اناب یعنی آئندہ انشاء اللہ نہ کہنے سے انہوں نے رجوع کر لیا اور عہد کر لیا کہ آئندہ ضرور انشاء اللہ کہا کروں گا) کذا قال طاؤس۔ ہم نے اوپر جو تفسیر کی وہ بہت زیادہ قوی ہے کیونکہ صحیحین کی حدیث میں یہی آیا ہے۔ جسد اسی جسم کو کہتے ہیں جس کے اندر جان نہ ہو تفسیر مذکور کی بناء پر یہ مفہوم جسد بھی بلاشبہ صادق آرہا ہے۔ پھر انبیاء کی پاک دامنی بھی داغدار نہیں ہوتی لیکن طبرانی نے الاوسط میں اور ابن مردویہ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کا ایک بیٹا پیدا ہوا جنات نے کہا اگر یہ بیٹا زندہ رہے گا تو ہم اس جبری فرماں برداری سے کبھی نجات نہیں پائیں گے ہمارے لئے بھی ایک راستہ ہے کہ یا تو اس کو قتل کر دیں یا اس کو پاگل بنادیں۔ حضرت سلیمانؑ کو جنات کی اس بات کی اطلاع مل گئی آپ نے جنات کے فریب کے ڈر سے بچہ کو لے جا کر بادل میں چھپادیا پھر آپ کو بچہ کی کوئی خبر بھی اس وقت تک نہ ہوئی جب تک کہ کرسی پر اس کو مردہ حالت میں پڑا ہوا نہ پایا۔ یہ سلیمانؑ کو ان کی لغزش پر تنبیہ تھی کہ انہوں نے رب پر بھروسہ نہیں کیا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ محمد بن اسحاق نے وہب بن منبہ کی روایت سے بیان کیا۔ وہب نے کہا حضرت سلیمانؑ نے سنا کہ سمندر میں کوئی جزیرہ ہے جس کا نام صیدون ہے وہاں کا ایک بڑا بادشاہ ہے جزیرہ کا محل وقوع چونکہ سمندر میں ہے اس لئے کوئی شخص صیدون تک نہیں پہنچا (اور بادشاہ آزاد ہے کسی کا تابع نہیں) اللہ نے حضرت سلیمانؑ کو وہ حکومت عطا کی تھی کہ ان کی حکومت سے۔ بحر و بر میں کوئی چیز باہر نہیں تھی آپ ہوا پر سوار ہو کر ہر جگہ پہنچ جاتے تھے یہ اطلاع ملنے کے بعد آپ ہوا پر سوار ہو کر اس شہر کی طرف روانہ ہو گئے اور جن و انس کے لشکر سمیت وہاں پہنچ کر اتر گئے بادشاہ کو قتل کیا اور جزیرہ میں جو کچھ تھا اس پر بطور مال غنیمت قبضہ کر لیا من جملہ دیگر اشیاء کے آپ کو وہاں بادشاہ کی ایک لڑکی بھی ملی جس کو جرادہ کہا جاتا تھا ایسی حسین جمیل لڑکی کسی نے نہیں دیکھی آپ نے اپنے لئے اس کا انتخاب کر لیا اول اس کو دعوت اسلام دی وہ ناگواری خاطر کے ساتھ مسلمان ہو گئی۔ آپ نے اس سے نکاح کر لیا۔ آپ کو اس سے اتنی زیادہ محبت ہو گئی کہ اور کسی بیوی سے نہیں تھی وہ لڑکی حضرت سلیمانؑ کے پاس اتنے مرتبہ پر پہنچنے کے بعد بھی ہمیشہ غمگین رہتی اس کا آنسو نہیں رکتا تھا۔ حضرت سلیمان کے لئے یہ بات تکلیف دہ تھی۔ آپ نے اس سے فرمایا اس کی کیا وجہ کہ تیرا غم دور نہیں ہوتا اور آنسو نہیں تھمتے کہنے لگی مجھے اپنے باپ کی اس کی حکومت کی اور اس پر جو مصیبت پڑی اس کی یاد آتی ہے جو مجھے غمگین بنائے رکھتی ہے حضرت سلیمانؑ نے فرمایا اسکے عوض تو اللہ نے تجھے وہ ملک عطا کر دیا جو اس کے ملک سے بڑا ہے اور ایسی حکومت عنایت کر دی جو اس کی حکومت سے عظیم ہے اور مسلمان ہو جانے کی تجھے توفیق دی جو سب سے بہتر (نعمت) ہے۔

وہ کہنے لگی ہاں یہ تو سب کچھ ہے پھر بھی جب مجھے باپ کی یاد آتی ہے تو وہ غم چھا جاتا ہے جو آپ دیکھتے ہی ہیں اگر آپ حکم دے کر جنات سے اس مکان کے اندر جس میں میں رہتی ہوں میرے باپ کی مورتی بنوا دیں اور میں صبح و شام اس کو دیکھتی رہوں تو امید ہے کہ میرا غم دور ہو جائے گا اور میرے دل کو کچھ تسلی ہو گی۔

حضرت سلیمانؑ نے جنات کو حکم دیا کہ اس کے باپ کی ایک مورت اس کے گھر کے اندر بنا دو کوئی فرق نہ ہو جنات نے ایسی مورتی بنا دی اس عورت نے دیکھ لیا کہ بعینہٖ یہ اس کا باپ ہے فقط اتنی بات ہے کہ اس میں جان نہیں ہے پھر اس کو کرتہ پہنایا صافہ باندھا اور چادر اڑھا دی اور ویسے ہی کپڑے پہنا دیے جو وہ (اپنی زندگی میں) پہنا کرتا تھا۔ حضرت سلیمانؑ جب اس کے گھر سے باہر نکل جاتے تو وہ صبح و شام اپنی لونڈیوں اور باندیوں کو ساتھ لے کر مورتی کے پاس جاتی اور جیسا باپ کی زندگی میں اسکا دستور تھا اسی کے مطابق مورتی کو خود بھی سجدہ کرتی اور باندیاں اس کے ساتھ سجدہ کرتیں۔ چالیس روز تک حضرت سلیمانؑ کو اس کا کوئی علم نہ ہوا۔ آصف بن برخیا کو اس کی اطلاع مل گئی آپ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گہرے دوست تھے حضرت سلیمانؑ کے دروازے آپ کے لئے ہر وقت کھلے رہتے تھے جس وقت چاہتے حضرت سلیمانؑ کے جس گھر میں چاہتے داخل ہو جاتے کوئی آپ کو لوٹا نہیں سکتا تھا سلیمانؑ گھر میں موجود ہوں یا نہ ہوں۔ ایک روز حضرت سلیمانؑ سے انہوں نے کہا اے اللہ کے نبی میں بوڑھا ہو گیا ہڈیاں ضعیف ہو گئیں عمر ختم ہونے کے قریب آ گئی جانے کا وقت آ گیا اب میں چاہتا ہوں کہ مرنے سے پہلے کسی ایک جگہ کھڑا ہو کر اللہ کے پیغمبروں کا تذکرہ کروں اور اپنی معلومات کے مطابق ان کے اوصاف بیان کروں اور انبیاء کے متعلق جو بعض باتیں لوگ نہیں جانتے ہیں ان کو بتاؤں حضرت سلیمانؑ نے فرمایا (جیسا چاہو) کرو۔ حضرت سلیمانؑ نے آصف کی تقریر سننے کے لئے لوگوں کو جمع کر دیا۔ آصف تقریر کرنے کھڑے ہو گئے گزشتہ انبیاء کا ذکر کیا ہر نبی کے خصوصی اوصاف جو اس میں تھے بیان کئے اور جو فضیلت اللہ نے اس کو (خاص طور پر) دی تھی وہ ظاہر کی تقریر کرتے کرتے حضرت سلیمانؑ کے تذکرے پر آئے تو کہا آپ بچپن میں بڑے عقلمند حلیم بڑے پرہیزگار اور بڑے پر حکمت حکم دینے والے تھے اور چھوٹی عمر میں ہر امر مکروہ سے بہت دور تھے یہ کہہ کر تقریر ختم کر دی۔ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا آصف تم نے گزشتہ انبیاء کا تذکرہ کیا اور ہر عمر کے ان کے اچھے اوصاف بیان کئے لیکن جب میرا تذکرہ کیا تو چھوٹی عمر کے میرے اچھے اوصاف تم نے بیان کئے اور بڑے ہونے کے بعد جو میرے اوصاف تھے ان کی طرف سے خاموشی اختیار کر لی آخر بڑا ہو کر میں نے کون سی نئی بات کر لی حقیقت میں حضرت سلیمانؑ

نے آصف کی تقریر کو برا محسوس کیا اتنا کہ غصہ سے بھر گئے اور گھر جاکر آصف کو بلوا کر یہ بات کہی۔ آصف نے جواب دیا ایک عورت کی محبت کی وجہ سے آپ کے گھر کے اندر چالیس روز سے صبح کو اللہ کے سوا دوسرے کی پوجا ہو رہی ہے۔ حضرت سلیمانؑ نے کہا کیا میرے گھر میں آصف نے کہا (ہاں) آپ کے گھر میں حضرت سلیمانؑ نے کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ میں تو جانتا ہی تھا کہ تم نے جو کچھ کہا وہ بے وجہ نہیں کہا یقیناً تم کو کوئی اطلاع ملی ہے پھر آپ اس عورت کے گھر میں گئے بت کو توڑا عورت کو سخت سزا دی اور اپنا لباس اتار کر دوسرے کپڑے پہنے جن کا سوت صرف دوشیزہ (نابالغ معصوم) لڑکیوں نے کاتا تھا اور دوشیزہ لڑکیوں نے ہی بنا تھا کسی بالغہ نے چھوا بھی نہ تھا۔ یہ لباس پہن کر تنہا جنگل کو نکل گئے وہاں چولھے کی راکھ کا بستر بچھو لیا پھر توبہ کرنے کے لئے اس خاکی بستر پر بیٹھے اور کپڑوں سمیت اس پر لوٹے اللہ کے سامنے گڑ گڑائے اور زاری کی دعا کرتے رہے روتے رہے اور جو کچھ گھر میں ہوا اس کی معافی مانگتے رہے شام تک اسی میں مشغول رہے شام ہو گئی تو گھر واپس آگئے۔

آپ کی ایک امّ ولد (وہ باندی جو بچہ کی ماں ہو گئی آقا کی کوئی اولاد اس کے پیٹ سے ہو گئی) تھی جس کو امینہ کہا جاتا تھا آپ جب بیت الخلاء جاتے یا کسی بی بی سے قربت صنفی کرنے کا ارادہ کرتے تو اپنی مہر امینہ کے پاس رکھ دیتے تھے اور جب تک ضرورت سے فراغت کے بعد بالکل پاک نہ ہو جاتے مہر کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے تھے اسی مہر سے آپ کی حکومت وابستہ تھی ایک روز امینہ کے پاس مہر رکھ کر بیت الخلاء کو چلے گئے آپ کے جانے کے بعد سمندری شیطان جس کا نام صخر تھا حضرت سلیمانؑ کی شکل میں امینہ کے پاس آیا اور مہر طلب کی امینہ نے اس کی شکل میں حضرت سلیمانؑ کی شکل سے کوئی غیریت محسوس نہیں کی اور سلیمانؑ سمجھ کر مہر دیدی صخر نے وہ مہر اپنے ہاتھ میں پہن لی۔ اور باہر جاکر حضرت سلیمانؑ کے تخت پر بیٹھ گیا اور سارے پرندے جنات اور انسان اس کے پاس آکر (حسب معمول) جمع ہو گئے حضرت سلیمانؑ بیت الخلاء سے نکل کر امینہ کے پاس پہنچے اور کہا امینہ میری انگوٹھی لاؤ چونکہ ہر دیکھنے والے کو آپ کی حالت اور ہیئت بدلی ہوئی دکھائی دیتی اس لئے امینہ بھی نہ پہچان سکی اور بولی تو کون ہے آپ نے فرمایا میں سلیمان بن داؤد ہوں۔ امینہ نے کہا تو جھوٹا ہے ابھی سلیمانؑ میرے پاس آکر مہر لے کر گئے ہیں اور تخت حکومت پر اس وقت بیٹھے ہوئے ہیں حضرت سلیمانؑ سمجھ گئے کہ یہ گناہ کا وبال آپہنچا آپ بنی اسرائیل کے گھروں پر جاتے اور خانہ بخانہ چکر لگاتے اور کہتے میں سلیمان بن داؤد ہوں لیکن لوگ (دیوانہ سمجھ کر) آپ کے اوپر مٹی ڈالتے اور گالیاں دیتے اور کہتے اس دیوانہ کو ذرا دیکھو کیا کہتا ہے اپنے کو سلیمانؑ سمجھتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ نے یہ حالات دیکھے تو سمندر کی طرف چلے گئے اور دریا کے ٹھیکیداروں کی مچھلیاں اپنے اوپر لاد کر بازار تک پہنچاتے اور صاحب مال آپ کو روزانہ دو مچھلیاں مزدوری میں دے دیتا تھا شام ہوتی تو آپ ایک مچھلی فروخت کر کے روٹیاں لے لیتے اور دوسری مچھلی بھون لیتے۔ چالیس روز اسی حالت میں رہے چالیس ہی دنوں تک آپ کے گھر کے اندر بت کی پوجا ہوئی تھی۔

آصف اور دوسرے علماء بنی اسرائیل نے دشمن خدا کے احکام کو اس جلسہ میں پہلے کے مقابلہ میں کچھ بدلا ہوا محسوس کیا اس لئے آصف نے کہا اے گروہ بنی اسرائیل کیا تم نے بھی ابن داؤدؑ کے احکام کو کچھ پہلے کے مقابلے میں بدلا ہوا محسوس کیا جیسا میں محسوس کر رہا ہوں علماء نے کہا جی ہاں آصف نے کہا تو اتنا توقف کرو کہ میں سلیمانؑ کی بیویوں سے جاکر پوچھ لوں کہ کیا انہوں نے بھی اندرونی حالت میں کچھ تغیر محسوس کیا ہے جیسا کہ ہم بیرونی عام حالات میں محسوس کر رہے ہیں چنانچہ آصف عورتوں کے پاس گئے اور کہا کیا تم نے بھی ابن داؤد کے اندرونی حالت میں کچھ تغیر پایا ہے جیسا کہ ہم نے باہر محسوس کیا ہے عورتوں نے جواب دیا اس سے بھی زیادہ۔ وہ تو ہم میں سے کسی عورت کو خون کی حالت میں بھی نہیں چھوڑتا اور غسل جنابت بھی نہیں کرتا۔ آصف نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون بلاشبہ یہ کھلی ہوئی سخت آزمائشی مصیبت ہے آصف نے واپس آکر بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ خاص احوال تو عام حالات سے بھی بڑھ چڑھ کر ہیں۔ چالیس روز گزر گئے تو شیطان مردود اپنی جگہ سے اٹھ کر دریا پر گیا اور دریا میں مہر پھینک دی جس کو ایک مچھلی نے نگل لیا اور کسی شکاری نے وہ مچھلی پکڑ لی۔ حضرت سلیمانؑ نے دن کے ابتدائی حصہ میں (حسب معمول) اپنا کام کیا شام ہوئی تو شکاری نے آپ کو ایک (معمولی) مچھلی اور دوسری وہ مچھلی جس کے

پیٹ میں مہر بھی دیدی۔ سلیمان دونوں مچھلیاں لے کر آگئے۔ معمولی مچھلی کے بدلے میں تو روٹیاں لے لیں اور جس مچھلی کے پیٹ میں مہر تھی اس کا بھوننے کے لئے پیٹ چاک کیا۔ پیٹ کے اندر سے مہر نکلی آپ نے مہر لے کر ہاتھ میں پہن لی اور سجدہ میں گر گئے اس کے بعد پرندے اور جنات آپ کے پاس آکر جمع ہو گئے اور آدمی بھی آپ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حضرت سلیمانؑ سمجھ گئے کہ یہ جو مصیبت ان پر آئی تھی یہ اسی بات کی پاداش میں تھی جوان کے گھر کے اندر ہوئی تھی۔

غرض آپ کی حکومت واپس مل گئی اور اپنے گناہ سے علی الاعلان توبہ کی اور جنات کو حکم دیا کہ صخر کو پکڑ کر لاؤ۔ شیاطین نے اس کو ڈھونڈھ نکالا اور پکڑ کر حاضر کر دیا۔ حضرت سلیمانؑ نے پتھر کی ایک چٹان میں شگاف کر کے صخر کو اس میں بند کر کے اوپر سے ایک چٹان اور رکھ کر لوہے اور رانگ سے اس کی مضبوط بندش کر دی پھر سمندر میں پھینک دینے کا حکم دے دیا۔

یہ سارا بیان وہب کا ہے۔

سدی کا بیان ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی سرگزشت کا سبب یہ تھا کہ آپ کی سو بیویاں تھیں ان میں سے ایک کا نام جرادہ تھا۔ جرادہ حضرت سلیمانؑ کی نظر میں سب سے زیادہ چہیتی اور سب سے آپکی لاامتدار تھی۔ آپ جب ضرورت کو جاتے تو اسی کے پاس مہر رکھ دیا کرتے تھے ایک دن جرادہ نے آپ سے کہا میرے بھائی اور فلاں شخص کے درمیان کچھ جھگڑا ہے میں چاہتی ہوں کہ میرا بھائی جب آپ کے پاس آئے تو آپ اس کے حق میں ڈگری دیدیں۔ حضرت سلیمانؑ نے کہا اچھا (آپ نے وعدہ تو کرلیا) لیکن کیا نہیں اس قول پر ہی آپ مبتلاء آزمائش کر دیے گئے۔

غرض ایک روز مہر جرادہ کو دے کر بیت الخلاء کو چلے گئے آپ کے پیچھے شیطان (یعنی کوئی جن) آپ کی صورت بنا کر آیا اور جرادہ سے مہر لے گیا اور جا کر سلیمانؑ کے تخت پر بیٹھ گیا۔ سلیمان جب بیت الخلاء سے آئے اور جرادہ سے مہر طلب کی تو اس نے کہا کیا آپ نے ابھی لے نہیں لی تھی۔ آپ نے کہا نہیں۔ پھر آپ وہاں سے نکل کر کہیں اپنے مقام پر چلے گئے اور چالیس روز تک شیطان لوگوں پر حکومت کرتا رہا لوگوں نے اس کے احکام کو (سلیمانؑ کے احکام سے) بدلا ہوا محسوس کیا تو بنی اسرائیل کے علماء اور قراء آپ کی بیویوں کے پاس گئے اور ان سے کہا ہم کو احکام سلیمانی سے اس کے احکام غیر نظر آتے ہیں اگر یہ سلیمانؑ ہے تو یقیناً اسکی عقل جاتی رہی ہے عورتیں رونے لگیں۔ علماء اور قراء چلے آئے اور آکر توریت کھول کر اس کی تلاوت میں مشغول ہو گئے شیطان نے جو یہ دیکھا تو ان کے سامنے سے اڑ کر روشن دان میں جا پڑا مہر اس کے پاس ہی رہی۔ پھر وہاں سے اڑ کر سمندر کی طرف چلا گیا۔ مہر اس کے ہاتھ سے سمندر میں گر گئی جس کو ایک مچھلی نے نگل لیا۔ حضرت سلیمانؑ بھی شکاریوں کے پاس پہنچ گئے تھے اور تھے بہت سخت بھوکے۔ اس لئے ایک شکاری سے اسکے شکار کی ایک مچھلی کھانے کے لئے مانگی اور کہا میں سلیمانؑ ہوں۔ یہ بات سن کر ایک شکاری نے اٹھ کر آپ کے لاٹھی ماری اور سر پھاڑ دیا آپ سمندر کے کنارے بیٹھے خون دھونے لگے۔ دوسرے شکاریوں نے مارنے والے کو ملامت کی اور جو مچھلیاں پکڑی تھیں ان میں سے دو مچھلیاں آپ کو دیدیں آپ نے دونوں کا پیٹ چاک کیا اور دھونے لگے ایک مچھلی کے پیٹ کے اندر سے آپ کو اپنی مہر مل گئی اور آپ نے اس کو پہن لیا۔

اس طرح اللہ نے آپ کو حکومت اور شان شوکت واپس دیدی اور پرندے آپ کے گرد گھومنے لگے اس وقت ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ سلیمان یہ ہیں اور لگے اپنی حرکت کی معذرت بیان کرنے آپ نے فرمایا نہ میں تمہاری اس معذرت کی تعریف کرتا ہوں نہ تمہارے فعل پر تمہیں ملامت کرتا ہوں یہ تو ہونا ہی تھا اس کے بعد آپ اپنی حکومت پر آگئے اور جس شیطان نے مہر اڑائی تھی اس کی گرفتاری کا حکم دیا وہ گرفتار ہو کر آگیا تو آپ نے لوہے کے ایک صندوق میں اس کو بند کر کے صندوق کو مقفل کر کے اس پر اپنی مہر لگا کر سمندر میں پھکوا دیا۔ آج تک وہ اسی حالت میں ہے اور زندہ بھی ہے۔

سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ حضرت سلیمانؑ تین روز تک لوگوں سے پردے میں رہے۔ (کسی سے ملاقات کو نہیں آئے نہ سامنے آئے) اللہ نے وحی بھیجی اور فرمایا تم تین روز لوگوں سے پردے میں رہے اور میرے بندوں کے معاملات پر نظر

نہیں کی (اس لغزش پر) اللہ نے آپ کو آزمائش میں ڈال دیا اس سے آگے سعید نے مہر کا قصہ اور شیطان کے اس پر قبضہ کر لینے کا ذکر کیا ہے حسن نے کہا اللہ ایسا نہ تھا کہ سلیمان کی بیویوں پر شیطان کو مسلط کر دیتا۔ انتہی کلام البغوی۔

عبد بن حمید اور نسائی اور ابن مردویہ نے وہب بن منبہ کے بیان کی طرح یہ قصہ بیان کیا اور روایت کی نسبت حضرت ابن عباسؓ کی طرف کی ہے اور ابن جریر نے یہ قصہ بروایت سدی وہب بن منبہ کی طرح بیان کیا ہے مگر ان کے بعض طرق روایت میں آیا ہے کہ صخر جنی جب حضرت سلیمانؑ کے تخت پر بیٹھ گیا تو اللہ نے سوائے سلیمان کی ذات اور انکی بیویوں کے ہر چیز میں اس کے حکم کو نافذ کر دیا بغوی کی روایت میں حسن کا بھی یہی قول آیا ہے کہ اللہ ایسا نہ تھا کہ شیطان کو سلیمانؑ کی بیویوں پر مسلط کر دیتا۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ مہر اور شیطان اور سلیمانؑ کے گھر میں بت کی پوجا کا ذکر محض یہودیوں کی خرافات ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے جب سلیمان فتنہ میں پڑ گئے تو مہر ان کے ہاتھ سے نکل کر گر گئی آپ نے دوبارہ ہاتھ میں ڈال لی تب بھی نکل کر گر گئی۔ اور آپ کی حکومت انگوٹھی سے ہی وابستہ تھی اس لئے آپ کو مصیبت کا یقین ہو گیا اتنے میں آصف آ گئے اور حضرت سلیمانؑ سے کہنے لگے آپ اپنے قصور کی وجہ سے آزمائش میں پھنس گئے یہ مہر آپ کے ہاتھ میں ۱۴ روز تک نہیں رکے گی۔ حضرت سلیمانؑ اپنے تہ خانے میں بھاگ کر چلے گئے اور آصف نے انگوٹھی اٹھا کر اپنی انگلی میں پہن لی تو انگوٹھی رک گئی (انگلی سے نکل کر نیچے نہیں گری۔ آیت والقینا علی کرسیہ جسدا میں جسد سے یہی مراد ہے (یعنی جسد سے مراد ہیں آصف) آصف ۱۴ روز تک حکومت پر قائم رہے اور حضرت سلیمانؑ ہی کے طریقہ پر حکومت کرتے رہے اس کے بعد اللہ نے سلیمانؑ کو حکومت لوٹا کر عطا فرما دی اور وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئے اور دوبارہ اپنی انگوٹھی ہاتھ میں پہن لی۔

میں کہتا ہوں وہب کی روایت غلط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہب کی روایت کے بموجب صیدون نام کا کوئی جزیرہ تھا اس جزیرہ میں کوئی عظیم الشان بادشاہ تھا جس کی وہاں حکومت تھی جزیرہ چونکہ سمندر میں واقع تھا اس لئے وہاں تک کسی شخص کی رسائی نہ تھی پانی کی سطح پر جو ہوا تھی سلیمان اپنے لشکر سمیت اس ہوا کے دوش پر سوار ہو کر اس جزیرہ میں جا اترے (گویا پہلے سے ہوا آپ کے حکم کی تابع ہو چکی تھی) حالانکہ قرآن کہہ رہا ہے کہ اس مصیبت اور انابت و استغفار کے بعد اللہ نے ہوا کو سلیمانؑ کا تابع حکم بنایا تھا۔ فرمایا ہے فسخرنا لہ الریح یعنی اس واقعہ کے بعد ہم نے ہوا کو سلیمانؑ کا تابع حکم بنا دیا (ف تعقیب و ترتیب کے لئے ہے جو تسخیر ہوا کے مؤخر ہونے پر دلالت کر رہی ہے۔ مترجم)

اس قصہ کے بعد ہی آپ نے دعا کی تھی اور کہا تھا رب ھب لی ملکا الخ (یہ دعا قبول ہوئی اور ہوا کو مسخر کر دیا گیا

اگر وہب کے بیان کردہ قصہ کو صحیح مان بھی لیا جائے تب بھی حضرت سلیمانؑ سے کسی گناہ کا صدور لازم نہیں آتا۔ مورتیاں بنانا ان کی شریعت میں جائز تھا اور سلیمانؑ کی لاعلمی میں مورتی کو سجدہ کرنے سے آپ کو مجرم نہیں قرار دیا جاسکتا۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّن بَعْدِي ۖ سلیمانؑ نے کہا اے میرے رب میرے قصور معاف کر دے اور مجھے ایسی حکومت عطا فرما کہ میرے سوا (میرے زمانہ میں) کسی کو میسر نہ ہو۔

إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ﴿٣٥﴾ بلاشبہ تو ہی بڑا دینے والا ہے۔

انبیاء اور صالحین کا طریقہ ہے کہ پہلے استغفار کرتے ہیں پھر اللہ سے کچھ مانگتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے بھی ایسا ہی کیا پہلے درخواست مغفرت کی پھر حکومت کا سوال کیا۔ آیت کی رفتار بتا رہی ہے کہ حضرت سلیمانؑ پر جو یہ مصیبت پڑی وہ محض اللہ کی طرف سے ایک امتحان تھا تاکہ دنیا اور آخرت میں آپ کا مرتبہ اونچا کیا جائے جس طرح کہ حضرت ایوبؑ پر وقوع بلاء ترقی درجات کے لئے ہوا۔ حضرت سلیمانؑ نے نہ کسی گناہ کا ارتکاب کیا تھا نہ آپ سے کوئی لغزش ہوئی تھی ورنہ ندامت و استغفار بہت ہی زاری کے ساتھ گڑگڑا کر کرتے اور درخواست مغفرت و توبہ کے علاوہ کوئی لفظ زبان پر بھی نہ لاتے (حکومت مانگنے کا تو ذکر

ہی کیا ہے) اور جس طرح اللہ نے حضرت داؤدؑ کے متعلق فرمایا تھا ویسے ہی آپ کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فغفر ناله ذلک۔

مقاتل اور ابن کیسان نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے میرے زمانہ کے بعد بعض علماء نے کہا من بعدی کا مطلب یہ ہے کہ میرے سوا میرے زمانہ میں ایسی حکومت کسی کو میسر نہ ہو۔ جیسے اللہ نے ایک آیت میں فرمایا ہے فمن یدیه من بعد الله الله کے سوا اس کو ہدایت کون دے۔ عطاء بن رباح نے کہا کہ یَنۡبَغِیۡ لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِیۡ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اب تو نے مجھ سے حکومت لے کر دوسرے کو دیدی اسی طرح آخری عمر میں مجھ سے حکومت لے کر دوسرے کو نہ دیدینا۔ ایسی درخواست سلیمانؑ نے کیوں کی اس کا جواب یہ ہے کہ آپ اپنی نبوت کی خاص نشانی اور خاص معجزہ کے خواستگار تھے (طلبگار دنیا نہ تھے)

مقاتل نے کہ سلیمانؑ بادشاہ تھے اور لَا یَنۡبَغِیۡ لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِیۡ کہہ کر ہوا جنات اور پرندوں پر حکومت کرنا چاہتے تھے بعد والا کلام اسی مفہوم پر دلالت کر رہا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک دیو (شریر جن) آج رات تھوک اڑاتا (بدبو پھیلاتا) ہوا میری نماز تڑوانے کے لئے آیا لیکن اللہ نے اس پر مجھے قابو دیدیا اور میں نے اس کو پکڑ کر چاہا کہ مسجد کے کسی ستون سے باندھ دوں تاکہ (صبح کو) تم سب اس کو دیکھ سکو پھر مجھے اپنے بھائی سلیمانؑ کی دعا یاد آئی کہ انہوں نے درخواست کی تھی رَبِّ هَبۡ لِیۡ مُلۡكًا لَّا یَنۡبَغِیۡ لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِیۡ تو میں نے اس کو لوٹا دیا۔ (متفق علیہ)

میں کہتا ہوں اس جملہ کی یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ جو شخص مرتبہ میں میرے بعد ہے اس کو وہ حکومت میسر نہ ہو ایسی حکومت مجھے عطا فرما حضرت سلیمانؑ نے یہ درخواست لوگوں کی بھلائی اور ان کی ہمدردی کے لئے کی تھی۔ مطلب یہ کہ میری طرح جس کی مشغولیت دنیا سے نہ ہو اور ہر وقت اللہ سے ہی لو لگی ہوئی ہو اس کو تو کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی نہ اللہ سے کوئی شئے غافل بنا سکتی ہے اس کے لئے دنیا کا حصول نیکیاں حاصل کرنے کا مزید ذریعہ ہوتا ہے لیکن جو ایسا نہ ہو اس کو دنیا خدا سے غافل بنا دیتی ہے اور ایسے آدمی کے لئے دنیا سم قاتل کا حکم رکھتی ہے۔

ایک شبہ: ایک حدیث کا مضمون آپ کے بیان کے خلاف ہے رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ حضرت سلیمانؑ کے مرتبے سے زائد تھا اس کے باوجود حضور کو سلیمانؑ جیسی حکومت نہیں دی گئی اور اسی لئے آپ ﷺ نے اس دیو کو ستون سے نہیں باندھا۔

ازالہ: بیشک رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ حضرت سلیمانؑ کے مرتبہ سے اعلیٰ تھا لیکن یہ بات قابل تسلیم نہیں کہ حضرت سلیمانؑ کی دعا کی وجہ سے حضور ﷺ کو حکومت عطا نہیں کی گئی اللہ نے تو آپ کو اختیار دے دیا تھا کہ نبوت کے ساتھ چاہیں تو بادشاہ بھی بن جائیں یا غریب بندہ رہنا چاہیں (تو یونہی چھوڑ دیا جائے) آپ ﷺ نے نبوت کے ساتھ (غریب) بندہ رہنا پسند کیا کیونکہ آپ کے نزدیک بادشاہت سے فقیری افضل تھی۔ رہی دیو کو ستون سے باندھنے والی حدیث تو خود اس میں صراحت ہے کہ دیو کو اللہ نے آپ کے قابو میں کر دیا تھا اور آپ اس کو ستون سے باندھ سکتے تھے لیکن حضرت سلیمانؑ کی دعا کا لحاظ کرتے ہوئے خود ہی نہیں باندھا۔ رسول اللہ ﷺ کا حکم تو جن و انس سب پر چلتا تھا۔

تمشی الیه علی ساق بلا قدم
تاتی بدعوته الاشجار ساجدة

آپ کے بلانے سے تو درخت سجدہ کرتے ہوئے بغیر قدموں کے صرف تنہ کے سہارے سے چلتے ہوئے آپ ﷺ کے پاس آجاتے تھے۔

فقراء کی زندگی اور ان کا لباس آپ کو محبوب تھا۔ خلفاء راشدین کی بھی یہی حالت تھی کہ خلافت کے ساتھ فقر ان کو پسند تھا اور دونوں گروہوں کے فضائل انہوں نے جمع کر لئے تھے۔

اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ یعنی تو جس کو جتنا چاہتا ہے دیتا ہے تیرے دینے کو کوئی روکنے والا نہیں اور نہ دے تو کوئی دینے

والا نہیں۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ﴿۳۶﴾ سو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور) ہوا کو ہم نے اس کا تابع بنادیا کہ وہ اس کے حکم جہاں وہ (جانا) چاہتا نرمی سے چلتی۔ سَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ یعنی ہم نے ہوا کو ان کا فرمانبردار بنادیا۔

رخاء نرم رفتار والی ہوا جو تند نہ ہو یا ان کی مرضی کے خلاف نہ چلے۔ اَصَابَ کا معنی ہے اراد (جہاں وہ ارادہ کریں) عرب کہتے ہیں اصاب الصواب فاخطاء الجواب اس نے صحیح جواب دینا چاہا لیکن جواب میں غلطی کی۔

وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ اور جنات کو بھی ان کا تابع بنادیا۔ عمارتیں بنانے والوں کو اور غوطہ خوروں کو بھی اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے۔

کل بناء جو قلعے اور محلات بناتے تھے۔ وغواص جو سمندروں میں غوطے مار کر موتی نکال کر لاتے تھے۔ حضرت سلیمانؑ ہی پہلے شخص تھے جنہوں نے سمندروں کے موتی نکلوائے مقرنین زنجیروں میں جکڑے ہوئے۔ حضرت سلیمانؑ نے جنات کے دو گروہ کر دیے تھے۔ (۱) کچھ جنات کو بھاری دشوار کاموں پر لگادیا تھا جیسے معمار اور غوطہ زن (۲) کچھ شریر تھے تو ان کو زنجیروں میں جکڑ دیا تھا۔ تاکہ لوگ ان کی شرارت سے محفوظ رہیں۔

میں کہتا ہوں شاید حضرت سلیمانؑ کو ابلیس پر تسلط اس لئے عطا نہیں کیا کہ اس سے آزاد رہنے کا وعدہ کر لیا گیا تھا اور اللہ نے اس سے فرمادیا تھا اِنَّكَ لَمِنَ الْمُنْظَرِينَ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ۔

ع ۱۲ هٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَاِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ (اور ہم نے کہا) یہ ہماری دین ہے اب تم کسی کو دویا نہ دو تم سے کچھ داروگیر نہیں۔ اور (علاوہ اس کے) اس کے لئے ہمارے یہاں (خاص) قرب بھی ہے اور اچھا انجام بھی۔

ھذا عطاء نا یعنی ہم نے سلیمانؑ سے کہا کہ یہ حکومت اور ایسا تسلط جو کسی اور کو نہیں دیا گیا صرف تم کو دیا گیا ہے ہمارا خاص عطیہ ہے فامنن سو جس کو چاہو دو وامسک اور جس سے چاہو روک رکھو نہ دو۔

بغیر حساب تم سے اس کی حساب فہمی نہ ہو گی کہ کیوں دیا اور کیوں نہ دیا کیونکہ تصرف کا پورا اختیار تم کو دیدیا گیا ہے حسن نے کہا اللہ نے جس کسی کو نعمت سے سرفراز کیا آخر کار وہ نعمت اس کے لئے انجام بد بن گئی سواء حضرت سلیمانؑ کے کیونکہ ان کو اختیار دیدیا گیا کہ وہ کسی کو دیں تو ان کو ثواب ملے گا نہ دیں تو انجام میں مواخذہ نہ ہو گا۔

بغیر حساب کا تعلق عطاء سے بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں عطاء سے مراد عطاء کثیر ہو گی یعنی بے حساب ان گنت نعمت ہم نے تم کو دی ہے۔

مقاتل نے کہا ھذا عطاءنا کا یہ مطلب ہے کہ یہ یعنی جنات کی تسخیر ہمارا اخص عطیہ ہے جو ہم نے تم کو دیا ہے فامنن سو تم جس کو ان میں سے چاہو چھوڑ دو اور جس کو اپنی بندش میں رکھنا چاہو رکھو چھوڑنے اور بند رکھنے کا تم سے کوئی مواخذہ نہ ہو گا۔

لزلفے یعنی دنیا کی حکومت کے ساتھ آخرت میں ان کو ہمارا قرب بھی حاصل ہو گا اور لوٹنے کی جگہ اچھی ہو گی یعنی جنت۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا اَيُّوبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾

اور ہمارے بندے ایوبؑ کا تذکرہ کرو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھ کو رنج و آزار پہنچایا ہے۔

انی مسنی الخ حضرت ایوبؑ کے کلام کی نقل ہے۔ بنصب نصب مشقت تکلیف عذاب الم (رنج) مقاتل اور قتادہ نے کہا نصب سے مراد ہے جسمانی دکھ اور عذاب سے مراد ہے مالی تباہی حضرت ایوبؑ کے دکھ اور تکلیف کا مفصل ذکر اور ان

کا پورا قصہ ہم نے سورہ انبیاء میں بیان کر دیا ہے اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ کتنی مدت تک یہ آزمائش ہوتی رہی۔ غرض جب مدت ابتلاء ختم ہو گئی تو اللہ نے حکم دیا۔

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ اپنا پاؤں مارو یہ نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا۔

اُرْكُضْ یعنی ہم نے ایوبؑ سے کہا کہ اپنا پاؤں زمین پر مارو انہوں نے پاؤں مارا فوراً ایک چشمہ نکل آیا ہم نے کہا یہ نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اس میں غسل کرو اور یہ پینے کا پانی ہے اس کو پیو انہوں نے غسل کر لیا تو ظاہر جلد کے سارے روگ دور ہو گئے اور پانی پیا تو اندرونی بیماریاں زائل ہو گئیں۔

بعض روایات میں آیا ہے حضرت ایوبؑ نے دو مرتبہ زمین پر پاؤں مارا ایک مرتبہ مارنے سے سرد چشمہ نکل آیا اور دوسری بار پاؤں مارنے سے گرم چشمہ برآمد ہو گیا ایک سے وہ نہائے اور دوسرے کا پانی پیا۔ عبد بن حمید اور ابن المنذر نے مجاہد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ایوبؑ نے اپنا دایاں پاؤں مارا تو ایک چشمہ پھوٹ نکلا اور دایاں ہاتھ پشت کے پیچھے مارا تو دوسرا چشمہ نکل آیا ایک کا پانی انہوں نے پیا اور دوسرے کے پانی سے غسل کیا۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ اور ہم نے ان کو ان کے گھر والے (بھی) عطا کر دیئے اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور بھی اپنی رحمت کے طور پر اور عقل والوں کی یادگار کے لئے۔

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اور تم اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لو اور اس سے مارو اور اپنی قسم نہ توڑو۔

ضغث مٹھی بھر درخت کی ٹہنیاں یا گھاس۔ یعنی ایک مٹھا سینکوں کا ہاتھ میں لے کر اپنی بیوی کے مارو اور اپنی قسم پوری کر لو۔ حضرت ایوبؑ نے قسم کھائی تھی کہ بیوی کے سو کوڑے ماریں گے (اللہ نے قسم پوری کرنے کے لئے آپ کو یہ سہولت دی) آپ نے حسب الحکم اذخر (مرچیا گند) وغیرہ کی سو شاخیں لیں اور مٹھا بنا کر ایک بار بی بی کے مار دیا اس طرح آپ کی قسم پوری ہو گئی۔

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ (ان کو جو جانی مالی اور عیالی دکھ پہنچا تھا) ہم نے (اس دکھ پر) ان کو صابر پایا۔

یہ جملہ عطاء صحت اور موہبت مال و عیال کی علت ہے حضرت ایوبؑ نے شیطان کی دراز دستی کا اللہ سے شکوہ ضرور کیا تھا لیکن یہ شکوہ صبر کے منافی نہیں۔ اس کو بے صبری اور جزع نہیں کہا جا سکتا۔ عافیت کی آرزو اور شفا کی طلب کو بے صبری نہیں کہہ سکتے۔

اس مقام پر ہمارے شیخ شہید کا بہت اونچا کلام ہے آپ نے فرمایا جب حضرت ایوب علیہ السلام دکھ اور مصیبت پر برسوں صبر کر چکے اور اللہ نے چاہا کہ ان کے دکھ اور تکلیف کو دور کر دے تو ان کے دل میں یہ بات خود ہی پیدا کر دی کہ اللہ تجھ سے دعا اور زاری کا خواستگار ہے تو بارگاہ الٰہی میں اپنی عاجزی اور احتیاج کا اظہار کر تا کہ اللہ اس مصیبت کو دور کر دے۔ چنانچہ آپ نے اپنے طبعی تقاضا کے خلاف جو صبر کا خواستگار تھا مرضی رب کو حاصل کرنے کے لئے دعا اور زاری کو ترجیح دی اس طرح مقام صبر سے ترقی کر کے مقام رضا میں پہنچ گئے اور اللہ نے بھی آپ کے صبر کی قدر دانی کی اور فرمایا انا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا اور مقام رضا پر پہنچنے کا اگلی آیت میں اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا۔

نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ وہ اچھا بندہ تھا بلاشبہ وہ (مکمل طور پر) اللہ کی طرف توجہ کرنے والا تھا۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اور تذکرہ کرو ہمارے (خاص) بندوں کا یعنی ابراہیم کا اور اسحاق و یعقوبؑ کا جو ہاتھوں والے (بھی تھے) اور آنکھوں والے

(بھی)۔
ابراھیم واسحاق ویعقوب عبادنا کا عطف بیان ہے۔ اولی الایدی یعنی اطاعت خداوندی میں اور دین و معرفت الٰہیہ میں بصیرت مند تھے۔ حضرت ابن عباسؓ قتادہ اور مجاہد نے یہی تشریح کی اطاعت اور بدنی اعمال کی تعبیر لفظ ایدی (ہاتھ) سے کیونکہ ہاتھوں سے اکثر اعمال کئے جاتے ہیں اور ابصار سے معرفت خداوندی کی تعبیر کی کیونکہ آنکھیں ہی خداشناسی میں قوی ترین ذریعہ ہیں (خلاصہ یہ کہ تینوں حضرات عملی اور علمی قوتوں کے مالک تھے عملی قوت کو اللہ کی اطاعت میں صرف کرتے تھے اور علمی قوت سے معرفت خداوندی اور دینی دانش حاصل کرتے تھے۔ مترجم) اس میں جاہلوں پر تعریض ہے کہ جاہل لوگ لپاہج اور اندھے ہوتے ہیں۔

إِنَّآ أَخْلَصْنٰهُم بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝ وَإِنَّهُمْ عِندَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ۝

ہم نے ان کو ایک خاص بات کے لئے مخصوص کر لیا تھا اور وہ بات تھی آخرت کی یاد۔ اور وہ ہمارے نزدیک منتخب اور سب سے اچھے لوگوں میں تھے۔

ذکری الدار یعنی ہمیشہ دار آخرت کی یاد رکھنے اور لوگوں کو یاد دلانے کے لئے ہم نے ان کو مخصوص کر لیا تھا انبیاء کا یہی شیوہ ہوتا ہے یہ یاد آخرت خلوص طاعت کا ذریعہ ہو جاتی ہے انبیاء کے پیش نظر اور ان کا اصل مقصد اللہ سے ملنا اور مقام قرب میں پہنچنا ہوتا ہے اور یہ آخرت میں ہو گا۔

اس لئے وہ آخرت کی یاد رکھتے ہیں ذکری الدار کا ایک مطلب ذکری صاحب الدار (بحذف مضاف) بھی بیان کیا گیا ہے یعنی دار الآخرت کے مالک کی یاد کے لئے اللہ نے ان کو مخصوص کر لیا تھا۔ صرف الدار بول کر دار آخرت مراد لینے سے اس طرف اشارہ ہے کہ حقیقت میں رہنے کا ٹھکانا تو آخرت ہی ہے دنیا تو ایک گزرگاہ اور پل ہے رہنے کا مقام نہیں ہے اس کو دار کہا ہی نہیں جاسکتا۔

مالک بن دینار نے یہ مطلب بیان کیا کہ ہم نے ان کے دلوں سے دنیا کی محبت اور یاد نکال دی اور آخرت کی یاد و محبت کے لئے ان کو مخصوص کر دیا۔ مقاتل نے کہا وہ لوگوں کو آخرت کی طرف بلاتے تھے اور اللہ کی طرف آجانے کی دعوت دیتے تھے سدی نے کہا آخرت کا ڈر رکھنے کے لئے انکو مخصوص کر لیا گیا تھا۔ ابن زید نے کہا یہاں مضاف محذوف ہے یعنی ہم نے آخرت کی بہترین چیزوں کی یاد کے لئے ان کو مخصوص کر لیا تھا۔

وانہم عندنا الخ یعنی ان جیسے دوسرے لوگوں پر اللہ نے برگزیدگی عطا کی تھی اور ان میں سے منتخب کر لیا تھا۔

اخیار خیر کی یا خیّر کی جمع ہے جیسے اموات میت کی یا میّت کی جمع ہے۔

وَاذْكُرْ إِسْمٰعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ ۝ اور ذکر کرو اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کا۔ سب اچھے لوگوں میں سے تھے الیسع اخطوب کے بیٹے تھے بنی اسرائیل نے ان کو اپنا سردار بنا لیا تھا (سب پر حکومت کرتے تھے) پھر اللہ نے نبی بھی بنا دیا۔

ذوالکفل حضرت الیسع کے چچازاد بھائی تھے یا بشر بن ایوبؑ کے بیٹے تھے۔ آپ کی نبوت کے متعلق اختلاف ہے (کوئی آپ کو نبی کہتا ہے کوئی صرف مرد صالح اور اللہ کا ولی۔ مترجم) ذوالکفل لقب ہو جانے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل میں سے سو آدمی ان کے پاس آگئے آپ نے ان کو پناہ دی اور ان کی ذمہ داری لی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک نیک آدمی تھا روزانہ سو بار نماز پڑھتا تھا (کمائی کے لئے وقت نہیں بچتا تھا) آپ نے اس کے کام کا ذمہ لے لیا تھا (اور معاش کی کفالت کر لی تھی)

هٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ ۝ یہ ایک نصیحت کا مضمون تو ہو چکا اور پرہیزگاروں کے لئے آخرت میں اچھا ٹھکانا ہے۔

ھذا یعنی مقدم الذکر واقعات انبیاء ان کے لئے ایک شرف تھا یا یہ قرآن جو پڑھا جا رہا ہے ایک حسین یاد دہانی ہے۔

انبیاء اور ان کے راستہ پر چلنے والے تمام لوگوں کے متعلق آگے فرمایا کہ تقوی والوں کے لئے بہترین لوٹنے کا مقام (اور انجام) ہے یعنی

جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ۵۰ یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جن کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوں گے۔

عدن (دوامی قیام) یہ ایک جنت کا نام بھی ہے دوسری آیت میں آیا ہے جَنّٰتُ عَدْنِ الَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ۔

مُتَّكِـِٕیْنَ فِیْهَا یَدْعُوْنَ فِیْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِیْرَةٍ وَّشَرَابٍ ۵۱ ان باغوں میں تکئے لگائے بیٹھے ہوں گے اور وہاں (جنت کے خادموں سے) بہت سے لذیذ پھل اور پینے کی چیزیں منگوائیں گے۔

شراب میں (تنوین تکثیر ہے مراد) ہے کثیر نوشیدنی شربت پہلے فاکهة کثیرة کہا جاچکا ہے اس لئے دوبارہ شراب کے ساتھ لفظ کثیر ذکر کرنے کی ضرورت نہیں (مطاعم اور ماکل کی بجائے) صرف فاکہہ کا ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ اہل جنت کا کچھ کھانا محض لذت اندوزی کے لئے ہوگا۔ حصول غذائیت کے لئے نہیں ہوگا غذا کی ضرورت تو اس لئے ہوتی ہے کہ اجزاء جسم کو تحلیل شدہ قوت کا بدل مل جائے (اور جنت کے اندر قوت کے تحلیل ہونے اور کمزور پڑ جانے کا کوئی احتمال ہی نہیں ہے)

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ۵۲ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِیَوْمِ الْحِسَابِ ۵۳ اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والیاں ہم جولیاں حاضر ہوں گی (اے مسلمانو) یہ وہ (نعمت ہے) جس کا روز حساب آنے پر تم سے وعدہ کیا جارہا ہے۔

قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ یعنی ایسی عورتیں جن کی نگاہیں شوہروں کے سوا دوسروں پر نہ پڑیں گی (یعنی ان کی نگاہ آوارہ نہ ہوگی)

اتراب یہ ترب کی جمع ہے ہم عمر۔ سب کی عمر ۳۳ سال کی ہوگی۔ مجاہد نے کہا سب آپس میں بہنوں بہنوں کی طرح ہوں گی۔ یہاں کی سوکنوں کی طرح ان میں جلن نہ ہوگی نہ حسد ہوگی۔

لِیَوْمِ الْحِسَابِ لام اجلیہ ہے حساب کے دن کی وجہ سے ہی تو مذکورہ نعمتوں تک رسائی ہوگی۔ یا لام بمعنی فی ہے یعنی روز حساب میں۔

اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ۵۴ بلا شبہ یہ ہماری عطاء ہے جس کا (کبھی) اختتام نہیں ہوگا

هٰذَا ۚ وَاِنَّ لِلطّٰغِیْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۵۵ جَهَنَّمَ ۚ یَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ۵۶ یہ بات (تو ہو چکی) اور سرکشوں کے لئے برا ٹھکانا ہے یعنی جہنم سو وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

طاغین سے مراد ہیں کافر ماب لوٹنے کی جگہ لوٹ کر پہنچنے کا مقام مہاد بستر بطور کنایہ جہنم کو بستر فرمایا۔

هٰذَا ۙ فَلْیَذُوْقُوْهُ حَمِیْمٌ وَّغَسَّاقٌ ۵۷ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ۵۸ یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ ان کو پینا پڑے گا اور اسی قسم کی دوسری طرح طرح کی چیزیں (ان کے لئے) ہوں گی۔

ھذا یہ عذاب ہوگا یا از طعام مہمانی یہ ہے۔ حمیم گرم کھولتا ہوا پانی غساق بروزن فعال۔ غساق کا معنی مختلف طور پر کہا گیا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ایسی برفیلی سخت ٹھنڈک جو اس طرح دوزخیوں کو جلاوے گی جس طرح آگ اپنی گرمی سے جلائے گی۔

مجاہد اور مقاتل نے کہا جس چیز کی برودت انتہائی درجہ کی ہو وہ غساق ہے بعض نے کہا یہ ترکی لفظ ہے۔ ترکی زبان میں غساق انتہائی بدبودار چیز کو کہتے ہیں۔ قتادہؒ نے کہا غساق کا معنی ہے صباب یعنی سیال، غسقت وہ چیز بہہ گئی۔ اس جگہ مراد ہے وہ پیپ اور کچ لہو جو دوزخیوں کی کھال اور گوشت اور زانیوں کی شرمگاہوں سے بہے گا۔

بیہقی نے عطیہ کا قول نقل کیا ہے کہ غساق سے مراد ہے سیال کچ لہو۔ ابراہیم اور ابوزرین کا بھی یہی قول منقول ہے۔
ابن ابی حاتم ابن ابی الدنیا اور ضیاء نے کعب کا قول بیان کیا ہے کہ غساق جہنم کے اندر ایک چشمہ ہے جس میں ہر زہریلے جانور جیسے سانپ بچھو وغیرہ کا زہر جمع کر دیا جائے گا پھر آدمی کو اس میں ایک غوطہ دیا جائے گا ایک ہی غوطے میں اس کی کھال اور گوشت ہڈیوں سے الگ ہو کر ٹخنوں میں جا پڑے گا اور جس طرح آدمی کو کپڑا گھسیٹتا چلتا ہے اسی طرح دوزخی اس کو کھینچے کھینچے پھرے گا۔
واخرمن شکلہ یعنی ایک اور عذاب ہوگا جو مذکورہ حمیم و غساق کی طرح ہوگا ازواج یہ قسم قسم کا ہوگا۔
هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ یہ ایک جماعت اور آئی جو تمہارے ساتھ (عذاب میں شریک ہونے کے لئے دوزخ میں بے تابانہ) گھس رہے ہیں۔
حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ دوزخ کے کارندوں کا کلام ہوگا۔ جو جہنمی لیڈروں سے وہ کہیں گے اس کی صورت یہ ہوگی کہ کافروں کے پیشوا اور لیڈر جب دوزخ میں چلے جائیں گے تو ان کے بعد ان کے پیرو بھی آکر دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اس وقت دوزخ کے کارندے ان پیشواؤں سے یہ بات کہیں گے۔
بعض علماء نے کہا یہ پیشواؤں کا کلام ہوگا جو ایک دوسرے سے کہے گا کہ یہ لو تمہارے متبعین کی جماعت بھی تمہارے ساتھ (عذاب میں شریک ہونے کو) دوزخ میں گھس رہی ہے۔ اقتحام کا معنی ہے بے تابی کے ساتھ (یعنی اضطراری طور پر) کسی چیز میں گھس پڑنا۔ کلبی نے کہا ان کو گرزوں سے مارا جائے گا۔ گرزوں کے خوف سے وہ خود اپنے آپ کو دوزخ میں ڈال دیں گے۔
میں کہتا ہوں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفاء لوگوں کو پیچھے سے کمر پکڑ کر دوزخ میں گرنے سے روکتے ہیں اور ایسے کاموں سے روکتے ہیں جن کا ارتکاب موجب جہنم ہے مگر لوگ نہیں مانتے خود ہی دوزخ میں گھسے پڑتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں جو جہنم میں لے جانے والے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی ہو جب آگ روشن ہو گئی تو پروانے اور یہ کیڑے مکوڑے آ آکر اس میں گرنے لگے۔ وہ ہر چند گرنے سے روکتا تھا مگر آگ میں گرنے والے (پروانے اور کیڑے) اس پر غالب آکر گھسے ہی چلے جاتے تھے (آخر سوختہ ہو جاتے تھے) میں بھی تم کو دوزخ میں گرنے سے ہر چند روکتا ہوں اور کہتا ہوں دوزخ سے ہٹ آؤ آگ سے بچ آؤ مگر تم مجھ پر غالب آتے اور دوزخ میں گھس پڑتے ہو (متفق علیہ)
خلاصہ یہ کہ بعض کافر بعض سے کسی تیسرے فریق کے متعلق کہیں گے کہ یہ بھی تمہارے ساتھ عذاب میں شریک ہونے کے لئے دوزخ میں گھس رہے ہیں۔ یا ایک سردار کفار دوسرے پیشوا سے متبعین کے حق میں کہے گا وہ پیشوا کہیں گے۔
لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۚ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ۝ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ۚ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝
ان کے لئے مرحبا نہیں (یعنی ان پر خدا کی مار) یہ بھی دوزخ ہی میں داخل ہو رہے ہیں وہ (آنے والے) کہیں گے (ہم پر نہیں) بلکہ تم پر خدا کی مار تم ہی تو یہ مصیبت ہمارے آگے لائے ہو سو (یہ) جہنم (تمہارا ہمارا) بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔
لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ یہ بددعائیہ جملہ ہے جو پیشوا اپنے اتباع کرنے والوں کے متعلق کہیں گے۔ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ یعنی ہماری طرح اپنے اعمال کی وجہ سے یہ بھی آگ میں آرہے ہیں۔ یا لا مرحبا بہم فوج کی صفت ہے یعنی ان گھسنے والے لوگوں کے متعلق یہ لفظ کہا جائے گا۔ کسی کے آنے کے موقع پر خوش آمدید کی جگہ عرب مرحبا کہتے ہیں رحب کا معنی ہے کشادہ جگہ اور وسعت اس لفظ کو کہنے سے آنے والے کا اعزاز مقصود ہوتا ہے لیکن بددعا کے موقع پر لا مرحبا کہا جاتا ہے اور اس سے مقصود ہوتی ہے آنے والے کی تذلیل۔
قَالُوْا لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ یعنی اتباع کرنے والے اپنے پیشواؤں سے کہیں گے کہ تم نے جو کچھ کہا یا ہمارے متعلق جو کچھ کہا

گیا اس کے تم زیادہ مستحق ہو تم خود بھی گمراہ ہوئے اور ہم کو بھی گمراہ کیا۔
اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا اس عذاب کو یا داخلہ جہنم کو تم ہی ہمارے آگے لائے۔
قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿٦١﴾　تبعین کہیں گے
اے ہمارے رب جو شخص ہمارے آگے یہ (جہنم) لایا اس کو آگ کے اندر (ہمارے عذاب سے) دوگنا عذاب دے۔
وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿٦٢﴾　اور وہ کہیں گے کیا بات ہے (دوزخ کے اندر) ہم کو وہ لوگ دکھائی نہیں دیتے جن کو ہم برے آدمیوں میں شمار کرتے تھے اشرار شریر کی جمع ہے شر خیر کی ضد ہے۔ خیر وہ چیز ہے جس کی طرف سب کو رغبت ہوتی ہے اور شر وہ چیز ہوتی ہے جس سے ہر شخص نفرت کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم دنیا میں ان کو برا سمجھتے تھے اور ان کی تحقیر کرتے تھے آج وہ یہاں کیوں نظر نہیں آتے ان کی مراد یہ ہو گی کہ فقراء مومنین جیسے حضرت عمارؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ، حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ یہاں کیوں نہیں دکھائی دیتے۔ دنیا میں وہ کافران مخلص غریب مومنوں کو رذیل جانتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔
اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا　کیا ہم نے ان کی ہنسی بنا رکھی تھی۔ یہ استفہام انکاری ہے۔
اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿٦٣﴾　یا ان سے ہماری نگاہ چوک رہی ہے (کہ ہم ان کو نہیں دیکھ پاتے)
فراء نے کہا یہ استفہام توبیخی تعجبی ہے اور ایک جملہ محذوف ہے پوری عبارت اس طرح تھی کیا بات ہے کہ ہم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کا ہم نے مذاق بنایا تھا کیا وہ یہاں نہیں ہیں یا ہماری نظریں چوک رہی ہیں اس لئے ہم کو یہاں وہ نظر نہیں آتے۔
اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾　بے شک یہ بات یعنی دوزخیوں کا آپس میں لڑنا جھگڑنا بالکل سچی بات ہے۔
ان ذلک بے شک یہ جو کچھ دوزخیوں کے متعلق ہم نے بیان کیا لحق بلاشبہ صحیح ہے وہ ضرور ایسی گفتگو کریں گے تخاصم یہ حق سے بدل ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہے دوزخیوں کے باہم سوال جواب اور آپس کی گفتگو فریقین معاملہ کی گفتگو کے مشابہ ہو گی اس لئے اس کو تخاصم (باہم رگڑا جھگڑا) فرمایا۔ اس کے علاوہ پیشواؤں کا تبعین کے متعلق اور لَا مَرْحَبًا بِكُمْ کہنا اور لوٹ کر پھر ان کا بَلْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ کہنا ایک قسم کا تخاصم ہے اور ساری گفتگو میں تخاصم بھی شامل ہے اس لئے پوری گفتگو کو ہی تخاصم فرمادیا۔

ع۱۷

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾
اے محمد مکہ کے مشرکوں سے آپ کہہ دیں کہ میں تو (تم کو عذاب خداوندی سے) صرف ڈرانے والا ہوں اور سوائے اللہ کے کوئی لائق عبادت نہیں۔ وہی یگانہ سب پر غالب۔ آسمانوں کا زمین کا اور ان دونوں کی درمیانی کائنات کا مالک و منتظم زبردست اور (گناہوں کو) بہت بڑا بخشنے والا ہے۔
اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ کا تعلق کافروں کے سابق مقولے سے ہے کافروں نے جو کہا تھا هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ اس کا جواب دینے کے لئے فرمایا آپ کہہ دیجئے کہ میں تو ڈرانے والا ہوں اللہ کے عذاب سے تم کو ڈرا رہا ہوں یعنی میں ساحر کذاب نہیں ہوں۔
وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ اس جملہ کا رخ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا کی طرف ہے اور اسی سے اس کا تعلق ہے الواحد (بہمہ جہات) ایک نہ اپنی ذات میں کسی کی شرکت رکھتا ہے نہ اپنی کسی صفت میں۔ القہار ہر شئے پر غالب اس لفظ میں کافروں کے لئے دھمکی ہے۔
العزیز ایسا زبردست کہ اگر سزا دے تو کوئی مقابلہ پر آکر اس پر غالب نہ آسکے۔ الغفار چھوٹے بڑے گناہ جس کے چاہے معاف کر دے ان صفات سے توحید کا مکمل اثبات ہو جاتا ہے۔ اس میں درپردہ موحدین کے لئے وعدہ اور مشرکوں کے لئے انتقام و عذاب کی دھمکی ہے۔ القہار کہنے سے خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید اللہ کی صفت قہر ہی ہے اس خیال کو زائل کرنے کے لئے الغفار فرمادیا۔

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيمٌ ۝ أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ۝ (اے محمد) آپ کہہ دیجئے کہ وہ (یعنی قرآن ابن عباسؓ، مجاہدؒ، قتادہؒ) ایک عظیم الشان خبر (یعنی مضمون) ہے۔ جس سے تم کترا رہے ہو۔

بعض کے نزدیک ھو سے مراد ہے روز قیامت دوسری آیت میں آیا ہے عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ اس آیت میں نباء عظیم سے مراد روز قیامت ہی ہے بعض لوگوں نے کہا مطلب یہ ہے کہ میں جو تم کو اطلاع دے رہا ہوں اور اس خدا کے عذاب سے جس کی یہ یہ صفات ہیں ڈرا رہا ہوں وہ عظیم الشان خبر ہے۔ اس صورت میں اس آیت کا تعلق آیت إِنَّمَا أَنَا مُنْذِرٌ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ سے ہوگا۔

أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ یعنی اہل دانش کو مناسب نہیں کہ ایسی خبر سے اعراض کرے مگر تم غفلت میں ایسے سرگراں ہو کہ اس کی طرف سے کترا رہے ہو۔ توحید ذاتی و صفاتی کی دلائل تو سطور بالا میں گزر چکیں۔ نبوت کے ثبوت کا اظہار آئندہ آیت میں فرمایا۔

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۝ إِنْ يُوحَىٰ إِلَيَّ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝

مجھے عالم بالا کی بحث و گفتگو کی کچھ بھی خبر نہ تھی جب کہ وہ (تخلیق آدم کے بارے میں) جھگڑ رہے تھے میرے پاس جو وحی آتی ہے تو اس سبب سے آتی ہے کہ میں (منجانب اللہ) کھلا ہوا پیغمبر ہوں (یہ ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی کی بنیاد پر کیا گیا ہے اس میں زیادہ الفاظ مولانا تھانوی کے ہیں مترجم)۔

الملا الا علی یعنی فرشتے اذیختصمون جب ملائکہ بحث و گفتگو کر رہے تھے ملائکہ کی گفتگو اور سوال و جواب کی کتب سابقہ کی صراحتوں کے موافق خبر جب کہ ملائکہ کی گفتگو نہ سنی ہو تو کوئی آسمانی کتاب پڑھی ہو بغیر وحی کے ناممکن ہے۔

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ ملائکہ کی گفتگو جو تخلیق آدم کے سلسلے میں تھی يَخْتَصِمُونَ میں وہی مراد ہے اللہ نے فرشتوں سے فرمایا تھا إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً فرشتوں نے سوال کیا۔ أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ۔

حضرت عبدالرحمن بن عائش حضرمی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے میں نے اپنے رب کو نہایت ہی حسین شکل میں دیکھا رب نے مجھ سے فرمایا۔ محمد عالم بالا والے کس بات میں بحث کر رہے ہیں میں نے عرض کیا اے میرے رب تو ہی خوب جانتا ہے یہ بات دو مرتبہ فرمائی میرے رب نے میرے دونوں شانوں کے درمیان اپنی ہتھیلی رکھ دی جس کی خنکی مجھے سینہ کے اگلے حصہ میں بھی محسوس ہوگئی اور آسمان و زمین میں جو کچھ (ہو رہا) تھا مجھے معلوم ہو گیا پھر حضور ﷺ نے آیت وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ تلاوت کی اور فرمایا اس کے بعد میرے رب نے پوچھا محمد عالم بالا والے کس بات میں بحث کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کفارات کے متعلق بحث کر رہے ہیں (یعنی کن کن چیزوں سے گناہوں کا اتار اور کفارہ ہو جاتا ہے) فرمایا کفارات کیا (کیا) ہیں میں نے عرض کیا پاؤں سے چل کر (نماز کی) جماعتوں کی طرف جانا۔ نماز کے بعد (دوسری نماز کے انتظار میں مسجدوں میں) بیٹھا رہنا اور ناگوار امور (مثلاً برفیلا ٹھنڈا پانی اور سختی سردی) کے باوجود پورا پورا وضو کرنا۔ فرمایا جو ایسا کرے گا وہ بخیریت زندہ رہے گا بخیریت مرے گا اور اس کے گناہ (معاف کردیے جائیں گے اور) ایسے (دور) ہو جائیں گے جیسے اس روز تھے جب کہ وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا اور (کفارات کے بعد) درجات (کے حصول کے ذرائع) میں سے ہے (بھوکوں کو) کھانا کھلانا اور (مسلمانوں کو) سلام کرنا اور رات کو جب سب لوگ سوتے ہوں (نماز کے لئے) کھڑا ہونا۔ رب نے فرمایا (محمد کہو اے اللہ میں تجھ سے پاک چیزیں مانگتا ہوں اور بری چیزیں (ممنوع) کو چھوڑ دینے (کی توفیق چاہتا ہوں اور مسکینوں کی محبت کا خواستگار ہوں اور اس بات کا طلبگار ہو کہ تو مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور جب تو کسی قوم کو آزمائش میں ڈالنا چاہے تو مجھے آزمائش میں ڈالنے سے پہلے ہی وفات دیدے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے بلاشبہ یہ سب باتیں سچی ہیں۔ رواہ البغوی فی

شرح السنۃ و تفسیرہ۔
دارمی کی روایت وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ تک ہے۔ ترمذی نے یہ حدیث بغوی کی روایت کے بحوالہ حضرمی بھی بیان کی ہے اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت معاذؓ بن جبل کی روایت سے کچھ بدلے ہوئے الفاظ کے ساتھ اسی مفہوم کی حدیث بیان کی ہے۔

کفاران کے معاملہ میں ملاء اعلیٰ کی بحث سے شاید یہ مراد ہو کہ فرشتوں کی ایک جماعت ان نیکیوں کو لکھنے میں (ایک دوسرے سے پیش دستی کرتے ہیں تاکہ اللہ کے سامنے سب سے پہلے وہی پیش کریں۔ جیسا کہ حضرت رفاعہؓ بن رافع کی روایت میں آیا ہے۔ حضرت رفاعہؓ نے بیان کیا ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے جونہی آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھا کر سمع اللہ لمن حمدہ کہا فوراً پیچھے (مقتدیوں میں سے) ایک شخص نے ربنا ولک الحمد حمد اکثیرا طیبا مبارکا فیہ کہا۔ حضور نے نماز پوری کرلی تو فرمایا ابھی کس نے یہ بات کہی تھی اس شخص نے کہا میں نے کہی تھی فرمایا کچھ اوپر تیس فرشتوں کو دیکھا کہ وہ پیش دستی کر رہے تھے کہ کون ان کلمات کو پہلے لکھے۔ (رواہ البخاری)۔

اِنَّمَا اَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ یا یوحیٰ کا نائب فاعل ہے یعنی میرے پاس بس یہ وحی آتی ہے کہ میں تم کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں یا فقرہ مذکورہ مفعول لہ اور علت ہے اور یوحی کا نائب فاعل وہ مصدر ہے جو فعل سے سمجھ میں آرہا ہے یعنی میرے پاس وحی بس اس غرض سے آتی ہے کہ میں نذیر مبین ہوں پیغمبری کا مقصود ہی نافرمانوں کو عذاب سے ڈراتا ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ نباء عظیم سے مراد ہے حضرت آدمؑ اور ابلیس کا قصہ بغیر نے اس کی خبر دینا اور ملاً اعلیٰ سے مراد ہیں افراد قصہ یعنی ملائکہ اور آدم اور ابلیس۔ یہ سب آسمان پر تھے اور ان کی باہم گفتگو ہوئی تھی۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۝ جب کہ آپ کے رب نے ملائکہ سے فرمایا تھا کہ میں گارے سے ایک انسان کو بنانے والا ہوں۔

اِذْ قَالَ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ کا بدل ہے اور تشریح ہے سورۂ بقرہ میں ملائکہ اور ابلیس کی تخلیق آدمؑ اور ان کے استحقاق خلافت کے متعلق گفتگو اور ان کا معبود ملائکہ اور ابلیس کی تخلیق آدمؑ اور ان کے استحقاق خلافت کے متعلق گفتگو اور ان کا مسجود ملائکہ ہونا تفصیل سے بیان کر دیا گیا۔ یہاں اس مفصل قصہ کو مختصر طور پر بیان کیا گیا ہے اور قصہ کا جو اصل مقصد تھا اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے حضرت آدمؑ کے مقابلہ میں ابلیس نے غرور کیا اور راندۂ درگاہ ہو گیا مشرک بھی رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں اپنے کو بڑا سمجھتے تھے ان کا بھی ابلیس کی طرح خوار و ذلیل ہونا ضروری ہے (یہ ہے اصل مقصود بیان) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی فرشتہ کی وساطت سے اللہ نے ملاء اعلیٰ سے کلام کیا ہو یا ملاء اعلیٰ سے مراد کائنات بالا ہو جو اللہ اور ملائکہ سب ہی کو شامل ہے۔

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ سو جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اس کے اندر اپنی طرف سے جان ڈال دوں تو تم (سب کے سب) اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا پس (جب اللہ اس کو بنا چکا تو) سب کے سب فرشتوں نے اس کو سجدہ کیا (یعنی اس کی طرف کو سجدہ کیا) سوائے ابلیس کے کہ وہ غرور میں آگیا۔ اور منکرین (حکم) میں سے ہو گیا۔

اذا سویتہ جب میں اس کی بناوٹ پوری کر چکوں۔ استکبر وہ بڑا بنا۔ مغرور ہو گیا کان ہو گیا۔ یعنی اللہ کے حکم کے مقابلہ میں اس نے غرور کیا یا اطاعت حکم سے اس نے اپنے کو اونچا سمجھا یا کان کا اصل معنی ہے یعنی اللہ کے علم میں وہ پہلے ہی کافروں میں سے تھا۔

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ۝

اللہ نے فرمایا اے ابلیس جس چیز کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کو سجدہ کرنے سے تجھے کس بات نے روکا کیا تو غرور میں آگیا یا (واقع میں) تو بڑے درجہ والوں میں سے ہے۔

خَلَقْتُ بِيَدَيَّ یدی کا لفظ متشابہات میں سے ہے علماء سلف اس کی کوئی (مراد ی) تاویل نہیں کرتے بس اتنا ایمان رکھتے ہیں کہ یدی کا ترجمہ ہے میرے دونوں ہاتھ دونوں ہاتھوں سے کیا مراد ہے وہ کہتے ہیں ہم کو نہیں معلوم۔ اللہ ہی جانے علماء متاخرین کہتے ہیں اپنے ہاتھوں سے پیدا کرنے سے یہ مراد ہے کہ میں نے براہ راست ماں باپ کے توسط کے بغیر اس کو پیدا کیا۔

یدی (اپنے دونوں ہاتھوں سے) تثنیہ کا صیغہ ظاہر کر رہا ہے کہ اللہ نے تخلیق آدم اپنی کامل قدرت سے کی۔

استکبرت استفہام توبیخی زجری اور انکاری ہے اصل میں استکبرت تھا یعنی کیا تو بغیر کسی استحقاق کے بڑا بننے کا مدعی ہو گیا۔ ام کنت من العالین یا واقع میں تو اونچے درجہ کا استحقاق رکھنے والوں میں سے ہے۔

قَالَ قال ابلیس نے کہا۔

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ میں اس سے افضل ہوں۔ ابلیس نے سجدہ نہ کرنے کی وجہ بیان کی کہ میں آدم سے افضل ہوں اور یہ دلیل پیش کی کہ۔

خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اس کو گارے سے بنایا۔ اس کی تفسیر پہلے سے گزر چکی ہے

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ اللہ نے فرمایا تو یہاں سے نکل جا بلا شبہ تو مردود ہے۔

منہا یعنی جنت سے یا آسمانوں سے نکل جا حسن اور ابو العالیہ نے کہا اس بناوٹ (اور خوبصورت تخلیق) سے نکل جا جس میں تو بنایا گیا ہے حسن بن فضل نے کہا یہ تشریح اچھی ہے چنانچہ اس حکم کے بعد ابلیس کا رنگ سیاہ ہو گیا اور خوبصورتی بدصورتی سے بدل گئی۔

فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ رجیم مردود راندہ درگاہ۔ یعنی تو آدم سے افضل نہیں ہے۔ یہ جملہ حکم خروج کی علت ہے۔ (یعنی تجھے نکل جانے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ اب تو راندۂ درگاہ ہو گیا)

وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِىْۤ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اور بے شک تجھ پر میری لعنت رہے گی روز جزا تک۔

الی یوم الدین کہنے سے یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ قیامت آنے پر لعنت ختم ہو جائے گی بلکہ مراد یہ ہے کہ قیامت تک تو پھٹکار میں مبتلا رہے گا اور اس کے بعد لعنت کے ساتھ عذاب میں بھی گرفتار ہو گا۔

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِىْۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ ابلیس بولا تو اے میرے رب مجھے اس دن تک مہلت دے جس دن لوگوں کو زندہ کر کے قبروں سے اٹھایا جائے گا (یعنی روز قیامت تک) سابق جملہ اس جملہ کا سبب ہے اور فاسببیت کے لئے ہے۔ آدم کی دشمنی کی وجہ سے راندۂ درگاہ ہو جانا ہی اس مہلت طلبی کا سبب تھا تا کہ وہ بنی آدم کو اغوا کر سکے۔

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝ اللہ نے فرمایا جب تو مہلت مانگتا ہے) تو تجھے وقت معین (جو اللہ کو معلوم ہے) تک کی مہلت دیدی گئی۔

اس جگہ فاسببیت کے لئے ہے ابلیس کا سوال اس جواب کا سبب ہے۔

اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ جملہ اسمیہ ہے جو اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ ابلیس کو مقرر وقت تک مہلت دینا اللہ کو پہلے ہی معلوم تھا۔ یہ مطلب کہ اللہ نے ابلیس کا سوال پورا کر دیا اور دعا قبول کر لی۔

يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ اس سے مراد ہے پہلی مرتبہ صور پھونکا جانے کا وقت۔ سورۃ الحجر میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ ابلیس کہنے لگا

(جب تو نے مجھے مہلت دیدی) تو تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کردوں گا سواء ان تیرے بندوں کے جو ان میں سے (تیرے) منتخب ہوں گے۔

فَبِعِزَّتِكَ میں بھی فاء سببی ہے۔ ابلیس کو مہلت مل جانا ہی عزم اغواء کا سبب ہے اگر اللہ کی طرف سے اس کو مہلت نہ ملتی تو وہ اغواء پر قادر نہ ہوتا۔ ابلیس ملعون نے اللہ کی عزت یعنی غلبہ کاملہ اور ہمہ گیر قدرت کی قسم کھائی تاکہ اس ذریعہ سے اس کو بنی آدم کے اغواء پر تسلط حاصل ہو جائے۔

المخلصین یعنی وہ لوگ جن کو اللہ نے اپنی طاعت کے لئے منتخب کر لیا ہے اور گمراہی سے محفوظ بنا دیا ہے۔

قَالَ فَالْحَقُّ ۡ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾

ارشاد ہوا (میری بات) سچ ہے اور میں تو سچ ہی کہا کرتا ہوں کہ میں تجھ سے اور ان (انسانوں) میں سے جو بھی تیرا ساتھ دیں گے ان سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

فالحق حق بھی اللہ کا نام ہے۔ یعنی میں ہی حق ہوں (مبتداء محذوف ہے) یا یہ معنی ہے کہ حق میری قسم ہے (خبر محذوف ہے)

والحق اقول جملہ معترضہ ہے منک یعنی تجھ سے اور تیری نوع کے افراد سے اسی لفظ کے تحت تمام شیاطین جن آگئے۔

مِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ یعنی آدمیوں میں سے جو تیرے ساتھی ہوں گے سب کو جہنم میں بھر دوں گا۔ کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔ نہ تم میں سے نہ ان میں سے۔ من تبعک منہم سے مراد ہیں کافر لوگ۔

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾ (اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس کا (یعنی تبلیغ قرآن کا یا ڈرانے کا) نہ کوئی معاوضہ چاہتا ہوں نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں یعنی قرآن خود بنانے والا نہیں ہوں یا یہ مطلب ہے کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کسی ایسی چیز کے مدعی بن بیٹھتے ہیں جو ان کے اندر نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ میں واقعی نبی ہوں۔ میری نبوت کا دعویٰ جھوٹا نہیں ہے۔

بخاری نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ہم کو بناوٹ سے منع کر دیا گیا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ مسروق نے کہا ہم حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؓ نے فرمایا اگر کوئی شخص کوئی بات جانتا ہو تو کہہ دے اور معلوم نہ ہو تو اللہ جانے کہہ دے کیونکہ جس بات کو نہ جانتا ہو اس کے متعلق واللہ اعلم کہہ دینا بھی علم ہی کی ایک شاخ ہے۔ اللہ نے اپنے نبی سے فرمایا ہے۔ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ۔

میں کہتا ہوں مَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ کی تاکید ہے کیونکہ جو شخص کسی معاوضہ کا طلب گار نہ ہو وہ بات میں بناوٹ نہیں کرتا۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ یعنی (قرآن) تو بس دنیا جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے۔ یعنی جن وانس کے لئے نصیحت نامہ ہے جو میرے پاس وحی کے ذریعہ سے آتا ہے اور میں تم کو پہنچا رہا ہوں۔

۵ رکوع ۱۴

وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾ اور تھوڑے دنوں کے بعد تم کو اس کا حال معلوم ہو جائے گا۔ یعنی جو وعدہ و وعید اس کے اندر موجود ہے اسے کچھ مدت کے بعد تم جان لو گے یا اس کی سچائی کو کچھ وقت کے بعد جان لو گے۔

بَعْدَ حِيْنٍ سے حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؓ کے نزدیک مراد ہے مرنے کے بعد عکرمہ نے کہا قیامت کے دن جان لو گے۔

حسن نے کہا مرنے کے وقت آدمی کے سامنے سچی یقینی خبر آجاتی ہے۔

بتوفیق اللہ تعالیٰ

سورۂ صٓ کی تفسیر ۶ ؍ رجب ۱۲۰۷ھ کو ختم ہوئی۔ اس کے بعد سورۂ الزمر کی
تفسیر انشاء اللہ آئے گی والحمد للّٰہ رب العٰلمین و
صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد واٰلہٖ واصحابہ اجمعین۔

بعونہٖ تعالیٰ تفسیر مظہری متعلق سورۂ صٓ کا ترجمہ ۲۲ ؍ رمضان ۱۳۹۲ھ کو ختم ہوا۔
فشکرا اللّٰہ تعالیٰ والحمدلہ اولاً واٰخراً۔

سورة الزمر

یہ سورت آیت قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ الخ کے علاوہ مکی ہے اس سورت میں ٧٥ آیات ہیں۔ (اہل حجاز اور قراء بصرہ کے نزدیک) کل آیات ٧٢ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ① یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے۔

تنزیل الکتاب کا مبتداء محذوف ہے یعنی یہ تنزیل الکتاب ہے یا تنزیل الکتاب خود مبتداء ہے اور اس کی خبر من اللہ ہے۔

تنزیل (مصدر بمعنی اسم مفعول) یعنی نازل کی ہوئی۔ العزیز اپنی حکومت میں (سب مخلوق پر) غالب۔ الحکیم اپنی صناعی میں حکمت والا۔ الکتاب سے مراد یا صرف یہی سورت ہے یا قرآن مجید۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ یعنی ہم نے ٹھیک طور پر اس کتاب کو آپ ﷺ کی طرف نازل کیا ہے۔

بالحق یعنی حامل حق کتاب یا بسببہ ہے یعنی حق کو ثابت کرنے ظاہر کرنے اور تفصیل سے بیان کرنے کے لئے یہ کتاب ہم نے آپ ﷺ کے پاس بھیجی ہے۔

بظاہر یہ جملہ (مفہوم کے لحاظ سے پہلے جملے کی تکرار معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ) تکرار نہیں ہے اول جملہ میں تنزیل الکتاب تو عنوان کے طور پر فرمایا تھا اور اس جملہ میں اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ اس مضمون کو بیان کرنے کے لئے فرمایا۔

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ② سو آپ خالص اعتقاد کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں۔

مخلصاله الدین یعنی شرک اور ریاء سے دین کو خالص رکھتے ہوئے اللہ کی عبادت کریں۔

اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ؕ سنو! اطاعت جو شرک سے خالص ہو اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے۔

للہ کو الدین سے پہلے ذکر کرنے سے خالص عبادت کی اللہ کے ساتھ خصوصیت پختہ ہو گئی۔ اور چونکہ اللہ کے ساتھ عبادت خالصہ کے اختصاص کی دلائل و براہین اتنی زیادہ اور ظاہر ہیں کہ ان کا انکار ممکن نہیں۔ اس لئے یہ مسئلہ گویا تسلیم شدہ ہے۔ اسی بناء پر کلام کو کسی حرف تاکید سے مؤکد نہیں کیا گیا (مؤکد کلام تو اس موقعہ پر بولا جاتا ہے جب مخاطب کو انکار یا کم سے کم اس کلام میں شبہ ہو۔ کافروں کو خلوص دین کا انکار تو اس جگہ بھی تھا لیکن ان کا انکار اتنا بداہتہً غلط تھا کہ اس کا اعتبار ہی نہیں کیا گیا اور یہ مان لیا گیا کہ گویا ان کو اس کلام کی صداقت میں انکار تو کیا شبہ بھی نہیں ہے۔ مترجم)

جملہ کی مراد یہ ہے کہ میری ہی خالص اطاعت کرنی لازم ہے کیونکہ الوہیت کی ساری صفات میرے اندر ہیں اور میں ہی واقف اسرار اور دلوں کے اندر چھپی باتوں کو جاننے والا ہوں۔

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی ؕ

اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی پوجا بس اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ کا مقرب بنا دیں۔

الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا سے مراد کفار ہیں یہ پورا جملہ مبتداء ہے اس کی خبر اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ الخ ہے۔
مانعبدھم اور وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی پوجا صرف اس لئے کرتے ہیں یہاں لفظ قالوا محذوف ہے (جس کا عطف اتخذوا پر ہے یہ قول ترجمہ کے مطابق ہوگا لیکن حضرت مفسر نے فرمایا کہ) قالوا جو محذوف ہے وہ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا الخ سے بدل ہے ترجمہ اس طرح ہوگا اور جن لوگوں نے دوسروں کو اللہ کا ساجھی بنا رکھا ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی پوجا محض قرب خدا حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ الخ
زلفی یہ مصدر ہے بمعنی قرب۔ بغوی نے لکھا ہے یہ اسم ہے۔ جس کو مصدر کی جگہ استعمال کیا گیا ہے (یعنی لیقر بونا کا مفعول مطلق ہے)

اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ فِیْ مَا هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ۬ؕ　　تو ان کے (اور ان کے مقابل اہل ایمان کے) باہمی اختلافات کا (قیامت کے روز) اللہ فیصلہ کردے گا۔
بینھم یعنی ان کے اور مسلمانوں کے باہم دینی اختلافات کا فیصلہ (قیامت کے روز اللہ کرے گا) فیصلہ سے مراد ہے عملی فیصلہ جزا سزا) یعنی حق پسندوں کو جنت میں اور باطل پرستوں کو دوزخ میں بھیج دے گا۔
ھم ضمیر کافروں اور ان کے مقابل مومنوں کے مجموعہ کی طرف راجع ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ الذین سے مراد ہوں باطل معبود، ملائکہ، حضرت عیسیٰ اور بت اور اتخذوا کے بعد ھم ضمیر مفعول محذوف ہو یعنی وہ باطل معبود جن کو ان لوگوں نے کارساز بنا رکھا ہے۔
جویبر کی روایت ہے کہ اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس آیت کا نزول تین قبائل کے متعلق ہوا۔ بنی عامر بنی کنانہ اور بنی سلمہ یہ قبائل بتوں کی پوجا کرتے تھے اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے اور کہتے تھے کہ ہم ان کی پوجا صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا کا مقرب بنادیں (یعنی ان کی پوجا کرکے ہم خدا کے مقرب بن جائیں)
بغوی نے لکھا ہے جب ان لوگوں سے پوچھا جاتا تھا کہ تمہارا رب کون ہے تم کو اور آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ جواب دیتے تھے سب کو اللہ نے پیدا کیا اس پر کہا جاتا پھر بتوں کو کیوں پوجتے ہو تو جواب دیتے ہم تو ان کی پوجا محض اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے ذریعے سے ہم خدا کے مقرب ہوجائیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝　　یہ بات یقینی ہے کہ اللہ ایسے شخص کو راہ پر نہیں لاتا جو (قولاً) جھوٹا اور (اعتقاداً) کافر ہو۔
من ھو کاذب یعنی اللہ کو صاحب اولاد قرار دیتا ہے اور بتوں کو بارگاہ الٰہی میں اپنا سفارشی کہتا ہے۔
کفار ناشکرا اللہ کی نعمتوں کا منکر جب دوسروں کو اللہ کا شریک بناتا ہے تو اللہ کی نعمتوں کا منکر ہوا۔
مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ایسے جھوٹے کافروں کو نہ ہدایت والا بنانا چاہا نہ وہ چاہتا ہے اگر وہ چاہتا تو یہ جھوٹے کافر نہ جھوٹی بات کہتے نہ کفر کا عقیدہ رکھتے۔ یہ پورا جملہ معترضہ ہو۔

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰی مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝
اگر (بالفرض) اللہ کسی کو اپنی اولاد بنانے کا ارادہ کرتا تو ضرور اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا منتخب فرماتا (مگر) وہ پاک ہے وہ ایسا اللہ ہے جو واحد ہے زبردست ہے۔
یعنی اللہ اگر اولاد بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا منتخب کرلیتا کیونکہ جو چیز موجود ہے وہ اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی ہے دو واجبوں کا وجود محال ہے یہ بات دلائل سے ثابت ہے اور ہر موجود کا موجد وہی ہے ساری مخلوق اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور مخلوق خالق کی مثل نہیں ہوسکتی کہ خالق کی اولاد کے قائم مقام ہوسکے یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اگر اللہ کسی کو اپنی اولاد بنانا چاہتا تو اس کو اولاد بناتا جو اپنی مشیت کے مطابق تخلیق کرسکتی اور اللہ کے سوا کسی اور کا خالق ہونا ناممکن ہے اللہ متعدد نہیں

ہو سکتے۔ اس صورت میں یہ آیت نفی ارادہ ولد کی دلیل ہو جائے گی۔
سبحانہ یعنی اللہ اس بات سے پاک ہے کہ کوئی اس کی اولاد ہو۔
ھُوَ اللّٰہُ الْوَاحِدُ یعنی الوہیت تو وجوب پر مبنی ہے (جب کوئی دوسرا واجب نہیں، ہر موجود مخلوق ہے اور ہر مخلوق ممکن ہے) تو الہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ الہ اپنی ذات و صفات میں واحد ہو نہ اس کا کوئی مثیل ہو نہ شریک اور جب اس کی مثل کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا تو اس کی اولاد ہونا کس طرح ممکن ہے اولاد تو باپ کے بعض اجزاء سے بنتی ہے اس لئے اپنے والد کی ہم جنس ہوتی ہے۔
القہار سب سے زبردست سب پر غالب ہمہ گیر قہاریت شرکت کی نفی کرتی ہے اولاد کی حاجت تو اس کو ہوتی ہے جو رو بزوال ہو اور اللہ قہار مطلق ہے ممکن الزوال نہیں ہے۔
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اسی نے آسمان و زمین برحق پیدا کئے یعنی ان کو بیکار نہیں پیدا کیا بلکہ صانع کے وجود پر دلیل بنا کر پیدا کیا۔ (ان کی تخلیق وجود خالق کو ثابت کرتی ہے)۔
یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّهَارِ وَیُکَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی الَّیْلِ وہ رات (کی تاریکی) کو دن پر لپیٹ دیتا ہے (کہ دن کی روشنی چھپ جاتی ہے) اور دن (کی روشنی) کو رات (کی تاریکی) پر لپیٹ دیتا ہے (کہ تاریکی غالب ہو جاتی ہے)
یعنی لباس کی طرح ہر ایک کو دوسرے پر لپیٹ دیتا ہے یا ایک کو دوسرے کی وجہ سے چھپا دیتا ہے جیسے لفافہ اپنے اندر رکھی ہوئی چیز کو چھپا لیتا ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ رات یا عمامہ کے پیچوں کی طرح مسلسل ایک کو دوسرے کے بعد اور اس کے اوپر لاتا رہتا ہے۔ حسن و کلبی نے لپیٹنے کا یہ معنی بیان کیا کہ رات کو کم کرتا ہے دن کو بڑھاتا ہے اور دن کو کم کرتا اور رات کو بڑھاتا ہے۔ کو دن کے پیچھے اور دن کو رات کے پیچھے لاتا رہتا ہے۔
وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ۞ اور اسی نے سورج اور چاند کو (ان کے) کام پر لگا رکھا ہے (ان میں سے) ہر ایک وقت مقرر (قیامت) تک چلتا رہے گا یاد رکھو وہی زبردست ہے (اور) بڑا بخشنے والا بھی ہے۔
کل یجری یعنی سورج اور چاند اپنے اپنے دائرہ میں چلتے رہیں گے۔
العزیز سب پر غالب اور ہر چیز پر قادر
الغفار وہی بڑا بخشنے والا بھی ہے کہ نہ فوری سزا دیتا ہے نہ دنیوی نعمتیں سلب کر لیتا ہے کہ رحمت و منفعت سے محروم کر دے۔
خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا اسی نے تم کو تن واحد سے پیدا کیا پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا۔
نفس واحدۃ یعنی حضرت آدم جن کو اللہ نے بغیر ماں باپ کے پیدا کیا۔
ثم جعل منها زوجها عالم زیریں کی ایجاد کو پیش کر کے توحید کی یہ دوسری دلیل بیان فرمائی۔
(ظاہر ہے کہ نسل انسانی کی پیدائش کے بعد حضرت حوا کو آدم کا جوڑا نہیں بنایا گیا اور اس جملہ میں لفظ ثم اسی پر دلالت کر رہا ہے کہ حضرت آدم سے ان کی اولاد کی پیدائش کے بعد حواء کو بنایا گیا اور یہ واقعہ کے خلاف ہے اس لئے حضرت مفسرؒ نے فرمایا)
لفظ ثم کا عطف فعل محذوف پر ہے (خلقکم پر نہیں ہے) یعنی اللہ نے نفس واحدہ کو پیدا کیا اسی سے اسکے جوڑے کو بنایا۔

یا واحدة کے معنی پر عطف ہے یعنی ایک نفس کو پہلے اکیلا بنایا گیا پھر اس کا جوڑا بنادیا اور ان دونوں سے تم لوگوں کو پیدا کر دیا۔

یا خلقکم پر ہی عطف ہے (لیکن اس سے تاخر زمانی مراد نہیں بلکہ) ثم ذکر کرنے سے مراد ہے دونوں آیتوں کے تفاوت کا اظہار پہلی آیت میں تو عام ضابطہ بتایا گیا اور دوسری آیت میں دوسری قسم کی تخلیق کو ظاہر کیا گیا۔

بعض علماء کے نزدیک خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ کا یہ مطلب ہے کہ روز میثاق میں تم سب کو آدم کی پشت سے برآمد کیا پھر اسی ایک نفس سے اس کے جوڑے کو پیدا کیا۔

وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ (اور تمہارے نفع کے لئے آٹھ نر مادہ (چار نر چار مادہ) چوپایوں کے پیدا کئے۔

انزل یعنی تمہارے نفع کے لئے چوپائے پیدا کرنے کا حکم دیدیا۔ اللہ کا فیصلہ اور حکم جو لوح محفوظ سے منتقل ہو کر جاری ہوتا ہے اس کو آسمان سے اتارنا کہہ دیا جاتا ہے (کیونکہ لوح محفوظ سے وہ حکم اترتا ہے) یا یہ مطلب ہے کہ ان اسباب کے ذریعہ سے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے جو آسمان اور عالم بالا سے نیچے آتے ہیں جیسے ستاروں کی شعاعیں بارش یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت آدمؑ کے ساتھ اللہ نے جنت کے اندر چوپائے بھی پیدا کر دیے تھے پھر آپ ہی کے ساتھ ان کو نیچے اتارا۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ آٹھ نر و مادہ (ملاکر) اونٹ اونٹنی گائے بیل، بھیڑ ابھیڑی، بکرا بکری۔

يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ تم کو ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر بناتا ہے تین تاریکیوں میں۔

یخلقکم یعنی انسانوں کو اور چوپایوں کو تم سب کو خطاب میں عقل والوں کو بے عقلوں پر ترجیح دی (مگر مراد دونوں ہیں)

خلقا من بعد خلق یعنی پہلے نطفہ بنایا پھر بستہ خون پھر لوتھڑا پھر ہڈیاں بنائیں پھر ان پر گوشت کا لباس پہنایا پھر روح پھونکی۔

فی ظلمت ثلث ایک پیٹ کی تاریکی دوسری رحم کی تاریکی تیسری جھلی کی تاریکی۔ یا پشت کی تاریکی دوسری رحم کی تاریکی اور تیسری پیٹ کی تاریکی۔ یا پشت کی تاریکی اور پھر مٹی یا رحم مادر میں بھی تین طبقے ہیں۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝ یہ ہے معبود برحق تمہارا رب اسی کی سلطنت ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ سو (ان دلائل کے بعد) تم کہاں (حق سے) پھرے جارہے ہو۔

ذلکم یعنی یہ تمام کام کرنے والا اللہ ہے۔ تمہارا رب ہے ذلکم مبتدا ہے اللہ پہلی خبر ہے ربکم دوسری خبر له الملک تیسری خبر لا اله الا هو چوتھی خبر لا اله الا هو یعنی کوئی مخلوق چونکہ ان افعال میں اس کی شریک اور حصہ دار نہیں ہے اس لئے عبادت کے لائق بھی اس کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ اس میں ف سببی ہے اور استفہام تعجبی ہے یعنی تعجب ہے کہ اس واضح و مکمل بیان کے بعد تم راہ حق سے پھرے جارہے ہو اور اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف اپنا رخ کر رہے ہو۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۟ اگر تم کفر کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہارا حاجت مند نہیں۔

غنی عنکم یعنی اللہ تم سے اور تمہارے ایمان سے بے نیاز ہے وہ تمہارا اور تمہارے ایمان کا حاجت مند نہیں۔ ان تکفروا کی جزا محذوف ہے فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ محذوف جزا کے قائم مقام ہے اصل کلام اس طرح تھا اگر تم کفر کرو گے تو کفر کا وبال تم پر ہی پڑے گا اللہ پر نہیں پڑے گا کیونکہ اللہ تو تمہارا حاجتمند نہیں نہ تمہارے ایمان کا تم اس کے محتاج ہو کفر سے تمہارا ہی ضرر ہو گا اور ایمان سے تمہارا ہی نفع ہو گا۔

وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِهِ الْکُفْرَ ۚ اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا۔

یعنی اس کو کفر پسند نہیں اگرچہ کفر و ایمان سب اسی کے ارادے (اور مشیت) سے ہوتا ہے اللہ نے خود فرمایا ہے مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا اللہ جس کو ہدایت یاب کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے (کشادہ دلی سے وہ اسلام کو قبول کر لیتا ہے) اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو تنگ بھچا ہوا کر دیتا ہے (کہ اسلام اس کے دل میں داخل ہی نہیں ہوتا) علماء اسلاف کا یہی قول ہے تمام اہل سنت و جماعت کا اسی پر اجماع ہے معتزلہ کا قول اس کے خلاف ہے (معتزلہ کہتے ہیں کہ معاصی اور کفر اللہ کے ارادہ سے نہیں ہوتے ان کے نزدیک حکم اور مشیت کا ایک ہی مفہوم ہے)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور سدی نے اس آیت کا یہ معنی بیان کیا کہ اللہ اپنے مومن بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا۔ یہ بندے وہی ہیں جن کے متعلق اللہ نے (ابلیس سے) فرمادیا تھا اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ اس تفسیر پر رضا کو بمعنی ارادہ مجازاً اس جگہ قرار دیا جائے گا ورنہ حق بات یہ ہے کہ نہ رضا اور ارادہ ہم معنی لفظ ہیں نہ ارادہ کے لئے رضا ضروری ہے ارادہ کا تعلق تو خیر و شر دونوں سے ہوتا ہے اللہ نے جو چاہا وہ ہوا جو نہ چاہا نہیں ہوا اللہ کا ارادہ جس چیز سے متعلق ہو گیا اس کا ہونا ضروری ہے نہ ہونا محال ہے اللہ نے خود فرمایا ہے اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔

وَاِنْ تَشْکُرُوْا یَرْضَهُ لَکُمْ ۭ اور اگر تم شکر کرو گے تو اللہ اس کو تمہارے لئے پسند کرتا ہے۔

ان تشکروا یعنی اپنے رب پر اگر تم ایمان لاؤ گے اور اس کی فرمانبرداری کرو گے تو وہ تم کو اس کا ثواب دے گا۔ رضا کے لئے ثواب دینا لازم ہے اس لئے رضا کا ترجمہ بعض علماء نے کیا ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۭ اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ (اپنے اوپر) نہیں اٹھائے گا۔

اس میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ وبال کفر تم پر ہی پڑے گا کسی اور پر نہیں پڑے گا تمہارے کافر رہنے سے رسول اللہ ﷺ کا کوئی نقصان نہیں وہ تو تمہارے ہی فائدے کے لئے تم کو اسلام کی دعوت دے رہے ہیں۔

ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ مَّرْجِعُکُمْ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۭ پھر اپنے پروردگار کے پاس تم کو لوٹ کر جانا ہو گا پس وہ تم کو تمہارے سب اعمال جتلا دے گا۔ یعنی جزا سزا دے گا۔

اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ بلاشبہ وہ دلوں تک کی باتیں جاننے والا ہے۔

لہٰذا تمہاری نیتوں کے مطابق تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا (ثواب یا عذاب)

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِیْبًا اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِیَ مَا کَانَ یَدْعُوْٓا اِلَیْهِ مِنْ قَبْلُ اور (کافر) آدمی کو جب کوئی دکھ پہنچتا ہے تو اپنے رب کو اس کی طرف (دل سے) رجوع ہو کر پکارنے لگتا ہے پھر جب اللہ اپنی طرف سے اس کو نعمت (امن آسائش سکھ) عطا فرما دیتا ہے تو جب (دکھ کو دور کرنے) کے لئے پہلے وہ خدا کو پکار رہا تھا اس کو بھول جاتا ہے۔

منیبا رجوع کرنے والا فریاد کرنے والا۔

اذا خولہ جب اللہ اس کو نعمت دے دیتا ہے یا صاحب حشمت اور خادموں والا بنا دیتا ہے۔

خول خدمتی لوگ۔ رسول اللہ ﷺ نے غلاموں کے بارے میں فرمایا تھا یہ تمہارے بھائی ہیں تمہارے خدمت گزار ہیں اللہ نے ان کو تمہارے ہاتھ کے نیچے کر دیا ہے۔

خولہ کا معنی ہے خبر گیری رکھنا۔ نگرانی کرنا۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ وعظ کے ذریعے سے (یعنی وعظ فرما کر) ہماری دیکھ بھال رکھتے تھے۔

عرب کہتے ہیں فلاں خائل مال فلاں شخص مال کی دیکھ بھال رکھنے والا ہے یعنی مال کا انتظام ٹھیک رکھتا ہے اور اس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ کذا فی نہایہ والقاموس۔

مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ یعنی جس دکھ کو دور کرنے کے لئے وہ اللہ کو پکارتا تھا اس کو بھول جاتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنے رب کو بھول جاتا ہے جس کے سامنے وہ پہلے گڑگڑاتا تھا اس مطلب پر ماکان میں لفظ ما (جو بے عقل چیزوں کے لئے مستعمل ہے) بمعنی من کے ہوگا جو اصحاب عقل کے لئے مستعمل ہے) ایک آیت میں آیا ہے وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى۔

وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اور خدا کے شریک بنانے لگتا ہے تاکہ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے بھٹکا دے۔

یعنی دین اسلام سے گمراہ کر دے۔ چونکہ شریک قرار دینے کا لازمی نتیجہ خود گمراہ ہو جاتا دوسروں کو گمراہ کر لینا ہی ہوتا ہے کہ گمراہ کرنا گویا علت اور اصل مقصد ہو جاتا ہے۔ ایک اور آیت میں بھی یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے فرمایا ہے فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا حضرت موسیٰؑ کو فرعون والوں نے اٹھالیا تاکہ حضرت موسیٰ ان کے دشمن اور باعث غم ہو جائیں۔

قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝۸ (اے محمدؐ آپ اس کافر سے) کہہ دیجئے کہ کچھ مدت اپنے کفر سے مزے اڑا تارہ (آخر کار) تو دوزخیوں میں سے ہوگا اس میں کوئی شک نہیں۔

کچھ مدت مزے اڑانے سے مراد ہے دنیا میں مرنے کے وقت تک مزے اڑانا۔

یہ امر تمہیدی ہے جو آخرت میں کافروں کے لئے تمتع سے مایوسی آفرین ہے۔ بعض اہل روایت کا بیان ہے کہ اس آیت میں عینیہ بن ربیعہ کو خطاب کیا گیا ہے۔

مقاتل نے کہا ابو حذیفہ بن مغیرہ مخزومی کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ

بھلا جو شخص اوقات شب میں سجدہ اور قیام کی حالت میں عبادت کر رہا ہو آخرت سے ڈر رہا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت کا امیدوار ہو۔

قانت مقررہ عبادت کو پورا ادا کرنے والا۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا قنوت سے مراد ہے تلاوت قرآن اور طول قیام۔

امن میں ام منقطعہ ہے یعنی کیا سرگرمی سے عبادت میں مشغول رہنے والا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس نے اللہ کے شریک قرار دے رکھے ہیں یا ام متصلہ ہے اور کچھ عبارت (حسب قرینہ) محذوف ہے پورا کلام اس طرح تھا کیا وہ شخص جس نے خدا کے شریک بنا رکھے ہیں اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا نہیں کرتا بہتر ہے یا شب بیدار عبادت گزار بہتر ہے۔

اناء الیل ساعات لیل اوقات شب

ساجدا وقائما یعنی نماز کی حالت میں سجدہ اور قیام سے مراد ہے نماز کے اندر سجدہ اور قیام۔

یحذر الاخرہ یعنی اپنے اعمال کی کوتاہی پر نظر کرتا ہے تو عذاب آخرت سے ڈرتا ہے اور (اگر اس کے اعمال اچھے بھی ہیں تب بھی) اعمال ہی پر اعتماد نہیں کر لیتا۔ بلکہ اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ وہ ڈرتا بھی ہے اور امید بھی رکھتا ہے نہ تنہا خوف اس پر اتنا غالب ہوتا ہے کہ اپنے رب سے نا امید ہو جائے کیونکہ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ اللہ کی رحمت سے نا امید تو صرف کافر لوگ ہوتے ہیں۔ نہ صرف امید پر ہی جیتا ہے کہ اللہ کے عذاب سے بے خوف اور مطمئن ہو جائے کیونکہ لَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ۔

اس آیت کا شان نزول کس کے حق میں ہو اس سلسلہ میں مختلف روایات آئی ہیں۔

ضحاک کی روایت میں ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔

کلبی نے بروایت ابو صالح بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس آیت کا نزول حضرت عمار بن یاسر کے حق میں ہوا۔

جو یبر نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابن مسعودؓ حضرت عمار اور حضرت سالم مولی ابو حذیفہ کے حق میں اتری۔

جو یبر نے بروایت عکرمہؒ بیان کیا کہ اس آیت کا نزول حضرت عمارؓ کے حق میں ہوا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ ضحاک نے کہا یہ آیت حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اس کا نزول حضرت عثمانؓ کے بارے میں ہوا۔ ابن ابی حاتم نے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

کلبی کی ایک روایت میں آیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عمارؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کے حق میں ہوا۔

ان مختلف روایات (کو صحیح قرار دیتے ہوئے سب) کی وجہ جامع یہ ہو سکتی ہے کہ ان تمام حضرات کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی جن کا ذکر مختلف روایات میں آیا ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ ع ۱۵

آپ کہہ دیجئے کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں وہی لوگ نصیحت پذیر ہوتے ہیں جو (صحیح اور سلیم) عقلوں والے ہیں۔

الذین یعلمون یعنی جو لوگ خدا شناس ہیں اللہ کی صفات جلالی و جمالی کو مانتے ہیں اس لئے عذاب سے ڈرتے ہیں اور رحمت سے آس باندھے رکھتے ہیں۔ حکم کی اطاعت کرتے اور گناہوں سے بچتے رہتے ہیں۔ آیت میں سوال انکاری ہے یعنی دونوں فریق برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ جملہ سابق جملہ کے مضمون کی تائید کر رہا ہے اور پہلے جملہ کے مفہوم کی علت بھی ظاہر کر رہا ہے۔

بعض اہل علم نے کہا یہ جملہ تاکیدی تو ہے لیکن بطور تشبیہ ہے یعنی جس طرح عالم اور جاہل برابر نہیں اسی طرح نافرمان اور فرمانبردار میں بھی مساوات نہیں ہو سکتی۔

بعض علماء کا قول ہے کہ پہلے جملہ میں قوت عملیہ کے لحاظ سے فریقین میں مساوات کی نفی کی تھی اور اس جملہ میں قوت علمیہ کے اعتبار سے برابر ہونے کی نفی کر دی گئی اس طرح مساوات کی کامل نفی ہو گئی اور ایک فریق کی دوسرے فریق پر برتری واضح ہو گئی۔

بعض اہل روایات نے کہا اَلَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ (سے) عمار بن یاسرؓ (کی طرف اشارہ) اور الذی لایعلمون (سے) ابو حذیفہؓ مخزومی (کی طرف اشارہ) ہے۔

انما یتذکر یعنی ان بیانات سے صرف سلیم عقل رکھنے والے ہی نصیحت اندوز ہوتے ہیں۔

قُلْ يَا عِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ

آپ (میری طرف سے) کہہ دیجئے کہ اے میرے مومن بندو اپنے رب سے ڈرتے رہو۔ جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لئے اچھا بدلہ ہے۔

احسنوا یعنی ایمان لائے اور خشوع خضوع کے ساتھ نیک اعمال کئے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا احسان (عمل اور عبادت کی خوبی) یہ ہے کہ تم اپنے رب کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اس کو (اپنے سامنے) دیکھ رہے ہو اگر یہ مشاہدہ تم کو حاصل نہ ہو تو (اتنا ہی سمجھ لو کہ پردہ غیب سے) وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے۔

احسنوا آخرت میں اچھا صلہ یعنی جنت۔

سدی نے کہا اس دنیا میں بھلائی صحت و عافیت ہے لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ صحت و عافیت صرف مومن کو نہیں

کافر کو بھی ملتی ہے بلکہ کبھی واقعہ بر عکس ہو جاتا ہے (کافر کو صحت و عافیت ملتی ہے مومن کو نہیں ملتی)

وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اور اللہ کی زمین فراخ ہے۔

اس لئے کافروں کی مزاحمت کی وجہ سے عمل میں قصور کرنے والوں کے لئے کوئی عذر نہیں ہو سکتا آیت میں درپردہ اشارہ ہے اس امر کا کہ اگر کافروں کی مزاحمت کی وجہ سے کسی بستی میں مسلمان کا اچھی طرح عبادت کرنا دشوار ہو تو وہاں سے سکونت ترک کر دینی چاہئے اس لئے حضرت ابن عباسؓ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ مکہ سے کوچ کر جاؤ (یہی آیت کا مقصد ہے) مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اللہ نے فرمادیا میری زمین فراخ ہے اس لئے ہجرت کر جاؤ اور (مکہ سے) الگ ہو جاؤ سعید بن جبیر نے کہا مراد یہ ہے کہ جس کو گناہ کرنے کا حکم دیا جائے اس کو وہاں سے بھاگ جانا چاہئے۔

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝۱۰ مستقل مزاج والوں کو ان کا صلہ بے شمار ہی ملے گا۔

الصابرون یعنی وہ لوگ جو اپنے دین پر قائم رہے اور کافروں کی ایذا اور رسانی سے تنگ آکر دین کو نہ چھوڑ بیٹھے۔ یا وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے احباب اقارب اور وطن کی جدائی پر صبر کیا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے ساتھیوں کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا جو مکہ سے ہجرت کر کے حبش کو چلے گئے تھے۔ دین کو نہ چھوڑا سخت دکھ اٹھائے مگر دین پر قائم رہے اور ہجرت کر کے چلے گئے۔

الفاظ میں عموم ہے مہاجرین حبشہ کو بھی شامل ہے اور تمام وہ لوگ اس میں داخل ہیں جو دکھوں پر صبر کریں، دینی مشقتیں برداشت کریں اور گناہوں سے اپنے آپ کو روکتے رہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہر اطاعت گزار کو ناپ تول کر (اس کے اعمال کا) ثواب دیا جائے گا سوائے صابرون کے ان پر تو لپ بھر بھر کر ثواب پھینکا جائے گا۔

اصبہانی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ترازویں نصب کی جائیں گی اور نمازیوں کو لایا جائے گا اور وزن کے مطابق ان کو پورا پورا ثواب دیا جائے گا اور صدقہ (خیرات فرض و نفل) دینے والوں کو لایا جائے گا ان کو بھی وزن کے موافق پورا پورا ثواب دیا جائے گا۔ حاجیوں کو لایا جائے گا ان کو بھی وزن کر کے پورا ثواب دیا جائے گا اور جو لوگ اہل بلاء (دکھی اور دین کی خاطر مصائب و شدائد اٹھانے والے) ہوں گے ان کو بلایا جائے گا لیکن ان کے اعمال کی وزن کشی کے لئے نہ کوئی ترازو کھڑی کی جائے گی نہ ان کے اعمال کا رجسٹر کھولا جائے گا ان پر تو بے گنتی ثواب کی بارش کی جائے گی یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو دنیا میں عافیت سے رہے تھے تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ان کے اجسام قینچیوں سے کاٹے جاتے۔ یہ تمنا اس ثواب کو دیکھ کر کریں گے جو اہل بلاء کو ملا ہو گا اور یہی (مطلب) ہے اللہ کے قول کا اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ بغوی کی روایت بھی اسی طرح ہے۔

طبرانی اور ابو یعلی نے ناقابل اعتراض سند سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن شہید کو لایا جائے گا اور حساب کے لئے اس کو کھڑا کیا جائے گا پھر زکوٰۃ دینے والے کو حساب کے لئے کھڑا کیا جائے گا پھر اہل بلاء کو لایا جائے گا اور ان کے حساب کے لئے نہ کوئی ترازو نصب کی جائے گی نہ ان کے اعمال کا رجسٹر کھولا جائے گا بلکہ ان پر ثواب کی خوب بارش کی جائے گی یہاں تک کہ ان کے ثواب کو دیکھ کر لوگ مقام حساب میں تمنا کریں گے کہ کاش (دنیا میں) ان کے اجسام کو قینچیوں سے کاٹا جاتا۔

ترمذی اور ابن ابی الدنیا نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل بلاء کو جس وقت ثواب دیا جائے گا تو اس کو دیکھ کر (دنیا میں) عافیت سے رہنے والے دل سے خواستگار ہوں گے (یعنی آرزو کریں گے) کہ دنیا میں ان کی کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں (تو ان کو بھی اہل بلاء کا ایسا ثواب مل جاتا)

میں کہتا ہوں کہ شاید اہل بلاء سے مراد ہیں عاشقان الٰہی کیونکہ حدیث میں شہداء کو اہل بلاء میں سے نہیں شمار کیا گیا

باوجودیکہ سب سے بڑا دکھ قتل ہوتا ہے اور شہید راہ خدا میں جان پر صبر کرتا ہے۔

قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ﴿۱۱﴾ وَ اُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲﴾

آپ ﷺ کہہ دیجئے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت اس طرح کروں کہ اسی کے لئے عبادت کو خالص رکھوں اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ سب مسلمانوں میں اول ہوں۔

مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ یعنی تنہا اسی کی عبادت کروں۔

لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ یعنی مجھے اخلاص کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ میں دنیا اور آخرت میں سب سے آگے بڑھ جاؤں کیونکہ سبقت کا مدار اخلاص پر ہے۔

یا اول المسلمین کا یہ مطلب ہے کہ قریش اور ان کے ہم نوا لوگوں میں سے جو مسلمان ہوں ان سب سے پہلے میں مسلم ہوں۔ (اول صورت میں اولیت سے سبقت مرتبہ مراد ہو گی اور دوسرے مطلب پر اولیت زمانی مراد ہو گی۔ مترجم) امرت پر امرت کا عطف دونوں امروں میں مغایرت کو ظاہر کر رہا ہے اول امر کا تعلق تو اخلاص عبادت سے ہے اور دوسرے امر کا تعلق سبقت دینی سے ہے فی نفسہٖ بھی عبادت کو صرف اللہ کے لئے خالص ہونا چاہئے اور اس لئے بھی اخلاص ضروری ہے کہ سبقت دینی حاصل ہو جائے۔

یہ بھی جائز ہے کہ لان اکون میں لام زائد ہو جیسے محاورہ میں بولا جاتا ہے اردت لان افعل کذا میں نے ایسا کرنے کا ارادہ کیا۔ اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ پہلے خود مسلم ہو جانے اور خود اپنے نفس کو تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا تھا کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں اور یہ اسی وقت ہو سکتا تھا کہ پہلے خود مسلم ہوں دوسروں کو دعوت دینے کی بنیاد تو خود پہلے اس کو قبول کرنا ہے۔

اس اسلوب عبارت سے دوسروں کو اسلام کی طرف مائل کرنا مقصود ہے مطلب یہ ہے کہ میں تم کو اس چیز کی دعوت دے رہا ہوں جو تمہارے لئے بہتر ہے اگر یہ بہتر نہ ہوتی تو میں اپنے لئے اس کو اختیار نہ کرتا۔

قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳﴾ آپ کہہ دیجئے کہ

مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر لگتا ہے اگر میں اپنے رب کا حکم نہ مانوں۔

اِنْ عَصَیْتُ یعنی اگر میں اخلاص ترک کردوں اور تمہاری طرح شرک اور اعمال کی طرف مائل ہو جاؤں تو مجھے عذاب کا ڈر ہے۔ سابق آیت کی طرح اس آیت میں مخاطبین کو اسلام کی طرف مائل کرنا اور نافرمانی (کے نتیجہ) سے ڈرانا مقصود ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب آپ ﷺ کو باپ دادا کا دین اختیار کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں تو اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں اسی کے لئے میں اپنی عبادت کو خالص کرتا ہوں اور تم لوگ اللہ کے سوا جس کی چاہو پوجا کرو۔ پہلے حکم دیا تھا کہ عبادت کرنے اور عبادت کو اللہ ہی کے لئے خالص بنانے پر مامور ہونے کی اطلاع دیدو اب اس آیت میں حکم دیا کہ اپنی عبادت کے خاص اللہ کے لئے ہونے کی (کافروں کو) خبر کردو۔ یہ ترتیب اس لئے رکھی کہ کافروں کو جو اپنے باپ دادا کے دین پر واپس جانے کی حضور ﷺ کے متعلق کچھ امید تھی وہ بالکل منقطع ہو جائے اس لئے دھمکی کے لئے اور آس توڑ دینے کی غرض سے آخر میں فرمایا تم جس کی چاہو پوجا کرو۔

فاعبدوا محذوف شرط کی جزاء ہے مفصل کلام اس طرح تھا کہ تم اگر میری موافقت نہیں کرتے اور اللہ کی خالص عبادت نہیں کرتے تو پھر اللہ کے علاوہ جس کو چاہو پوجتے پھرو اس کے نتیجہ میں تم پر جو عذاب آئے گا اور نامراد ہو گے اس کو خود دیکھ لو گے۔

قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ۝۱۵

کہہ دیجئے کہ پورے گھاٹے میں وہی لوگ ہیں جو اپنی جانوں اور اپنے متعلقین سے قیامت کے دن گھاٹے میں پڑے یاد رکھو کہ یہ ہی صریح خسارہ ہے۔

خسروا انفسھم یعنی گمراہ ہو کر خود اپنی جانوں کو خسارہ میں ڈالا۔

واھلیھم اور متعلقین کو گمراہ کر کے خود خسارہ پایا۔

اھل سے مراد ہیں متعلقین، بیویاں، اولاد اور خدمت گار وغیرہ۔ عربی محاورہ میں خسر التاجر اس وقت کہا جاتا جب تجارت میں تاجر کو گھاٹا ہو جائے کافروں نے بھی اپنے اسی حصہ کو جو جنت میں (بشرط ایمان و عمل صالح) ان کے لئے مقرر تھا دوزخ کے اس حصہ سے بدل دیا جو اہل جنت کے لئے (بشرط کفر و شرک) مقرر تھا۔ (یعنی کافر ہو کر مومنوں کو اپنی جنت والی جگہ دے دی اور دوزخ کے اندر وہ جگہ لے لی جو مومنوں کے لئے مقرر تھی اگر وہ ایمان نہ لاتے اور نیک کلام نہ کرتے) خسر فعل لازم ہے لیکن آیت میں بطور فعل متعدی استعمال کیا گیا ہے (کیونکہ انفسھم واھلیھم مفعول مذکور ہے)۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے ہر آدمی کے لئے جنت میں ایک مکان اور متعلقین (بیوی وغیرہ) مقرر کر دیئے ہیں اب اگر بندہ اطاعت گزار ہے تو وہ مکان اور متعلقین اس کو مل جائیں گے اور اگر نافرمان ہے تو وہ گھر اور متعلقین کسی دوسرے اطاعت گزار بندہ کو دے دیئے جائیں گے۔

میں کہتا ہوں اس تشریح پر آیت میں خسروا کا معنی ہوگا فوتوا یعنی خاسر وہ لوگ ہیں جنہوں نے کھو دیا اپنی جانوں کو بھی اور متعلقین کو بھی۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ خسران اہل کی دو صورتیں ہیں اگر اہل و عیال دوزخی ہیں تو اس شخص کے گمراہ کرنے کی وجہ سے دوزخی ہوئے اور اگر جنتی ہیں اور یہ (کافر دوزخی ہے) ان سے جاتا رہا ہمیشہ کے لئے الگ ہو گیا۔

اَلْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ یعنی روز قیامت کا خسران ہی حقیقت میں خسران ہے (جو کبھی دور نہ ہوگا) دنیوی گھاٹا تو قابل تبدیل ہے (جا سکتا ہے) اس لئے آسان ہے۔ الخسران المبین کی تفصیل اگلی آیت میں فرما دی۔

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۝۱۶

ان کے لئے ان کے اوپر سے بھی آگ کے محیط شعلے ہوں گے اور ان کے نیچے سے بھی محیط شعلے ہوں گے۔ اسی (عذاب) سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ اے میرے بندو مجھ سے (یعنی میرے عذاب سے) ڈرو۔

ظلل آگ اور دھوئیں کے محیط پردے ہوں گے اور نیچے سے بھی انتہائی گہرائی تک آگ کا فرش اور بستر ہوگا۔ فرش کا سائبان (ظلل) اس لئے فرمایا کہ وہ فرش بھی دوسرے نیچے والوں کے لئے سائبان ہو۔

ذلک یعنی یہ عذاب وہی ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے کہ وہ ایسے کاموں سے بچتے رہیں جو عذاب میں مبتلا کرنے والے ہیں۔ فاتقون یعنی فا تقونی مجھ سے ڈرو کوئی ایسا کام نہ کرو جو میری ناراضگی اور عذاب کا موجب ہو۔

وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰی ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝۱۷

اور جو لوگ شیطان (یعنی غیر اللہ) کی عبادت سے بچے رہتے ہیں اور (ہمہ تن) اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ خوش خبری کے مستحق ہیں سو آپ میرے بندوں کو خوش خبری سنا دیجئے۔

الطاغوت طغیان (سرکشی) میں حد سے بڑھا ہوا طغیان میں حد سے بڑھا ہوا چونکہ شیطان ہے اس لئے طاغوت کا لفظ شیطان کے لئے مخصوص ہو گیا۔ بغوی نے طاغوت سے مراد لئے ہیں بت کیونکہ اَنْ یَّعْبُدُوْهَا میں مونث کی ضمیر اس کی طرف راجع کی گئی ہے۔ اَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوئے اور اللہ کے سوا دوسروں سے کٹ گئے۔

لَهُمُ الْبُشْرٰی ان کے لئے بشارت ہے یعنی وہ بشارت کے مستحق ہیں دنیا میں پیغمبروں کی زبانی اور مرنے کے وقت

ملائکہ کی زبانی۔ حضرت جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ جب آیت لها سبعة ابواب اتری تو ایک انصاری نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میرے سات غلام ہیں میں نے ایک ایک دروازہ (میں داخلہ) کے لئے ایک ایک غلام کو (علیحدہ علیحدہ) آزاد کر دیا اس پر آیت فبشر عباد نازل ہوئی۔

الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ جو اس کلام (الٰہی) کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت یاب بنایا اور یہی ہیں جو عقلوں والے ہیں۔

یعنی قرآن کو بھی سنتے ہیں اور دوسرے کلام کو بھی پھر قرآن کی ہدایتوں پر چلتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا کلام بھی سنتے ہیں اور کافروں کا کلام بھی پھر رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر چلتے ہیں (اس مطلب پر القول سے عام کلام مراد ہو گا کسی کا ہو خدا کا رسول کا یا کسی اور کا اور احسن سے مراد ہو گا قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کا کلام) اس تفسیر پر احسن (اسم تفضیل) حسن (صفت مشبہ) کے معنی میں ہو گا (یعنی احسن کا ترجمہ بہت اچھانہ ہو گا بلکہ اچھا ہو گا) کیونکہ کافروں کے کلام میں تو کوئی اچھائی نہیں ہوتی (کہ اس کے مقابلہ میں اللہ اور اس کے رسول کے کلام کو بہت اچھا کہا جائے)

رفتار عبارت کا تقاضا تھا کہ فبشر عباد کی جگہ فبشرهم کہا جاتا (کیونکہ ضمیر کا مرجع پہلے مذکور ہے) صراحت کے ساتھ عبادی کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ شیطان سے ان کے اجتناب کی اساس یہ ہے کہ وہ کلام کو پرکھنے والے ہیں گندے اور پاکیزہ کلام میں فرق کرتے ہیں برے اچھے کلام میں ان کو امتیاز ہے اور حسن واحسن کے فرق کی بھی شناخت ہے۔

عطاء نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ جب ایمان لے آئے تو حضرت عثمان حضرت عبداللہ بن عوف، حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم آپ کے پاس آئے اور مسلمان ہونے کی خبر معلوم کی۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا ہاں میں ایمان لے آیا اس پر یہ حضرات بھی مسلمان ہو گئے اور انہیں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن زید کا قول ہے کہ ان دونوں آیات کا نزول تین آدمیوں کے متعلق ہوا جو عہد جاہلیت میں بھی لا الہ الا اللہ کے قائل تھے۔ زید بن عمرو بن نفیل یا سعید عزیز ابوذر غفاری سلمان فارسی اور احسن القول سے مراد لا الہ الا اللہ ہے سدی نے کہا احسن سے مراد یہ ہے کہ جو احکام ان کو دیئے جاتے ہیں ان میں سے سب سے اچھے حکم پر وہ چلتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ قرآن میں ظالم سے انتقام لینے کی اور معاف کر دینے کی ہر ایک کی اجازت ہے لیکن دونوں میں سے معاف کر دینا احسن ہے۔ قرآن میں عزائم کا بھی ذکر ہے اور رخصتوں کا بھی لیکن عزائم احسن ہے) یعنی احسن میں حسن اضافی مراد ہے حسن واقعی مراد نہیں ہے۔ حسن واقعی تو جانب مرجوح میں بھی ہوتا ہے۔ مترجم)۔

اُولُو الْاَلْبَابِ وہ اہل دانش جن کی عقلیں توہمات اور رواجوں سے پاک ہیں۔ اس آیت میں دلالت ہے اس امر پر کہ ہدایت کو پیدا کرنے والا تو خدا ہے لیکن نفس انسانی اس کو قبول کرتا ہے اگر تخلیق ہدایت نہ ہو یا نفس اس کو قبول نہ کرے تو آدمی ہدایت یاب نہیں ہوتا۔

أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ أَفَأَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿۱۹﴾ بھلا جس شخص پر عذاب کا (ازلی تقدیری) حکم محقق ہو چکا تو کیا ایسے شخص کو جو (علم الٰہی میں) دوزخ کے اندر ہے آپ چھڑا سکتے ہیں۔

حق علیہ یعنی اللہ کے علم قدیم میں عذاب اس کے لئے مقرر ہو چکا۔ کذا قال ابن عباسؓ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس سے مراد ابولہب اور اس کا بیٹا ہے۔ جملہ شرطیہ کا عطف ایک محذوف جملہ پر ہے۔ پورا کلام اس طرح تھا کیا آپ ان کے امور کے مالک و مختار ہیں کہ جس پر حکم عذاب محقق ہو چکا اس کو دوزخ سے چھڑالیں گے۔ مطلب یہ کہ ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہو سکا ہمزہ سوالیہ کی تکرار تاکید انکار کے لئے ہے اور بجائے تنقذهم کے تنقذ من فی النار کا لفظ بھی اسی انکار کو پختہ کرنے کے لئے ہے لفظ حق اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ جس پر عذاب کا حکم ہو گیا وہ ایسا ہی ہے جیسا عذاب میں مبتلا ہو گیا اور عذاب

اس پر آگیا کیونکہ فیصلہ خداوندی کے خلاف ہونا ممکن نہیں۔

آیت سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جوان کو انتہائی کوشش کے ساتھ ایمان کی دعوت دی یہی دوزخ سے رہائی دینا ہے۔ ایک وہم ہوتا ہے تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ کی کوشش سے کوئی (ازلی کافر) دوزخ سے رہا نہیں ہو سکتا تو پھر آپ کی کوشش بے سود ہے اس خیال کو دور کرنے کے لئے فرمایا۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لئے جنت کے بالاخانے ہیں جن کے اوپر اور بالاخانے بنے ہوئے ہیں (اور) ان کے نیچے نہریں چل رہی ہیں۔ یعنی جن لوگوں کے لئے اللہ کا حکم رحمت متحقق ہو چکا ہے اور اللہ کے علم (ازلی قدیم) میں یہ بات پہلے سے موجود ہے کہ وہ اپنے رب سے ڈریں گے۔ ان کے لئے جنت کے اندر بالاخانے ہیں۔

اتقوا بصیغہ ماضی ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ جن لوگوں کے متقی بننے کا فیصلہ اللہ کے علم ازلی میں ہو چکا ہے تو گویا وہ متقی ہو ہی گئے۔

غرف جنت کے اندر بالاخانے من فوقها غرف بالاخانوں کے اوپر اور بالاخانے جو پہلے بالاخانوں سے اونچے ہوں گے من تحتها الانهار یعنی نچلے بالاخانوں کے نیچے بھی اور اوپر والے بالاخانوں کے نیچے بھی۔

وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ⑳ یہ اللہ نے وعدہ کیا ہے اور اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا کیونکہ وعدہ کی خلاف ورزی عیب ہے اور اللہ ہر عیب سے پاک ہے۔ حضرت ابو سعیدؓ خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت والے اوپر کے بالاخانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم لوگ مشرقی اور مغربی افق پر باقی رہ جانے والے چمکدار جگمگاتے ستارے کو (دور سے) دیکھتے ہو یہ صورت اہل جنت کے باہمی فرق مراتب کی ہوگی صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ مکان تو انبیاء کے ہوں گے جہاں تک دوسروں کی رسائی نہ ہوگی فرمایا کیوں نہیں قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور (تمام) پیغمبروں کو سچا مانا (وہ مکان ان کے بھی ہوں گے) اس موضوع کی جو احادیث آئی ہیں ہم سورۂ فرقان کی آیت اولئک یجزون الغرفة بما صبروا کی تفسیر کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطٰمًا ۭ

(اے مخاطب) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اوپر سے پانی نازل کیا پھر اس کو زمین کے سوتوں میں داخل کیا اس کے بعد اللہ اس پانی کے ذریعہ سے مختلف اقسام کی کھیتیاں پیدا کرتا ہے پھر کچھ مدت کے بعد وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے اور تجھے زرد دکھائی دیتی ہے اس سے کچھ مدت کے بعد اللہ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے (بھوسہ بنا دیتا ہے)

الم تر میں استفہام انکاری ہے اور نفی کی نفی اثبات ہوتی ہے (یعنی تو نے یہ بات ضرور دیکھی ہے) يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ یعنی زمین کے سوتوں میں۔ ینبوع چشمہ کو بھی کہتے ہیں اور چشمہ سے پھوٹنے والے پانی کو بھی شعبی نے کہا زمین میں جو پانی ہے وہ آسمان سے ہی آتا ہے۔

الوانه، یعنی مختلف اصناف و اقسام گیہوں جو وغیرہ یا مختلف کیفیات اور رنگ سبزی سرخی وغیرہ یهيج خشک ہو جاتی ہے فتراه یعنی سرسبزی اور شادابی کے بعد تم کو وہ کھیتی پیلی دکھائی دیتی ہے۔ حطاما ریزہ ریزہ چورا چورا۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ㉑ اس میں عقلمندوں کے لئے بڑی نصیحت ہے۔ ع ١٦

فی ذالک یعنی اس ایجاد میں اور تغیرات میں لذکری ذکری بمعنی تذکیر ہے (یاد دہانی) یعنی اس میں یاد دہانی ہے ایسے خالق قدیم کی جس کی قدرت ہمہ گیر اور حکمت مدبّر کل ہے اور اس بات کی بھی اس کے اندر یاد دہانی ہے کہ حیات دنیا کھیتی کی

طرح ہے (جس کا مآل تو بجو تغیرات کے بعد فنا ہے) اس پر فریفتہ نہ ہونا چاہئے لاولی الالباب عقلمندوں کے لئے عبرت ہے، بے عقل لوگ اس سے نصیحت اندوز نہیں ہوتے اور جو عبرت اندوز نہیں وہ اہل عقل میں سے نہیں، وہ تو چوپایوں کی طرح ہے بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ سو جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کو قبول کرنے کے لئے کھول دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے رب کے عطا کردہ نور پر ہے کیا وہ شخص اور وہ لوگ جن کے دل سخت (اور تاریک) ہیں برابر ہیں۔

شرح صدر سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے بندہ کے دل میں ایک نور پیدا کیا جس کی چمک میں اس نے حق کو حق اور باطل کو باطل دیکھ لیا اور بغیر کسی تردد اور شک کے وہ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لے آیا اور سب کی تصدیق کی اس حالت کو شرح صدر سے اس لئے تعبیر کیا کہ سینہ دل اور روح کا مقام ہے اور دل ہی اسلام کو قبول کرتا ہے جب دل اسلام کے تمام احکام کو قبول کر لیتا ہے تو ایسا ہو جاتا ہے جیسے کوئی ظرف ہے جو مظروف کو اپنے اندر سمانے کے لئے فراخ ہو گیا ہو۔

نور سے مراد ہے بصیرت (دل کی بینائی)

افمن میں استفہام انکاری اور اس کا رجوع مضمون فاء سے ہے گویا پورا مضمون کلام اس طرح ہوا جب مومن اور کافر میں فرق ثابت ہو گیا تو جس کا دل اللہ نے اسلام کو قبول کرنے کے لئے کھول دیا اور اس کے نتیجہ میں اس کو ایک خاص نور حاصل ہو گیا جس کی وجہ سے وہ ایمان لے آیا اور ہدایت یاب ہو گیا کیا ایسا شخص اس آدمی کی طرح ہو سکتا ہے جس کے دل پر اللہ نے حجاب لگا دی ہے اور اس کا دل سخت ہو گیا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ تلاوت فرمائی۔ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ سینہ کشادہ کیسے ہو جاتا ہے فرمایا جب نور دل میں داخل ہو جاتا ہے تو سینہ کشادہ اور فراخ ہو جاتا ہے ہم نے عرض کیا اس کی علامت کیا ہے فرمایا دار الخلد (یعنی آخرت) کی طرف ہمہ تن رجوع اور دار الغرور (مقام فریب یعنی دنیا) سے دوری اختیار کرنی اور موت آنے سے پہلے موت کی تیاری کرنی رواہ البغوی والحاکم والبیہقی فی شعب الایمان۔

فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾ پس جن لوگوں کے دل ذکر خدا سے متاثر نہیں ہوتے ان کے لئے بڑی خرابی ہے یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

فویل میں ف سببی ہے اور من ذکر اللہ میں من اجلیہ ہے یعنی جب اللہ کا ذکر ان کے سامنے کیا جاتا ہے یا اللہ کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کی قساوت اور بڑھ جاتی ہے اور دلوں کی سختی شدید ہو جاتی ہے (گویا اللہ کا ذکر قساوت قلبی بڑھ جانے کی وجہ ہو جاتی ہے)

مسلم کا دل اللہ کے ذکر سے بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے اور کافر کے دل میں قساوت بڑھتی اور انکار میں اضافہ ہوتا ہے اس لئے جہاں شرح صدر کا ذکر کیا تو شرح صدر کرنے والا اللہ کو قرار دیا اور جہاں قساوت قلب کا ذکر کیا تو قساوت کی نسبت قلب کی طرف کر دی گویا اس آیت کا معنی اور آیت ذیل کا معنی ایک جیسا ہے ایک اور آیت میں فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ بعض مفسرین کے نزدیک ذکر اللہ سے پہلے لفظ ترک محذوف ہے یعنی ان لوگوں کے لئے بڑی خرابی ہے جن کے دل اللہ کے ذکر کو ترک کرنے کی وجہ سے سخت ہو گئے ہیں۔

مالک بن دینار نے کہا قساوت قلب سے بڑھ کر کوئی سزا (عقوبت) بندہ کے لئے مقرر نہیں کی گئی اور اللہ کا غضب کسی قوم پر اسی وقت نازل ہوتا ہے جب ان کے دلوں سے نرمی ختم ہو جاتی ہے۔

حاکم وغیرہ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت سے بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر ایک طویل مدت تک قرآن نازل ہوتا رہا اور آپ (برابر لوگوں کو) پڑھ کر سناتے رہے آخر صحابہ نے (ایک روز) عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ (قرآن کے

علاوہ) حضور ﷺ کچھ اور بھی بیان فرمائیں (تو بہتر ہوگا) ابن جریر نے حضرت عون بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا کہ صحابہ کچھ اکتا گئے اور انہوں نے عرض کیا کاش آپ (کچھ اور بھی) بیان فرماتے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۙ اللہ ہی نے سب سے اچھا کلام نازل فرمایا جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے بار بار دہرائی گئی ہے۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ یہ آیت تائید ہے آیت اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ کی اور درمیان میں تمام جملے معترضہ ہیں۔ نزل سے پہلے اللہ کہنے کے تین فائدے ہیں اللہ کی طرف قرآن نازل کرنے کی نسبت پختہ ہو گئی۔ نازل شدہ قرآن کی عظمت شان کا اظہار ہو گیا (کہ یہ اللہ ہی کا بھیجا ہوا کلام ہے) قرآن کے حسن کی شہادت دے دی گئی (کہ اللہ ہی نے اس کلام کو اتارا اور اس کے احسن الحدیث ہونے کی شہادت دی ہے۔

متشابہا یہ کتابا کی صفت ہے اور کتابا احسن الحدیث سے بدل ہے۔ متشابہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ تمام آیات صحت معنی حسن عبارت اور افادہ عام میں ایک جیسی ہیں اور کوئی آیت دوسری آیت کی تکذیب نہیں کرتی (تمام آیات باہم تصدیق کرتی ہیں یہ سمجھنے والے کی علمی بے بضاعتی اور فہم کی کجی کا قصور ہے کہ وہ بعض آیات کو بعض کے خلاف سمجھتا ہے۔ مترجم)۔

مثانی یہ بھی کتابا صفت ہے مثانی مثناہ کی جمع اور مثناہ اسم ظرف ہے قرآن کے اندر بار بار وعدو وعید، امر و نہی، اخبار اور احکام کا ذکر ہے اس لئے اس کو بار بار دہرائی جانے والی کتاب فرمایا۔ گویا تفصیلات کے لحاظ سے اس کو مثانی کہا گیا جیسے ہم اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ قرآن سورتیں ہیں اور آیات ہیں یا یوں کہیں کہ انسان رگیں ہے اعصاب ہے ہڈیاں ہے گوشت ہے (یعنی ان کا مجموعہ ہے)۔

یا مثانی مثنیہ کی جمع ہے ثناء کرنے والیاں یعنی اس کی آیات اللہ کی صفات اور ذات کی ثنا بیان کرتی ہیں۔

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ جس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یعنی اللہ کی رحمت اور عموم مغفرت کا جب وہ ذکر کرتے ہیں تو اس ذکر کی وجہ سے ان کے دلوں میں سکون و اطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔ ذکر اللہ کے ساتھ رحمت کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اصل تو رحمت ہی ہے اللہ کی رحمت غضب پر غالب ہے۔ الی ذکر اللّٰہ میں الی بمعنی لام ہے یعنی اللہ کے ذکر کی وجہ سے لیکن ذکر کے اندر چونکہ سکون و اطمینان کا مفہوم داخل ہے اس لئے بجائے لام کے الی کہا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ جب قرآن میں آیات وعید کا ذکر آتا ہے تو مومنوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جلد بدن سکڑ جاتی ہے اس میں انقباض پیدا ہو جاتا ہے اور جب آیات وعدہ کا ذکر آتا ہے تو کھالوں کا انقباض جاتا رہتا ہے کھالیں نرم ہو جاتی ہیں اور دلوں میں سکون پیدا ہو جاتا ہے۔

پہلے کتابا کی صفت مثانی بیان کی تھی یعنی اس میں فرماں برداروں کے لئے وعدہ ثواب اور نافرمانوں کے لئے وعید عذاب کا بار بار ذکر ہے اس آیت میں وہ اثر بیان کر دیا جو وعدو وعید سے مومنوں پر پڑتا ہے۔

حضرت عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ کے خوف سے بندہ کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت سے سوکھے پتے۔ رواہ الطبرانی بسند ضعیف ورواہ البغوی۔ بغوی کی دوسری روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے جب اللہ کے خوف سے بندہ کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو اللہ اس کو دوزخ کے لئے حرام کر دیتا ہے۔

ایک شبہ: بعض عاشقان الٰہی قرآن سننے سے بیہوش ہو جاتے ہیں کیا ایسا ہونا کوئی پسندیدہ صفت ہے امام محی السنۃ بغوی نے تو اس کو سخت برا کہا ہے اور اس سلسلہ میں قتادہ کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ کے خوف سے رونگٹے کھڑے ہو جانا اور بدن کا لرز جانا اولیاء اللہ کی صفت ہے اللہ نے ان کی یہی صفت بیان کی ہے۔ اولیاء کی یہ صفت نہیں بیان کی کہ قرآن سننے سے ان کی

عقلیں جاتی رہتی ہیں اور بیہوش ہو جاتی ہیں۔ یہ کیفیت اہل بدعت کی ہوتی ہے اور شیطان کی طرف سے ہوتی ہے ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا میں نے اپنی دادی حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ سے کہا (اس عبارت میں شاید یہ سہو ہے کیونکہ حضرت اسماءؓ کو حضرت عبداللہؓ نے جدتی کہا ہے لیکن حضرت اسماء حضرت عبداللہ کی والدہ تھیں دادی نہیں تھیں۔ جدہ ماں کو نہیں کہتے ہاں ام کا اطلاق کبھی جدہ پر آجاتا ہے۔ مترجم)

رسول اللہ ﷺ کے صحابیوں کے سامنے جب قرآن پڑھا جاتا تو ان کی کیا حالت ہوتی تھی۔ حضرت اسماءؓ نے فرمایا ان کی حالت وہی ہوتی ہے تھی جیسی اللہ نے بیان فرمائی ہے کہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے میں نے کہا کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو وہ بیہوش ہو کر گر پڑتے ہیں حضرت اسماءؓ نے (جواب میں) فرمایا میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں (یعنی یہ حرکت شیطان مردود کی ہے)

بغوی کا بیان ہے کہ ایک عراقی شخص گرا پڑا تھا حضرت ابن عمرؓ کا ادھر سے گزر ہوا دریافت فرمایا اس کی کیا حالت ہے لوگوں نے کہا اس شخص کے سامنے جب قرآن پڑھا جاتا ہے اور یہ اللہ کا ذکر سنتا ہے تو بیہوش ہو کر گر جاتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہم بھی اللہ سے ڈرتے ہیں لیکن (قرآن سن کر بیہوش ہو کر) گر نہیں پڑتے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ شیطان بعض لوگوں کے اندر گھس جاتا ہے اور بیہوش کر کے گرا دیتا ہے) رسول اللہ ﷺ کے صحابہ تو ایسا نہیں کرتے تھے یہ فعل ان کا نہ تھا۔

شبہ کا جواب: میں کہتا ہوں جب برکات اور تجلیات کی بارش بکثرت ہوتی ہے لیکن صوفی کا حوصلہ تنگ اور استعداد کمزور ہوتی ہے تو (صوفی برداشت نہیں کر سکتا اس لئے) بیہوشی کی حالت طاری ہو جاتی ہے صحابہؓ کے ظرف وسیع تھے اور صحبت رسول ﷺ کی برکت سے استعداد قوی تھی اس لئے باوجود برکات کی کثیر بارش کے ان پر بیہوشی طاری نہیں ہوتی۔ صحابیوں کے علاوہ دوسروں کو یہ چیز میسر نہیں اس لئے دو وجہوں سے ان پر بیہوشی طاری ہو جاتی ہے یا نزول برکات ہی کم ہوتا ہے یا ان کا ظرف تنگ ہوتا ہے اور حوصلہ میں سمائی نہیں ہوتی۔

تعجب ہے کہ امام محی السنۃ نے ان صوفیوں کو برا کہا جن پر قرآن سننے سے بیہوشی طاری ہو جاتی ہے وہ بھول گئے کہ اللہ نے فرمایا ہے حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ امام نے اس آیت کی تفسیر میں خود ہی حضرت نواس بن سمعانؓ کی روایت سے مندرجہ ذیل حدیث نقل کی ہے کہ جب اللہ کسی بات کا ارادہ کرتا ہے اور وحی کے الفاظ فرماتا ہے تو اللہ کے خوف سے آسمانوں میں ایک شدید لرزہ آجاتا ہے آسمان والے اس کو سن کر بیہوش ہو جاتے ہیں اور سجدہ میں گر پڑتے ہیں پھر سب سے پہلے سر اٹھانے والے جبرئیل ہوتے ہیں الحدیث۔

بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے لیکن الفاظ (میں کچھ تغیر ہے اور الفاظ) اس طرح ہیں جب اللہ آسمان پر کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے کلام کو سن کر عاجزی کے ساتھ ملائکہ اپنے بازو پھڑ پھڑاتے ہیں (اور ایسی آواز ہوتی ہے) جیسے پتھر کی چٹان پر زنجیر لگنے سے پیدا ہوتی ہے پھر جب ان کے دلوں کی وہ ہیبت دور ہو جاتی ہے تو (بعض ملائکہ بعض) سے کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا وہ جواب دیتے ہیں (جو کچھ فرمایا) حق ہے۔ الحدیث ایک اور آیت میں حضرت موسیٰؑ کے بیہوش ہو جانے کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔

رہا حضرت ابن عمر کا یہ قول کہ شیطان کچھ لوگوں کے خون کے اندر گھس جاتا ہے اسی طرح حضرت اسماءؓ کا اعوذ باللہ پڑھنا تو ظاہر ہے کہ ان کے حوصلے قوی اور ظرف وسیع تھے جن کے اندر تمام تجلیات کی سمائی تھی اسی لئے ان کی اور ان جیسے دوسرے صحابیوں کی بیہوشی کی حالت نہیں ہوتی تھی جب ان بزرگوں نے دو آدمیوں کو بیہوش پایا تو (ان پر چونکہ کبھی یہ حالت طاری نہیں ہوئی تھی اس لئے) خیال کر لیا کہ یہ فریبی ہیں مکر سے بیہوش بنے ہیں اس بات کی تائید اس قصہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب ابن سیرین کے سامنے ذکر کیا گیا کہ کچھ لوگ قرآن سن کر بیہوش ہو جاتے ہیں تو فرمایا ایسے آدمی کو کسی چھت کے کنارے پر نیچے کو پاؤں لٹکا کر بٹھایا جائے پھر قرآن پڑھا جائے اگر وہ قرآن سن کر بیہوش ہو کر نیچے گر پڑے تو سمجھ لو سچا ہے

(ورنہ جھوٹا ہے مکار ہے)

ابن سیرین کے اس قول سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اکثر اس طرح کے آدمیوں کو بناوٹی اور مکار خیال کرتے تھے۔

تنبیہ : ملائکہ سے انسان کی استعداد زیادہ قوی اور حوصلہ زیادہ وسیع ہے اس کے ثبوت کے لئے آیت اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً سے اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ تک کافی ہے اسی وسعت حوصلہ اور قوت استعداد کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وحملها الانسان یہی وجہ ہے کہ فرشتوں نے جب بھی وحی (کا کلام) سنا تو ان پر غشی طاری ہو گئی لیکن آدمی کی حالت ایسی نہیں ہے اگر (عروج کے بعد) انسان کا نزول بھی مکمل ہو جائے تو سواء کسی نادر مثال کے عام طور پر ایسے عارفوں کی حالت میں کوئی تغیر نہیں آتا اور اگر نزولی حالت کامل نہ ہو ناقص ہو تو اکثر حالات میں تغیر آجاتا ہے (اور ناقص النزول عارف کلام اللہ سن کر بیہوشی ہو جاتا ہے)

جب صوفی سکر کی حالت میں ہوتا ہے اور شعر و غناء میں محبوب کا ذکر سنتا ہے تو اکثر اس کی حالت بگڑ جاتی ہے (رقص کرتا ہے لوٹتا ہے تڑپتا ہے بیہوش ہو جاتا ہے) اس لئے صوفیہ سماع کو پسند کرتے ہیں لیکن قرآن تو شعر و غناء سے بہت زیادہ بلند مقام رکھتا ہے اس کو سن کر حالت میں کوئی تغیر نہیں آتا اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت کرنے یا سننے کے وقت ذاتی صفات و تجلیات سے تعلق رکھنے والی برکات کا اتنی کثرت سے فیضان و نزول ہوتا ہے کہ جو صوفی اپنے مقام پر رکے ہوئے ہیں اور احساس کی حالت میں ہیں ان کی رسائی بھی ان برکات تک نہیں ہو پاتی۔ یہی احساس گانا سننے کے وقت تو ان کی حالت میں تغیر پیدا کر دیتا ہے اور قرآن سننے کے وقت کی حالت میں کوئی تغیر نہیں آتا لیکن جو صوفی افق اعلیٰ پر پہنچ گئے ہوں اور مقام دنی فتدلی فکان قاب قوسین اوادنی تک ان کی رسائی ہو گئی ہو ان کی حالت میں تغیر (بیہوشی کی حد تک نہیں بلکہ) صحابہ کی طرح ہو جاتا ہے آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ذکر رب سے دلوں میں سکون و اطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾ یہ اللہ کی ہدایت ہے اس کے ذریعہ سے وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت یاب کرتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ کر دیتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں۔

ذلک یہ یعنی خوف و امید یا قرآن مجید ومن یضلل یعنی جسکو اللہ بے مدد چھوڑ دے اس کو کوئی گمراہی سے نہیں نکال سکتا۔

اَفَمَنْ یَّتَّقِیْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَقِیْلَ لِلظّٰلِمِیْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾

بھلا جو شخص اپنے منہ کو قیامت کے دن سخت عذاب کی سپر بناوے گا اور ایسے ظالموں کو حکم ہوگا کہ جو کچھ تم کیا کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو۔

افمن استفہام انکاری ہے یتقی بوجھہ یعنی اپنے آپ کو بچانے کے لئے اپنے منہ کو سپر کی طرح آگے بڑھاوے گا۔ قاعدہ ہے کہ ہر حملہ کو آدمی اپنے ہاتھوں پر روکتا ہے سامنے سے ہونے والے حملہ کو روکنے کے لئے اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیتا ہے تاکہ چہرہ محفوظ رہے لیکن کافر کو جب دوزخ میں ڈالا جائے گا تو اس کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہوں گے وہ اپنے چہرے کو بچا نہ سکے گا اور چہرہ پر ہی عذاب لے گا۔ مجاہد نے کہا منہ کے بل سرنگوں کر کے کافر کو آگ میں کھینچا جائے گا اس لئے سب سے پہلے آگ اس کے چہرے ہی کو لگے گی۔ مقاتل نے کہا کافر کے ہاتھ گردن میں باندھ کر دوزخ میں پھینکا جائے گا اور کوہ عظیم کے برابر گندھک کی ایک چٹان اس کے گلے میں لٹکی ہوئی ہوگی فوراً اس پتھر میں آگ لگ جائے گی اور وہ بھڑک جائے گی۔

مطلب یہ ہے کیا ایسا کافر جو اپنے منہ کو ہی عذاب سے بچنے کے لئے سپر بنائے گا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو ہر عذاب سے محفوظ رہے گا۔ اس جملہ میں خبر محذوف ہے (رفتار عبارت حذف خبر پر دلالت کر رہی ہے)

وَقِیْلَ لِلظّٰلِمِیْنَ بجائے ضمیر غائب کے ظالمین کی صراحت کر دی تاکہ ایسے کافروں کے ظالم ہونے کا محکم ثبوت

ہو جائے اور عذاب چکھنے کا جو حکم ان کو دیا جائے گا اس کی وجہ بھی معلوم ہو جائے۔

كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۝٢٥ ان (کفار مکہ) سے پہلے بھی کافروں نے (اپنے اپنے زمانہ کے انبیاء کی) تکذیب کی سو ان پر اس طرف سے عذاب آپہنچا جو ان کے خیال میں بھی نہیں تھا۔ یعنی ان کے دلوں میں تصور بھی نہ تھا کہ عذاب اس طرف سے آجائے گا۔

فَأَذَاقَهُمُ اللَّهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝٢٦

سو اللہ نے ان کو اسی دنیوی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب تو اور بھی بڑا ہے کاش یہ لوگ سمجھ جاتے (تو تکذیب انبیاء نہ کرتے)

الخزی ذلت جیسے صورتیں بگڑ جانا، زمین میں دھنسایا جانا مارا جانا، طوفان میں مبتلا ہو جانا، غیبی چیخ سے جگر پھٹ جانا، ان پر اوپر سے پتھر برسانا غرق کیا جانا وغیرہ۔

وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ یعنی آخرت میں جو عذاب ان کے لئے تیار ہے۔

أَكْبَرُ اس دنیوی عذاب سے بہت بڑا ہے شدید بھی ہے اور لازوال بھی ہے۔

لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ یعنی کاش وہ تکذیب انبیاء کے برے نتیجہ کو سمجھ لیتے تو تکذیب نہ کرتے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اہل مکہ اگر اہل بصیرت اور ارباب نظر ہوتے تو پہلے لوگوں کے حالات سے عبرت حاصل کرتے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝٢٧ قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝٢٨ اور ہم نے لوگوں کی ہدایت کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کے (ضروری) عمدہ مضامین بیان کئے ہیں تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں۔ عربی قرآن نازل کیا جس میں ذرا کجی نہیں اور تاکہ لوگ ڈریں۔

مِن كُلِّ مَثَلٍ ہر طرح کا عمدہ مضمون جو دینی امور پر غور کرنے والوں کے لئے ضروری ہے۔

غَيْرَ ذِي عِوَجٍ یعنی اس میں کسی کا اختلال نہیں۔ مستقیم سے غیر ذی عوج کا لفظ زیادہ بلیغ ہے (ہر قسم کی کجی کی نفی کر رہا ہے) اور معانی میں اختلال نہ ہونے کے لئے یہ لفظ مخصوص ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف (بیان) نہیں۔ مجاہد نے کہا اس میں کوئی اشتباہ اور شک نہیں۔ سدی نے کہا یہ مخلوق نہیں (خرابی اختلاف اور شک تو مخلوق کے کلام میں ہوتا ہے اور یہ مخلوق ہی نہیں ہے) امام مالک بن انسؒ کا قول بھی اس لفظ کی تفسیر میں یہی آیا ہے۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ سفیان بن عیینہ نے ستر تابعین (بالاتفاق) سے یہ قول نقل کیا کہ قرآن نہ خالق ہے نہ مخلوق۔ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ قرآن اللہ کی صفت (کلامیہ) ہے عین ذات خداوندی نہیں کہ خالق ہو جائے اور غیر ذات بھی نہیں کہ ذات سے جدا ہو اور حادث و مخلوق ہو جائے۔ یہ قول دلالت کر رہا ہے کہ تابعین کے نزدیک اللہ کا کلام لفظی بھی قدیم ہے اور اللہ کی ایک صفت ہے کیونکہ کلام نفسی (جس پر کلام لفظی دلالت کر رہا ہے) عربی نہیں ہو سکتا (عربی اور عجمی ہونا تو الفاظ کی صفت ہے الفاظ کے معانی تو نہ عربی ہوتے ہیں نہ عجمی۔ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ کلام لفظی میں ایک حرف کے بعد دوسرا حرف بولا جاتا ہے (اور اس طرح پورا جملہ اور کلام بن جاتا ہے) اور ترتیب حروف حادث ہونے کی علامت ہے کیونکہ یہ ترتیب حروف تو مخلوق کے کلام کے لئے ضروری ہے مخلِ کلام تنگ ہے اس لئے ایک حرف کے بعد دوسرا حرف آتا ہے اور پورا کلام حادث ہو جاتا ہے، اللہ کا کلام تو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اس کے کلام میں تعاقب حروف کا تصور بھی غلط ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے حاضر پر غائب کو قیاس کر لیا جائے، رویت خداوندی کا انکار کرنے والے اسی توہم میں مبتلا ہو گئے کہ انہوں نے دیدار مخلوق پر دیدار خالق کو قیاس کر لیا۔ مخلوق کو دیکھنے کے لئے تو رخ اور مسافت وغیرہ ضروری ہے لیکن خالق کی رویت ان سب سے پاک ہے اسکی مثل

کوئی چیز نہیں نہ اس کی ذات میں اس کا کوئی مماثل ہے نہ کسی صفت میں شان اعلیٰ اسی کی ہے وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ
لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ تاکہ وہ کفر و معاصی سے اجتناب رکھیں۔ یہ دوسری علت جو پہلی علت لعلھم یتذکرون پر مرتب ہے یا اس سے بدل ہے یا اس کا بیان ہے۔

ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْہِ شُرَکَآءُ مُتَشٰکِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ ھَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ
اللہ نے (موحد و مشرک کے فرق کو واضح کرنے کے لئے) ایک مثال بیان کی کہ ایک شخص (غلام) ہے جس میں کئی ساجھی ہیں جن میں باہم ضد اضدی بھی ہے اور ایک اور شخص (غلام) ہے جو (صرف) ایک ہی شخص کا ہے کیا دونوں کی حالت یکساں ہو سکتی ہے۔

مُتَشٰکِسُوْنَ باہم اختلاف رکھنے والے یعنی ایسا مشترک غلام مشرک کی طرح ہے مشرک بھی متعدد معبودوں کا دعویٰ کرتا اور ان کی پوجا کرتا ہے اور مشرک غلام بھی کشاکش میں جتلا رہتا ہے۔ کبھی کوئی مالک اس کو کھینچتا ہے کبھی دوسرا مالک اپنے اپنے مختلف کاموں میں باری باری سے اس غلام کو تمام مالک لگائے رکھتے ہیں اور بیچارہ غلام حیران و پریشان ہوتا ہے اس کو سکون قلب حاصل نہیں ہوتا (وہ تمام آقاؤں کے مختلف کام کس طرح پورے کرے اور کس طرح سب کو راضی رکھے ہر وقت یہی پریشانی اس کو رہتی ہے)

وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ یہ مثال مومن موحد کی ہے ایک مالک کا غلام پریشان نہیں ہوتا یہی حالت موحد کی ہوتی ہے۔
ھَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا استفہام انکاری ہے یعنی دونوں غلاموں کی حالت برابر نہیں ہو سکتی۔ یہ استفہام تقریری بھی ہے مخاطب کو آمادہ کیا گیا ہے کہ وہ دونوں غلاموں کی حالت ایک جیسی نہ ہونے کا اقرار کرے۔ یہ حاصل مثل ہے مثال بیان کرنے کا مقصد یہی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۚ بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ الحمد للہ (قبول تو لیا) ان میں اکثر سمجھتے بھی نہیں۔
یعنی تمام ستائش اللہ ہی کے لئے ہے حقیقت میں مستحق حمد ہونے میں کوئی اس کا ساجھی نہیں وہی اصل منعم ہے اور مالک کل ہے۔

بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ بل کا لفظ ابتدائیہ جو جاہلوں کی حالت بیان کر رہا ہے یعنی اکثر لوگ اپنی انتہائی جہالت کی وجہ سے دوسروں کو خدا کا ساجھی قرار دیتے ہیں۔

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ الحمد سے پہلے لفظ قل محذوف ہے یعنی آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے نعمت توحید عطا فرمائی اور یہ نعمت دینے والا خص وہی ایک مستحق ستائش مالک کل ہے اس پر اس کے لئے ساری حمد زیبا ہے۔

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ عِنْدَ رَبِّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾ بلاشبہ آپ کو بھی ع ۲ ۱۷
مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے پھر تم (سب اپنے مقدمات) اپنے رب کے سامنے پیش کرو گے (وہی تمہارا آخری فیصلہ کر دے گا)
اِنَّکَ مَیِّتٌ ہر شخص کی موت یقینی ہے اسی لئے بجائے فعل مضارع (تموت اور یموتون) کے صفت مشبہ کا صیغہ جو دوام و ثبوت پر دلالت کرتا ہے استعمال کیا (یعنی میت اور میتون فرمایا) فراء اور کسائی کی تحقیق ہے کہ میت اس شخص کو کہتے ہیں جو آئندہ مرنے والا ہو ابھی مرا نہ ہو اور میت اس کو کہتے ہیں جس کی جان نکل چکی ہے اس لئے میت اور میتون تشدید ی فرمایا۔

مقاتل نے لکھا ہے کہ کفار مکہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ جلد وفات پا جائیں اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔
مطلب یہ ہے کہ آپ بھی یقیناً مریں گے اور وہ یعنی کفار مکہ یا سب لوگ بھی مریں گے پھر رسول اللہ ﷺ کی وفات سے ان کو خوشی نہ ہونا چاہئے۔

ثُمَّ اِنَّکُمْ یعنی آپ اور کفار مکہ یا سب لوگ۔
تَخْتَصِمُوْنَ آپس میں جھگڑو گے اپنے مقدمات پیش کرو گے۔

رسول اللہ ﷺ عرض کریں گے اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو بکواس بڑ قرار دے رکھا تھا انہوں نے میری تکذیب کی باوجودیکہ میں حق پر تھا توحید کو پیش کر رہا تھا اور یہ باطل پر تھے مشرک تھے میں نے ان کو راستہ دکھانے اور تیرے احکام پہنچانے کی بہت کوشش کی اور یہ اپنی سرکشی اور تکذیب پر اڑے رہے کفار اپنے عذر میں غلط باتیں کہیں گے کہیں گے ہم اللہ کی جو ہمارا رب ہے قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم مشرک نہیں تھے۔ یہ بھی کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر (پیغمبر) ہی نہیں آیا۔ یہ بھی کہیں گے ہم اپنے سرداروں کے اور بڑوں کے کہنے پر چلے اور اس چیز کی تقلید کی جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔

لوگ آپس میں بھی اپنے حقوق کی بابت جھگڑیں گے سب سے پہلے آپس کی خون ریزیوں کا فیصلہ کیا جائے گا۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کے باہمی مقدمات میں سب سے پہلے خونوں کا فیصلہ کیا جائے گا۔

ترمذی اور ابن ماجہ اور طبرانی اور مردویہ نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا میں نے خود حضور ﷺ سے سنا کہ مقتول اپنے ایک ہاتھ میں اپنا سر لٹکائے اور دوسرے ہاتھ سے قاتل کو پکڑے ہوئے آئے گا اس وقت اس کی گردن کی رگوں سے خون ابل رہا ہو گا اور عرش الٰہی کے پاس پہنچ کر رب العالمین کی بارگاہ میں عرض کرے گا اس نے مجھے قتل کیا تھا اللہ قاتل سے فرمائے گا تو ہلاک ہو پھر اس کو دوزخ کو بھیج دیا جائے گا۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مقتول قاتل کو پکڑ کر لے آئے گا اس کی گردن کی رگوں سے اس وقت خون اچھل رہا ہو گا۔ عرض کرے گا اے میرے رب اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا قاتل کہے گا میں نے اس کو اس لئے قتل کیا تھا کہ فلاں شخص کو عزت (غلبہ) حاصل ہو اللہ فرمائے گا۔ عزت تو (ساری) اللہ ہی کے لئے ہے۔ ابن حاتم نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قاتل اور مقتول دونوں کو لا کر رحمن کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور قاتل سے پوچھا جائے گا تو نے اس کو کیوں قتل کیا اگر اس نے اللہ کے لئے قتل کیا ہو گا تو کہہ دے گا میں نے اس کو اس لئے قتل کیا تھا کہ غلبہ اللہ (کے دین) کا ہو جواب دیا جائے گا بیشک عزت (غلبہ) اللہ ہی کے لئے ہے اور اگر قاتل نے کسی مخلوق کے لئے قتل کیا ہو گا تو وہ کہے گا میں نے اس کو اس لئے قتل کیا تھا کہ فلاں شخص کو غلبہ حاصل ہو ارشاد ہو گا اس کے لئے تو عزت نہیں۔ غرض جس ظالم نے کسی کو قتل کیا ہو گا اس سے انتقام لیا جائے گا اور اتنے دنوں اس کو موت کا مزہ چکھایا جاتا رہے گا جتنے دنوں اس نے دنیا میں مقتول کو زندگی سے محروم کیا تھا۔

امام احمد ترمذی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت زبیرؓ نے فرمایا جب آیت اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہمارے آپس کے خاص خاص جرائم کو دوبارہ ہمارے سامنے لایا جائے گا فرمایا ہاں ضرور دوبارہ ان کو سامنے لایا جائے گا۔ یہاں تک کہ ہر حقدار کو اس کا حق پہنچ جائے گا۔ حضرت زبیرؓ نے کہا واللہ معاملہ بڑا سخت ہو گا۔

طبرانی نے نا قابل اعتراض سند سے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن مرد عورت کا جھگڑا پیش ہو گا خدا کی قسم مرد زبان سے کچھ نہ کہے گا بلکہ عورت کے ہاتھ پاؤں خود اس کے خلاف شہادت دیں گے کہ یہ اپنے شوہر کی فلاں فلاں عیب چینی کرتی تھی پھر مرد کے ہاتھ پاؤں ان باتوں کی شہادت دیں گے جو عورت پر وہ زیادتی کرتا تھا۔ اسی طرح آدمی کو اس کو خدمت گاروں کے ساتھ طلب کیا جائے گا۔ پھر بازار والوں کو بلایا جائے گا۔ وہاں (دانگ اور کپڑے) تو ہوں گے نہیں بلکہ (ظالم کی) نیکیاں مظلوم کو دے دی جائیں گی اور مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دیے جائیں گے پھر ظالموں کو آہنی گرزوں (کے گھیرے) میں لایا جائے گا اور حکم ہو گا ان کو دوزخ کی طرف اتار دو۔

امام احمد نے بسند حسن نے حضرت عقبہ بن عامر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن

سب سے اول دو ہمسائے (اپنا مقدمہ پیش کرنے) آئیں گے۔

بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کی طرف اس کے بھائی کا کوئی حق ہو اس کو دنیا ہی میں اس سے خلاصی حاصل کر لینی چاہئے کیونکہ وہاں نہ دینار ہوگا نہ درہم اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس سے وہ عمل لے کر حقدار کو اس کے حق کے موافق دے دیا جائے گا اور اگر اس (ظالم) کی نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کے گناہ لے کر ظالم پر لاد دیئے جائیں گے۔

مسلم اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے صحابہؓ نے عرض کیا ہم میں مفلس وہی ہوتا ہے جس کے پاس نہ روپیہ ہو نہ سامان فرمایا میری امت کا مفلس وہ ہوگا جو نماز، روزہ زکوٰۃ (سب کچھ) لے کر آئے گا (لیکن) کسی کو گالی دی ہوگی کسی پر تہمت لگائی ہوگی کسی کا مال کھایا ہوگا کسی کا خون بہایا ہوگا کسی کو مارا ہوگا چنانچہ اس کو پکڑا جائے گا اور اس کی کچھ نیکیاں ایک (حقدار) کو بطور بدلہ دے دی جائیں گی اور کچھ دوسرے کو اگر بدلہ پورا ادا ہوئے بغیر اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو حقداروں کے کچھ گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے پھر اس کو آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں مظلوم ظالم کی نیکیاں لے لے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ علاوہ ایمان کے دوسری نیکیوں کا ثواب لے لے گا کیونکہ کفر کے علاوہ ہر قسم کے حقوق اور گناہوں کی سزا غیر متناہی نہیں ہے (کبھی ختم ہو جائے گی) یہی قول اہل سنت کے مسلک کے مطابق ہے اہل سنت کے نزدیک مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا اور ایمان کی جزا دوامی جنت ہے اور جنت کی کوئی حد نہیں لہٰذا جو چیز متناہی بدلہ والی ہے (یعنی اللہ کا گناہ یا بندوں کی حق تلفی) اس کا عوض وہ چیز نہیں ہو سکتی جو غیر متناہی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر گناہوں کا بدلہ پورا ادا ہوئے بغیر ظالم کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی اور صرف ایمان باقی رہ جائے گا تو کفر کے علاوہ مظلوموں کے گناہ ظالم پر لاد دیئے جائیں گے (مظلوم کا کفر ظالم پر نہیں ڈالا جائے گا کیونکہ کفر کی سزا تو غیر متناہی ہے اور گناہوں کی سزا متناہی ہے اور متناہی گناہوں کی سزا غیر متناہی سے نہیں بدل سکتی) پھر اگر مظلوم نہ کرے گا تو ظالم کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا اور اتنی مدت تک وہاں رکھا جائے گا۔ جتنی مدت ان گناہوں کی سزا کے لئے مقرر ہوگی جب گناہوں کی سزا پوری ہو جائے گی تو اس ظالم کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔ میں نے جو تشریح کی ہے وہی بیہقی نے بھی کی ہے۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن حقداروں کو ان کے حقوق واپس دلائے جائیں گے یہاں تک کہ منڈی بکری کو بھی سینگوں والی بکری سے (اگر اس نے منڈی بکری کو مارا ہوگا تو) بدلہ دلوایا جائے گا۔ ایک روایت میں آیا ہے منڈی کو سینگوں والی سے اور (مظلوم) چھوٹی سرخ چیونٹی کو (ظالم) سرخ چیونٹی سے بدلہ دلوایا جائے گا۔

بیہقی نے حضرت زبیرؓ بن عوام کی روایت سے بیان کیا کہ جب آیت ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ نازل ہوئی تھی تو ہم نے کہا تھا ہم آپس میں (قیامت کے دن) کیسے جھگڑیں گے ہمارا رب ایک ہے ہمارا دین ایک ہے اور ہماری کتاب ایک ہے یہاں تک کہ میں نے (اب) دیکھ لیا کہ ہم میں بعض بعض کے چہروں پر تلواریں مار رہے ہیں اب میں نے پہچانا کہ یہ آیت ہمارے حق میں نازل ہوئی حضرت ابن عمرؓ کی روایت بھی اسی طرح آئی ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا ہم کہتے تھے ہمارا رب ایک ہے ہمارا نبی ایک ہے ہماری کتاب ایک ہے پھر (قیامت کے دن) یہ باہمی حق طلبی کیا ہوگی آخر جب جنگ صفین کا دن آیا اور ہم میں سے بعض نے بعض پر تلواروں سے حملے کئے تو ہم نے کہا ہاں یہ وہی ہے۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ جب آیت ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ نازل ہوئی تو لوگوں نے کہا ہم تو بھائی

بھائی ہیں ہمارا باہم جھگڑا کس طرح ہوگا لیکن جب حضرت عثمانؓ شہید کردیے گئے تو لوگوں نے کہا یہ ہمارا باہمی جھگڑا۔

ان تمام مندرجہ بالا اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ یہ سمجھتے تھے کہ قتل و خون کے جھگڑے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ہوں گے (مسلمانوں کے آپس میں نہیں ہوں گے) لیکن جب بغاوتیں ہوئیں اور مسلمانوں کے آپس میں فساد ہونے لگے اس وقت ظاہر ہوا کہ خصومت اور جھگڑا مسلمانوں کے آپس میں بھی ہوگا۔

تیئسواں پارہ ختم ہوا اللہ کی مدد سے چوبیسواں پارہ شروع کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چوبیسواں پارہ شروع

پارۂ فمن اظلم

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝۳۲ اس شخص سے زیادہ بے انصاف کون ہے
جس نے اللہ پر دروغ بندی کی اور (اللہ کی طرف سے رسول خدا کے ذریعہ سے) جب سچائی (اللہ کی کتاب) اس کے پاس آگئی تو اس نے سچائی کو جھوٹا جتلایا کیا (ایسے) کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ اس میں ف سببی ہے کافروں کا رسول اللہ ﷺ سے جھگڑا کرنا ان کے بے انصاف ہونے کا سبب ہے سوال انکاری ہے یعنی ایسے شخص سے زیادہ بے انصاف اور کوئی نہیں۔

كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ اللہ پر دروغ بندی کی اس کے لئے اولاد قرار دی اور دوسروں کو اس کا ساجھی بتایا۔

وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اور جب سچ یعنی قرآن اور پیام خدا اس کو پہنچ گیا تو بغیر سوچ سمجھے فوراً اس کی تکذیب کی یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس کی سچائی کے دلائل اور اس کے صادق ہونے کے بکثرت شواہد موجود ہیں۔

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ مثوی اترنے کی جگہ ٹھہرنے کا مقام یہ استفہام تقریری ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ سے اس آیت تک پورا کلام اپنے اندر رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک خاص تسلی و اطمینان کا حامل ہے کہ یہ لوگ جو آپ کی تکذیب کررہے ہیں آپ کچھ غم نہ کریں۔ نہ ان سے انتقام کی کوئی فکر کریں۔ ان کو ان کے اعمال کی سزا دینے کے لئے جہنم کافی ہے۔

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝۳۳ اور جو لوگ سچی
بات لے کر آئے اور خود بھی اس کو سچا جانا یہی لوگ اہل تقوی ہیں (یعنی خدا سے ڈرنے والے پرہیزگار ہیں)

اَلَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ الخ سے صرف رسول اللہ ﷺ ہی مراد نہیں ہیں تمام انبیاء اور مومنوں کو یہ لفظ شامل ہے کیونکہ اگلی آیت میں اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ بصیغہ جمع فرمایا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت میں وَالَّذِيْ جَآءَ ۔ بِالصِّدْقِ آیا اس سے بھی ہمارے قول کی تصدیق ہوتی ہے لیکن

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ (صدق یعنی) لا الہ الا اللہ کو رسول اللہ ﷺ لائے اور آپ نے خود اس کی تصدیق کی یعنی لوگوں تک اس کو پہنچایا اس تفسیر پر اولئک هم المتقون سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کی پیروی کرنے والے اہل ایمان کی طرف یعنی سب کی طرف اشارہ ہوگا جیسے اسی طرح کا استعمال ایک اور آیت میں آیا ہے فرمایا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ هُمْ يَهْتَدُوْنَ بصیغہ جمع سے مراد ہیں حضرت موسیٰ مع متبعین نے کے۔

سدی نے کہا قرآن لانے والے جبرئیل تھے اور اس کی تصدیق کرنے والے رسول اللہ ﷺ آپ نے جبرئیل کی لائی ہوئی سچائی کو قبول کیا۔ کلبی اور ابو العالیہ نے کہا قرآن لانے والے رسول اللہ ﷺ تھے اور اس کی تصدیق کرنے والے حضرت ابو بکر صدیق۔ زجاج نے حضرت علیؓ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں بھی اسی طرح آیا ہے۔

قتادہ اور مقاتل نے کہا سچائی کو لے کر رسول اللہ ﷺ آئے اور اس کی تصدیق مومنوں نے کی۔
عطا نے کہا سچائی کو لانے والے تمام انبیاء تھے اور اس کی تصدیق کرنے والے ان کے پیرو تھے۔
صاحب مدارک اور بیضاوی نے لکھا ہے کہ تقاضاء عربیت یہی ہے کہ جاء اور صدق کا فاعل ایک ہو (جو لے کر آیا اسی نے تصدیق کی) کیونکہ اگر صدق کا فاعل وہ نہ ہو گا جو لے کر آیا تو صدق سے پہلے الذی محذوف ماننا پڑے گا اور یہ جائز نہیں یا فاعل کی ضمیر محذوف ماننا پڑے گی لیکن ضمیر کا مرجع مذکور نہیں ہے۔
میں کہتا ہوں بیضاوی اور صاحب مدارک نے یہ کیسے لکھ دیا کہ موصول (یعنی الذی کو صدق سے پہلے محذوف کرنا جائز نہیں کلبی قتادہ مقاتل اور ابوالعالیہ جیسے علماء تفسیر نے تو وہی ذکر کیا ہے جو ہم نے اوپر نقل کر دیا۔ حضرت حسان ؓ کا شعر ہے جس میں موصول کو حذف کیا گیا ہے۔

امن یہجو رسول اللّٰہ منہم ویمدحہ وینصرہ سواء

کیا ان میں سے وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کی ہجو اور (وہ شخص جو) آپ کی تعریف کرتا ہے اور آپ کی مدد کرتا ہے برابر ہو سکتے ہیں۔
صاحب بحر مواج نے لکھا ہے ممکن ہے کہ کلام میں لف ونشر اجمالی ہو جیسے آیت قَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی یعنی قَالَتِ الْیَهُوْدُ لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا وَقَالَتِ النَّصٰرٰی لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ نَصٰرٰی
یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ الذی سے فریق مراد ہے یعنی الفریق الذی جاء فریق کے اندر رسول اللہ ﷺ بھی شامل ہیں اور حضرت ابو بکر صدیق بھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی ذات کو پیش نظر رکھ کر جاء کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع کر دی اور ابو بکرؓ کی شخصیت کے لحاظ سے صدق کی ضمیر راجع کر دی اور دونوں ضمیروں کا مرجع الذی ہی ہے۔

لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳۴﴾ ان کے لئے ان کے رب کے پاس وہ سب کچھ ہے جو وہ چاہیں گے یہ صلہ ہے نیکوکاروں کا۔
یعنی جنت میں جو کچھ چاہیں گے وہ رب کے پاس موجود ہے۔
ذلک جزاء المحسنین یعنی یہ صلہ ہے نیکوں کا نیکی کرنے کا۔

لِیُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا وَیَجْزِیَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾
تاکہ اللہ ان سے ان کے برے اعمال (کی سزا) کو دور کر دے (یعنی معاف کر دے اور قیامت کے دن چھپائے رکھے) اور ان کے نیک کاموں کے عوض ان کو ان کا ثواب عطا فرمائے۔ اسواء (بہت برے) بطور مبالغہ (کلام کو پر زور بنانے کے لئے) فرمایا کیونکہ جب سب سے برے اعمال کو اللہ معاف فرمادے گا اور کم درجہ کے برے اعمال کی معافی تو بہر حال ہو ہی جائے گی۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ کبیرہ گناہ معاف ہو جائیں گے پس معتزلہ کا قول غلط ہے جو عفو کبائر کے قائل نہیں۔ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا کہنے سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ ہر گناہ کو جو ان سے صادر ہو جاتے (خواہ وہ چھوٹا ہو) سب سے برا سمجھتے ہیں گویا تمام (چھوٹے بڑے) گناہ ان کی نظر میں بڑے ہی ہیں۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسواء سے مراد تفصیل اضافی نہیں بلکہ تفصیل ذاتی ہے (یعنی کسی دوسرے گناہ کے مقابلہ میں زیادہ برا ظاہر کرنا مراد نہیں ہے بلکہ فی نفسہ عمل کا بہت برا ہونا مراد ہے)
اجرھم یعنی ان کے اعمال کا ثواب باحسن الذی الخ یعنی ان کے اچھے اعمال کا (خواہ وہ سب سے اچھے نہ ہوں) بدلہ اتنا عطا فرمائے گا جو سب سے بہتر عمل کا مقرر ہے کیونکہ ان کا ہر نیک عمل اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ احسن (اسم تفصیل) سے یہاں بھی فضیلت ذاتی مراد ہے (حسن اضافی مراد نہیں ہے) اس لئے مقاتل نے کہا کہ اللہ ان کے

اچھے اعمال کا بدلہ دے گا اور برے اعمال کا بدلہ نہیں دے گا۔

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ کیا اللہ اپنے بندے (یعنی محمد ﷺ کی حفاظت اور نصرت) کے لئے کافی نہیں ہے۔

استفہام انکاری ہے اور انکار نفی پر زور ثبوت پر دلالت کرتا ہے یعنی ضرور کافی ہے۔

وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ۝ اور یہ لوگ آپ کو ان (جھوٹے معبودوں) سے ڈراتے ہیں جو اللہ کے سوا (انہوں نے بنا رکھے) ہیں اور جس کو خدا بے مدد چھوڑ دے اس کو کوئی راہ پر لانے والا نہیں ہے اور جس کو خدا راہ پر لگا دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ کیا اللہ زبردست (اور) انتقام لینے والا نہیں ہے۔

وَيُخَوِّفُوْنَكَ بغوی نے لکھا ہے کہ بت پرست لوگ رسول اللہ ﷺ کو بتوں کی ناراضگی سے ڈراتے تھے اور کہتے تھے تم ان کو برا کہنے سے اپنی زبان روکو ورنہ یہ تمہیں بدحواس اور پاگل بنا دیں گے۔ عبدالرزاق نے بھی یہ روایت بیان کی ہے وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ یعنی اللہ جس کو بے مدد چھوڑ دے کہ وہ اللہ کو اپنے بندہ کی حفاظت کے لئے کافی ہونے سے غافل ہو جائے اور ایسی چیزوں سے ڈرانے لگے جو نہ نقصان پہنچا سکتی ہیں نہ فائدہ۔

فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ اس کے لئے کوئی ہدایت دینے والا نہیں کہ سیدھے راستہ پر اس کو چلا سکے۔

فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں کیونکہ اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت کو کوئی روک نہیں سکتا۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ استفہام انکاری یعنی اللہ غالب ہے (اپنے فرماں برداروں کو) نفع بخشتا ہے اور انتقام لینے والا ہے اپنے دشمنوں سے انتقام لیتا ہے (ان کو سزا دیتا ہے)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو (یہی) کہیں گے کہ اللہ نے (ان کو پیدا کیا) آپ ان سے کہئے کہ بھلا پھر یہ تو بتاؤ کہ خدا کے سوا تم جن معبودوں کو پوجتے ہو اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا (تمہارے) یہ معبود اس کی دی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا اگر وہ اپنی رحمت سے نوازنا چاہے تو کیا یہ معبود اس کی (عطا کردہ) رحمت کو روک سکتے ہیں۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ یعنی اگر آپ کفار مکہ سے پوچھیں۔

لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے اللہ کے خالق ہونے کا ثبوت کھلا ہوا اور بتوں میں خلاقیت کی قابلیت نہیں ہے یہ بھی ظاہر ہے تو لامحالہ وہ اللہ کی خلاقیت کا اعتراف کریں گے۔ کفار مکہ کو اس کا اقرار بھی تھا۔

اَفَرَءَيْتُمْ یعنی تم اس بات کا اعتراف کرتے ہو کہ اللہ ہی خالق کائنات ہے اس کے سوا کوئی پیدا کرنے والا نہیں تو مجھے بتاؤ بضر تکلیف مصیبت هل هن کیا وہ بت۔ استفہام انکاری ہے یعنی تم اللہ کی خلاقیت کا اقرار کرنے کے بعد ان پر اس بات کا اقرار کرنا لازم ہو جاتا ہے کہ بت نہ دکھ کو دور کر سکتے ہیں نہ سکھ دے سکتے ہیں نہ خدا کی بھیجی ہوئی مصیبت کو دفع کر سکتے ہیں نہ اس کی عطا کردہ نعمت کو لوٹا سکتے ہیں۔

مقاتل کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اس آیت کے نزول کے بعد) مشرکوں سے یہ سوال کیا تھا لیکن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ آپ کہہ دیجئے میرے لئے اللہ کافی ہے بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

حسبی اللہ یعنی سکھ دینے اور دکھ کو دور کرنے کے لئے میرے واسطے اللہ کافی ہے۔

عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ اسی پر مومن توکل کرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ کے سوا نہ کوئی ضرر پہنچا سکتا ہے نہ فائدہ دے سکتا ہے۔ مومنوں کے ایمان کا تقاضہ ہے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں اس لئے ان کو متوکل فرمایا۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ آپ کہہ دیجئے اے میری قوم (جب تم میری تکذیب کررہے ہو تو) تم اپنی حالت پر عمل کئے جاؤ میں بھی عمل کررہا ہوں، اب جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس پر دنیا میں ایسا عذاب آیا چاہتا ہے جو رسوا کردے گا اور (مرنے کے بعد) دوامی عذاب بھی اس پر نازل ہوگا۔

مکانۃ ظرف مکان ہے (بمعنی جگہ) اس جگہ مجازاً مراد حالت ہے جیسے حیث اور ھنا ظرف زمان ہیں اور کبھی بطور مجاز مکان مراد لے لیا جاتا ہے۔

انی عامل یعنی میں اپنی حالت پر عمل کررہا ہوں یہاں مکانتی کا لفظ اختصاراً حذف کردیا گیا اس سے وعید میں زور بھی پیدا ہو گیا (کہ میں کامیاب ہوں گا اور تم دنیا و آخرت میں تباہ ہوگے) مکانتی کے لفظ کو حذف کردینے سے اس طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ موجودہ حالت پر ہی نہیں ٹھہر جائیں گے بلکہ جتنا زمانہ گزرتا جائے گا آپ کو قوت اور نصرت زیادہ حاصل ہوتی جائے گی اسی لئے کافروں کو دھمکایا کہ میں دونوں جہان میں کامیاب رہوں گا۔

عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ دشمنوں کی رسوائی رسول اللہ ﷺ کے غالب آجانے کی دلیل ہے بدر کی لڑائی میں اللہ نے کفار مکہ کو رسوا کر بھی دیا۔

مقیم دوامی یعنی دوزخ کا عذاب۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝ ہم نے ہی آپ پر لوگوں (کی ہدایت اور دونوں جہان کی فلاں) کے لئے کتاب نازل کی اب جو شخص راہ راست پر آئے گا تو اپنے نفع کے لئے (آئے گا) اور جو بے راہ ہوگا تو اس کا بے راہ ہونا (یعنی بے راہ ہونے کا وبال) اسی پر پڑے گا۔ آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں انا انزلنا اس پورے جملہ کا ربط آیت وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ سے ہے اور درمیان میں سب جملے معترضہ ہیں للناس یعنی معاش و معاد دونوں میں حصول منافع و مصالح کے راستہ پر چلنے کے لئے۔

فمن اھتدی یعنی اس کتاب سے جو ہدایت یاب ہوا۔

من ضل جس نے اپنے منافع کے راستہ کو کھو دیا۔

مَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ یعنی آپ کو اس امر کا ذمہ دار نہیں بنایا گیا کہ ہدایت یاب ہونے پر ان کو مجبور کریں آپ کو حکم صرف پیام الٰہی کو پہنچانے کا دیا گیا ہے اور آپ ایسا کرچکے پس ان کے گمراہ رہنے سے آپ کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ اللہ ہی قبض کرلیتا ہے جانوں کو ان کے مرنے کے وقت اور ان جانوں کو جو مرتی نہیں (قبض کرلیتا ہے) سونے کی حالت میں۔

یتوفی الانفس یعنی بدنوں سے لے کر قبضہ میں کرلیتا ہے جس کی دو صورتیں ہوتی ہیں بدنوں سے جانوں کا تعلق بالکل منقطع کردیتا ہے۔ بدن پر جان کا نہ بیرونی تصرف باقی رہتا ہے نہ اندرونی۔ ایسا مرنے اور بدن سے بالکل جان کھنچ جانے کے بعد ہوتا ہے۔ جانوں پر مکمل نہیں بلکہ کسی قدر قبضہ کرلیتا ہے، بدن پر جان کا بیرونی تصرف ختم ہو جاتا ہے نہ بدن میں بیرونی حس باقی رہتی ہے نہ حرکت ارادیہ۔ اس عالم ظاہر سے روح کا علاقہ باقی نہیں رہتا اللہ اس کو عالم مثال (عالم اشیاء) کے مطالعہ کی طرف متوجہ کردیتا ہے باہر کے تعلق سے روح خالی ہو جاتی ہے اس کا رخ مثال کی طرف ہو جاتا ہے (عالم مثال میں گذشتہ اور آئندہ واقعات و احوال کی صورتیں بالفعل حاضر ہیں، روح ان کا مطالعہ کرتی ہیں کبھی اس کو پچھلے واقعات دکھائی دیتے ہیں کبھی

آگے آنے والے احوال کی تصویریں سامنے آجاتی ہیں) ایسا سونے کی حالت میں ہوتا ہے۔ توفی کے دونوں معنی ہیں اول معنی (وفات دینا پورا پورا قبضہ کرلینا اور بدن سے بالکل نکال لینا) حقیقی ہے اور دوسرا معنی مجازی ہے یہاں عموم مجاز کے طور پر مطلق قبض مراد ہے خواہ صرف بیرونی قبضہ ہو (یعنی روح کو بیرونی تصرفات سے روک دیا جائے بدن کی ظاہری حس معطل اور اعضاء کی ارادی حرکت ختم ہو جائے) یا بیرونی اور اندرونی دونوں قسم کے تصرف سے روک دیا (روح کا بدن سے تعلق بالکل ہی منقطع کر دیا نہ اندرونی نظام زندگی باقی رہے نہ بیرونی احساس و حرکت یعنی موت آجائے اور بدن سے روح نکل جائے)

یا التی لم تمت سے پہلے دوسرا فعل محذوف قرار دیا جائے اور پورا کلام اس طرح مانا جائے کہ اللہ مرنے کے وقت جانوں پر پورا پورا قبضہ کرلیتا ہے (بدن کو بالکل بے جان بنا دیتا ہے) اور جو جانیں مرتی نہیں ان پر صرف خواب میں قبضہ کرلیتا ہے (بیرونی احساس و حرکت سے ان کو محروم کر دیتا ہے)

بعض اہل علم کا قول ہے کہ ہر انسان کا ایک نفس ہے اور ایک روح سونے کی حالت میں نفس بدن سے نکل جاتا ہے اور روح (یعنی جان) باقی رہتی ہے (اور مرنے کے وقت روح بھی نکل جاتی ہے) اس قول میں نفس سے مراد ہے سمجھنے اور تمیز کرنے کی قوت (یعنی بیرونی حواس و قوت شعور) مطلب یہ کہ سونے کے وقت حواس و شعور کی قوت سلب کرلی جاتی ہے اور روح جس سے زندگی اور احساس و شعور کی قوت وابستہ ہے باقی رہتی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا سونے کے وقت روح نکل جاتی ہے صرف اس کی شعاع جسم کے اندر باقی رہتی ہے[۱] اسی وجہ سے وہ خواب دیکھتا ہے پھر جب بیدار ہوتا ہے تو روح ایک پل سے بھی پہلے بدن کی طرف لوٹ آتی ہے۔

اگر یہ اثر صحیح ہو تو میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سونے کے وقت بدن سے روح کے نکلنے سے مراد یہ ہے کہ عالم ملکوت میں روح عالم مثال کے مطالعہ کی جانب متوجہ ہو جاتی ہے اور عالم مثال بدن سے بہر حال باہر ہی ہے اور بدن کے اندر روح کی شعاع باقی رہنے سے یہ مراد ہے کہ حسب سابق بدن سے روح کا تعلق باقی رہتا ہے خلاصہ یہ کہ خروج روح (یعنی عالم مثال کی طرف متوجہ ہونے سے) سے آدمی خواب دیکھتا ہے پھر آدمی بیدار ہو جاتا ہے تو روح لوٹ آتی ہے یعنی پل بھر سے بھی پہلے روح کا تعلق بدن سے حسب سابق ہو جاتا ہے۔

فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ پھر ان جانوں کو روک لیتا ہے جن کی موت کا حکم دے چکا ہے یعنی نکو قیامت تک ان جانوں کو بدنوں کی طرف نہیں لوٹاتا۔

وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى اور باقی جانوں کو ایک میعاد معین تک کے لئے رہا کر دیتا ہے۔

یعنی سونے والوں کی جانوں کو ہوش اور احساس (بیرونی) کی طرف لوٹا دیتا ہے اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی یعنی اس وقت تک کے لئے رہا کر دیتا ہے جو مرنے کا مقرر ہے۔

صحیحین میں حضرت براءؓ بن عازب کی روایت سے بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو خواب گاہ (بستر) پر چلے

---

[۱] سلیم بن عامر کی روایت ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ نے فرمایا عجیب بات ہے کہ کچھ لوگ سوتے میں کچھ ایسی چیز دیکھتے ہیں جو ان کے تصور میں بھی نہیں ہوتی (پھر بیدار ہوتے ہیں تو وہی بات سامنے آجاتی ہے) ان کا خواب ایسا (صحیح اور واقعی) ہوتا ہے جیسے ہاتھ سے کسی چیز کو پکڑ لیا اور بعض آدمیوں کا خواب کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا حضرت علیؓ نے یہ کلام سن کر فرمایا امیر المومنین میں آپ کو اس کی وجہ بتاتا ہوں اللہ نے فرمایا اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى اللہ روحوں کو قبض کرلیتا ہے جب یہ روحیں اللہ کے قرب میں آسمان پر ہوتی ہیں تو جو کچھ دیکھتی ہیں وہ سچا خواب ہوتا ہے اور جب ان کو جسموں کی طرف چھوڑ دیا جاتا اور واپسی میں شیطانوں سے ان کا سامنا ہو جاتا ہے تو شیطان ان سے کچھ جھوٹی باتیں کہہ دیتے ہیں اور بے حقیقت باتیں بتاتے ہیں پس یہ جھوٹا خواب ہوتا ہے حضرت عمرؓ کو حضرت علیؓ کی یہ بات سن کر تعجب ہوا۔ (از مفسر رحمۃ اللہ)

جاتے تو (دائیں کروٹ پر لیٹ کر دائیں) ہاتھ کو رخسار کے نیچے رکھ کر فرماتے اللّٰھم بک اموت واحیی اے اللہ میری زندگی اور موت تیرے ہی ہاتھ میں ہے بک میں ب اعانت اور قبضہ پر دلالت کر رہی ہے) اور جب بیدار ہوتے تو فرماتے الحمد للّٰہ الذی احیانا بعد ما اماتنا و الیہ النشور اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو موت دینے کے بعد زندگی عطا فرما دی اور اسی کی طرف (قیامت کے دن) اٹھ کر جانا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جب کوئی اپنے بستر کی طرف لیٹنے کے ارادہ سے جائے تو (پہلے) اپنی لنگی کے ایک پلو سے بستر کو جھاڑ دے کیونکہ اس کو نہیں معلوم کہ اس کی جگہ (بستر پر) کون آموجود ہوا (یعنی سانپ بچھو کیڑے مکوڑے) پھر کہے اے میرے اللہ میں تیرے ہی نام کی برکت اور مدد سے اپنا پہلو (بستر پر) رکھتا ہوں اور تیرے ہی نام سے اس کو اٹھاتا ہوں اگر تو میری جان کو روک لے تو اس پر رحم فرمانا اور اگر رہا کر دے تو جس چیز کے ساتھ تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے اسی چیز کے ساتھ میری جان کی بھی حفاظت رکھنا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ دائیں پہلو پر لیٹ کر یہ الفاظ کہے اور بستر کو جھاڑنے کے سلسلہ میں فرمایا تین بار اپنے کپڑے کے پلو سے جھاڑے۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۴۲﴾ اس میں بکثرت دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو سوچنے کے عادی ہیں۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ اس میں یعنی روحوں پر قبضہ کرنے پھر بعض کو روک رکھنے اور بعض کو رہا کر دینے میں۔

لایت بیشک بکثرت نشانیاں ہیں جو اللہ کی قدرت کاملہ حکمت (دقیقہ) اور رحمت عامہ پر دلالت کر رہی ہیں۔

یتفکرون جو غور کرتے اور سوچتے ہیں کہ روحوں کا اجسام سے تعلق کیسے ہوا اور کیسا ہے پھر کس طرح مرنے کے وقت بدنوں سے ان کا تعلق بالکل کٹ جاتا ہے اور کس طرح ان کو روک لیا جاتا ہے (یا واپس کر دیا جاتا ہے) اور بدن کے فنا ہو جانے کے بعد ان کا بقاء کیسے رہتا ہے پھر ان کی سعادت و شقاوت کے احوال کیسے مختلف ہیں اور کیوں ہیں اور کیا حکمت ہے کہ ان کو کچھ دیر کے لئے ظاہری طور پر قبض کر لیا جاتا ہے کہ کچھ وقت کے لئے حس و شعور سے یہ معطل ہو جاتی ہے اور پھر ان کو وقتاً فوقتاً قبض کرنے اور رہا کرنے کا سلسلہ وقت موت تک جاری رہتا ہے جو ان امور پر غور کرتے ہیں وہ جان لیتے ہیں کہ جو ذات ان تمام امور پر قادر ہے وہی قیامت کے دن زندہ کر کے ان کو اٹھانے پر بھی قدرت رکھتی ہے۔ یہ آیت علت ہے آیت وعلیہ یتوکل المتوکلون کی۔

اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ شُفَعَآءَ ؕ قُلۡ اَوَ لَوۡ کَانُوۡا لَا یَمۡلِکُوۡنَ شَیۡئًا وَّ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴۳﴾

کیا انہوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنا رکھا ہے جو ان کے سفارشی ہوں گے آپ کہہ دیجئے (کیا تم ایسی حالت میں بھی ان کو معبود بناتے ہو جب کہ) وہ نہ کچھ قدرت رکھتے ہیں نہ ان کو کچھ علم ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوۡا میں ام ہمزہ انکار کے معنی میں ہے اور ابتدائیہ ہے۔

یابل (اضرابیہ) کے معنی میں ہے اور منقطعہ ہے۔ قل اے محمد آپ کہہ دیجئے۔

اَوَ لَوۡ کَانُوۡا الخ یہ ہمزہ انکاریہ ہے۔ اصل کلام اس طرح تھا کیا وہ تمہاری شفاعت کریں گے اگرچہ ان کی یہ حالت ہے جو تمہاری نظر کے سامنے ہے کہ جمادات ہیں نہ کچھ کر سکتے ہیں۔ ممکن تھا کہ مشرکوں کی طرف سے یہ کہا جاتا کہ ہم ان مورتیوں کو نہیں پوجتے بلکہ ان اشخاص کی پوجا کرتے ہیں جو بارگاہ خداوندی کے مقرب ہیں اور یہ انہی کی مورتیاں ہیں، اس قول کی تردید میں اور لایملکون کی علت بیان کرتے ہوئے آگے فرمایا۔

قُلۡ لِّلّٰہِ الشَّفَاعَۃُ جَمِیۡعًا ؕ آپ کہہ دیجئے کہ سفارش تو تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہے یعنی کوئی بھی کسی امر میں اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر سفارش کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ تمام آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے اور اسی کے پاس تم لوٹا کر لے جائے جاؤ گے یعنی قیامت کے دن اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے اس وقت بھی اسی کی حکومت ہوگی۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اور جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے بھنچ جاتے ہیں (نفرت کرتے ہیں سکڑ جاتے ہیں) اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر آتا ہے تو وہ کھل جاتے ہیں (خوش ہو جاتے ہیں) یعنی بتوں کے تذکرے سے بڑے خوش ہوتے ہیں۔

بغوی نے حسب بیان مجاہد و مقاتل لکھا ہے اور ابن المنذر نے بھی اس قول کی نسبت مجاہد کی طرف کی ہے یہ خوشی کافروں کو اس وقت ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے سورہ والنجم پڑھی اور شیطان نے آپ کی قرات کے اندر ومناۃ الثالثۃ الاخری کے آگے یہ الفاظ ملا دیئے تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی بیضاوی نے لکھا ہے کہ اِشْمَاَزَّتْ اور يَسْتَبْشِرُوْنَ دونوں لفظ انتہائی کیفیت پر دلالت کرتے ہیں استبشار (چہرہ کھل جانا) اس وقت ہوتا ہے جب دل خوشی اور مسرت سے اتنا پر ہو جائے کہ اس کے آثار چہرہ پر نمودار ہو جائیں (اور چہرہ شگفتہ ہو جائے) اور اشمئزاز (بھنچ جانا منقبض ہو جانا) اس وقت ہوتا ہے جب دل غم و غصہ سے اتنا بھر جائے کہ چہرہ کی کھال سکڑ جائے بل پڑ جائیں۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ آپ کہئے اے اللہ اے آسمانوں کے اور زمین کے پیدا کرنے باطن اور ظاہر کے جاننے والے (قیامت کے دن) تو ہی اپنے بندوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ مشرکوں اور کافروں کے معاملہ میں سخت حیران ہو گئے اور ان کی دشمنی اور بد خلقی سے عاجز آ گئے تو اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ اسی سے دعا اور التجا کریں کیونکہ وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے تمام احوال سے وہی واقف ہے جو چیز ہم سے غائب ہے یا ہمارے مشاہدہ میں ہے وہ سب کا عالم ہے۔

انت تحکم یعنی اہل حق کو فتح یاب کرے گا اور باطل پرستوں کو بے مدد چھوڑ دے گا۔

ابو سلمہ کا بیان ہے میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا رسول اللہ ﷺ کس کلام سے نماز شب کا آغاز کرتے تھے۔ ام المومنین نے فرمایا رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے۔ اللھم رب جبرئیل و میکائیل و اسرافیل فاطر السموت والارض عالم الغیب و الشھادۃ انت تحکم بین عبادک فی ماکانوا فیہ یختلفون اھدنی لما اختلف فیہ من الحق باذنک تھدی من تشاء الی صراط مستقیم۔

اے اللہ اے جبرئیل اور میکائیل اور اسرافیل کے رب اے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کرنے والے اے باطن و ظاہر کو جاننے والے (قیامت کے دن) تو اپنے بندوں کے درمیان ان مسائل کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے مجھے اپنے حق سے مختلف فیہ مسائل میں حق کے راستہ پر چلا تو جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور اگر (قیامت کے دن بالفرض) ظالموں (یعنی مشرکوں) کے پاس دنیا بھر کی ساری چیزیں ہو جائیں اور ان کے ساتھ اتنی ہی اور بھی ہوں تو بھی قیامت کے دن سخت عذاب سے چھوٹنے کے لئے دینے لگیں اور اللہ کی طرف سے ان کے سامنے وہ معاملہ (یعنی عذاب) آئے گا جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا۔

اہل جنت کے لئے فرمایا تھا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ اس کے مقابل دوزخیوں کے لئے فرمایا وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ یعنی انتہائی چھوٹی کا ایسا سخت عذاب ان کے سامنے جس کا ان کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ مقاتل نے کہا یعنی دنیا میں ان کو گمان بھی نہ تھا کہ ایسے عذاب سے آخرت میں دوچار ہوں گے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں ان کا خیال تھا کہ بت ہماری سفارش کریں گے۔ یا یہ خیال تھا کہ حشر نشر کچھ بھی نہ ہوگا یا یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ آخرت میں ہم مومنوں کے مقابلہ میں بہتر حالت میں ہوں گے قیامت کے دن ان تمام خیالات کے برعکس عذاب سامنے آئے گا۔ سُدی نے کہا دنیا میں وہ سمجھتے تھے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں نہ نیکیاں ہیں قیامت کے دن ظاہر ہو جائے گا کہ وہ نیکیاں نہیں تھیں خطاکاریاں تھیں۔ یعنی بتوں کی پوجا کو وہ قرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ سمجھتے تھے جب آخرت میں بت پرستی کا عذاب ان پر پڑے گا تو ظاہر ہوگا کہ جس بات کا ان کو گمان بھی نہ تھا وہ اللہ کی طرف سے بت پرستی کے سبب ان کے سامنے آئے گی۔

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا (یعنی اعمال نامے ان کے سامنے آئیں گے تو) اپنے اعمال کی برائیاں ان پر ظاہر ہوں گی۔ اعمال سے مراد ہے شرک اور مسلمانوں پر ظلم کرنا۔

وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٤٨﴾ اور ان کو وہ عذاب گھیرے گا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

ماکانوا میں اگر ما کو موصولہ قرار دیا جائے تو یہی ترجمہ ہوگا اور اگر مصدری مانا جائے تو ترجمہ اس طرح ہوگا ان کو گھیر لے گی استہزاء کرنے کی سزا۔

فَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ ۚ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٩﴾ پھر جب (کافر) انسان کو کوئی تکلیف چھو جاتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے (لیکن) جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کر دیتے ہیں تو کہتا ہے یہ تو مجھے میری تدبیر سے ملی ہے (یہ نعمت یوں ہی نہیں ملتی) بلکہ یہ ایک آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔

الانسان (میں لام عہدی ہے اس) سے مراد ہے کافر انسان بعض نے کہا الف لام جنسی ہے لیکن کافروں کی کثرت ہے اس لئے جنس انسان سے کافر انسان ہیں ضر کوئی سخت تکلیف اس جملہ کا کہ صرف خدا کا ذکر کرنے کے وقت تو کافروں کے چہرے سکڑ جاتے ہیں اور بتوں کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے چہرے کھل جاتے ہیں لیکن جب کوئی دکھ پڑتا ہے تو اس وقت خدا کو پکارتے ہیں پھر جب دکھ دور ہو جاتا ہے اور خدا کی طرف کوئی سکھ مل جاتا ہے تو کہتے ہیں یہ تو ہم کو اپنی تدبیر اور کاردانی سے ملا ہے۔

خولنہ ہم اپنی مہربانی سے کوئی نعمت عطا کر دیتے ہیں۔ تحویل مہربانی سے کسی کو کچھ دینا تحویل کا لفظ عطا بمہربانی کے لئے مخصوص ہے۔

علی علم یعنی کمائی کے ڈھنگ مجھے معلوم تھے اس لئے مجھے یہ نعمت ملی۔ یا یہ مطلب ہے کہ مجھے استحقاق تھا اس لئے مجھے یہ نعمت ملی میں اس بات کو جانتا ہوں۔ یا یہ مطلب ہے کہ میں جانتا تھا کہ مجھے یہ نعمت دینا خدا پر لازم تھا۔

بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ بلکہ یہ نعمت اللہ کی طرف سے ایک آزمائش ہے کہ یہ شخص نعمت کا شکر ادا کرتا ہے یا ناشکری کرتا ہے۔ یا اللہ کی طرف سے یہ ایک ڈھیل ہے تاکہ اس کافر کے عذاب کا سبب بن جائے۔ بعض نے کہا ھی کی ضمیر کافر انسان کے اس قول کی طرف راجع ہے کہ نعمت مجھے اپنی تدبیر سے حاصل ہوئی ہے یعنی اس کے یہ الفاظ ایک ایسی آزمائش ہے جو اس کے عذاب کی موجب ہے۔

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ بیضاوی نے لکھا ہے یہ جملہ دلالت کر رہا ہے کہ الانسان سے مراد جنس انسان ہے (کیونکہ لکن حرف استدراک ہے جو دلالت کر رہا ہے کہ نادانی کا حکم سب انسانوں کے لئے نہیں بلکہ اکثر کے لئے ہے)

میں کہتا ہوں کہ الانسان سے اگر جنس مراد نہ بھی ہو اور کافر انسان ہی مراد ہو (تب بھی مطلب صحیح ہو سکتا ہے) تو اکثر

کافروں سے مراد کل کافر ہوں گے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بعض کافروں کو خود یقین تھا کہ ہم باطل پر ہیں لیکن محض ضد اور عناد کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لاتے تھے (پس اکثر کافر بے علمی کی وجہ سے کافر ہے اور بعض کافر باوجود جاننے اور سمجھنے کے محض بغض و ضد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ أَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۵۰﴾ فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا ۚ وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيبُهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۵۱﴾

یہ بات (بعض) ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں سو ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی ان کی تمام بداعمالیاں ان پر آپڑیں اور ان میں سے جو ظالم (یعنی کافر) ہیں ان کی بداعمالیاں بھی ان پر عنقریب آپڑنے والی ہیں اور یہ (خدا کو) ہرا نہیں سکتے۔

الذین من قبلھم مقاتل نے کہا اس سے مراد قارون ہے قارون نے کہا تھا انما اوتیتہ علی علم عندی اور چونکہ اس کے ساتھی اس کے اس قول سے متفق تھے اس لئے سب کو اس قول کا قائل قرار دیا۔

فَمَآ أَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ یعنی وہ خزانے جن کی کنجیاں ایک طاقتور گروہ اٹھایا کرتا تھا کچھ کام نہ آئے۔

سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا یعنی بداعمالیوں کی سزا سیات کی سزا کو سیات صرف تقابل کی وجہ سے قرار دیا۔

مِنْ هٰٓؤُلَآءِ یعنی مکہ کے کافروں میں سے (یا اہل مکہ میں سے) مترجم

سَيُصِيبُهُمْ چنانچہ کفار مکہ سات برس تک قحط میں مبتلا رہے پھر بدر میں ان کے بڑے بڑے کھیا مارے گئے اور دوزخ میں داخل کئے گئے۔ صرف وہ لوگ محفوظ رہے جنہوں نے توبہ کرلی اور مسلمان ہوگئے۔ وما ھم بمعجزین خدا کو ہرا نہیں سکتے یعنی اللہ کی گرفت سے چھوٹ نہیں سکتے۔

أَوَلَمْ يَعْلَمُوٓا أَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ ﴿۵۲﴾ ع ۵

کیا ان کو معلوم نہیں کہ اللہ جس کو چاہتا ہے رزق کی فراخی دیتا ہے اور (جس کو کم دینا چاہتا ہے اس کو) نپی تلی روزی دیتا ہے اس (رزق کی کشائش و تنگی) میں ایمان والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

استفہام انکاری ہے یعنی اللہ بطور آزمائش جس کو چاہتا ہے کشادہ حال کردیتا ہے اور بطور امتحان جس کو چاہتا تنگ دست کردیتا ہے لوگ دعویٰ تو کرتے ہیں کہ یہ دولت ہم نے اپنی تدبیر سے کمائی اور اتنا نہیں جانتے کہ رزق کی تنگی فراخی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے بھی ایسے لوگ تنگدست ہو جاتے ہیں جو کمائی کے بہت طریقوں سے واقف ہوتے ہیں اور بھی ایسے لوگ بڑے فراخ دست ہو جاتے ہیں جو طریقے بھی نہیں جانتے اور انکو کوئی بھی ذاتی استحقاق نہیں ہوتا۔

لقوم یومنون یعنی ان لوگوں کے لئے اس میں نشانیاں ہیں جو اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ تمام حوادث اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور بظاہر اسباب کا سلسلہ اپنے معمول پر چلتا ہے (یعنی بظاہر نتائج اسباب سے وابستہ ہیں اور اسباب نتائج کو پیدا کرتے ہیں۔

شیخین نے صحیحین میں بیان کیا ہے کہ کچھ مشرک ایسے تھے جنہوں نے بہت آدمیوں کو قتل کیا تھا اور ارتکاب زنا بھی بہت کیا تھا۔ یہ لوگ رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا آپ جو کچھ فرماتے ہیں اور جس امر کی دعوت دیتے ہیں وہ ہے تو اچھا کیا آپ بتائیں گے کہ اس سے ہماری بداعمالیوں کا بھی کفارہ ہو جائے گا اس پر سورہ فرقان کی آیت وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا سے آخر غَفُورًا رَّحِيمًا تک اور آیت قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے بسند صحیح بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ آیت مشرکین مکہ کے متعلق نازل ہوئی۔ بغوی نے بروایت عطا بھی اس قول کی نسبت حضرت ابن عباسؓ کی طرف کی ہے۔

طبرانی نے ضعیف سند سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وحشی کو جو حضرت حمزہؓ کا قاتل

تھا اسلام کی دعوت دینے کے لئے ایک شخص کو بھیجا وحشی نے جواب دیا آپ مجھے اپنے مذہب میں داخل ہونے کی دعوت کس طرح دے رہے ہیں آپ کا قول یہ ہے کہ جو شخص قتل کرے گا یا شرک کرے گا یا زنا کرے گا اس کو قیامت کے دن دوہرا عذاب ہوگا اور میں نے یہ سب کچھ کیا ہے اس پر آیت اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا نازل ہوئی وحشی نے کہا یہ شرط تو سخت ہے شاید میں ایسا نہ کرسکوں کیا اس کے علاوہ بھی کوئی صورت ہے اس پر آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ نازل ہوئی وحشی نے کہا اس آیت میں مغفرت کو مشیت پر موقوف رکھا گیا ہے) میں اشتباہ میں پڑا ہوا ہوں معلوم نہیں کہ (اگر میں شرک سے توبہ کرلوں تو) میری مغفرت ہوگی یا نہیں ہوگی اس پر آیت قُلْ یٰعِبَادِیَ الخ نازل ہوئی۔

بغوی کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ بات صرف وحشی کے لئے خاص ہے یا تمام مسلمانوں کے لئے عمومی (حکم) ہے حضور ﷺ نے فرمایا (نہیں) بلکہ سارے مسلمانوں کے لئے یہ عام ہے۔

حاکم نے حضرت ابن مسعودؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہم کہتے تھے کہ مسلمان ہوتے اور ایمان لانے کے بعد جو لوگ مصائب میں مبتلا ہو کر اپنا دین چھوڑ بیٹھے ان کی توبہ قبول نہ ہوگی لیکن جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف لے آئے تو ان ہی لوگوں کے متعلق اللہ نے آیت قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ الخ نازل فرمائی۔ بغوی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول عیاش بن ربیعہ ولید بن ولیدؓ اور مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت کے حق میں ہوا کہ (شروع میں) وہ ایمان لے آئے تھے پھر جب ان کو دکھ اور تکلیفیں دی گئیں تو وہ فتنہ میں پڑ گئے یعنی اسلام چھوڑ بیٹھے ہم کہا کرتے تھے کہ اللہ ان کا کوئی عمل کبھی قبول نہیں کرے گا نہ نفل نہ فرض یعنی کسی طرح ان کی توبہ قبول نہ ہوگی یہ لوگ اول تو مسلمان ہوگئے پھر دکھ پڑنے پر اپنا دین چھوڑ بیٹھے اس پر اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھ سے یہ آیات لکھ کر عیاش بن ربیعہ ولید بن ولید اور دوسرے لوگوں کو بھیج دیں تحریر ملنے کے بعد وہ لوگ مسلمان ہوگئے اور مکہ چھوڑ کر مدینہ میں آگئے۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ۭ آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے (کفر و شرک کر کے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں تم اللہ کی رحمت سے نا امید مت ہو یقیناً اللہ (تمہارے) تمام (گزشتہ) گناہوں کو معاف فرما دے گا۔

اَلَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ یعنی کفر و معاصی کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو حد سے بڑھ کر مجرم بنا دیا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا اسراف سے مراد کبیرہ گناہوں کا ارتکاب ہے لَا تَقْنَطُوْا یعنی اگر تم ایمان لے آئے اور توبہ کرلی تو اللہ کی مہربانی اور مغفرت سے نا امید نہ ہو۔ مغفرت کے لئے ایمان کی شرط باتفاق علماء۔ ثابت ہے اللہ نے اپنے کلام میں خود اس کی صراحت کردی ہے اور فرما دیا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ الخ آیت مندرجہ بالا کی شان نزول کے بیان میں جو روایات آئی ہیں ان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

جمیعا یعنی شرک سے توبہ کرلو گے اور اللہ کی وحدانیت کو مان لو گے تو اللہ گزشتہ چھوٹے بڑے سارے گناہ معاف فرما دے گا۔ حضرت عمرو بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام پچھلے گناہوں کو ڈھا دیتا ہے۔ (مسلم)

آیت کی شان نزول خاص ہے ایک خاص واقعہ سبب نزول ہے ان لوگوں کے حق میں آیت کا نزول ہوا تھا جنہوں نے بشرک ہونے کی حالت میں کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا پھر شرک سے توبہ کی اور مسلمان ہوگئے لیکن آیت کے الفاظ عام ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بندہ ہو بشرطیکہ مومن ہو ایمان لا چکا ہو (اللہ نے عباد کی نسبت اپنی ذات کی جانب کی جس سے محاورہ قرآنی کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ مومن بندے ہی مراد ہیں اگر اس نے اسلام کے بعد بھی کبائر کا ارتکاب کیا ہو تو امید ہے اللہ معاف فرما دے گا اس کو نا امید نہ ہونا چاہئے خواہ گناہوں سے توبہ نہ کی ہو کیونکہ اللہ نے دوسری آیت میں وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ فرما دیا ہے پھر اگلی آیت ہے۔

اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾ بلاشبہ وہی ہے بڑا بخشنے والا نہایت مہربان۔ اس آیت میں غیر مشرک کی مغفرت عمومی (حسب مشیت) کئی وجوہ سے ثابت ہو رہی ہے۔ الغفور مبالغہ کا صیغہ ہے۔ الغفور الف لام کے ساتھ مفید حصر ہے الغفور کے بعد الرحیم کہہ کر وعدہ رحمت کیا ہے۔ عبادی میں لفظ عباد مومنوں کی عاجزی پر اور اپنی ذات کی طرف نسبت کرنا اختصاص پر دلالت کر رہا ہے اور ان دونوں اوصاف کا تقاضا ہے کہ رحم کیا جائے اور عبادی سے کلام کا آغاز ہی عموم مغفرت پر دلالت کرتا ہے۔ اسراف کو انفس عباد کے ساتھ خاص کیا۔ مغفرت کا تو ذکر ہی کیا ہے رحمت سے بھی ناامید ہونے کی ممانعت فرمادی۔ عموم مغفرت کی علت اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا کو قرار دیا۔ بجائے ضمیر کے لفظ اللہ کو صراحۃً ذکر کیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ (بندوں کے گناہوں اور فرماں برداریوں سے مستغنی ہے وہ بہرحال منعم ہے الذنوب کی تاکید جمیعا کے لفظ سے کر دی۔

متعدد احادیث بھی عمومی مغفرت کو بتا رہی ہیں اور اتفاق امت بھی اسی پر ہے۔

مقاتل بن حبان نے بتوسط نافع حضرت ابن عمرؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہم گروہ صحابہ خیال کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہماری ہر نیکی ضرور قبول ہو گی اس کے بعد جب آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ (اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کے فرمان پر چلو اور اپنے اعمال کو بیکار نہ کرو) نازل ہوئی تو ہم اپنے اعمال کو سوا اس کے کہ کبیرہ گناہ کریں اور فواحش کا ارتکاب کریں اور کس طرح باطل کر سکتے ہیں یہ خیال کرنے کے بعد جب ہم کسی کو کوئی کبیرہ گناہ کرتے دیکھتے تو کہتے یہ شخص تباہ ہو گیا اس کے بعد یہ آیت قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا نازل ہوئی تو ہم اپنے دونوں قولوں سے رک گئے اس کے بعد ہم کسی کو کوئی گناہ کرتے دیکھتے تو ہم کو اس کے متعلق (بربادی اعمال کا) خوف ہو جاتا اور اگر کسی نے ارتکاب گناہ نہ کیا ہوتا تو ہم کو اس کے متعلق (قبول اعمال کی) امید ہوتی۔

روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ مسجد میں تشریف لے گئے وہاں ایک واعظ وعظ کہہ رہا تھا اور دوزخ کا اور دوزخ کے طوق و زنجیر کا ذکر کر رہا تھا۔ آپ جا کر اس کے سر کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور کہا اے وعظ کرنے والے لوگوں کو ناامید کیوں کرتا ہے پھر آپ نے آیت قل یعبادی الذین اسرفوا الخ پڑھی۔

حضرت اسماءؓ بنت زید کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ نے پڑھا تھا۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ولا يبالي۔

(یعنی اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو اللہ سب گناہ معاف کر دے گا اور (کسی کے) گناہ کی پرواہ نہیں کرے گا۔ چونکہ روایہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ پڑھ رہے تھے اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ولا یبالی کا لفظ آیت کے اندر داخل ہے۔ رواہ احمد والترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے لیکن شرح السنۃ میں پڑھنے کی بجائے فرمانے کا لفظ آیا (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت لفظ جمیعا پر ختم ہو گئی اور ولا یبالی کا لفظ حضور ﷺ نے آیت کے بعد خود بڑھا دیا یہ لفظ آیت کا جز نہیں ہے)۔

حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو ننانوے آدمیوں کا قتل کر چکا تھا پھر (توبہ کی غرض سے) ایک تارک الدنیا درویش کے پاس گیا اور اس سے (اپنی توبہ کے متعلق) مسئلہ دریافت کیا درویش نے کہا تیرے لئے کوئی توبہ (کی گنجائش) نہیں ہے۔ سائل نے یہ جواب سن کر اس درویش کو بھی قتل کر دیا اس کے بعد لوگوں سے دریافت کرتا پھرا کہ اب میں کس سے مسئلہ پوچھوں ایک شخص نے کہا فلاں بستی میں جاؤ (وہاں ایک بڑا عالم ہے اس سے دریافت کرو حسب ہدایت یہ قاتل اس بستی کی طرف چل دیا لیکن راستہ میں) اس کو موت آ پہنچی لیکن (مرتے مرتے) اس نے اپنا سینہ اس بستی کی طرف اٹھا دیا یعنی بڑھا دیا (اور مر گیا) رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اس شخص کے متعلق اختلاف ہو گیا اللہ نے ایک طرف (یعنی بستی کی طرف) والی زمین کو حکم دیا تو قریب ہو جا اور دوسری طرف والی زمین کو حکم دیا (یعنی جہاں سے

وہ شخص چلا تھا اس زمین کو حکم دیا) تو دور (یعنی لمبی) ہو جا فرشتوں نے (حسب الحکم) دونوں طرف کی زمین کو ناپا اور موازنہ کیا تو بستی کی طرف والی زمین کو ایک بالشت کم پایا پس اس شخص کی مغفرت ہو گئی۔ (متفق علیہ)

مسلم بن حجاج نے بھی یہ حدیث بیان کی ہے اس روایت کے مطابق حدیث کے یہ الفاظ ہیں اس قاتل کو ایک راہب کا پتہ بتایا گیا قاتل نے اس راہب سے جا کر کہا میں نے ننانوے آدمیوں کا قتل کیا ہے کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے راہب نے کہا نہیں اس شخص نے راہب کو بھی قتل کر دیا اس طرح سو کی تعداد پوری ہو گئی پھر لوگوں سے دریافت کیا (اب) اس زمین کے رہنے والوں میں سب سے بڑا کون ہے کسی نے ایک اور عالم کا پتہ بتادیا اس قاتل نے اس عالم سے جا کر کہا میں نے سو قتل کئے ہیں کیا میری توبہ (قبول) ہو سکتی ہے عالم نے جواب دیا ہاں توبہ قبول ہونے میں کون رکاوٹ ڈال سکتا ہے تم فلاں مقام پر جاؤ وہاں کچھ لوگ اللہ کی عبادت میں مشغول ملیں گے تم بھی ان کے ساتھ مل کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جانا اور اب لوٹ کر اپنی بستی کو نہ جانا وہ بری (یعنی گناہوں کی) سرزمین ہے۔ یہ بات سن کر یہ قاتل عالم کی بتائی ہوئی بستی کی طرف چل دیا آدھا راستہ طے کیا تھا کہ موت آپہنچی اس کے متعلق رحمت اور زحمت کے فرشتوں میں اختلاف ہو گیا ایک فرشتہ اپنی صورت بدل کر (ان کا اختلاف دور کرنے کے لئے) آگیا فرشتوں نے اس کو پنچ بنالیا پنچ نے فیصلہ کیا کہ دونوں طرف کی زمین ناپ لو جس طرف کی زمین کم ہو اسی کے حکم میں اس شخص کو داخل کر لو فرشتوں نے زمین کی پیمائش کی تو اس طرف کی زمین کم پائی جہاں (عبادت کے لئے) جانے کا اس نے ارادہ کیا تھا چنانچہ رحمت کے فرشتوں نے اس روح پر قبضہ کر لیا۔

بخاری اور مسلم نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی تھا جس نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی تھی جب مرنے لگا تو اس نے گھر والوں کو وصیت کی کہ مجھے مرنے کے بعد جلاڈالنا پھر جلی ہوئی خاک کو آدھی سمندر میں اور آدھی خشکی میں اڑادینا کیونکہ اگر خدا کا مجھ پر قابو چل گیا تو خدا کی قسم وہ مجھے ایسا عذاب دے گا جو سارے جہان میں کسی کو نہیں دے گا جب وہ شخص مر گیا اور گھر والے وصیت کے مواقف عمل کر چکے تو اللہ نے سمندر کو حکم دیا سمندر نے وہ خاک یکجا کر دی جو اس میں اڑائی گئی تھی اور خشکی کو حکم دیا تو اس نے اپنے اندر کی ساری خاک جمع کر دی پھر اللہ نے اس شخص سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا اس نے جواب دیا اے میرے رب تیرے ڈر سے۔ تو خوب واقف ہے۔ اللہ نے اس کو بخش دیا۔ بغوی نے لکھا ہے ضمضم بن جوش نے کہا میں مدینہ کی مسجد میں داخل ہوا ایک بوڑھے آدمی نے (جس کو میں پہچانتا نہ تھا) مجھے پکار کر کہا اے شخص کسی آدمی سے تو ہرگز یہ نہ کہنا کہ اللہ تیری مغفرت نہ کرے گا اور تجھے جنت میں داخل نہ کرے گا۔ میں نے کہا آپ پر اللہ کی رحمت ہو آپ کون ہیں ان بزرگ نے کہا میں ابوہریرہؓ ہوں میں نے کہا یہ لفظ تو ایسا ہے جو نفرت کے وقت ہر شخص کہتا ہے غصہ ہوتا ہے تو اپنے گھر والوں کو بھی کہتا ہے اور بیوی کو بھی اور خدمتی آدمیوں کو بھی۔ بزرگ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے جو باہم دوست تھے ایک عبادت میں بڑی محنت کرتا تھا اور دوسرا گناہ کرتا رہتا تھا عابد اپنے گناہ گار دوست سے کہتا تھا اب اپنی ان حرکتوں سے باز آجا گناہ گار جواب دیتا تھا میں جانوں اور میرا رب تو مجھے یوں ہی رہنے دے ایک روز عابد نے اپنے دوست کو کسی بڑے گناہ میں مبتلا پایا تو (حسب معمول) کہا اب باز آجا اس نے جواب دیا مجھے یوں ہی رہنے دے کیا تجھے میرا نگراں (محتسب بنا کر بھیجا گیا ہے عابد نے کہا خدا کی قسم اللہ تجھے کبھی معاف نہیں کرے گا اور نہ جنت میں کبھی تجھے داخل کرے گا غرض اللہ کی طرف سے جب ملک الموت نے آکر دونوں کی روحیں قبض کر لیں اور دونوں اللہ کے پاس جمع ہوئے تو اللہ نے اس گناہ گار کو حکم دیا تو میری رحمت سے جنت میں چلا جا اور دوسرے سے فرمایا کیا تو میرے بندوں سے میری رحمت کو روک سکتا ہے بندہ نے کہا نہیں پروردگار (ایسا تو ممکن نہیں) اللہ نے فرمایا اس کو دوزخ میں لے جاؤ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس نے جو بات کہی تھی اسی نے دنیا اور آخرت میں اس کو تباہ کیا۔ امام احمد نے بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے یہ حدیث یوں ہی بیان کی ہے۔

حضرت ثوبان راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے نزدیک دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں اس آیت کے مقابلہ میں

پسند نہیں (سب بیچ ہیں) یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَۃِ اللّٰہِ الخ رواہ احمد بسند حسن وابن جریر والطبرانی فی الاوسط والبیہقی فی شعب الایمان۔ بیہقی کی روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اور جس نے شرک کیا ہو (کیا اللہ اس کو بھی معاف فرمادے گا) حضور ﷺ نے کچھ دیر کے لئے سر جھکا لیا پھر تین بار فرمایا مگر جس نے شرک کیا (اور شرک پر آخر وقت تک قائم رہا اس کی مغفرت نہیں ہوگی)

حضرت جندب راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ایک آدمی نے کہا خدا کی قسم اللہ فلاں شخص کی مغفرت نہیں فرمائے گا۔ اللہ نے فرمایا یہ کون ہے جو میری قسم کھا کر کہہ رہا ہے کہ فلاں شخص کی میں مغفرت نہیں کروں گا میں نے اس شخص کو بخش دیا اور (اے کہنے والے) تیرے اعمال کو اکارت کردیا۔ او کما قال علیہ السلام رواہ مسلم۔ حضرت ابن عباسؓ نے آیت اِلَّا اللَّمَمَ کے متعلق بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ لمم (صغیرہ گناہ یا کبیرہ گناہ جن کو کرنے کے بعد ندامت ہوئی ہو) کو معاف کردے گا سب (گناہوں) کو بخش دے گا (اے اللہ) تیرا کون سا بندہ ہے جس نے ارتکاب گناہ نہیں کیا ہے۔ رواہ الترمذی ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔

حضرت ابوذرؓ کی روایت سے ایک طویل حدیث قدسی آئی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (یعنی اللہ کا فرمان نقل کیا) میں جو کچھ چاہتا ہوں کرتا ہوں میری نوازش کلام ہے اور میرا عذاب بھی کلام ہے کسی چیز کے متعلق اگر میں اس (کو موجود کرنے) کا ارادہ کروں میرا امر بس یہ ہے کہ میں کن (ہوجا) کہہ دوں فوراً وہ چیز ہو جاتی ہے۔ رواہ احمد وابن ماجہ والترمذی۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کے اندر اللہ بعض نیک لوگوں کے درجات (ان کے اعمال سے زیادہ) اونچے کردے گا۔ وہ عرض کریں گے اے رب یہ درجات ہمارے لئے کہاں سے (کیسے) مل گئے اللہ فرمائے گا تیرے لئے تیری اولاد کے دعا مغفرت کرنے سے۔ رواہ احمد۔

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قبر کے اندر مردہ ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی ڈوبنے والا فریادی ہو (جو غرق ہونے سے بچنے کے لئے چلا رہا ہو) وہ انتظار کرتا ہے کہ باپ یا ماں یا بھائی یا کسی دوست کی طرف سے دعا مغفرت اس کو پہنچ جائے یہ دعا اس کو دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ پیاری ہوتی ہے اور زمین کے رہنے والوں کی دعا سے اہل قبور کو اللہ پہاڑوں جیسا ثواب عنایت کرتا ہے۔ زندوں کی جانب سے مردوں کو ہدیہ یہ ہے کہ ان کے لئے دعا مغفرت کی جائے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ اپنے بندے کو ضرور بخش دے گا بشرطیکہ پردہ نہ پڑ جائے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ پردہ کیا فرمایا کسی شخص کا مشرک ہونے کی حالت پر مرجانا۔ رواہ احمد والبیہقی فی کتاب البعث و النشور۔

یہ بھی حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ سے ایسی حالت میں ملے (یعنی ایسی حالت میں مرجائے) کہ دنیا میں کسی چیز کو اس کے برابر نہ قرار دیتا ہو تو خواہ پہاڑوں کے برابر بھی اس کے گناہ ہوں اللہ معاف فرمادے گا۔ رواہ البیہقی فی کتاب البعث والنشور۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی سو رحمتیں ہیں جن میں سے ایک رحمت اللہ نے جن انس چوپایوں اور کیڑوں مکوڑوں کو تقسیم کی ہے اس نازل کردہ رحمت کی وجہ سے یہ آپس میں مہربانیاں اور رحم کرتے ہیں۔ وحشی جانور بھی اسی کی وجہ سے اپنے بچوں کو پیار کرتے ہیں۔ ننانوے رحمتیں اللہ نے اپنے لئے چھوڑ رکھی ہیں وہ رحمتیں قیامت کے دن اپنے بندوں پر مبذول فرمائے گا۔ (متفق علیہ)

حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کچھ قیدی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کئے گئے قیدیوں میں ایک عورت تھی جس کے پستان سے دودھ ٹپک رہا تھا اور وہ (ادھر ادھر) دوڑتی پھر رہی تھی قیدیوں میں جو شیر خوار بچہ اس کو ملتا وہ اس کو لے کر اپنے

پیٹ سے چمٹا لیتی اور دودھ پلاتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچہ کو بھی آگ میں پھینک سکتی ہے (جب کہ وہ دوسروں کے بچوں سے اتنا پیار کر رہی ہے) ہم نے عرض کیا جب تک اس میں طاقت ہوگی وہ اپنے بچہ کو آگ میں نہیں پھینکے گی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تو اللہ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے جتنی یہ عورت اپنے بچہ پر مہربان ہے۔ متفق علیہ۔

حضرت ابو درداءؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر فرما رہے تھے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ یہ میں نے خود سنا تھا۔ میں نے عرض کیا (یا رسول اللہ) خواہ اس نے زنا کی ہو یا چوری کی ہو حضور ﷺ نے دوبارہ یہی آیت پڑھ دی میں نے دوبارہ کہا خواہ اس نے زنا اور چوری کی ہو حضور ﷺ نے تیسری بار یہی آیت پڑھ دی جب میں نے تیسری بار کہا یا رسول اللہ ﷺ خواہ اس نے زنا اور چوری کی ہو تو حضور ﷺ نے فرمایا خواہ ابو درداءؓ کی ناک مٹی میں رگڑ جائے (جب بھی زانی اور سارق کا داخلہ جنت میں ہوگا۔ ناک کا مٹی میں رگڑنا ایک محاورہ ہے یعنی چاہے ابو درداءؓ کیسی ہی ناک زمین پر رگڑے اور کیسا ہی اس کی مرضی کے خلاف ہو تب بھی اللہ کا فیصلہ نہیں بدلے گا) رواہ احمد۔

حضرت عامرؓ کا بیان ہے ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے ایک شخص چادر (یا کمبل) اوڑھے آیا کوئی چیز اس کے ہاتھ میں تھی جو چادر (کے کونے) میں لپٹی ہوئی تھی اس نے عرض کیا میں درختوں کی ایک جھاڑی کی طرف سے گزرا اس کے اندر کسی پرندے کے چوزوں کی آوازیں آرہی تھیں میں نے ان کو پکڑ کر اپنی چادر میں رکھ لیا اتنے میں ان کی ماں آگئی اور میرے سر کے آس پاس گھومنے لگی میں نے چادر ہٹا کر بچوں کو اس کے سامنے کر دیا فوراً وہ بچوں پر ٹوٹ پڑی میں نے سب کو اپنی چادر میں لپیٹ لیا اب وہ سب میرے پاس موجود ہیں حضور ﷺ نے حکم دیا ان کو رکھ دو اس نے (چادر کھول کر) سب کو رکھ دیا مگر بچوں کی ماں بچوں سے چمٹی رہی حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم لوگوں کو تعجب ہو رہا ہے کہ ماں ان بچوں پر کیسی مہربان ہے (کہ بچوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچا کر اڑ نہیں جاتی) قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جتنی ان بچوں کی ماں اپنے بچوں پر مہربان ہے اس سے زیادہ اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ جا ان کو لے جا اور جہاں سے تو نے ان کو پکڑا ہے وہیں لے جا کر رکھ دے حسب الحکم وہ شخص ان سب کو لے گیا۔ رواہ ابو داؤد۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے ہم کسی جہاد میں رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تھے کچھ لوگوں کی طرف سے آپ کا گزر ہوا دریافت فرمایا کون لوگ ہو انہوں نے عرض کیا ہم مسلمان ہیں۔ ان میں ایک عورت بھی تھی جو ہانڈی میں سالن پکا رہی تھی اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا جب کوئی شعلہ اٹھتا تھا تو وہ بچہ کو الگ کر لیتی تھی وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کیا آپ اللہ کے رسول ہیں حضور ﷺ نے فرمایا ہاں کہنے لگی آپ پر میرے ماں باپ قربان کیا اللہ ارحم الراحمین نہیں ہے حضور ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں۔ کہنے لگی کیا ماں جتنی اپنے بچہ پر مہربانی کرتی اس سے زیادہ اللہ اپنے بندوں پر مہربان نہیں ہے۔ فرمایا کیوں نہیں کہنے لگی ماں اپنے بچہ کو آگ میں نہیں ڈالتی یہ سن کر حضور ﷺ اقدس سرنگوں ہوئے اور رونے لگے کچھ دیر کے بعد سر اٹھایا اور فرمایا اللہ اپنے بندوں میں سے صرف اسی کو عذاب دے گا جو اس سے سرکشی کرنے والا ہو اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دے۔ رواہ ابن ماجہ۔

حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس بندہ نے لا الہ الا اللہ (یعنی اقرار توحید کیا) پھر اسی حالت میں مر گیا وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا میں نے عرض کیا خواہ اس نے زنا کی ہو چوری کی ہو فرمایا خواہ اس نے زنا کی ہو چوری کی ہو میں نے کہا خواہ اس نے زنا کی ہو چوری کی ہو فرمایا خواہ اس نے زنا کی ہو چوری کی ہو میں نے پھر کہا خواہ اس نے زنا کی ہو چوری کی ہو فرمایا خواہ اس نے زنا کی ہو چوری کی ہو۔ (وہ ضرور جنت میں جائے گا) اگرچہ ابوذرؓ کتنی ہی ناک زمین پر رگڑے۔ (متفق علیہ)

اس موضوع کی بکثرت احادیث آئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مآل کار مومن جنت میں جائے گا۔ اس لئے معتزلہ کا قول غلط ہے کہ مرتکب کبیرہ مسلمان اگر توبہ نہ کرے تو ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

فرقہ مرجیہ کا قول ہے کہ گناہ چھوٹے ہوں یا بڑے اگر ایمان سالم ہے تو ان سے مومن کو (آخرت میں) کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔ جس طرح کہ کفر کی حالت میں کوئی طاعت سود مند نہیں۔ احادیث مذکورہ سے فرقہ مرجیہ استدلال کرتا ہے مگر ان کا یہ قول غلط ہے اس سے تو ان آیات واحادیث کا انکار لازم آتا ہے جن میں گناہوں کی ممانعت کی گئی اور چھوٹے بڑے گناہوں کو اللہ کی ناراضگی اور عذاب کا سبب بتلایا گیا ہے اس لئے اہل سنت وجماعت ہی کا مسلک حق ہے کہ کفر کی موجودگی میں کوئی طاعت سود مند نہیں کیونکہ ایسی طاعت طاعت ہی نہیں ہے۔ طاعت تو وہی ہے جو خالص اللہ کے لئے ہو اگر خلوص نہیں تو طاعت معصیت ہے۔ ایمان اسی طرح طاعت کی شرط ہے جس طرح وضو نماز کے لئے۔ البتہ معصیت کا ذاتی تقاضا عذاب ضرور ہے لیکن یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے وہ چاہے تو معاصی کو معاف کردے اور معاف کرنا نہ چاہے تو عذاب دے۔ معافی توبہ سے ہو یا رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے یا کسی ولی کی سفارش سے یا محض اللہ کی مہربانی اور رحمت سے۔ اگر گناہ گار مومن کو اللہ عذاب بھی دے گا تو وہ عذاب دوامی نہ ہوگا کیونکہ اللہ نے ہر نیکی کے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ اور ایمان سب سے بڑی نیکی ہے (ہر نیکی کا مدار ایمان پر ہے) اور اللہ کے وعدہ کے خلاف ہونا ناممکن ہے اور مقام ثواب صرف جنت ہے (لامحالہ ہر مومن جنت میں جائے گا عذاب پانے کے بعد یا بغیر عذاب کے) مومن اپنا ایک گناہ بھی ایسا سمجھتا ہے جیسے وہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہو اور پہاڑ اوپر سے گرنے والا ہو اور کافر اپنے گناہوں کو ایسا سمجھتا ہے جیسے ناک پر مکھی بیٹھی ہو اور ہاتھ کے اشارے سے اس کو اڑا دے۔ رواہ البخاری۔

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝

اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو (یعنی شرک سے توبہ کرو) اور (اسلام قبول کرنے میں) اس کی فرماں برداری کرو قبل اس کے کہ تم پر عذاب واقع ہونے لگے (اور) پھر (کسی کی طرف سے) تمہاری مدد نہ کی جائے۔

اسلموالہ اس کی فرماں برداری کرو من قبلکم ان یاتیکم العذاب (حضرت مفسر کے نزدیک) العذاب سے مراد ہے قبر کا عذاب یا قیامت کے دن کا عذاب جب کہ ایمان سود مند نہ ہوگا یعنی قبر کے اندر یا قیامت کے دن عذاب الٰہی میں مبتلا ہونے سے پہلے توبہ کرلو اور فرماں بردار ہو جاؤ کیونکہ اس وقت تمہاری کہیں سے مدد نہیں کی جائے گی۔

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

اور تمہارے رب کی طرف سے جو بہترین ہدایت تمہارے پاس بھیجی گئی ہے اس پر چلو قبل اس کے کہ اللہ کا عذاب ناگہانی تم پر آپڑے اور تم کو خیال بھی نہ ہو (کہ کہاں سے کیا اور کیسے آیا)۔

احسن ماانزل سے مراد ہے قرآن مجید کیونکہ ہر کلام سے بہتر اور اعلیٰ ہے۔ یا عزائم مراد ہیں (یعنی عزائم پر چلو رخصتوں سے فائدہ نہ اٹھاؤ)۔

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۝

(کبھی کل قیامت کے دن) کوئی کہنے لگے کہ افسوس اس کوتاہی پر جو میں نے خدا کی جناب میں کی اور (احکام خداوندی پر) ہنستا ہی رہا۔

ان تقول یعنی ایسا نہ ہو کہ کوئی کہنے لگے نفس میں تنوین تکثیر کے لئے ہے یا تقلیل کے لئے کیونکہ قیامت کے دن ایسا کہنے والے کچھ ہی لوگ ہوں گے۔

حسرت غمگین غم میں پڑ جانا علی مافرطت ما مصدری ہے یعنی تقصیر کوتاہی کرنی فی جنب اللّٰہ یعنی اللہ کی اطاعت میں (حسن) یا اللہ کے معاملہ میں (مجاہد) یا اللہ کے حق میں (سعید بن جبیر) بعض کے نزدیک جنب اللہ سے ذات خدا مراد ہے اور مضاف محذوف ہے یعنی ذات الٰہی کی طاعت میں یا اس کا قرب حاصل کرنے میں میں نے کوتاہی کی۔ بعض نے جنب کا معنی جانب بیان کیا ہے یعنی اس جانب میں نے کوتاہی کی جو مجھے اللہ کی رضامندی تک پہنچا دیتا۔

وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ اِن مخففہ ہے یعنی بلاشبہ میں اللہ کے دین اس کی کتاب اس کے رسول اور مومنوں پر ہنستا تھا۔

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ یا کوئی یہ کہنے لگے کہ اگر (دنیا میں) اللہ مجھے ہدایت کردیتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں سے ہوتا۔

المتقین سے مراد ہیں بچنے والے یعنی شرک اور گناہوں سے بچنے والے۔

اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ یا کوئی عذاب کو دیکھ کر یوں کہنے لگے کہ کاش دنیا میں ایک بار مجھے لوٹ جانا مل جائے تو میں بھی نیک بندوں میں سے ہو جاؤں۔

فاکون من المحسنین نیک عمل مومنوں میں سے ہو جاؤں یعنی قیامت کے دن حیرت سے اس قسم کی باتیں کہنے کی کوئی گنجائش نہ رہے یا اس قسم کی بیکار باتیں نہ کہنے پائے۔

بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ہاں بیشک تیرے پاس میری آیات پہنچی تھیں (مگر) تو نے ان کو جھوٹ سمجھا اور تو نے غرور کیا (اس لئے سرتابی کی) اور کافروں میں شامل رہا۔

یہ آیت گزشتہ آیت لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ کی مکمل تردید ہے کیونکہ سابق آیت میں اگر ہدایت سے راہنمائی مراد ہو تو اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ پیغمبر اور کتاب کے ذریعہ سے اللہ نے راہنمائی تو کردی تھی مگر تو نے سب کی تکذیب کی۔ اس صورت میں لو ان اللہ ھدنی کا مطلب یہ ہوگا کہ میرے پاس کوئی پیغمبر ہی نہیں آیا نہ کسی پیغمبر نے مجھے اللہ کا پیام پہنچایا۔ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن حضرت نوحؑ کو طلب کیا جائے گا اور دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم نے (اپنی امت کو میرا) پیام پہنچادیا تھا حضرت نوحؑ عرض کریں گے جی ہاں پھر انکی امت کو طلب کیا جائے گا اور ان سے دریافت کیا جائے گا کیا تمہارے پاس اللہ کا پیام پہنچا تھا وہ انکار کردیں گے اور کہیں گے ہمارے پاس تو نہ کوئی بشارت دینے والا پہنچا نہ ڈرانے والا۔ ہم نے یہ حدیث آیت وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ الخ اور آیت فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ کی تفسیر کے ذیل میں ذکر کردی ہے۔

اور اگر ہدایت سے تخلیق ہدایت اور منزل مقصود تک پہنچانا مراد ہو تو اس صورت میں لو ان اللہ ھدنی کا یہ مطلب ہوگا کہ میں مجبور تھا اللہ ہی نے مجھے ہدایت نصیب نہیں کی ایمان و طاعت کو اختیار کرنے کی میرے اندر طاقت ہی نہ تھی کیونکہ اللہ نے مجھے اس کی قدرت دی ہی نہ تھی۔ اللہ نے اس آیت (بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ الخ میں اس قول کی تردید کردی اور فرمایا کیوں نہیں ہم نے تو تجھے قدرت دی تھی کہ جس راستہ کو اختیار کرنا چاہے اختیار کرلے اسی پر عذاب ثواب کی عمارت کی بنا ہے لیکن جب میری آیات تیرے پاس پہنچیں تو تو نے اپنے اختیار سے ان کی تکذیب کی۔ اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے کہ بندوں کے افعال میں قدرت خداوندی دخیل اور اثرانداز ہے۔ یہ آیت اہل سنت کے مسلک کے خلاف نہیں ہے۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ اور جن لوگوں نے اللہ پر دروغ بندی کی (یعنی اللہ کو صاحب اولاد مانا یا ان صفات کی اس کی طرف نسبت کی جو اس کی شان کے مناسب نہیں ہیں) تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ ان کے چہرے کالے ہوں گے کیا جو لوگ (ایمان سے روگردانی کرتے ہیں اور) غرور کرنے والے ہیں ان کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے۔

استفہام تقریری ہے یعنی ضرور ان کی یہ حالت نظر آئے گی۔

وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اور جو لوگ (شرک و کفر سے) بچتے تھے ان کو کامیابی کے ساتھ اللہ (جہنم سے) بچالے گا ان کو تکلیف چھوئے گی بھی

نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔
مفازۃ فلاح کامیابی بعض کے نزدیک اس سے مراد ہے نجات کیونکہ سب سے بڑی اور اہم کامیابی یہی ہے بعض کے نزدیک خوش نصیبی اور عمل صالح مراد ہے یہ دونوں کامیابی کے اسباب ہیں مسبب بول کر سبب مراد لیا گیا ہے۔
اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۙ وَّ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ۝ اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔
اللہ خالق یعنی خیر شر ایمان کفر سب کا وہی خالق ہے۔ اس جملہ کا اتصال سابق آیت اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ سے ہے اور درمیان میں تمام جملے معترضہ ہیں۔
وکیل یعنی تمام چیزیں اسی کی سپردگی میں ہیں اور وہی سب کا نگراں اور محافظ ہے۔
لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اسی کے قبضہ میں ہیں کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی۔
مقالید مقلا دیا مقلید کی جمع ہے جیسے مفتاح کی جمع مفاتح اور مندیل کی جمع منادیل ہے۔ یعنی آسمانوں کے اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں سارا جہان اسی کی ملک ہے۔ کوئی بھی اس کے سوا ان خزانوں میں تصرف نہیں کر سکتا۔
قتادہ اور مقاتل نے کہا مقالید سے مراد ہے رزق اور رحمت۔ کلبی نے کہا مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ سے مراد ہیں بارش کے خزانے اور (مقالید الارض سے مراد ہیں) سبزے کے خزانے۔ حضرت عثمانؓ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے مقالید کی تفسیر پوچھی حضور ﷺ نے فرمایا اس کی تفسیر ہے لا اله الا هو واللّٰه اكبر و سبحان اللّٰه و بحمده واستغفر اللّٰه ولا حول ولا قوة الا باللّٰه هو الاول والأخر والظاهر والباطن بيده الخير يحيى ويميت وهو على كل شئ قدير۔
حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے ابو یعلی نے مسند میں اور ابن ابی حاتم نے تفسیر اور عقیلی نے الضعفاء میں اور طبرانی نے الدعاء میں اور بیہقی نے الاسماء والصفات میں یہ حدیث ذکر کی ہے اور ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں درج کیا ہے۔ [لہ]
میں کہتا ہوں شاید حدیث کا یہ مطلب ہے کہ جن صفات خداوندی کا مذکورہ الفاظ میں بیان کیا گیا ہے وہ صفات مقالید (کنجیاں) ہیں یعنی جو ذات ان صفات سے موصوف ہے وہی آسمان و زمین کے سارے خزانوں کی مالک ہے اسی کے قبضہ میں سب کی حکومت ہے اور وہی ان خزانوں میں تصرف کر سکتا ہے اور جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے اور اللہ کی ان صفات کا ذکر کرتا ہے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے لئے دنیا میں یا آخرت میں ان خزانوں کے دروازے کھول دیئے جائیں۔
وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ اور جو لوگ اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے وہ بڑے خسارے میں رہیں گے۔ آیات اللہ سے مراد ہیں کلمات تمجید و توحید یا قرآن مجید یا اللہ کی قدرت مستقلہ کے نشانات وعلامات۔

لہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی حضرت عثمانؓ کا سوال اور حضور ﷺ کا یہی جواب منقول ہے یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی آئی ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ جو شخص صبح شام یہ دعا دس دس مرتبہ پڑھے گا اللہ اس کو چھ باتیں عطا فرمائے گا۔ ابلیس اور اس کے لشکر سے اس کی حفاظت فرمائے گا۔ جنت کے اندر اس کو قنطار (ذخیرہ ثواب) عنایت فرمائے گا۔ فراخ چشم حوروں کو اس کی زوجیت میں دے دے گا۔ اس کے گناہ بخش دے گا۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہوگا۔ مرنے کے وقت بارہ فرشتے اس کے پاس آئیں گے اور اس کو حق کی بشارت دیں گے اور قبر سے موقف حساب تک اس کو عزت کے ساتھ لے جائیں گے قیامت کے دن اگر اس کو کچھ خوف ہوگا تو فرشتے کہیں گے تو کسی چیز کا اندیشہ نہ کر تو بلاشبہ با امن رہے گا پھر اللہ اس کا حساب آسانی کے ساتھ لے گا پھر اس کو جنت میں لے جانے کا حکم دے دیا جائے گا فرشتے موقف حساب سے جنت تک اس کو اس طرح عزت سے لے جائیں گے جس طرح دلہن کو لے جایا جاتا ہے آخر اس کو بحکم خدا جنت میں داخل کر دیں گے باقی سارے لوگ شدت میں مبتلا ہوں گے۔

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ وہی خسارہ پانے والے ہیں خسارہ کو کافروں میں ہی محصور کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کافروں کے علاوہ دوسروں کو رحمت و ثواب کا کچھ حصہ ضرور ملے گا اگر دنیوی آسائش و نعمت سے وہ محروم بھی ہوں تب بھی آخرت میں دنیوی نعمتوں کا عوض ان کو ضرور حاصل ہوگا اور ایسی نعمتیں ملیں گی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوں گی نہ کسی کان نے ان کا ذکر سنا ہوگا (اور نہ کسی کے دل میں ان کا خیال آیا ہوگا) رہے کافر تو دنیا میں ان کو رزق اور رحمت کے خزانوں میں سے جب حصہ مل جاتا ہے تو شکر کا کوئی حصہ ان کو نہیں ملتا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رحمت کا کوئی حصہ آخرت میں ان کو نصیب نہ ہوگا اور دنیا میں یہ خوش نصیبیاں آخرت میں ان کے لئے وبال بن جائے گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس آیت کا ربط سابق آیت وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا سے ہو اور درمیان کے جملے معترضہ ہوں اور یہ جتانا مقصود ہو کہ اللہ اپنے بندوں کے احوال کا نگران ہے ان کے افعال و اعمال سے پورا پورا واقف ہے اور سب کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ اسلوب ادا کا تغیر اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ اہل ایمان کی فلاح اللہ کے فضل پر موقوف ہے اور کافروں کی ناکامی ان کے کفر سے وابستہ ہے اس میں وعدہ ثواب کی صراحت کر دی گئی ہے اور وعید عذاب کو درپردہ بیان کر دیا گیا۔

طبرانی اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ کو اتنا مال دینے کی پیش کش کی کہ آپ مکہ میں سب سے زیادہ مالدار ہو جائیں اور یہ بھی درخواست کی کہ جس عورت کو آپ پسند کریں ہم اس کو آپ کی زوجیت میں دیدیں گے شرط یہ ہے کہ ہمارے معبودوں کو برا کہنے سے زبان روک لیں اور برے لفظوں سے ان کا ذکر نہ کریں اگر آپ کو یہ منظور نہ ہو تو ایسا کیجئے کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پوجا کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں حضور ﷺ نے فرمایا میں اس کا جواب اس وقت دوں گا جب میرے پاس میرے رب کی طرف سے کوئی وحی آجائے میں وحی کا انتظار کروں گا اس پر سورہ قل یاایہا الکفرون آخر تک نازل ہوئی اور آیت ذیل بھی نازل ہوئی۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ آپ (ان کے جواب میں) کہہ دیجئے کہ اے جاہلو کیا پھر بھی تم مجھ کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کا مشورہ دیتے ہو بیہقی نے دلائل میں حسن بصری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا محمد تم اپنے باپ دادا کو گمراہ قرار دیتے ہو اس پر آیت مذکورہ من الشکرین تک نازل ہوئی۔

بغوی نے مقاتل کا بیان نقل کیا ہے کہ مکہ کے کافروں نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے آباء و اجداد کے مذہب پر واپس آنے کی دعوت دی تھی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

افغیر میں ہمزہ انکاری ہے اور ف کا عطف محذوف پر ہے اور غیر اعبد کا مفعول ہے اور امرونی جملہ معترضہ ہے محل انکار غیر اللہ کا لفظ ہے اس لئے فعل پر اس کو مقدم کر دیا گیا ہے (یعنی اہمیت کی وجہ سے مفعول کو فعل سے پہلے ذکر کر دیا) مطلب اس طرح ہوگا کیا میں کفر کروں اور غیر اللہ کی عبادت کروں تم مجھے (اس کا) مشورہ دے رہے ہو۔

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾ اور آپ کی طرف بھی اور جو پیغمبر آپ سے پہلے گزرے ہیں ان کی طرف بھی یہ وحی بھیج دی گئی ہے کہ (اے عام مخاطب) اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا سب غارت ہو جائے گا یہ کلام مبنی بر فرض ہے اس سے مراد ہے کافروں کو ناامید کرنا اور امت کو درپردہ متنبہ کرنا۔ اسی آیت کی روشنی میں ہم کہتے ہیں کہ مرتد ہو جانے سے تمام گزشتہ نیکیوں کا ثواب ساقط کر دیا جاتا ہے جس طرح اسلام تمام سابق گناہوں کو ڈھا دیتا ہے اسی طرح ارتداد ساری گزشتہ نیکیوں کو اکارت کر دیتا ہے۔

اگر کوئی شخص مرتد ہونے کے بعد مسلمان ہو گیا اور ایسے وقت مسلمان ہوا کہ نماز کا وقت باقی ہے تو ارتداد سے پہلے اگرچہ بحالت اسلام وہ اس وقت کی نماز پڑھ چکا ہو پھر بھی دوبارہ اس کو اس وقت کی نماز پڑھنی لازم ہے۔ (سابق نماز کالعدم

ہو گئی) اسی طرح اگر پہلے حج فرض کر چکا ہے پھر مرتد ہو گیا اور دوبارہ پھر مسلمان ہو گیا تو اس کو دوبارہ حج فرض کرنا ہو گا۔ کذا قال الامام ابن الہمام۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ حبط اعمال کا حکم شاید انبیاء کے لئے مخصوص ہو کیونکہ انبیاء کا شرک کرنا امت کے شرک کے مقابلہ میں بہت ہی برا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ ارتداد سے اعمال سابقہ کا حبط اس وقت ہو گا جب ارتداد کی حالت میں ہی مر جائے۔ دوسری آیت میں اس کی صراحت آگئی ہے فرمایا ہے وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ تم میں سے جو شخص اپنے دین سے لوٹ جائے گا پھر کافر ہونے کی حالت میں ہی مر جائے گا تو اس کے (گزشتہ نیک) اعمال ناکارہ ہو جائیں گے۔

بیضاوی نے کہا یہ قول غلط ہے ارتداد سے گزشتہ نیکیوں کے حبط ہو جانے کی انبیاء کے ساتھ خصوصیت بدترین تصور ہے کیونکہ کلام کی بناء محض فرض محال پر ہے اور (مقصود خطاب حقیقت میں امت ہے اور) امت ہی کو تنبیہ کرنا اصل غرض ہے انبیاء کی شان میں تو شرک کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا) رہی آیت مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ الخ تو اس سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ اگر مرتد کی موت کفر کی حالت میں نہ ہو تو اس کی سابق نیکیاں اکارت نہیں جائیں گی اس آیت میں ضرور حبط اعمال کو موت علی الکفر کے ساتھ مقید کیا گیا ہے لیکن آیت مندرجہ صدر میں مرتد کے حبط اعمال کی کوئی قید نہیں لگائی گئی اور کوئی ضرورت نہیں کہ مطلق کو بھی ہم مقید قرار دیں مطلق اپنے اطلاق پر باقی رہے گا۔

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ (غیر اللہ کی پوجا نہ کر) بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرنا کافروں نے رسول اللہ ﷺ کو جو مشورہ دیا تھا یہ اس کی تردید ہے۔ اللہ کو فاعبد سے پہلے ذکر کرنا مفید حصر ہے۔

وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر گزار رہنا۔ یعنی اللہ نے جو انعام تجھ پر کیا ہے اس کا شکر ادا کر۔

ترمذی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک یہودی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے گزرا اور بولا ابو القاسم جب اللہ آسمانوں کو اس (انگلی) پر اور زمینوں کو اس پر اور سمندروں کو اس پر اور پہاڑوں کو اس پر رکھے گا تو تمہارا کیا خیال ہے (وہ پھر کیا کرے گا) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾ اور ان لوگوں نے اللہ کی ایسی عظمت نہیں کی جیسی عظمت اس کے لائق تھی قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہو گی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے وہ ان لوگوں کی شرک آفرینیوں سے پاک اور برتر ہے۔

یعنی ان لوگوں نے عظمت الٰہی کو ویسا نہیں جانا جیسا عظمت کا حق تھا۔ (جیسی عظمت ہونی چاہئے تھی) کہ دوسروں کو اس کا شریک قرار دیا اور ان صفات کا حامل اس کو مانا جو اس کی شان کے لئے نازیبا ہیں نہ اس کی اس طرح عبادت کی جس طرح کرنی چاہئے تھی اور نہ اس کی نعمتوں کا ویسا شکر کیا جیسا کرنا لازم تھا اور مرنے کے بعد دوبارہ جی کر اٹھنے کا انکار کر دیا۔

والارض جمیعا یعنی ساتوں زمینیں تمام اندرونی اور بیرونی اجزاء کے ساتھ۔

قبضتہ قبضہ ایک بار قبض کرنا اس سے مراد ہے وہ چیز جو مٹھی میں بند ہو (مصدر بمعنی اسم مفعول) یا مضاف محذوف ہے یعنی اس کے قبضہ والی چیز ہیں۔

یہ آیت متشابہات میں سے ہے جس کی حقیقی مراد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس سے مقصود ہے اللہ کی عظمت عالیہ اور قدرت کاملہ پر تنبیہ کرنا اور یہ جتانا کہ وہ عظیم الشان کام جہاں انسانی فہم حیرت میں پڑ جاتی ہے اللہ کے لئے آسان ہیں اس کی قدرت سے باہر نہیں اور اس سارے جہان کی توڑ پھوڑ اس کے لئے دشوار نہیں۔

علماء بلاغت کہتے ہیں کہ یہ کلام بطور تمثیل و تخییل ہے نہ حقیقی معنی مراد ہیں نہ مجازی جیسے عرب کہتے ہیں۔

شابت لمة اللیل رات کے گیسو سفید ہو گئے۔

آیت کے نزول کی وجہ یہ ہے کہ یہودی نے جب آسمانوں کے اور زمینوں اور پہاڑوں وغیرہ کے سلسلہ میں ایک بات کہی تھی تو یقیناً وہ توریت سے ہی نقل کی تھی اس آیت میں اس کی تصدیق کر دی گئی اللہ کی کتابیں باہم تصدیق ہی کرتی ہیں ایک دوسری کی تکذیب نہیں کرتیں۔ صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت حدیث مذکور میں ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے کہ ایک یہودی عالم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا محمد قیامت کے دن اللہ آسمانوں کو ایک انگلی پر روک لے گا اور زمینوں کو ایک انگلی پر اور پہاڑوں اور درختوں کو ایک انگلی پر اور پانی اور ثری (نمناک مٹی جو زمین کی تہ میں ہے) کو ایک انگلی پر اور باقی مخلوق کو ایک انگلی پر پھر ان کو حرکت دے گا اور فرمائے گا میں ہوں بادشاہ میں ہوں اللہ اس عالم کے قول پر تعجب کرتے ہوئے اس کی تصدیق کے لئے حضور ﷺ مسکرا دیئے پھر آپ ﷺ نے پڑھا وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ الخ ترمذی اور صحیحین کی حدیثوں میں بظاہر تعارض ہے (ترمذی کی روایت میں ہے کہ یہودی کے بیان کے بعد آیت مذکورہ نازل ہوئی اور صحیحین کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی عالم کے بیان کے بعد حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی) دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ یہودی کے بیان کے بعد آیت نازل ہوئی اور آپ نے یہودی کے سامنے اسی وقت پڑھ دی۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ زمین کو مٹھی میں لے لے گا اور آسمان کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر فرمائے گا (آج) میں بادشاہ ہوں زمین کے بادشاہ کہاں ہیں۔

مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑ کر فرمائے گا کہاں ہیں زبردست طاقتوں والے کہاں ہیں غرور کرنے والے پھر زمینوں کو لپیٹ کر اپنے بائیں ہاتھ (دوسری روایت میں بائیں کی جگہ دوسرے کا لفظ آیا ہے) میں لے کر فرمائے گا میں ہوں (آج) بادشاہ کہاں ہیں زبردست طاقتوں والے کہاں ہیں غرور کرنے والے۔ ابوالشیخ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ آسمانوں کو اور ساتوں زمینوں کو اپنی مٹھی میں سمیٹ کر فرمائے گا میں ہوں اللہ میں ہوں رحمان میں ہوں بادشاہ میں (تمام عیوب سے) پاک ہوں میں امن دینے والا ہوں میں نگران ہوں میں غالب ہوں میں بہت بڑی طاقت والا ہوں میں بڑائی والا ہوں میں نے ہی دنیا کو ابتداء میں پیدا کیا جب کہ وہ کچھ بھی نہ تھی اور میں ہی اس کا اعادہ کر رہا ہوں (آج) بادشاہ کہاں ہیں (اور) بڑی طاقتوں والے کہاں ہیں۔

قاضی عیاض نے کہا قبض طی اور اخذ تینوں کا معنی اکٹھا کرنا (اس وقت) آسمان پھیلے ہوئے ہیں زمین بھی بچھی ہوئی ہے پھر ان الفاظ کا معنی ہو گیا۔ اٹھانا ہٹانا بدل ڈالنا۔ قرطبی نے کہا طے سے مراد ہے فنا کر دینا۔

ابن ابی حاتم نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے (پہلے مخلوق کی) گنتی کی اور آسمان و زمین و ملائکہ کی تخلیق پر غور کیا جب اس سے فراغت ہو گئی تو اللہ کا اندازہ کرنے لگے اس پر آیت وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ نازل ہوئی سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ یہودیوں نے رب کی صفات میں کلام کیا اور صفات کے متعلق ایسی باتیں کہیں جن کا نہ ان کو علم تھا نہ انہوں نے اللہ کی ان صفات کو دیکھا تھا اس پر آیت وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ نازل ہوئی۔

ابن المنذر نے بروایت ربیع بن انس بیان کیا ہے کہ جب آیت وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ نازل ہوئی تو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جب یہ کرسی ایسی (وسیع) ہے تو عرش کی کیا کیفیت ہو گی اس پر آیت وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ الخ نازل ہوئی۔

سبحانہ وتعالیٰ یعنی جس ذات کی ایسی (ہمہ گیر) قدرت ہے وہ ان مشرکوں کی شرک آفرینیوں سے بہت دور اور بالا ہے یا یہ مطلب ہے کہ شرک کی جو نسبت اس کی طرف کی جاتی ہے اس سے وہ پاک اور برتر ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا

هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۞ اور (قیامت کے دن) صور میں پھونک ماری جائے گی تو فوراً تمام آسمان والوں اور زمین والوں کے ہوش اڑ جائیں گے مگر جس کو خدا چاہے گا (وہ بیہوشی سے محفوظ رہے گا) پھر اس (صور) میں دوبارہ پھونک ماری جائے گی تو دفعتہً سب کے سب (قبروں سے نکل کر) کھڑے ہو جائیں گے اور (چاروں طرف) دیکھنے لگیں گے۔

ونفخ یعنی پہلی بار صور میں پھونک ماری جائے گی۔

فصعق تو آسمان وزمین والے سب بیہوش ہو جائیں گے یعنی مر جائیں گے۔

اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ بیہوشی کی حالت سے کون مستثنیٰ ہوگا اس کی تفصیل ہم نے سورہ نمل کی آیت وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ کی تفسیر میں کردی ہے۔

حسن نے کہا من شاء اللّٰہ سے تنہاذات الٰہی مراد ہے۔

فاذاهم قیام تو یکدم لوگ قبروں سے نکل کر کھڑے ہو جائیں گے اور حیرانی کے ساتھ ہر طرف نظر گھما کر دیکھیں گے یا ینظرون کا یہ مطلب ہے کہ وہ انتظار کریں گے کہ آئندہ ہمارے متعلق کیا حکم صادر ہوگا اور ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

دونوں مرتبہ صور پھونکے جانے میں چالیس روز کا فصل ہوگا سورہ والنازعات میں ہم نے اس موضوع کی حدیثیں نقل کردی ہیں۔

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۞ اور زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا جائے گی اور (ہر ایک کا) اعمال نامہ (اس کے سامنے) رکھ دیا جائے گا اور پیغمبروں کو اور گواہوں کو لایا جائے گا اور انصاف کے ساتھ سب کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور (کسی پر) ظلم نہیں کیا جائے گا۔

واشرقت الارض یعنی میدان قیامت کی زمین روشن ہو جائے گی۔

بنور ربها اپنے خالق کے نور سے۔ بغوی نے لکھا ہے جب اللہ بندوں کا فیصلہ کرنے کے لئے جلوہ فرما ہوگا تو جس طرح کھلے ہوئے آسمان پر چمکتے سورج کو دیکھنے میں کوئی شبہ نہیں ہوا اسی طرح نور رب کو دیکھنے میں لوگوں کو کوئی شبہ نہیں ہوگا۔

حسن بصری اور سدی نے کہا نور رب سے مراد ہے عدل وانصاف عدل سے آبادیوں کی زینت اور اظہار حقوق ہوتا ہے (اور نور سے بھی مقامات کا حسن اور انکشاف اشیاء ہوتا ہے) جیسے ظلم کو تاریکی کہا جاتا ہے) اسی طرح عدل کو نور قرار دیا گیا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ظلم (نہ بہ تہ بہت سی) تاریکیاں ہو جائے گا۔ متفق علیہ من حدیث ابن عمر۔

ووضع الکتاب یعنی ہر شخص کے ہاتھ میں اس کا اعمال نامہ رکھ دیا جائے گا۔ بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام اعمال نامے عرش کے نیچے ہیں (جب موقف ہوگا (یعنی قیامت کے دن حساب فہمی کے لئے لوگوں کو ایک میدان میں کھڑا کیا جائے گا تو اللہ ایک ہوا بھیجے گا جو اعمال ناموں کو اڑا کرائے گی اور دائیں بائیں ہاتھوں میں ان کو پہنچادے گی۔ اعمالناموں میں سب سے پہلی تحریر یہ ہوگی (اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (اپنا اعمالنامہ پڑھ لے تو ہی آج اپنا محاسبہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ ابو نعیم نے حضرت ابن مسعودؓ کی موقوف روایت سے اور دیلمی نے حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت سے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن مومن کے اعمال نامہ کا عنوان ہوگا۔ حسن ثناء الناس۔

وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ سیوطی کا قول ہے کہ علماء نے کہا کہ حساب انبیاء کی موجودگی میں ہوگا (یعنی انبیاء کے سامنے حساب فہمی ہوگی) ابن مبارک نے سعید بن مسیب کا قول نقل کیا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ صبح شام رسول اللہ ﷺ کے سامنے آپ کی امت کو نہ لایا جاتا ہو آپ ان کی صورتوں کو اور ان کے اعمال کو پہچان لیتے ہیں اسی لئے قیامت کے دن ان کے متعلق

شہادت دیں گے۔
والشھداء حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ یعنی رسول اللہ ﷺ کی امت والے پیغمبروں کی طرف سے شہادت دیں گے کہ انہوں نے (اپنی امتوں کو) احکام خداوندی پہنچادیے تھے۔ عطاء نے کہا الشہداء سے مراد ہیں اعمال نامے لکھنے والے فرشتے اسی پر دلالت کرتی ہے۔ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ۔
وَقُضِيَ بینھم یعنی بندوں کے درمیان بالحق انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔
وھم لا یظلمون یعنی کسی کی بدیاں بڑھائی نہیں جائیں گی اور نہ کسی کی نیکیاں گھٹائی جائیں گی۔

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ ع ۷

اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ (اللہ) سب کے کاموں کو (بغیر کسی کے خبر دیئے خود ہی) خوب جانتا ہے۔ عطاء نے کہا مراد یہ ہے کہ بندوں کے افعال کا اللہ خود عالم ہے سب اعمال کو جانتا ہے اس کو نہ کسی کاتب کی ضرورت ہے نہ گواہ کی۔ یہ اعمال نامے اور گواہ تو حسب عادت کافروں کے جرائم ثابت کرنے کے لئے ہوں گے۔
آئندہ آیت میں اعمال کا پورا پورا بدلہ دینے کی تفصیل فرمائی۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ

اور ہنکائے جائیں گے کافر جہنم کی طرف گروہ گروہ۔
زمرا یعنی متعدد متفرق ٹولیاں ایک کے پیچھے دوسری گمراہ ہونے کے درجات کے لحاظ سے جماعت بندی اور ترتیب ہوگی۔ ابو عبیدہ اور اخفش نے کہا زمر، زمرہ کی جمع ہے زمر کا معنی ہے آواز جماعت کے اندر بھی کچھ آوازیں ہوتی ہی ہیں اسی مناسبت کی وجہ سے زمر سے زمرہ کو مشتق کیا گیا اس جگہ زمر سے مراد ہیں ایک فرقہ کی مختلف ٹولیاں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ زمرہ (آدمیوں کی چھوٹی جماعت) شاة زمرة سے ماخوذ ہو کم بالوں والی بکری کو زمرہ کہا جاتا ہے اور رجل زمر کم مروت والے آدمی کو کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے کم تعداد والی جماعت کو بھی زمرہ کہا جاتا ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ

یہاں تک کہ جب جہنم پر پہنچیں گے تو جہنم کے دروازے (ان کے لئے) کھول دیئے جائیں گے اور دوزخ کے کارندے ان سے کہیں گے کیا تمہارے پاس تم میں سے بھی پیغمبر نہیں پہنچے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور تم کو اس دن (یعنی اس وقت) کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے۔
حتی اذا جاء وھا یعنی جہنم میں داخل کیے جانے کے لئے جب کافر جہنم پر پہنچیں گے تو دوزخ کے ساتوں دروازے جو پہلے بند ہوں گے ان کے لئے کھول دیئے جائیں گے۔
وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا اور جھڑکی کے ساتھ توبیخ کرتے ہوئے دوزخ کے کارندے ان سے کہیں گے۔
منکم تم میں سے یعنی تمہاری نوع میں سے۔
یومکم ھذا یوم سے مراد ہے دوزخ میں داخل ہونے کا وقت۔
بیضاوی نے (مسلک شافعی کو ثابت کرنے کے لئے) کہا آیت میں دلیل ہے اس امر کی کہ شریعت آنے سے پہلے کوئی شخص (توحید کا بھی) مکلف نہیں ہے جب ہی تو دوزخ کے کارندے پیغمبروں کے پہنچنے اور احکام الٰہیہ پہنچا دینے کو اپنے زجر و توبیخ کے لئے علت کے لئے ذکر کریں گے۔
میں کہتا ہوں اس آیت سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ اگر پیغمبر نہ پہنچیں (اور کتب الٰہیہ کا علم نہ ہو) تو شرک کرنے پر عذاب نہ ہوگا بلکہ آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کے کارندے ڈانٹ کر کہیں گے کہ جب تمہارے پاس پیغمبر بھی پہنچ گئے اور

اللہ کا کلام انہوں نے تم کو پڑھ کر سنا بھی دیا تھا اور تمام حجتیں پوری ہو گئی تھیں تو پھر تم کیوں ایمان نہیں لائے اور کیوں شرک سے باز نہ آئے بات یہ ہے کہ احکام خداوندی کو جاننے کے لئے اگرچہ تنہا عقل کافی نہیں لائے اور کیوں شرک سے باز نہ آئے بات یہ ہے کہ احکام خداوندی کو جاننے کے لئے اگرچہ تنہا عقل کافی نہیں ہے لیکن اللہ کے ایک ہونے پر دلالت کرنے والے براہین فطرت تو موجود ہیں اور ان دلائل فطرت کی روشنی میں عقل توحید خداوندی کو جاننے کے لئے کافی ہے پھر اس کے ساتھ جب اللہ نے پیغمبروں کو بھی بھیج دیا اور کتابیں بھی نازل کر دیں اور طریق حق بالکل واضح کر دیا تو اب کسی طرح شرک و کفر کی معذرت کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی۔

قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ وہ کہیں گے (پیغمبر آئے) کیوں نہیں لیکن عذاب کا وعدہ کافروں پر پورا ہو کر رہا۔ یعنی کافروں کے متعلق اللہ کا کلمہ عذاب اور بدبختوں کے لئے حکم ازلی پورا ہو کر رہا۔

الکافرین کا لفظ صراحۃً بجائے ضمیر کے ذکر کرنے سے یہ امر معلوم ہوا کہ اس حکم کی خصوصیت کافروں کے ساتھ ہو گی۔

قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ کہا جائے گا جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ (اور) ہمیشہ اس میں رہو تکبر کرنے والوں کا (یعنی اللہ کے احکام کے مقابلہ میں تکبر کرنے والوں کا) وہ برا ٹھکانا ہے۔

قِيْلَ ادْخُلُوْٓا جو بات کافروں سے کہی جائے گی وہ بڑی ہولناک ہو گی اس لئے کہنے والے کا نام مبہم رکھا صراحت سے ذکر نہیں کیا۔

اَلْمُتَكَبِّرِيْنَ الف لام جنسی ہے اور فبئس میں ف سببی ہے آیت سے در پردہ یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ جہنم کافروں کا ٹھکانا صرف اس وجہ سے ہو گا کہ حق کے مقابلہ میں انہوں نے تکبر کیا تھا (اور حق کو حقیر سمجھ کر قبول نہیں کیا تھا)

ایک شبہ: اوپر کی آیت میں تو یہ صراحت کی تھی کہ کافروں کا دوزخ میں داخلہ محض اس وجہ سے ہو گا کہ اللہ کا ازلی حکم عذاب پورا ہو جائے گا کافروں کو عذاب دینے کا جو وعدہ اللہ نے پہلے سے کر لیا ہے اس کا پورا ہونا ضروری ہو گا اس لئے کافروں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا لیکن اس آیت سے معلوم تھا کہ کافروں کا دوزخ میں داخلہ تکبر کی وجہ سے ہو گا۔

ازالہ: کافروں کا تکبر اور ساری گناہ گاریاں ازلی وعدہ کے سبب سے ہی ہوتی ہیں وعدہ عذاب کی وجہ سے ہی کافر حق کو حقیر سمجھ کر اس سے روگرداں ہوتے ہیں اس لئے دونوں آیتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک طویل حدیث بیان کرتے ہوئے اس میں فرمایا کہ اللہ جس بندہ کو جنت کے لئے پیدا کرتا ہے اس سے اہل جنت کے کام کراتا ہے یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں مر جاتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور جس بندہ کو دوزخ کے لئے پیدا کرتا ہے اس سے دوزخیوں کے عمل کراتا ہے یہاں تک کہ وہ دوزخیوں کے عمل پر ہی مر جاتا ہے اور دوزخ میں چلا جاتا ہے۔ رواہ مالک وابوداؤد والترمذی۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝

اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے وہ گروہ گروہ ہو کر جنت کی طرف روانہ کئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ اس جنت کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے پہلے سے کھلے ہوئے ہوں گے اور وہاں کے محافظ (فرشتے) ان سے کہیں گے سلام علیکم کہ تم مزے میں رہو اور اس جنت میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا یعنی جنت کی طرف متقیوں کو تیزی کے ساتھ چلایا جائے گا تاکہ مقام عزت تک ان کو جلد

پہنچادیا جائے بعض علماء نے کہا اہل جنت کی سواریوں کو جنت کی طرف جلد ہنکایا جائے گا کیونکہ جنت میں ان کا داخلہ سوار ہونے کی حالت میں ہی ہوگا۔

زُمَرًا گروہ گروہ بنا کر جیسا جس کا درجہ ہوگا اسی درجہ کے گروہ میں اس کو شامل کیا جائے گا۔

وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا یہ جملہ حالیہ ہے یعنی جس وقت وہ جنت پر پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھلے ہوئے ملیں گے۔ یہ اہل جنت کا اعزاز ہوگا کہ دروازے کھلنے کا انتظار نہ کرنا پڑے۔

سلم علیکم تم پر سلامتی کا نزول ہو یعنی کبھی کوئی ناگوار امر تم پر نہ آئے۔

طبتم یعنی گناہوں کے میل کچیل سے پاک صاف ہو۔ یہ پاکیزگی یا تو اس وجہ سے ہوگی کہ انہوں نے کبھی کوئی (قابل مواخذہ) گناہ کیا ہی نہ ہوگا یا اس وجہ سے ہوگی کہ اللہ نے بغیر عذاب دیئے ان کے گناہ معاف کردیئے ہوں گے یا سزا دے کر ان کو پاک کردیا ہوگا۔ قتادہ نے کہا جب اہل جنت دوزخ کی مسافت طے کر کے گزر جائیں گے تو جنت سے پہلے ان کو ایک پل پر روک لیا جائے گا تا کہ وہ آپس کے حقوق کا بدلہ باہم چکا سکیں جب ایک دوسرے سے اپنے حق کا بدلہ لے چکے گا اور سب صاف ستھرے اور پاک ہو جائیں گے تو رضوان اور اسکے ساتھی (بطور استقبال) کہیں گے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ۔

حضرت علیؓ نے فرمایا جب ان (اہل جنت) کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا اور وہ جنت کے دروازے پر پہنچ جائیں گے تو دروازہ کے پاس ان کو ایک درخت ملے گا جس کے نیچے سے دو چشمے رواں ہوں گے ایک چشمہ میں مومن نہائے گا تو بیرونی جسم کی طہارت ہو جائے گی اور دوسرے چشمہ کا پانی پئے گا تو اندرونی طہارت بھی حاصل ہو جائے گی۔ فرشتے جنت کے دروازے پر اس کا استقبال کریں گے اور کہیں گے۔

زجاج نے کہا طِبْتُمْ کا یہ مطلب ہے کہ تم دنیا میں شرک اور معاصی کی گندگیوں سے پاک تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تمہارا (یہ) مقام پاک ہے۔

فَادْخُلُوْهَا اس جملہ میں ف سببی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا پاک ہونا ہی جنت میں داخل ہونے اور وہاں ہمیشہ رہنے کا سبب ہوگا اس کی توجیہات وہی ہوں گی جو کفر کے سبب کافروں کے دوزخ میں داخل ہونے کی کی گئی تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ کے قول پر یہ توجیہ ہوگی کہ جنت چونکہ پاک مقام ہے اس لئے اہل جنت کی قیام گاہ ہونے کی اسی میں صلاحیت ہے۔

خلدین یعنی جنت کے اندر ہمیشہ رہنا تمہارے لئے مقرر کردیا گیا ہے۔[1]

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ اور وہ کہیں گے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہم کو اس سرزمین کا مالک بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ یعنی کارگزاران جنت جب مومنوں سے کہیں گے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ تو وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور جنت کے اندر وہ نعمتیں پائیں گے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوں گی نہ کسی کان نے سنی ہوں گی نہ کسی کے دل

[1] حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص راہ خدا میں اپنے مال کا جوڑا دے گا (یعنی ایک قسم کی دو چیزیں) اس کو جنت کے دروازوں سے (اندر آنے کے لئے) پکارا جائے گا اور جنت کے (متعدد) دروازے ہیں جو اہل صلوٰۃ میں سے ہوگا اس کو باب الصلوٰۃ سے پکارا جائے گا اور جو اہل صوم میں سے ہوگا اس کو باب الریان سے پکارا جائے گا اور جو اہل صدقہ میں سے ہوگا اس کو باب الصدقہ سے بلایا جائے گا اور جو اہل جہاد میں سے ہوگا اس کو باب الجہاد میں سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا کوئی ایسا بھی ہوگا جس کو تمام دروازوں سے پکارا جائے فرمایا ہاں مجھے امید ہے کہ تم ان لوگوں میں سے ہوگے۔ (از مفسر قدس سرہ)

میں ان کا تصور آیا ہو گا اور کہیں گے اللہ کا شکر ہے۔ الخ

وعدہ یعنی جنت میں داخلہ کا وعدہ خداوندی اور ان پوشیدہ چیزوں کے عطا کا وعدہ جن کو دیکھنے سے خنکی چشم حاصل ہو گی۔

وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ یعنی زمین جنت کا ہم کو مالک بنادیا اوارث بنانے سے مراد ہے مالک بنا دینا۔

نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ یعنی ہم میں سے ہر ایک کے حصہ میں جو (الگ الگ) وسیع جنت آئی ہے اس جنت کے اندر وہ جس جگہ چاہے قیام پذیر ہو سکتا ہے اور اگر انبیاء اور دوسرے اونچے درجات والوں کی ملاقات کی خواہش ہو تو وہ بھی آسانی سے میسر آسکتی ہے۔ طبرانی ابو نعیم اور ضیاء نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ آپ مجھے اپنی جان اور اہل وعیال سے بھی زیادہ پیارے ہیں میں گھر میں ہوتا ہوں اور آپ کی یاد آتی ہے تو جب تک آپ کے پاس آکر آپ کا دیدار نہ کرلوں مجھے صبر نہیں آتا لیکن جب مجھے اپنے مرنے اور آپ کے وفات پانے کا خیال آتا ہے اور جانتا ہوں کہ آپ جنت میں داخل ہو کر انبیاء کے ساتھ ہوں گے اور میں اگر جنت میں داخل ہوا تو مجھے ڈر ہے کہ آپ کو نہ دیکھ پاؤں گا (تو دل میں بڑی بے چینی پیدا ہو جاتی ہے) حضور ﷺ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک کہ جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان انبیاء صدیقین شہداء اور صالح لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ کا انعام ہو گا یہ سب بہت اچھے ساتھی ہوں گے۔

فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ غرض (نیک) عمل کرنے والوں کا اچھا بدلہ ہے۔

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ (حساب کے وقت) عرش کے گرداگرد حلقہ باندھے ہوں گے (اور) اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہوں گے اور تمام بندوں میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ ساری خوبیاں اللہ کو زیبا ہیں جو سارے جہان کا رب ہے۔

حَآفِّيْنَ گھیرے ہوئے حلقہ بنائے ہوئے۔

يُسَبِّحُوْنَ فرشتوں کی یہ تسبیح تسبیح عبادت نہ ہو گی عبادت کا حکم تو اس وقت ساقط ہو چکا ہو گا بلکہ تسبیح تلذذ ہو گی فرشتے اس تسبیح سے لذت اندوز ہوں گے۔

بَيْنَهُمْ یعنی مخلوق کے درمیان۔

بِالْحَقِّ انصاف کے ساتھ یعنی مومنوں کو جنت میں اور کافروں کو دوزخ میں داخل کرنے کا حکم دیدیا جائے گا۔

بعض اہل تفسیر نے بینھم کی تفسیر ملائکہ کی طرف راجع کی ہے یعنی ملائکہ کو ان کے مراتب کے مطابق مقامات پر کھڑا کیا جائے گا کسی کی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔

وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ جب اللہ کا وعدہ پورا ہو جائے گا اور مومن بہشت میں چلے جائیں گے تو بطور شکر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہیں گے۔

بعض علماء کا قول کہ جب اللہ اپنے دوستوں کو جنت میں اور دشمنوں کو دوزخ میں داخل کر دے گا تو ملائکہ بطور شکر یہ جملہ کہیں گے۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر رات (سورہ) بنی اسرائیل اور (سورہ) زمر پڑھتے تھے رواہ الترمذی و النسائی والحاکم۔

سورۃ الزمر کی تفسیر یکم رمضان ۱۲۰۷ھ کو ختم ہوئی۔ انشاء اللہ سورۂ مومن کی تفسیر اس کے بعد آئے گی۔

سورۃ المومن

یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی اس میں ۸۵ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بغوی نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا قرآن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے اہل وعیال کی غرض سے (ریگستان بیابان میں) آب وگیاہ کی تلاش میں نکلا ہو تلاش کرتے کرتے اس کو کسی جگہ بارش کے نشانات مل گئے وہ برابر چلتا رہا اور تعجب کرتا رہا کہ یہاں بارش کی علامات کیسی ہیں۔ اچانک ایک نرم زمین میں اس کو کچھ باغات دکھائی دیئے اور وہ نشیب میں اتر کر باغات میں پہنچ گیا اور کہنے لگا مجھے تو بارش کے نشانات دیکھ کر ہی تعجب ہوا تھا ان باغوں کا وجود تو بہت تعجب آفریں ہے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا بارش کی مثال تو قرآن مجید ہے اور قرآن میں جو حٰم ہیں وہ شاداب زمین کے باغوں کی طرح ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا جب میں حٰم (پڑھنے) میں مشغول ہوتا ہوں تو (گویا) باغوں میں تفریح کرتا ہوں۔

بغوی نے اپنی سند سے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہر چیز کا ایک مغز ہوتا ہے اور قرآن کا مغز قول (موقوفاً) نقل کیا ہے کہ حٰم والی سورتیں قرآن کی زینت ہیں۔

حٰمٓ ① حروف مقطعات کی بحث پہلے گزر چکی ہے بغوی نے سدی کا قول نقل کیا ہے کہ حم اللہ کا اسم اعظم ہے عکرمہؓ سے منقول ہے کہ الرحمٰن (مرکب ہے اس) کے حروف مقطعہ الر حم ن ہیں۔ سعید بن جبیر اور عطاء خراسانی نے کہا حم (سے اللہ کے اسماء کی طرف اشارہ ہے اس) کی ح آغاز ہے اللہ کے اسماء حکیم حمید حی اور حیان کا اور م آغاز ہے ملک مجید منان کا۔ کسائی نے کہا حم سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ ہونے والا ہے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے کسائی کے اس قول میں گویا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حم کا مطلب ہے۔ حم۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ② غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِي الطَّوْلِ ؕ یہ کتاب اللہ کی طرف سے اتاری گئی ہے جو زبردست ہے ہر چیز کا جاننے والا ہے گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے سخت سزا دینے والا ہے قدرت والا ہے۔

تنزیل الکتب یہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئی کتاب ہے۔

العزیز جو اپنی حکومت میں غالب ہے۔

العلیم یعنی اپنی مخلوق کو جاننے والا ہے۔ قرآن مجید کا اعجاز اور اس کا پر حکمت ہونا اللہ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر دلالت کر رہا ہے شاید اسی وجہ سے تنزیل الکتب کے بعد اللہ کی ان دو صفتوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا۔

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ یعنی اہل ایمان کے گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ توب تاب یتوب کا مصدر ہے بعض کے نزدیک توبۃ کی جمع ہے جیسے دومۃ کی جمع دوم اور حومۃ کی جمع حوم آتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرمایا جو لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہے اس کے گناہ بخشنے والا ہے اور جو لا

اله الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه کا قائل ہے اس کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ غافر الذنب اور قابل التوب دونوں فقروں میں اضافت معنوی ہے (اگرچہ صیغہ صفت کی اضافت اس کے معمول یعنی مفعول کی طرف دونوں جگہ ہو رہی ہے مترجم) کیونکہ مغفرت ذنوب اور قبول توبہ کا کوئی خاص زمانہ (ماضی یا مستقبل) مراد نہیں ہے بلکہ اللّٰہ کی صفت استمراری مراد ہے۔

دونوں فقروں کے درمیان واؤ عاطفہ (جو جمعیت پر دلالت کرتا ہے) لانا دلالت کر رہا ہے کہ اللّٰہ کی ذات میں دونوں صفتیں جمع ہیں یا یوں کہا جائے کہ کچھ لوگ مغفرت گناہ اور قبول توبہ کو ایک ہی چیز خیال کرتے ہیں اور یہ بات صحیح نہیں ہے اس لئے دونوں صفتوں میں تغایر ظاہر کرنے کے لئے حرف عاطف ذکر کر دیا (کیونکہ اصل ضابطہ یہی ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ہونی چاہئے۔ مترجم) یا یوں کہو کہ اللّٰہ کی ان دو صفتوں کا ظہور الگ مواقع پر ہوتا ہے۔ مومن جس نے توبہ نہ کی ہو (اور بغیر توبہ کے مر جائے) اللّٰہ اس کے لئے غافر الذنب ہے یعنی اس کے گناہ پر (قیامت کے دن) پردہ ڈال دینے والا اس کے گناہ کو (مخلوق کی نظروں سے) پوشیدہ رکھنے والا ہے۔ غفر کا لغوی معنی ہے پردہ ڈالنا چھپا دینا اور جس نے توبہ کرلی ہو اس کی توبہ قبول کرنے والا ہے گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث مرفوع ہے ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے اور حکیم نے حضرت ابیؓ کی روایت سے اور ابن النجار نے حضرت علیؓ کی روایت سے اور ابن عساکر و بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔[1]

اس تفسیر پر توبہ نہ کرنے والے (مومن) کی مغفرت کا جواز آیت سے ثابت ہو جائے گا۔

شدید العقاب یعنی جو لا اله الا اللّٰه کا قائل نہ ہو اس کو سخت عذاب دینے والا ہے۔

ذی الطول مجاہد نے طول کا ترجمہ کیا ہے وسعت اور غنا قتادہ نے ترجمہ کیا نعمتیں بعض نے کہا ذی الطول یعنی قدرت

---

[1] یزید بن عاصم کی روایت ہے کہ ایک شامی شخص بڑا بہادر تھا حضرت عمرؓ اس کو اس کی بہادری کی وجہ سے کچھ سمجھتے تھے (یعنی پاس لحاظ کرتے تھے) کچھ مدت کے بعد وہ غائب ہو گیا حضرت عمرؓ نے لوگوں سے اس کے متعلق استفسار کیا آپ کو جتلایا گیا کہ وہ اس مدت میں مسلسل شراب خوری میں منہمک رہا۔ حضرت عمرؓ نے کاتب کو طلب فرمایا اور حکم دیا لکھو عمر بن خطاب کی طرف سے فلاں شخص کے نام میں تمہارے سامنے حمد کرتا ہوں اللّٰہ کی جس کے سوا کوئی اور قابل عبادت نہیں۔ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ (گناہوں کو بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب دینے والا بڑی قدرت و نعمت والا۔ اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے) پھر آپ نے دعا کی اور حاضرین کو بھی دعا کرنے کا حکم دیا کہ اللّٰہ اس کو توفیق دے کہ وہ دل سے توبہ کرے اور اللّٰہ اس کی توبہ قبول فرمائے۔ جب یہ خط اس کو پہنچا تو وہ خط پڑھنے لگا۔ غافر الذنب اللّٰہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ وہ میرا قصور معاف فرما دے گا وقابل التوب اللّٰہ نے مجھ سے میری توبہ قبول کرنے کا وعدہ فرمایا) شدید العقاب اللّٰہ نے مجھ کو اپنے عذاب سے ڈرایا ہے ذی الطول اور طول خیر کثیر کو کہتے ہیں الیہ المصیر وہ شخص بار بار یہ آیت پڑھتا تھا اور مذکورہ الفاظ کہتا تھا اور روتا تھا آخر اس نے گناہ سے توبہ کرلی اور اچھی توبہ کی (پھر وہ گناہ نہیں کیا) حضرت عمرؓ کو جب اس کی اطلاع ملی تو فرمایا تم لوگ بھی ایسا ہی کیا کرو جب دیکھو کہ تمہارے بھائی کے قدم راہ راست سے پھسلنے لگے ہیں تو اس کو سیدھا کر دو اور اس کو نرمی سے سمجھاؤ اور اللّٰہ سے دعا کرو کہ اس شخص کو توبہ کی توفیق عطا فرما دے اور اس کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بن جاؤ۔ قتادہ کا بیان ہے کہ مدینہ میں ایک جوان بڑا عبادت گزار تھا حضرت عمرؓ کو بھی اس سے محبت تھی اتفاقاً وہ مصر چلا گیا وہاں جا کر بگڑ گیا اور ہر طرح کی بدی میں پڑ گیا) کسی بدی سے اس کو گریز نہیں رہا۔ حضرت عمرؓ کے پاس اسکا کوئی گھر والا آیا تو آپ نے اس سے جوان کے متعلق دریافت کیا اس شخص نے جواب دیا مجھ سے اس کا حال نہ پوچھیے حضرت عمرؓ نے فرمایا کیوں اس شخص نے کہا وہ نوجوان تو بگڑ گیا اور اوباش ہو گیا حضرت عمرؓ نے اس کو ایک تحریر بھیجی عمرؓ کی طرف سے فلاں شخص کے نام حٰمٓ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ آخر تک اس جوان نے تحریر پڑھی اور بار بار پڑھتا رہا۔ آخر کار اللّٰہ سے توبہ کی اور بخیر آ گیا۔ اسحاق سبیعی راوی ہیں کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا امیر المومنین میں قتل کر چکا ہوں کیا میرے لئے توبہ کی گنجائش ہے آپ نے اس کے سامنے آیت حم تنزیل الکتب من اللّٰہ العزیز العلیم غافر الذنب قابل التوب تلاوت فرمائی اور فرمایا عمل کر ناامید نہ ہو۔

والا حسن نے کہا فضل والا۔ بعض اہل تفسیر نے کہا ہے کہ غافر الذنب اور قابل التوب اور شدید العقاب یہ تینوں بدل ہیں صفات نہیں ہیں اور تینوں میں اضافت لفظیہ ہے جو مفید تعریف نہیں ہوتی اس قول پر کہنا پڑے گا کہ ذی الطول بھی بدل ہے صفت نہیں ہے کیونکہ اگر صفت قرار دیا جائے گا تو صفت پر بدل کا تقدم لازم آئے گا جو جائز نہیں ہے۔ زمخشری اور بیضاوی نے لکھا ہے کہ العزیز العلیم کی یہ سب صفات ہیں اور سب میں اضافت حقیقیہ ہے (جو مفید تعریف ہوتی ہے) اور جب سب کے اندر حقیقی اضافت ہے تو شدید العقاب میں بھی اضافت حقیقیہ ہی مانی جائے تھا اس کو بدل قرار دینے سے ترتیب عبارت میں بگاڑ آجائے گا۔

زجاج نے کہا شدید العقاب بدل ہے صفت نہیں ہے صاحب مدارک کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے اس صورت میں ذی الطول کو بدل کہا جائے گا یہ بھی صفت نہ ہو گا۔

معنی کے لحاظ سے بیضاوی کا قول زیادہ وزنی ہے کیونکہ یہ سب توابع ہیں اور ان معانی کو بتارہے ہیں جو ان کے متبوع کے اندر ہیں ان صفات کو ذکر کرنے کا مقصد اللہ کی تعریف اور ترغیب و ترہیب ہے اور مقصود بالنسبت کی طرف مائل کرتا ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں لہٰذا اسی کی عبادت میں کامل طور پر منہمک ہو جانا چاہئے۔ صاحب مدارک نے لکھا ہے یہ بھی ذی الطول کی طرح صفت ہی ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ استینافیہ ہے (ماقبل کی صفت نہیں ہے)۔

اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ۝ اسی کی طرف منتقل ہونا ہے پس وہ ہی نافرمانوں اور اطاعت گزاروں کو عذاب ثواب دے گا۔

مَا یُجَادِلُ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اللہ کی آیات میں جھگڑا نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو کافر ہیں۔

یعنی اللہ کی آیات کی تکذیب کر کے ان کو دفع کرنے میں یا آیات میں تناقض (اور اختلاف) ثابت کرنے میں یا آیات متشابہات کی ایسی تاویلیں کرنے میں جو آیات محکمات یا متواتر احادیث کے خلاف ہیں۔

عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے کچھ لوگوں کو قرآن میں بحث کرتے سنا تو فرمایا تم سے پہلے کی امتیں اسی وجہ سے تباہ ہوئیں کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کے بعض حصوں کو دوسرے حصوں سے لڑایا حالانکہ اللہ کی کتاب اس طور پر نازل ہوئی تھی کہ ہر حصہ دوسرے حصہ کی تصدیق کرتا تھا تم لوگ قرآن کے بعض حصوں کی دوسرے حصوں کے ذریعہ سے تکذیب نہ کرو اگر کچھ جانتے ہو تو کہہ دو نہیں جانتے تو اس شخص کے سپرد کر دو جو عالم ہو۔ رواہ البغوی۔

مسلم کا بیان ہے کہ عبداللہ بن عمرو یعنی عمرو بن شعیب کے دادا نے کہا ایک روز میں دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا حضور ﷺ نے دو آدمیوں کو ایک آیت (کے مفہوم اور مضمون) میں اختلاف کرتے سنا تو ہماری طرف نکل کر تشریف لائے اس وقت چہرہ مبارک سے غصہ کی علامت دکھائی دے رہی تھی فرمایا تم سے پہلے کے لوگ کتاب میں اختلاف کرنے کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئے۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔ رواہ البغوی بیہقی نے شعب الایمان میں اور طیالسی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ ابوداؤد اور حاکم نے حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ جب (شروع میں) اللہ نے محقق طور پر بتادیا کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے تو اس کے بعد جو لوگ اس میں جھگڑا کرتے اور حق کو باطل کے ذریعہ سے مغلوب اور کمزور کرنا چاہتے ہیں ان کے کافر ہونے کی صراحت کر دی (بیضاوی کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ قرآن میں اس لئے جھگڑا کرتے ہیں کہ حق کو مغلوب کر دیں اور قرآن کو جھوٹ ثابت کریں ان کے کافر ہونے کی صراحت فرمائی ہے) جدال اس غرض سے بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن کے اصل مطلب کی گرہ کھل جائے قرآن کی عبارت سے حقائق کا استنباط کیا جائے اور جو کج رو لوگ قرآن کی آیات سے اپنا غلط مطلب اخذ کرتے ہیں اور قرآن پر طعن کرتے ہیں ان کے باطل خیالات

اور غلط استخراجات کی تردید ہو جائے اگر جدال ان اغراض کے لئے ہو تو ممنوع نہیں بلکہ عبادت عظیم ہے۔ لہ یہ حقیقت میں جدال فی القرآن ہی نہیں ہے (جدال تو صرف اسی صورت میں ہوگا جس کا بیان صدر کلام میں کر دیا گیا ہے) اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے حدیث مذکور میں جدالا بصورت تنکیر فرمایا اور اسی کو کفر قرار دیا۔

فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ④ سو (ان (کافروں) کا شہروں میں (امن وامان سے) چلنا پھرنا آپ کو اشتباہ میں نہ ڈالے۔

یعنی اللہ نے جو ان کو ڈھیل دے رکھی ہے کہ دنیا کی کمائی خوب کر رہے ہیں اور بلاد شام و یمن میں نفع بخش تجارتیں کرنے کے لئے چکر لگاتے رہتے ہیں۔

ابن حاتم نے بروایت سدی ابو مالک کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حارث بن قیس سہمی کے متعلق ہوا۔ آیت کا مقصد یہ ہے کہ ان لوگوں کی تجارتی آزادی سے تم کو دھوکہ نہ کھانا چاہئے عنقریب ان کی پکڑ ہو جائے گی جیسے گزشتہ کافروں کی ہوئی تھی۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ ۖ وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ⑤

ان سے پہلے قوم نوح نے اور ان کے بعد دوسرے گروہوں نے بھی (پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا اور ہر امت (کے کافروں) نے (اپنے) پیغمبر کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا تھا اور ناحق جھگڑے برپا کئے تاکہ اس ناحق سے حق کو باطل کر دیں آخر میں نے ان کو دھر پکڑا (سو دیکھ لو میری طرف سے (ان کو) کیسی سزا ہوئی۔

وَالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ یعنی قوم نوح کے بعد وہ کافر امتیں جو پیغمبروں کے خلاف جتھ بند ہو گئے اور مقابلہ پر آگئے جیسے قوم عاد و ثمود مطلب یہ ہے کہ انہوں نے نوح کی بھی تکذیب کی اور دوسرے پیغمبروں کی بھی۔

لِيَأْخُذُوهُ حضرت ابن عباسؓ نے اس کا ترجمہ کیا تاکہ وہ اپنے پیغمبر کو قتل کر دیں اور ہلاک کر دیں بعض علماء نے ترجمہ کیا تاکہ پیغمبر کو گرفتار کر لیں عرب قیدی کو اخید (یعنی پکڑا ہوا گرفتار) کہتے ہیں۔

بِالْبَاطِلِ یعنی باطل قول کے ذریعہ سے جیسے انہوں نے کہا تھا۔

مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (تم تو بس ہم جیسے ہی آدمی ہو) وَلَوْ لَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ (اور ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے گئے) أَوْ نَرٰى رَبَّنَا (یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں)۔

لید حضوا تاکہ ڈگمگا دیں اور باطل کر دیں۔

فاخذتھم سو ان کو سزا دینے کے لئے میں نے ان کو دھر پکڑا یعنی ہلاک کر دیا۔

فکیف کان عقاب سو دیکھ لو میری طرف سے ان کو کیسی سزا ملی۔ تم لوگ ویران کھنڈروں سے گزرتے ہو اور ان کے نشانات دیکھتے ہو۔

کیف سے استفہام تقریری ہے اور تعجب دلا رہا ہے۔

وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ أَصْحٰبُ النَّارِ ⑥

اور اسی طرح تمام کافروں پر آپ کے رب کا یہ قول ثابت ہو چکا ہے کہ وہ لوگ آخرت میں دوزخی ہوں گے۔

لہ صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ یہ جدال آیات جس کی مذمت کی گئی ہے ان آیات سے تعلق رکھتا ہے جس میں تقدیر وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے اہل کلام، اہل بدعت اور رائے پرستوں کے درمیان ان آیات میں جدال کیا جاتا ہے آیات احکام اور ابواب حلال و حرام میں اختلاف کی ممانعت نہیں ہے یہ اختلاف تو صحابہؓ میں تھا اور بعد کو آنے والے علماء کے درمیان بھی ہوتا رہا ہے اس کا مقصد صرف حقیقت مسئلہ کا انکشاف اور حق تک رسائی ہوتا ہے اپنے حریف پر غالب آجانے کا جذبہ کار فرما نہیں ہوتا۔

وکذلک یعنی جس طرح دنیا میں کافروں کو ہلاک کرنا لازم تھا اسی طرح آخرت میں ان پر فرمان عذاب واجب ہو چکا تھا، یا یہ مطلب ہے کہ جس طرح گزشتہ کافر امتوں پر فرمان عذاب پورا ہوا اسی طرح آپ کی امت میں سے جو لوگ کافر ہیں ان پر قول عذاب پورا ہوگا۔

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ اور جو (فرشتے) عرش خداوندی کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرداگرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں۔

من حولہ یعنی عرش کا طواف کرنے والے۔ حاملین عرش اور طوافین تمام ملائکہ کے سردار ہیں انہیں کو کروبی کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حاملین عرش کے ٹخنوں سے زیر قدم (یعنی تلوے) تک پانچ سو سال کی مسافت (کے بقدر فاصلہ) ہے۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ ان کے قدم زمینوں کی انتہائی حد تک قائم ہیں اور آسمان ان کی کمر تک آتے ہیں (یعنی ان کا نصف اعلیٰ آسمانوں سے پار ہے) اور وہ (ہر وقت کہتے ہیں۔ سبحان ذی العزة والجبروت سبحان ذی الملک والملکوت سبحان الحی الذی لایموت سبوح قدوس رب الملئکة والروح میسرہ بن عبدویہ نے کہا ان کے قدم سب سے نچلی زمین میں ہیں اور ان کے سر عرش کو پھاڑ رہے ہیں (یعنی عرش کے اوپر ہیں) اور سب خشوع کی حالت میں ہیں نگاہ اوپر نہیں اٹھاتے اور ساتویں آسمان والوں سے زیادہ (اللہ کی ہیبت و جلال سے) خوف زدہ ہیں اور ساتویں آسمان والے چھٹے آسمان والوں سے زیادہ ترساں ہیں اور چھٹے آسمان والے اپنے (نیچے) متصل آسمان والوں کے مقابلہ میں زیادہ خائف ہیں۔ مجاہد نے کہا ملائکہ اور عرش کے درمیان نور کے ستر پردے ہیں۔ محمد بن منکدر نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اجازت دی گئی ہے کہ حاملین عرش میں سے (کسی ایک فرشتہ کی (کچھ) حالت بیان کروں اس کے کان کی لو سے کاندھے تک سات سو برس کی راہ کے برابر فاصلہ ہے۔ رواہ ابوداؤد والضیاء بسند صحیح۔ حضرت جعفر بن محمد نے اپنے والد کے حوالہ سے دادا کا قول نقل کیا ہے کہ عرش کے پایوں میں سے ایک پائے کی دوسرے پائے سے مسافت اتنی ہے جتنی تیز اڑان والے پرندے کی تین ہزار برس کی راہ طیران، عرش کے روزانہ ستر ہزار رنگ کے نور کے لباس پہنائے جاتے ہیں وہ نور ایسا ہے کہ کوئی مخلوق اس کی طرف نہیں دیکھ سکتی۔ اللہ نے تمام مخلوق کو عرش کے اندر ایسا پیدا کیا ہے جیسے بیابان میدان کے اندر کوئی چھلا پڑا ہو۔ مجاہد نے کہا ساتویں آسمان اور عرش کے درمیان ستر ہزار (حجاب (ترتیب دار) ہیں ایک نور کا حجاب پھر تاریکی کا حجاب پھر نور کا حجاب پھر تاریکی کا حجاب۔ وہب بن منبہ نے کہا عرش کے گرد فرشتوں کی ستر ہزار قطاریں ہیں قطار در قطار قطار کے پیچھے قطار۔ سب عرش کا طواف کر رہے ہیں۔ (کبھی یہ سامنے آتے ہیں کبھی وہ آتے ہیں جب ایک دوسرے کے سامنے آتا ہے تو ایک لا الہ الا اللہ کہتا ہے اور دوسرا اللہ اکبر کہتا ہے۔ ان سے پچھلی صف والوں کو جب اگلی صف والوں کی تہلیل و تکبیر کی آواز سنائی دیتی ہے تو وہ بلند آواز سے کہتے ہیں۔ سبحانک وبحمدک مااعظمک واجلک انت اللہ لا الہ غیرک انت الاکبر الخلق کلھم راجعون الیک ملئکہ صف بستہ کھڑے ہیں ان کے ہاتھ گردنوں کی طرف ہیں اور کاندھوں پر رکھے ہوئے ہیں ان کی بھی ستر ہزار قطاریں ہیں ان سے پیچھے ملائکہ کی ایک لاکھ قطاریں ہیں جو دست بستہ ہیں بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھے ہوئے ہیں اور ہر ایک تسبیح و تحمید میں مشغول ہے ان میں سے ہر فرشتے کے دونوں بازوؤں کے درمیان تین سو برس کی راہ کے بقدر دوری ہے اور کان کی لو سے کاندھے تک چار سو برس کی مسافت کے برابر فاصلہ ہے۔ جو ملائکہ عرش کے گرداگرد ہیں ان کے اور اللہ کے درمیان ستر حجاب آگ کے ستر حجاب تاریکی کے ستر حجاب نور کے ستر حجاب سفید موتی کے ستر حجاب یاقوت سرخ کے ستر حجاب زمرد سبز کے ستر حجاب برف کوہی کے ستر حجاب پانی کے اور ستر حجاب اولوں کے حائل ہیں اور کچھ ایسی چیزیں حائل ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا حاملین عرش اور حوالی عرش والوں کی صورتیں مختلف ہیں۔ کسی کا چہرہ بیل کا، کسی کا شیر کا کسی کا گدھ کا اور کسی کا آدمی کے جیسا ہے ہر ایک کے چار بازو ہیں دو پنکھ تو چہرے پر اس ڈر سے رکھے ہوئے ہیں کہ عرش کی طرف نگاہ نہ اٹھ جائے اور وہ بیہوش ہو جائے دو بازو نیچے کی طرف (عاجزی کی وجہ سے) گرائے ہوئے ہیں اور سوا

تسبیح و تحمید تکبیر اور تمجید کے ان کا کوئی کلام نہیں۔

یسبحون یعنی اللہ کی تمام صفات جلالی و جمالی بیان کرتے اور تمام اوصاف کا ذکر کر کے اس کی ثناء کرتے ہیں۔

بحمد ربہم بیضاوی نے لکھا ہے کہ تسبیح کو اصل اور حمد کو حال اس لئے قرار دیا کہ حمد تو ملائکہ کی حالت کا مقتضاہی ہے تسبیح مقتضاء حال نہیں ہے۔

وَيُؤْمِنُونَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ

اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے اس طرح استغفار کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب تیری رحمت اور علم ہر چیز کو شامل ہے پس ان لوگوں کو جنہوں نے (شرک و کفر) سے توبہ کر لی اور تیرے راستہ پر چلے بخش دے اور ان کو جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ اے ہمارے رب اور دوامی جنتوں میں ان کو داخل فرما جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔

ویومنون بہ یعنی وہ دل سے مانتے ہیں کہ اللہ ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ رہے گا تمام چیزوں کا خالق ہے ایک ہے بے نیاز ہے نہ کسی کا باپ ہے نہ بیٹا اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

اللہ نے ملائکہ کی فضیلت اور عظمت کے اظہار کے لئے ان کے مومن ہونے کی صراحت کی اور اس طرف اشارہ کیا کہ بندگی عاجزی اور ایمان بالغیب کے لحاظ سے فرشتے بھی دوسری مخلوق کی طرح ہیں وہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کی کوئی اولاد نہیں اس لئے کافروں کا یہ عقیدہ صحیح نہیں کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اس سے فرقہ مجسمہ کے قول کی بھی تردید ہو گئی جو اللہ کا جسم قرار دیتے ہیں۔

شہر بن حوشب نے کہا عرش کو اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں چار کہتے ہیں سبحانک اللھم وبحمدک لک الحمد علی حلمک بعد علمک (اے اللہ ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں اور تیری حمد کرتے ہیں تو حمد کا مستحق ہے اس بنا پر کہ باوجود جاننے کے تو حلم سے کام لیتا ہے اور چار کہتے ہیں سبحانک اللھم وبحمدک لک الحمد علی عفوک بعد قدر تک (تو مستحق حمد ہے اس بات پر کہ باوجود قدرت رکھنے کے تو در گزر کرتا ہے)

شہر بن حوشب نے کہا گویا بنی آدم کے گناہوں کو وہ فرشتے دیکھتے ہیں (اس لئے اللہ کے حلم اور عفو کی ثنا کرتے ہیں

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اس آیت میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ فرشتوں کا آدمیوں کے ساتھ ایمان میں مشترک ہونا آدمیوں کی خیر خواہی اور شفقت کا موجب ہے۔ اگرچہ فرشتوں اور آدمیوں کا جنس میں اختلاف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمانی اشتراک سب سے زیادہ قوی رابطہ ہے اللہ نے فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ

ربنا یعنی وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب۔

وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ الخ یعنی تیری رحمت اور علم ہر چیز کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے عموم رحمت و علم کو پر زور بیان کرنے کے لئے طرز ادا کو الٹ دیا اور چونکہ اصل مقصد (علم کی وسعت نہیں بلکہ) رحمت ہے اس لئے علم پر رحمت کو مقدم کیا۔

فاغفر۔ ف سببیہ ہے وسعت رحمت سبب مغفرت ہے (اعمال موجب مغفرت نہیں ہیں۔ مترجم)

تابوا یعنی کفر چھوڑ کر اسلام کی طرف لوٹ آئے۔

وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ سبیل سے مراد دین الٰہی ہے جس کی تبلیغ کے لئے پیغمبروں کو بھیجا گیا تھا۔

وقہم اور ان کو محفوظ رکھ اغفر کے لفظ میں جہنم سے بچانا اجمالاً آگیا لیکن دعا مغفرت کو پختہ کرنے کے لئے اس لفظ میں طلب حفاظت کی صراحت فرما دی۔ مطرف نے کہا مومنوں کے سب سے زیادہ خیر خواہ ملائکہ ہیں اور سب سے زیادہ کھوٹے اور منافق شیاطین ہیں۔

عدن یعنی (دوامی) سکونت [1]

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ؕ اور ان کے ماں باپ اور اہل و عیال کو
بھی جو (جنت میں داخل ہونے کی) صلاحیت رکھتے ہوں بہشت میں داخل فرمادے صلاح سے مراد غالباً (درستیٔ اعمال نہیں بلکہ) ایمان ہے ہر مومن خواہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب (اور فاسق) ہو جنت میں داخل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اللہ جس کو بغیر عذاب کے (یا خفیف عذاب کے بعد) بخشنا چاہے گا بخش دے گا اگر صلاح سے مراد مکمل عقائد کی صحت اور اعمال و افعال کی درستی ہو تو پھر ایسے صالحین تو اَلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ میں داخل ہی ہیں (الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی)

بغوی نے بروایت سعید بن جبیر بیان کیا کہ مومن جب جنت میں داخل ہوگا تو وہاں پوچھے گا میرا باپ کہاں ہے میری ماں کہاں ہے میرے بچے کہاں ہیں میری بی بی کہاں ہے (فرشتہ جواب دے گا انہوں نے آپ کے جیسے اعمال نہیں کیے تھے (اس لئے یہاں نہیں پہنچ سکے) مومن کہے گا میں تو جو نیک عمل کرتا تھا وہ اپنے لئے بھی کرتا تھا اور ان کے لئے بھی۔ حکم ہوگا ان کو بھی (اس کے ساتھ) جنت میں داخل کردو۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت میں صلاح سے مراد صرف ایمان ہے۔ حدیث کی روایت اگرچہ موقوف ہے (کسی صحابی کی روایت کی صراحت نہیں ہے) لیکن (آخرت کے واقعات سے تعلق رکھنے کی وجہ سے) مرفوع کے حکم میں ہے۔

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۙ﴿۸﴾ بلاشبہ تو زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

العزیز سب پر غالب کوئی اس کے ارادے کو رد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

الحکیم وہی عمل کرنے والا جو اس کی حکمت و مصلحت کا مقتضی ہو وعدہ کو پورا کرنا بھی اسی میں شامل ہے۔

وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۹﴾

اور (قیامت کے دن) ان کو (ہر طرح کی) تکلیفوں سے بچا اور تو نے جس کو اس روز برائیوں سے بچالیا اس پر تیری بڑی مہربانی ہوگی اور یہ ہی بڑی کامیابی ہے۔

السیات یعنی سزائیں تکالیف یا برے اعمال کا بدلہ۔ یا یہ مطلب ہے کہ دنیا میں اعمال بد سے جس کو تو محفوظ رکھے تو یہ تیری رحمت ہے۔

یومئذ اس روز یعنی بدلے کے دن (قیامت کے دن) یا دنیا میں۔

وذلک یعنی رحمت یا عذاب سے حفاظت یا دونوں کا مجموعہ۔

ایک سوال: ملائکہ کو جب معلوم ہے کہ اللہ نے مومنوں کو جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمالیا ہے اور اللہ کے وعدہ کے خلاف ہونا ممکن نہیں تو پھر اللہ سے مومنوں کو جنت میں داخل کرنے کی دعا کرنا بے سود ہے۔ فرشتے ایسا کیوں کرتے ہیں اسی طرح مسلمان رسول اللہ ﷺ کے لئے دعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں اللّٰھم اٰت محمدا ن الوسیلة والفضیلة و الدرجة الرفیعة وابعثہ مقاما محمود ان الذی وعدتہ جب مسلمانوں کو معلوم ہے کہ مقام محمود عطا کرنے کا اللہ نے اپنے رسول سے وعدہ فرمایا ہے تو پھر اس دعا کی کیا ضرورت ہے۔

جواب: میں کہتا ہوں اللہ نے فرشتوں کے دلوں میں مومنوں کی محبت (اور مسلمانوں کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی محبت۔ مترجم) ڈال دی ہے۔ اسی محبت کا تقاضا ہے کہ وہ مومنوں کے لئے (اور مسلمان رسول اللہ ﷺ کے لئے) دعا کرتے ہیں پھر دعا کا مقصد مزید رحمت کی طلب بھی ہوتا ہے اور اللہ کے محبوب بندوں کے لئے دعا کرنے والوں کو خود بھی (اس دعا سے) اللہ کی رحمت اور رضامندی کا ایک حصہ ملتا ہے۔ (یعنی دعا کے نتیجہ میں خود دعا کرنے والوں کا فائدہ بھی مضمر ہوتا ہے)۔

[1] قتادہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے دریافت کیا کعب عدن کیا ہے کعب نے جواب دیا جنت کے اندر سونے کے محل ہیں جن میں انبیاء اور صدیق ہمیشہ رہیں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ أَنفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ۝ جو لوگ کافر ہوئے (اس وقت) ان کو پکارا جائے گا (اور کہا جائے گا) کہ جیسی تم کو (اس وقت) اپنے سے نفرت ہے اس سے بڑھ کر خدا کو (اس وقت دنیا میں) تم سے نفرت تھی کہ جب تم کو ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا اور تم (ایمان کی دعوت قبول کرنے سے) انکار کرتے تھے۔

ان الذین کفروا کا ربط آیت مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا سے ہے درمیان میں سارے جملے معترضہ ہیں جن میں فرشتوں کا مومن ہونا اور ان مومن بندوں کے لئے جو کافروں کے دشمن ہیں استغفار کرنا مذکور ہے۔

ینادون یعنی دوزخ کے کارندے کافروں کو پکاریں گے کافر اس وقت دوزخ کے اندر ہوں گے اور خود اپنے نفسوں سے ان کو نفرت ہو گی کیونکہ انہیں کے نفوس نے ان کو گناہ اور کفر پر آمادہ کیا تھا۔

اذتدعون الی الایمان اس جملہ کا تعلق مقت اللہ سے نہیں ہے کیونکہ مقت مصدر ہے اور مبتدا ہے اور اکبر اس کی خبر ہے اس طرح جملہ پورا ہو گیا اور جب مصدر کی خبر پوری ذکر کر دی گئی اور جملہ پورا ہو گیا تو اب اس چیز کا تعلق اس مصدر سے نہیں ہو سکتا جو صلہ میں مذکور ہے۔ اسی طرح اس جملہ کا تعلق مقتکم سے بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ کافروں کو تو اپنی جانوں سے نفرت عذاب میں مبتلا ہونے کے وقت ہو گی اس لئے اذتدعون کا تعلق ایک محذوف فعل سے ہے جس پر مقت اللہ کا لفظ دلالت کر رہا ہے یا یوں کہا جائے کہ اذتدعون میں اذ ظرفیہ نہیں ہے بلکہ تعلیلیہ ہے اور مقت اللہ اور مقتکم کا زمانہ ایک ہے (یعنی عذاب میں مبتلا ہوں گے تو کافروں کو اپنے سے نفرت ہو گی اور اس سے زیادہ اللہ کو ان سے نفرت ہو گی کیونکہ دنیا میں جب ان کو دعوت ایمان دی جاتی تھی تو وہ نہیں مانتے تھے پس کفر کرنا اور ایمان نہ لانا دونوں نفرتوں کا سبب ہو گیا۔ مترجم)۔

قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ وہ لوگ کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہم کو دوبار مردہ رکھا اور دوبار زندگی دی۔

یعنی ایک بار باپ کی پشت میں بصورت نطفہ بیجان پیدا کیا پھر ماں کے رحم میں زندگی عطا کر کے دنیا میں لایا پھر زندگی کی معیاد مقرر ختم ہونے کے بعد زندگی لے لی اور مردہ کر دیا پھر قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر دیا کذا قال ابن عباس وقتادہ والضحاک اسی مضمون کو اس آیت میں بھی بیان کیا ہے۔ کنتم امواتا (اے نطفا) فاحیاکم اے فی ارحام امھا تکم ثم یمیتکم (عندانقضاء اجلکم) ثم یحییکم یوم القیمة) سدی نے کہا پہلی بار موت تو دنیوی زندگی کے خاتمہ پر ہوئی پھر سوال جواب کے لئے قبر میں زندگی دی گئی پھر سوال کے بعد قبر میں مردہ کر دیا پھر قیامت کے دن زندہ کیا دوبار موت اور دوبار زندگی سے یہی مراد ہے۔ سدی کا یہ قول اس خیال پر مبنی ہے کہ اماتت سے پہلے حیات ہونا ضروری ہے (اور نطفہ کی حالت میں حیات نہیں ہوتی حیات کا آغاز تو رحم مادر سے ہوتا ہے) سدی کا یہ خیال غلط ہے کیونکہ اماتت کا معنی (زندہ کو مردہ بنانا نہیں ہے بلکہ) کسی کو بیجان بنانا ہے خواہ ابتداء ہی میں اس کو بے جان بنایا گیا ہو یا زندگی دینے کے بعد اس کی زندگی سلب کر لی گئی ہو جیسے کہا گیا سبحان من صغرا البعوض وکبر الفیل پاک ہے وہ خدا جس نے مچھر کو چھوٹا اور ہاتھی کو بڑا بنایا (یہ مطلب نہیں کہ پہلے مچھر بڑا اور ہاتھی چھوٹا تھا پھر مچھر کو چھوٹا اور ہاتھی کو بڑا کر دیا) رہی سوال وجواب کے لئے قبر کی زندگی تو وہ دنیوی زندگی کی طرح نہیں ہے (وہ تو برزخی زندگی ہے) اور اگر سوال کے لئے زندگی ہونا ضروری مانا جائے تو پھر عذاب قبر کے لئے بھی زندگی کی ضرورت لازم ہے اور جب سوال کے بعد زندگی ختم ہو جائے تو لازم آئے گا کہ کافروں پر عذاب قبر نہ ہو اور یہ عقیدہ تو واقعہ کے خلاف ہے (حدیث مبارک میں کافروں پر عذاب قبر ہونا صراحتاً مذکور ہے)۔

فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ ۝ اب ہم اپنی خطاؤں کا اقرار کرتے ہیں تو کیا (اب) نکلنے کی کوئی صورت ہے۔

فاعترفنا اس میں ف سببی ہے جب وہ دوسری موت کے بعد دوسری زندگی کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو اپنے گناہ اور

خطا کا اقرار کریں گے اس طرح دونوں موتوں اور دونوں زندگیوں کا مجموعہ اعتراف کا سبب ہو جائے گا۔
خروج یعنی ایک بار نکلنے یا کسی طرح نکلنے کی کوئی راہ ہے کہ ہم اس پر چلیں اور تیز یا آہستہ رفتار سے چل کر دنیا میں لوٹ جائیں۔ یہ سوال بمعنی تمنا ہو گا یعنی کاش ایسا ہو جاتا۔
ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ یُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۚ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْكَبِیْرِ ﴿۱۲﴾
وجہ اس کی یہ ہے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کر لیا تھا تو مان لیتے تھے سو (آج یہ) فیصلہ اللہ کا ہے جو عالی شان اور بڑے رتبہ والا ہے۔
اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ یعنی جب لا الہ الا اللہ کہا جاتا تھا تو تم نہیں مانتے تھے اور کہتے تھے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا کیا اس نے سب معبودوں کو ایک معبود بنا دیا۔
تومنوا یعنی شرک کو مانتے تھے۔
فالحکم للّٰہ یعنی آج یہ حکم صرف اللہ کا ہے جو تنہا مستحق عبادت ہے اور شرک سے پاک ہے اسی نے تمہارے کفر کی وجہ سے تم کو دوامی شدید عذاب میں ماخوذ کیا ہے اگر تمہارا اور کوئی معبود اللہ کا شریک ہوتا تو آج تم کو اس عذاب سے بچا لیتا اور تم کو آگ سے نکلنے کا موقع مل جاتا۔
العلی الکبیر یعنی اللہ عالی شان ہے اور ہر شرک سے بالا ہے کسی کو اس کے برابر نہیں قرار دیا جاسکتا۔
هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ وہی ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے یعنی اپنی توحید کی اور ان تمام امور کی جن پر عقیدہ رکھنا ضروری ہے نشانیاں دکھاتا ہے۔
وَیُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ اور اوپر سے تمہارے لئے رزق بھیجتا ہے۔ یعنی بارش نازل کرتا ہے جو تمہارے رزق کا سبب ہے۔ مطلب یہ کہ جب ایسی نشانیاں جو اللہ کی توحید کو ثابت کر رہی ہیں تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو تو پھر نہ جاننے کا عذر نہیں کر سکتے۔
وَمَا یَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ ﴿۱۳﴾ اور صرف وہی شخص نصیحت قبول کرتا ہے جو اللہ کی طرف رجوع (کرنے کا ارادہ) کرتا ہے یعنی نشانیاں اسی کے لئے نصیحت آفریں ہوتی ہیں جو تعصب و عناد کو چھوڑ کر خلوص کیساتھ اللہ کی طرف توجہ (کرنے کا ارادہ) کرے۔ العلی الکبیر پر اللہ کی طرف سے دوزخیوں کا جواب ختم ہو گیا اس کے بعد ھو الذی سے جدید کلام شروع کیا گیا جسکے مخاطب رسول اللہ ﷺ اور دوسرے مومن ہیں۔
فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ پس (جب تم نے مشرکوں کا انجام سن لیا تو) تم خالص اعتقاد کر کے (تنہا) کو پکارو خواہ کافروں کو ناگوار ہی ہو۔
یعنی کافروں کو اس بات پر غصہ ہی آئے۔
رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ
وہ عالی درجات والا ہے مالک عرش ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی یعنی اپنا حکم نازل فرماتا ہے۔
رفیع الدرجت یعنی اس کے درجات کمال بہت بلند ہیں کسی کا کمال اس کے کمال کے سامنے نمودار نہیں ہو سکتا۔
بعض اہل تفسیر نے اس فقرہ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہ اپنے انبیاء اور اولیاء کے درجات قرب جنت کے اندر اونچا کرنے والا ہے سب کے درجات ترتیب کے ساتھ ہوں گے کوئی بہت اونچا کوئی اس کے قریب ذو العرش یعنی عرش کا خالق اور مالک ہے۔
یلقی الروح اپنی وحی نازل کرتا ہے روح سے جسم کی زندگی وابستہ ہے اور وحی سے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں۔
من امرہ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا امر سے مراد فضل ہے یعنی اپنے فضل سے وہ وحی نازل کرتا

ہے اس صورت میں من ابتدائی ہوگا بعض نے من کو بیانیہ کہا ہے (ہم نے جو ترجمہ نقل کیا ہے وہ من بیانیہ کا ہی ہے۔ مترجم)
اللہ نے اپنے تین خصوصی اوصاف بیان کئے ان میں سے ہر ایک اللہ کی توحید اور بے نیازی پر دلالت کر رہا ہے اور (آخری جملہ) تمہید نبوت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ تاکہ وہ (نبی لوگوں کو) اجتماع کے دن (یعنی قیامت کے دن) سے ڈرائے جس دن کو سب لوگ (قبروں سے نکل کر) آموجود ہوں گے ان کی کوئی بات اللہ سے پوشیدہ نہ ہوگی۔

لینذر کا فاعل ضمیر یا اللہ راجع ہے یا روح (یعنی وحی) کی طرف یا من یشاء (یعنی پیغمبر) کی طرف مؤخر الذکر قول زیادہ واضح اور اقرب الی الفہم ہے ینذر کا مفعول محذوف ہے اس سے اشارہ ہے عموم دعوت کی طرف (یعنی اللہ کا نبی سب لوگوں کو ڈرائے)

یوم التلاق یعنی جس روز کہ ساری سماوی اور ارضی مخلوق اکٹھی ہوگی۔ مقاتل اور قتادہ نے کہا ملاقات کے دن سے مراد ہے وہ دن جب خالق اور مخلوق کا اجتماع ہوگا۔ میمون بن مہران نے کہا ظالم اور مظلوم جمع ہوں گے اور مدعی مدعی علیہ اکٹھے ہوں گے۔ بعض لوگوں نے کہا پجاری اور ان کے معبود جمع ہوں گے بعض نے کہا ہر شخص کو اس کے اعمال کے ساتھ جوڑا جائے گا۔

حاکم ابن جریر ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے کتاب الاہوال میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے آیت يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ پڑھی پھر فرمایا قیامت کے دن ایک میدان میں اللہ (ساری) مخلوق کو جمع کرے گا۔ جن انسان چوپائے پرندے سب جمع ہوں گے پھر نچلا آسمان شق ہو جائے گا اور اس کے باشندے نیچے اتریں گے اور ان کی تعداد جن وانس سے زائد ہوگی اس طویل حدیث میں ساتوں آسمان کا شگافتہ ہونا اور ترتیب وار ہر آسمان کی مخلوق کا نیچے بعد دیگرے نازل ہونا اور (پھر) اللہ کا جلوہ افروز ہونا بیان کیا اللہ کا جلوہ فرما ہونا متشابہات میں سے ہے (جس کی کیفیت ناقابل فہم اور خارج از بیان ہے) ہم نے اس کی تشریح سورۂ فرقان کی آیت يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ اور سورۂ بقرہ کی آیت اِنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ کی تفسیر میں کر دی ہے۔

بارزون یعنی قبروں سے برآمد ہوں گے یا بالکل سامنے ہوں گے کسی پہاڑ ٹیلے یا عمارت کی آڑ نہیں ہوگی یا ان کے نفوس کو جسمانی پردے چھپا نہ سکیں گے۔ یا یہ مطلب کہ ان کے سارے اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور چھپی ہوئی باتیں سامنے آجائیں گی۔

منہم یعنی ان کی شخصیت وذات مخفی رہے گی نہ کوئی عمل نہ کوئی حالت لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ کا جملہ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ کے معنی کی تاکید کر رہا ہے اور دنیا میں پوشیدہ رہنے کا جو توہم ہو سکتا ہے اس کو دور کر رہا ہے۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ اس روز کس کی حکومت ہوگی بس اللہ ہی کی ہوگی جو یکتا اور (سب پر) غالب ہے۔

ساری مخلوق کے مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے سے پہلے اللہ بطور سوال یہ بات فرمائے گا لیکن کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا تو خود ہی جواب میں فرمائے گا۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

الواحد وہ یکتا ہے اپنی عظمت ذات اور کمال صفات میں۔ پاک ہے الوہیت میں کسی کے شریک ہونے سے القہار سب پر غالب ہے ہر مخلوق کو مردہ کرنے اور حسب مشیت ہر قسم کا تصرف کرنے کی طاقت رکھتا ہے ساری مخلوق کے مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے سے پہلے اللہ کی طرف سے خود ہی یہ سوال اور جواب ہونا حضرت ابوہریرہؓ کی ایک طویل مرفوع روایت میں آیا ہے جس کو طبرانی نے مطولات میں اور ابو یعلی نے مسند میں اور بیہقی نے البعث میں اور کچھ دوسرے اہل روایت نے بیان کیا ہے۔

ابن داؤد نے البعث میں حضرت ابو سعید کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک منادی کھلی ہوئی بلند آواز سے پکار کر کہے گا لوگو تم پر وہ گھڑی آگئی اس نداء میں وہ آواز کو اتنا کھینچے گا کہ زندے مردے سب سن سکیں گے اور اللہ آسمان دنیا کی طرف نزول اجلال فرمائے گا پھر ایک منادی پکارے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے ایک مرفوع حدیث آیت وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ الخ کے ذیل میں نقل کی ہے جس میں آیا ہے کہ تین ملائکہ (بیہوش ہونے اور مرنے سے) مستثنیٰ رہیں گے جبرئیل میکائیلؑ اور ملک الموت پھر اللہ فرمائے گا (باوجودیکہ وہ خوب جانتا ہے پھر بھی پوچھے گا) موت کے فرشتے کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا تیری ذات کریم اور تیرے بندے جبرئیلؑ اور میکائیلؑ اور ملک الموت۔ اللہ فرمائے گا میکائیلؑ کی جان قبض کرلے (ملک الموت میکائیل کی جان قبض کرلے گا) پھر باوجود جاننے کے فرمائے گا ملک الموت اب کون باقی رہا۔ ملک الموت عرض کرے گا تیری ذات مبارک اور تیرا بندہ جبرئیلؑ اور ملک الموت فرمان ہوگا جبرئیلؑ کی جان بھی قبض کرلے (ملک الموت فوراً حکم کی تعمیل کرے گا) پھر اللہ باوجود جاننے کے پوچھے گا اب کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا صرف تیری ذات مبارک اور موت کا فرشتہ اور وہ بھی مرنے والا ہے حکم ہوگا مر جا (ملک الموت مر جائے گا) اس کے بعد اللہ نداوے گا میں نے ہی شروع میں مخلوق کو پیدا کیا اور میں ہی دوبارہ پیدا کروں گا (آج) ظالم مغرور کہاں ہیں پھر نداوے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ آج کس کی حکومت ہے جب کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا تو خود ہی فرمائے گا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ بس اللہ ہی کی حکومت ہے جو یکتا اور قہار ہے۔ اس کے بعد دوبارہ صور میں پھونک ماری جائے گی تو یکدم سب کھڑے ہو جائیں گے۔

آیت کی رفتار بتا رہی ہے کہ مخلوق کو قبروں سے باہر نکالنے اور زندہ کرنے کے بعد اللہ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ الخ فرمائے گا اور اسی کا بیان اس جگہ کیا ہے۔

یا یوں کہا جائے کہ اس وقت سارے ظاہری اسباب فنا ہو چکے ہوں گے درمیانی وسائط کا بھی کوئی وجود نہ ہوگا کوئی مجازی ظاہری حاکم بھی نہ ہوگا اسی حالت کی تصویر کشی اور حکایت اس آیت میں کی گئی ہے ورنہ حقیقی حکومت تو یہاں بھی اللہ ہی کی ہے حقیقت حال تو ہمیشہ حکومت الٰہیہ ہونے کی شہادت دے رہی ہے۔

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ　اس روز ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا کسی کی حق تلفی اس روز نہیں کی جائے گی۔

الیوم یعنی اس روز جب کہ مجازی حکومت بھی کسی کی نہ ہوگی اور ظاہری حکومت بھی اللہ ہی کی ہوگی۔

لاظلم الیوم اس روز کسی کی حق تلفی نہ ہوگی یعنی نہ کسی کے ثواب میں کمی کی جائے گی نہ عذاب میں زیادتی جیسا اللہ نے وعدہ کیا ہے اسی کے مطابق بدلہ دیا جائے گا کیونکہ اس وقت حکومت صرف اللہ کی ہوگی اور اللہ کی حکومت میں ظلم کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ظلم کا تصور تو وہاں کیا جاسکتا ہے جو مالک کی اذن کے بغیر اس کی مملوک میں کیا جائے اللہ تو سب کا مالک ہے جو تصرف کرتا ہے اپنی ملک میں کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾　بیشک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

یعنی اس کی مشیت یہ ہے کہ سب لوگوں کا حساب اس دنیا کے نصف یوم کی برابر مدت میں کردے گا اگرچہ وہ ایک آن میں بھی سب کا حساب کرنے کی قدرت رکھتا ہے کیونکہ اس کو کسی عمل میں ایسی مشغولیت ہی نہیں ہوتی جو دوسرا کام کرنے میں رکاوٹ پیدا کردے۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۬ؕ　اور آپ ان لوگوں کو قریب آنے والی مصیبت کے دن (یعنی قیامت کے دن) سے ڈرایئے جب کہ کلیجے منہ کو آجائیں گے اور (شدت غم سے) گھٹ گھٹ جائیں گے۔

الْأٰزِفَةِ (قریب آنے والی) سے مراد قیامت ہے کیونکہ وہ قریب ہی آنے والی ہے جو چیز یقینی آنے والی ہے وہ قریب ہی ہے۔

لَدَى الْحَنَاجِرِ یعنی دل اپنی جگہ چھوڑ دیں گے اور اچھل کر گلے میں آپھنسیں گے نہ نیچے اتریں گے کہ چین آجائے نہ باہر ہی نکل پائیں گے کہ موت ہی آجائے۔

کٰظِمِیْنَ بے چین خوف و غم سے بھرے ہوئے کظم کا معنی ہے غصہ خوف اور غم کی دل میں آمد و رفت جو نا قابلِ برداشت نہ ہو۔

مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ ﴿۱۸﴾ ظالموں کا نہ کوئی ولی دوست ہو گا نہ سفارشی جس کی سفارش مانی جائے۔

ظالمون سے مراد ہیں کافر حمیم قرابت دار مشفق شفیع مطاع نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ کافروں کا کوئی سفارشی تو ہو گا جو سفارش کرے گا مگر اس کی سفارش مانی نہیں جائے گی بلکہ مطلق شفیع کی نفی مقصود ہے یعنی کوئی سفارشی ہی نہیں ہو گا۔ اس صورت میں صفت (یعنی یطاع) کا کوئی مفہوم نہیں ہے یا یہ کہا جائے کہ یطاع کا لفظ کافروں کے مسلمہ کی بنا پر ذکر کیا گیا ہے۔ بت پرستوں کا خیال تھا کہ ہمارے معبود ہماری سفارش کریں گے اس صورت میں یہ مطلب ہو گا کہ بالفرض اگر کافروں کا کوئی سفارشی ہو گا بھی تو اس کی سفارش قبول نہیں کی جائے گی۔

یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ وہ (اللہ) جانتا ہے آنکھوں کی چوری کو اور ان باتوں کو جو دلوں میں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

الخائنۃ صیغہ اسم فعل اس کا موصوف محذوف ہے یعنی خیانت کرنے والی نظر جیسے چوری سے اس کو دیکھنا جس کو دیکھنا حرام ہے یا خائنۃ مصدر ہے جیسے عافیۃ یعنی اللہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے۔

مَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ جو بات بھی دلوں میں چھپی ہوئی ہو اللہ اس کو بھی جانتا ہے۔ بعض نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ کسی خوبصورت عورت کو خیانت کار نگاہ سے دیکھنے کے بعد جو آدمی اس کا شہوانی خیال دل میں پوشیدہ رکھتا ہے اللہ اس کو بھی جانتا ہے۔

وَاللّٰهُ یَقْضِیْ بِالْحَقِّ ؕ اور اللہ ٹھیک فیصلہ کردے گا۔ اللہ مالک مطلق ہے حکیم ہے علیم ہے ظاہر اور باطن سے واقف ہے اس لئے وہی فیصلہ کرے گا جو اس کے علم و حکمت کا تقاضا ہو گا اور اس کی حکمت کا تقاضا غلط نہ ہو گا۔

وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَقْضُوْنَ بِشَیْءٍ ؕ اور خدا کے سوا یہ لوگ جن کو پکارتے ہیں وہ کسی طرح کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے۔

من دونہ یعنی اللہ کے سوا بتوں کو شیطانوں کو اور ظالم بادشاہوں کو جو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی طرح کا فیصلہ نہ کر سکیں گے کیونکہ ان کو کوئی فیصلہ کرنے کی قدرت ہی نہیں ہو گی۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۲۰﴾ کیونکہ اللہ ہی بلاشبہ سب کچھ سننے والا (اور) سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ ع ۱۱ اس جملہ سے خیانت نگاہ کے علم اور قضا بالحق کی تائید ہو رہی ہے اور کافروں کے لئے ان کے قول و فعل پر عذاب کی (در پردہ) وعید بھی ہے اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں ان پر تعریض بھی ہے کہ وہ ایسی چیزوں کو پکارتے ہیں جو نہ دیکھتی ہیں نہ سنتی ہیں۔

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ کَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ کَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا کَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾

کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو

(کافر) لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ان کا کیسا انجام ہوا وہ لوگ قوت اور ان نشانات میں جو زمین پر چھوڑ گئے ان سے بہت زیادہ تھے بالآخر اللہ نے ان کے جرائم کی وجہ سے ان کو دھر پکڑا اور اللہ کے عذاب سے ان کو کوئی بچانے والا نہ ہوا۔

اولم یسیروا کا عطف محذوف فعل پر ہے یعنی کیا یہ لوگ کفر کے برے انجام کے منکر ہیں اور کیا انہوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا۔

کانوا من قبلھم یعنی گزشتہ کافر امتیں جنہوں نے اپنے زمانہ کے پیغمبروں کو جھٹلایا تھا جیسے قوم عاد و قوم ثمود۔

قوۃ طاقت اور جاہ وا ثارا فی الارض یعنی قلعے اور فصیل بند شہر۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ اثارا کا تعلق (اشد سے نہیں ہے بلکہ) ایک محذوف لفظ سے ہے اصل کلام یوں تھا۔

اشد منھم قوۃ واکثر اثارا عرب کہتے ہیں متقلد اسیفا ورمحا (رمحا کا تعلق متقلدا سے نہیں ہے)۔

فاخذھم اللہ اللہ نے ان کو دھر پکڑا یعنی تباہ اور ہلاک کر دیا کسی کو طوفان سے کسی کو ایک چیخ سے کسی کو دوسرے طریقہ سے۔

وما کان لھم یعنی اللہ کے عذاب سے ان کو کوئی بچانے والا ہی نہ تھا کہ اس کے پاس جاتے اور اس سے بچاؤ کی التجا کرتے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾

یہ (پکڑ) اس وجہ سے ہوئی کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر واضح دلیلیں لے کر آتے رہے پر انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا آخر اللہ نے ان کو پکڑ دھر لیا بلاشبہ وہ بڑی قوت والا سخت سزا دینے والا ہے۔

البینات معجزات اور وہ احکام جن کی صحت وافادیت کھلی ہوئی تھی۔

قوی پوری قدرت والا جو کچھ چاہے اس پر پورا قادر۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾

اور ہم نے موسیٰ کو اپنے احکام اور کھلی دلیل کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تو ان لوگوں نے کہا یہ جادوگر ہے بڑا جھوٹا۔

(حضرت مفسرؒ کے نزدیک)۔

ایاتنا سے مراد ہیں تو معجزات اور سلطان مبین سے مراد ہے کھلی دلیل یا بعض خصوصی معجزات جیسے عصا وغیرہ اول صورت میں آیات اور سلطان مبین دونوں الگ الگ چیزیں ہوں گی اور دوسری صورت میں سلطان مبین کو بھی آیات میں داخل مانا جائے گا اور چونکہ معجزات خصوصی اہمیت کے حامل تھے اس لئے تعمیم کے بعد خاص طور پر صراحت کے ساتھ ان کو سلطان مبین فرمادیا اور عام پر خاص کا عطف کر دیا۔

فقالوا ساحر یعنی انہوں نے موسیٰ کو ساحر کذاب کہا۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کے لئے تسکین آفریں پیام ہے اور ان قوموں کی بدانجامی کا اظہار ہے جو رسول اللہ ﷺ کے کافروں سے کچھ ہی پہلے تھے اور ان سے زیادہ طاقتور تھے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ۭ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾

سو جب موسیٰؑ (عام) لوگوں کے پاس دین حق جو ہماری طرف سے تھا لے کر پہنچے تو ان (عام) لوگوں نے (بطور مشورہ) کہا کہ جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لے آئے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو اور کافروں کی تدبیر محض بے اثر رہی۔

یعنی جیسے پہلے تم نے کیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو قتل کر لیا تھا اور بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیا تھا (تاکہ موسیٰؑ کے پیدا ہو کر زندہ رہنے کا راستہ ہی بند ہو جائے) اسی طرح اب دوبارہ کرو کہ اہل ایمان کے بیٹوں کو قتل کرادو اور لڑکیوں کو (ہماری قوم کی خدمت

کے لئے) زندہ چھوڑ دو تاکہ یہ لوگ موسٰیؑ کی مدد نہ کر سکیں۔

ضلل بے کار بے اثر کافروں نے حضرت موسٰیؑ کے لائے ہوئے پیام حق کو روکنا اور باطل کرنا چاہا اللہ نے ان کی ساری تدبیروں کو بے اثر کر دیا اور ان کو تباہ کر دیا اور موسٰیؑ کو اور ان کے ساتھیوں کو بادشاہ بنا دیا۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾

اور فرعون نے (اہل دربار سے) کہا مجھے اجازت دو کہ میں موسٰیؑ (ہی) کو قتل کر دوں اور اس کو چاہئے کہ (اپنی مدد کے لئے) اپنے رب کو پکارے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ (کہیں) تمہارا مذہب بدل دے گا یا ملک میں تباہی پھیلائے گا بغوی نے لکھا ہے کہ فرعون نے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ کچھ درباری اس کو موسٰیؑ کو قتل کرنے سے روک رہے تھے کیونکہ ان کو اپنی تباہی کا اندیشہ تھا وہ فرعون سے کہتے تھے موسٰیؑ ایک جادو گر ہے اگر آپ اس کو قتل کرا دیں گے تو لوگ خیال کریں گے کہ آپ دلائل سے اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز تھے اس لئے قتل کرا دیا (اس طرح لوگ بگڑ اٹھیں گے)

بیضاوی نے لکھا ہے اس کلام سے مترشح ہو رہا ہے کہ فرعون کو موسٰیؑ کی نبوت کا یقین تھا اس لئے موسیٰ کو قتل کرنے سے ڈرتا تھا یا اس کو یہ خیال تھا کہ موسیٰ کو قتل کرنا اس کے لئے آسان نہیں اگر اس نے ایسا ارادہ کیا تو کامیابی نہ ہوگی اس بات کی تائید وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ کے الفاظ سے ہو رہی ہے فرعون نے اس فقرہ میں اپنی جرأت کا اظہار کیا اور یہ بات جتائی کہ مجھے پرواہ نہیں موسٰیؑ اپنے رب کو پکارے اور وہ اس کی مدد کو آ جائے۔ فرعون نے جو اہل دربار سے کہا ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى یہ محض اس کا فریب اور ملمع کاری تھی اور دکھانا چاہتا تھا کہ اس کے ساتھی اور اس کی قوم والے اس کو موسٰیؑ کے قتل سے روک رہے ہیں حالانکہ موسٰیؑ کو قتل کر دینے کے حکم سے جو امر مانع تھا وہ موسٰیؑ کی لاٹھی کا ڈر تھا جو فرعون کے دل میں بیٹھ گیا تھا۔

اِنِّيْٓ اَخَافُ یعنی اگر میں اس کو قتل نہیں کراؤں گا تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تمہارے مذہب کو بگاڑ دے گا بت پرستی کے دین کو بدل ڈالے گا۔

الفساد فساد سے مراد ہے تبدیل مذہب یا فتنہ فساد جنگ و جدال۔

وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾ ع ۸

اور موسٰیؑ نے (جب یہ بات سنی تو) کہا میں اپنے اور تم سب کے رب کی پناہ لیتا ہوں ہر اس مغرور شخص کے شر سے جو روز حساب پر یقین نہیں رکھتا۔

ان حرف تاکید ہے کلام کا آغاز تاکیدی اسلوب سے یہ جتانے کے لئے کیا کہ شر کو دفع کرنے کا محکم سبب اللہ کی پناہ ہے اور چونکہ حفاظت اور تربیت مقصود تھی اس لئے (اللہ کے اوصاف میں سے) لفظ رب ذکر کیا اور چونکہ موسٰیؑ کی حفاظت سب قوم کی حفاظت کی حامل تھی اسی لئے جس طرح رب کی اضافت اپنی طرف کی اسی طرح قوم کی طرف بھی کی اس سے قوم کو اس بات پر بھی آمادہ کرنا بھی مقصود تھا کہ تم بھی میری موافقت کرو اور اللہ کی پناہ کے خواستگار ہو جاؤ۔ اجتماعی دعا درجہ قبول پر زیادہ فائز ہوتی ہے۔

حضرت موسٰیؑ نے فرعون کا خصوصی نام نہیں لیا بلکہ بطور عموم ہر مغرور منکر آخرت کے شر سے اللہ کی پناہ مانگی اس میں فرعون بھی آ گیا اور تمام مغرور منکروں کے شر سے بھی استعاذہ ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فرعون کو شر پر آمادہ کرنے والا اس کا غرور اور انکار آخرت ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ربکم میں خطاب (مومنوں کو نہ ہو بلکہ) فرعون اور اس کی قوم کو ہو اور اس میں تنبیہ ہو اس بات پر کہ میرا اور تم سب کا رب ایک ہی ہے کوئی دوسرا رب نہیں ہے۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾

اور ایک مومن شخص نے جو فرعون کے خاندان سے تھا (اور) اپنا ایمان (اب تک) چھپائے ہوئے تھا (مشورہ کمیٹی والوں سے) کہا کیا تم ایک شخص کو محض اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے حالانکہ (وہ اپنے دعوے پر) تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں بھی لے کر آیا ہے اگر وہ (بالفرض) جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا اور اگر وہ سچا ہوا تو وہ جس چیز سے تم کو ڈرا رہا ہے اس میں سے کچھ تو (ضرور) تم پر آپڑے گا اللہ ایسے شخص کو مقصود تک نہیں پہنچاتا جو حد سے گزر جانے والا بڑا جھوٹا ہو۔

رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ مقاتل اور سدی کا بیان ہے کہ وہ مومن قبطی تھا اور فرعون کے چچا کا بیٹا تھا یہ وہی شخص تھا جس کے متعلق سورۂ القصص میں اللہ نے فرمایا ہے وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى روایت میں آیا ہے کہ اس کا نام حبیب تھا بعض اہل علم نے کہا کہ وہ اسرائیلی تھا اس کا نام جزئیل تھا حضرت ابن عباسؓ اور اکثر علماء کا یہی قول مروی ہے ابن اسحاق نے کہا اس کا نام خبول تھا۔

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا یعنی کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرنے کا ارادہ کر رہے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے یا ایسے وقت جب کہ وہ اپنا رب اللہ کو کہہ رہا ہے تم اس کو قتل کرنے کا ارادہ کر رہے ہو یا یہ مطلب ہے کہ اس خوف سے تم اس کو قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔

ربی اللہ یعنی میرا رب صرف ایک اللہ ہے ربی کی اللہ پر تقدیم مفید حصر ہے جیسے صدیقی زید اک جملہ مفید حصر ہے۔

بالبینت یعنی کثیر معجزات جو اس کی سچائی کی شہادت دے رہے ہیں۔

من ربکم تمہارے رب کی طرف سے کھلے معجزات لایا ہے کیونکہ ایسے معجزات وہی عطا کر سکتا ہے جس نے تم کو پیدا کیا ہے وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے کوئی دوسرا ایسا نہیں کر سکتا۔ رب کی اضافت کم کی طرف سے کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس نے تم کو پیدا کیا اور جس نے تمہاری پرورش کی وہی تم پر عذاب نازل کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

اس سے آگے بطور احتیاط و احتجاج اس بندہ مومن نے کہا کہ تمہارے خیال کے موافق اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال صرف اسی پر پڑے گا تم پر نہیں پڑے گا کہ اس کو قتل کر کے اس وبال کو دفع کیا جائے اور اگر وہ سچا ہے جیسا کہ معجزات اور آیات سے معلوم ہوتا ہے تو کم سے کم اس عذاب کا کچھ حصہ تو تم پر آہی پڑے گا جس سے وہ تم کو ڈرا رہا ہے اور تمہارے ہلاک ہونے کے لئے عذاب کا تھوڑا حصہ بھی کافی ہوگا۔

اس کلام میں پرزور تخویف ہے اور تعصب سے پاک انصاف کا اظہار ہے اس لئے کاذبا کو صادقا سے پہلے ذکر کیا۔

مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ یہ تیسرا احتجاج ہے جو دو اسلوب کو حامل ہے [1] اگر یہ حد سے تجاوز کرنے والا ہوتا (یعنی باوجود نبی نہ ہونے کے خدا کا فرستادہ بننے کا مدعی ہوتا) تو خدا اس کو معجزات عطا نہ کرتا اس کو معجزات کی راہ بھی معلوم نہ ہوتی۔ اگر یہ مسرف اور کذاب ہوگا تو اللہ اس کی مدد نہیں کرے گا اور اس کو ہلاک کر دے گا تم کو اس کے قتل کرنے کی ضرورت ہی

ایک روز حضرت علیؓ نے فرمایا لوگو بتاؤ سب سے بڑا بہادر کون ہے حاضرین نے کہا ہم کو معلوم نہیں۔ فرمایا سب سے بڑے بہادر ابو بکرؓ تھے میں نے خود دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کو قریش نے پکڑ رکھا تھا ایک آپ کو نیچے کو جھکا رہا تھا اور دوسرا آپ کو سختی کے ساتھ کھینچ رہا تھا اور کہہ رہے تھے کیا تو نے ہی سارے معبودوں کو ایک بنا رکھا ہے (یعنی تمام معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ کو اختیار کر لیا ہے) حضرت علیؓ نے فرمایا خدا کی قسم ہم میں سے کوئی قریب بھی نہیں گیا صرف ابو بکرؓ پہنچے ایک کو ادھر دھکا دیا دوسرے کو پکڑ کر کھینچا اور فرمایا تمہارا برا ہو اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ یہ بیان کر کے حضرت علیؓ نے اپنے چہرہ سے چادر اٹھائی اور اتنا روئے کہ ریش مبارک تر ہو گئی پھر فرمایا میں تم کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا مومن آل فرعون افضل تھا یا ابو بکرؓ لوگ خاموش رہے فرمایا تم جواب کیوں نہیں دیتے خدا کی قسم ابو بکرؓ کی (زندگی کی)

(باقی اگلے صفحے پر)

نہیں ہے شاید اس بندہ مومن کا مقصد اول الذکر احتجاج ہی تھا دوسرا اسلوب تو کافروں کی شدت غضب کو نرم کرنے کے لئے اختیار کیا تھا۔ اس میں در پردہ فرعون کی تعریض بھی تھی کہ یہ مسرف کذاب ہے اللہ اس کو راہ صواب و نجات پر گامزن نہیں کرے گا۔

عروہ بن زبیر کا بیان ہے میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے کہا مجھے بتایئے کہ مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ سخت تکلیف دہ برتاؤ کون سا کیا۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا ایک بار رسول اللہ ﷺ کعبہ کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے عقبہ بن ابی معیط آ گیا اور حضور ﷺ کے دونوں مونڈھے پکڑ کر آپ کی گردن میں اپنا کپڑا ڈال کر مروڑنے اور گلا گھونٹنے لگا اتنے میں حضرت ابو بکرؓ آ گئے آپ نے عقبہ کے دونوں مونڈھے پکڑ کر رسول اللہ ﷺ سے اس کو الگ کیا اور فرمایا۔ اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ وقدجاء کم بالبینت من ربکم۔ رواہ البخاری۔

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ

اے میری قوم والو آج تو تمہاری حکومت ہے اس ملک میں تم غالب ہو لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو اس سے ہم کو کون مدد کر کے بچائے گا۔

ظاہرین غالب تو تجے فی الارض یعنی مصر کی سرزمین۔ مطلب یہ کہ ملک مصر میں تمہاری حکومت ہے تم کو غلبہ حاصل ہے اس لئے اللہ کے نبی کو قتل کر کے عذاب خداوندی کا نشانہ نہ بنو کہ تمہاری حکومت اور سلطنت تباہ ہو جائے اگر اللہ کا عذاب آ گیا تو کوئی اس سے ہم کو بچا نہ سکے گا۔

ینصرنا میں نا ضمیر جمع اس لئے ذکر کی کہ وہ بندہ مومن نسب کے لحاظ سے قبطی ہی تھا اس کے علاوہ وہ یہ بات جتانا چاہتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تمہارا شریک ہوں (عذاب آئے گا تو ہم سب پر آئے گا)۔

قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝

فرعون نے کہا میں تو تم کو وہی رائے دے رہا ہوں جو خود مناسب جانتا ہوں اور میں تم کو صحیح راستہ بتا رہا ہوں۔

ما اریکم اری رائی سے ماخوذ ہے یعنی میں تم کو مشورہ نہیں دے رہا ہوں ضحاک نے اریکم کا ترجمہ کیا اعلمکم یعنی تم کو نہیں سکھاتا الا ما اری مگر جو میں صحیح اور مناسب سمجھتا ہوں یعنی موسیٰ کو قتل کر دینا (ہی میری رائے میں مناسب ہے)

سبیل الرشاد صواب کی راہ صحیح راستہ۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝

اور اس مومن نے کہا میرے عزیزو مجھے تمہارے متعلق اور امتوں کے ایسے روز بد کا اندیشہ ہے جیسا قوم نوح اور عاد اور

(گذشتہ سے پیوستہ) ایک ساعت مومن آل فرعون (کی زندگی) سے افضل ہے اس نے تو اپنا ایمان پوشیدہ رکھا تھا اور ابو بکرؓ نے اپنے ایمان کا اعلان کیا۔ حضرت عمروؓ بن عاص کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ طواف سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ لوگ آپ پر آ پڑے اور چادر مبارک کے پورے پلڑے کو پکڑ لیا اور کہنے لگے تو ہی ہم کو ان معبودوں سے روکتا ہے جن کی پوجا ہمارے باپ دادا کرتے تھے حضور ﷺ نے فرمایا میں ہی وہ ہوں (جو اللہ کے سوا دوسروں کی پوجا سے منع کرتا ہوں) یہ دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور چادر سے چمٹ کر (حضور ﷺ کو) الگ کیا پھر فرمایا۔ اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ سے مسرف کذاب تک آپ نے یہ بات چیخ کر فرمائی تھی اور آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھا۔ حضرت انس بن مالک راوی ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو اتنا مارا کہ آپ بیہوش ہو گئے اچانک ابو بکرؓ کھڑے ہوئے اور پکار کر کہنے لگے تمہارا برا ہو اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ مشرکوں نے پوچھا یہ کون ہے لوگوں نے بتایا یہ ابن ابی قحافہ ہیں۔ از مظہر رحمۃ اللہ۔

ثمود اور ان کے بعد والوں کا حال ہوا تھا۔ اور خدا تعبندوں کے لئے کسی ظلم کا ارادہ نہیں کرتا۔
اَخَافُ عَلَيْكُمْ یعنی موسیٰ کی جو تم تکذیب کر رہے ہو اور اس کو قتل کرنا چاہتے ہو اس سے مجھے تمہارے متعلق اندیشہ ہے کہ تم پر بھی ویسا ہی عذاب نہ آجائے جیسا ان گزشتہ امتوں پر آیا تھا جنہوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی تھی۔ جیسے قوم نوح اور عاد پر اور ثمود پر اور ان کے بعد والوں پر (مثلاً قوم لوط اور نمرود وغیرہ پر) عذاب آیا تھا ویسا ہی تم پر عذاب آنے کا مجھے ڈر ہے۔
ظلما للعباد للعباد میں لام زائد ہے اور العباد مفعول ہے لام کی زیادتی مصدر (ظلما) کے عمل کو قوت پہنچانے کے لئے کی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ کسی بندہ پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا کہ کسی کو بلا قصور سزا دے یا ظالم کو بغیر انتقام کے چھوڑ دے یا کسی کی نیکی کے ثواب میں کمی کر دے یا کسی مجرم کی سزا اس کے جرم کی مقدار سے زائد کر دے۔

وَيٰقَوْمِ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ اور اے میری قوم والو مجھے تمہارے متعلق اس دن (کے عذاب) کا اندیشہ ہے جس روز کہ (کثرت سے) پکار مچی ہو گی جس روز کہ (موقف حساب سے) پشت پھیر کر (دوزخ کی طرف) تم لوٹو گے (اس روز) اللہ کے عذاب سے تم کو کوئی بچانے والا نہ ہو گا اور جس کو خدا ہی گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ مجاہد نے کہا یعنی بھاگ رہے ہو گے لیکن چھوٹ نہ سکو گے۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک اس دن سے مراد ہے نفخۂ بیہوشی سے پہلے نفخۂ فزع کا دن (یعنی پہلی بار صور پھونکے جانے کا دن جب صور کی آواز سن کر لوگ گھبرا جائیں گے اس کے بعد نفخۂ صعق ہو گا کہ صور کی آواز سے لوگ بیہوش ہو جائیں گے اور مر جائیں گے) ابن جریر نے المطولات میں اور ابو یعلی نے مسند میں اور بیہقی نے البعث میں اور ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں اور عبد بن حمید نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کی ایک طویل حدیث بیان کی ہے جس میں تین بار پھونکے جانے کا ذکر آیا ہے۔ حضور ﷺ گرامی نے فرمایا اللہ اسرافیل کو پہلی بار صور پھونکنے کا حکم دے گا اور فرمائے گا گھبراہٹ (پیدا کرنے) والی پھونک مار حسب الحکم اسرافیل صور پھونکے گا جس کی آواز سے آسمانوں والے اور زمین والے گھبرا جائیں گے ہاں جس کو اللہ چاہے گا (گھبراہٹ سے محفوظ رکھے گا) اسرافیل صور کی پھونک کو برابر کھینچتا اور لمبا کرتا جائے گا بیچ میں سلسلہ منقطع نہیں کرے گا یعنی دم نہ لے گا یہاں تک کہ دودھ پلانے والیاں دودھ پیتے بچوں سے غافل ہو جائیں گی اور حاملہ کا حمل ساقط ہو جائے گا اور بچوں کے بال (شدت خوف سے) سفید ہو جائیں گے اور شیطان گھبراہٹ کی وجہ سے اڑے اڑے بھاگتے پھریں گے جب زمین کے کناروں پر پہنچیں گے تو ملائکہ ان کے چہروں پر ضرب رسید کریں گے اور لوٹا دیں گے لوگ پشت پھیر کر بھاگیں گے اور آپس میں پکار مچی ہو گی یہی وہ دن ہو گا جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے یوم التناد

بعض اہل تفسیر کے نزدیک یوم التناد سے قیامت کا دن مراد ہے جب کہ آدمیوں کے ہر گروہ کو ان کے پیشوا کے ساتھ پکارا جائے گا۔ ابو نعیم نے بیان کیا کہ ابو حازم اعرج نے اپنے نفس کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا اعرج قیامت کے دن ندا دی جائے گی اے فلاں فلاں گناہ کرنے والو یہ ندا سن کر تو ان خطاکار کے ساتھ جا کھڑا ہو گا پھر ندا ہو گی اے فلاں فلاں گناہ والو یہ لوگ پہلے خطاکاروں سے الگ دوسرے قسم کے گناہ گار ہوں گے یہ سن کر تو ان گناہ گاروں کے ساتھ بھی جا کھڑا ہو گا اے اعرج میں دیکھ رہا ہوں کہ تو ہر قسم کے گناہ گاروں میں شامل ہو کر کھڑا ہونا چاہتا ہے۔ ابن ابی عاصم نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کا دن ہو گا تو ایک منادی ندا دے گا اے اللہ کے حریفو (یعنی فرقہ قدریہ والو جو انسان کو اپنے افعال کا خود خالق قرار دیتے ہیں گویا اس طرح وہ خدا کے حریف اور مقابل قرار پاتے ہیں۔ مترجم) اس وقت جنت والے دوزخیوں کو اور دوزخ والے اہل جنت کو پکاریں گے اور اعراف والے بھی پکاریں گے جیسا کہ اللہ نے سورہ اعراف میں بیان فرمایا ہے اور اس وقت لوگوں کو بدبختی اور خوش نصیبی کے ساتھ ندا دی جائے گی اور کہا جائے گا سنو فلاں بن فلاں ایسا

خوش نصیب نکلا کہ اس کے بعد کبھی بد نصیب نہ ہوگا۔ سنو فلاں بن فلاں ایسا بد بخت ہوا کہ اس کے بعد کبھی خوش بخت نہ ہوگا۔

بزار اور بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ابن آدم کو لا کر میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور ایک فرشتہ کو اس پر مامور کر دیا جائے گا اور اعمال کا وزن کیا جائے گا سو اگر اس کی نیکیوں کا وزن بھاری نکلا تو وہ فرشتہ اتنی بلند آواز سے ندا دے گا جو تمام مخلوق سنے گی فلاں شخص خوش نصیب ہو گیا اس کے بعد کبھی بد نصیب نہ ہو گا اور اگر (نیکیوں کا) وزن ہلکا نکلا تو ایک فرشتہ ایسی آواز سے جس کو سب مخلوق سن لے گی ندا دے گا فلاں شخص بد نصیب ہو گیا اس کے بعد کبھی خوش نصیب نہ ہو گا اور اس وقت ایک پکارنے والا پکارے گا میں نے (تمہارا) ایک رشتہ مقرر کیا تھا اور تم نے (اپنے لئے) دوسرا رشتہ مقرر کیا تھا۔ (یعنی میں نے تقویٰ کو تمہارے لئے پسند کیا تھا اور اس کو تمہارا نسب قرار دیا تھا اور تم نے رشتہ تولید و قرابت کو اختیار کیا) طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کا دن ہو گا تو اللہ ایک منادی کو یہ دینے کا حکم دے گا سن کو میں نے ایک رشتہ مقرر کیا تھا اور تم نے (دوسرا) رشتہ مقرر کیا تھا میں نے سب سے زیادہ معزز اس کو قرار دیا تھا جو تم میں سب سے بڑا پرہیزگار ہو مگر تم نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا سنو تم نے کہا تھا کہ فلاں بن فلاں فلاں بن فلاں سے بہتر ہے آج میں اپنے (قائم کردہ) نسب کو اونچا کروں گا اور تمہارے (قائم کردہ) نسب کو نیچے گرا دوں گا۔ کہاں ہیں تقویٰ والے اور اس وقت جب کہ موت کو ذبح کر دیا ہو گا ندا دی جائے گی اے اہل جنت (یہاں) ہمیشہ رہنا ہے اور (کبھی) موت نہ ہو گی اور اے دوزخ والو (یہاں) ہمیشہ رہنا ہے اور کبھی موت نہیں ہو گی۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت والے جنت کو اور دوزخ والے دوزخ کو چلے جائیں گے تو جنت و دوزخ کے درمیان موت کو لا کر ذبح کر دیا جائے گا پھر ایک منادی ندا دے گا۔ اے اہل جنت آئندہ موت نہیں اور اے دوزخ والو آئندہ موت نہیں۔ یہ ندا سن کر اہل جنت کو فرحت بالائے فرحت حاصل ہو گی اور دوزخ والوں پر غم بالائے غم سوار ہو جائے گا۔ حضرت ابو سعیدؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث اسی طرح آئی ہے اور حاکم و ابن حبان نے بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ اور ضحاک کی قرأت میں یوم التناد کی جگہ یوم التنادّ بتشدید دال (بھاگنے اور منتشر ہونے کا دن) آیا ہے جس طرح اونٹ اپنے مالکوں سے بھاگتے اور بدکتے ہیں اسی طرح قیامت کے دن لوگ بھاگے بھاگے زمین پر پھریں گے۔ ابن جریر اور ابن مبارک نے ضحاک کا بیان نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ اس نچلے آسمان کو حکم دے گا وہ پھٹ جائے گا اور اس کے فرشتے اس کے کناروں پر رہیں گے پھر بحکم الٰہی اتر کر زمین کو اور زمین والوں کو گھیر لیں گے پھر دوسرے پھر تیسرے پھر چوتھے پھر پانچویں پھر چھٹے پھر ساتویں آسمان کی بھی یہی کیفیت ہو گی کہ آسمان پھٹتے جائیں گے اور ہر آسمان کے فرشتے قطار در قطار صف بستہ ہو جائیں گے پھر ملک اعلیٰ (شاہ اعلیٰ جاہ) نزول اجلال فرمائے گا جہنم اس کے بائیں جانب ہو گا (اور جنت دائیں جانب) دوزخ کو دیکھ کر زمین والے منتشر ہو کر بھاگیں گے لیکن زمین کے جس کنارے پر پہنچیں گے وہاں ملائکہ کی سات قطاریں (ایک کے پیچھے ایک) موجود پائیں گے مجبوراً جہاں تھے وہیں لوٹ آئیں گے اسی کا بیان ہے آیات ذیل ہیں۔

اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ یَوْمَ التَّنَادِ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ مَا لَکُمْ مِّنْ عَاصِمٍ ...... اور...... وَجَآءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا وَّ جِایْٓءَ یَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ...... اور...... یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا اور وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِیَ یَوْمَئِذٍ وَّاهِیَةٌ وَّالْمَلَکُ عَلٰٓی اَرْجَآئِهَا

یہی حالت ہو گی کہ لوگ ایک آواز سنیں گے اور حساب (کے مقام) کی طرف چل پڑیں گے۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے (جس کے مطابق ہم نے ترجمہ کیا ہے) کہ آیت یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ مقام حساب سے دوزخ کی طرف لوٹو گے۔

مالکم من اللہ من عاصم یعنی اللہ کے عذاب سے تم کو کوئی بچانے والا ہی نہ ہو گا کہ بجائے اللہ کے عذاب کو دفع کرنے کی کسی کو قدرت نہیں ہو گی صرف اللہ کی رحمت ہی عذاب کو دفع کر سکتی ہے اور اللہ کی رحمت تم کو نصیب نہیں ہو گی۔

ومن یضلل اللہ یعنی اللہ جس کو جنت کا راستہ نہیں بتائے گا اس کو راہ جنت بتانے والا کوئی نہ ہو گا۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِىْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۖ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۚ

اور اس کے قبل تم لوگوں کے پاس یوسفؑ (توحید و نبوت کی) واضح دلائل لے کر آچکے ہیں سو تم ان امور میں جو یوسفؑ لے کر آئے تھے برابر شک میں پڑے رہے یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہو گئی تو تم کہنے لگے کہ بس اللہ اب کسی رسول کو نہیں بھیجے گا۔ یوسفؑ سے مراد ہیں یوسفؑ بن یعقوبؑ بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام یوسفؑ بن یعقوبؑ اس وقت مراد ہوں گے جب حضرت موسیٰؑ کے زمانہ کا فرعون وہی ہو جو حضرت یوسفؑ کے زمانہ کا تھا (حضرت یوسف بن یعقوب اور حضرت موسیٰؑ کے درمیان تقریباً چار سو برس کی مدت تھی اتنی) طویل عمر فرعون کی مانی جائے تو اس صورت میں یوسفؑ سے مراد یوسفؑ بن یعقوبؑ ہوں گے (لیکن تاریخی شہادت اس کے خلاف ہے) اس لئے بعض کے نزدیک یوسف سے مراد ہیں یوسف بن یعقوب کے پوتے یعنی یوسف بن ابراہیم (یا افرائیم) بن یوسف بن یعقوب یا یوں کہا جائے کہ یوسف بن یعقوب ہی مراد ہیں اور آباؤ اجداد کے احوال کو اولاد کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے (اگر اولاد اپنے آباؤ اجداد کے اعمال و اقوال کو پسند کرتی ہو) یعنی تمہارے اسلاف کے پاس یوسف بن یعقوب آچکے ہیں۔

من قبل یعنی موسیٰؑ سے پہلے بالبینات یعنی معجزات لے کر۔

مِمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یعنی تنہا اللہ کی خالص عبادت کا حکم۔

حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ یعنی جب یوسفؑ کی وفات ہو گئی۔

قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا یعنی تم لوگ کفر پر قائم رہے اور تم نے خیال کر لیا کہ اللہ اب کسی رسول کو بھیج کر تمہارے خلاف اتمام حجت نہیں کرے گا۔

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ۝ اسی طرح اللہ آپے سے باہر ہو جانے والوں (اور) شبہات میں پڑے رہنے والوں کو بھٹکتا چھوڑ دیتا ہے۔

یضل اللہ یعنی گناہوں میں پڑا رہنے دیتا ہے مسرف یعنی مشرک۔

مرتاب شک میں پڑا ہوا یعنی غلبہ وہم اور اسلاف کی تقلید میں ڈوبنے کی وجہ سے ان امور میں شک کرنے والا جن کی صداقت کی شہادت معجزات دے رہے ہیں۔

الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِىْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۗ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۗ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝

جو بغیر کسی خدا داد سند کے اللہ کی آیات میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں اس (کج بحثی) سے خدا کو بھی بڑی نفرت ہے اور مومنوں کو بھی۔ اسی طرح اللہ ہر مغرور جابر کے پورے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

الذین یجادلون موصول اول سے بدل ہے کیونکہ من ہو (یعنی موصول اول) جمع کے حکم میں ہے۔

سلطن واضح دلیل یعنی آیات الٰہیہ میں کسی واضح دلیل کی روشنی میں جھگڑے نہیں نکالتے بلکہ صرف تقلید اسلاف یا بے بنیاد شبہات کی وجہ سے جھگڑتے ہیں۔

كَبُرَ مَقْتًا کبر کی ضمیر مفرد من کی طرف راجع ہے کیونکہ من کا لفظ مفرد ہے (اگرچہ جمع کا معنی مراد ہے) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ سے پہلے مضاف محذوف ہو اور کبر کی ضمیر اسی محذوف مضاف کی طرف راجع ہو یعنی جدال

اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ (آیت کا ترجمہ اسی تفسیر کے لحاظ سے کیا گیا ہے)
يطبع الله على كل قلب یعنی اللہ پورے دل پر مہر لگا دیتا ہے پھر نور ایمان دل کے اندر داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔
وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ　اور فرعون نے کہا اے ہامان میرے لئے
ایک بلند عمارت بنوا۔ شاید میں آسمان کی راہوں تک پہنچ جاؤں پھر (وہاں پہنچ کر) موسیٰ کے خدا کو دیکھوں بھالوں میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں۔
وقال فرعون یعنی فرعون نے اپنے وزیر ہامان سے کہا۔
صرحا ایسی اور اتنی اونچی عمارت (منارہ وغیرہ) جو دور سے دیکھنے والوں کو بھی دکھائی دے۔ اسی مناسبت سے تصریح بہ معنی اظہار آتا ہے۔
اسباب السموت آسمانوں کی راہیں اور دروازے یعنی ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پہنچنے کے راستے۔ کسی چیز تک پہنچنے کے ذریعہ کو سبب کہتے ہیں جیسے رسی اور ڈول کو سبب اس لئے کہتے ہیں کہ یہ پانی تک پہنچنے کے ذریعے ہیں۔
ظاہر یہ ہے کہ نمرود کی طرح فرعون نے کسی عمارت کے بنوانے کا حکم دیا تھا۔ نمرود کی عمارت کا بیان ہم نے سورۂ نحل میں کر دیا ہے۔
بیضاوی نے لکھا ہے کہ شاید فرعون نے کسی اونچے مقام پر کوئی رصدگاہ بنوانے کا حکم دیا ہو تاکہ وہاں پہنچ کر ستاروں کے حالات اور چالیں دیکھ سکے کیونکہ ستاروں کی رفتار کی کیفیات ہی اسباب سماویہ ہیں جو ارضی حوادث کو ظاہر کرتے ہیں۔ اسباب سماویہ کو دیکھ کر فرعون جاننا چاہتا ہوگا کہ کیا خدا نے موسیٰ کو بھیجا ہے یا فرعون موسیٰ کے قول کو لوگوں کی نظر میں غلط ثابت کرنا چاہتا ہو کیونکہ آسمانوں کے خدا کی طرف سے کسی قسم کی اطلاع اس کی نظر میں بغیر اس بات کے ممکن نہ تھی کہ خدا تک موسیٰ پہنچے ہوں اور وہاں پہنچ کر ان کو اطلاع ملی ہو اور یہ بات آسمان پر چڑھے بغیر ممکن نہیں اور آسمان پر چڑھنے کی کسی انسان کو قدرت نہیں۔ یہ سب فرعون کی جہالت تھی وہ نہ اللہ کو جانتا تھا نہ بنانے کی کیفیت کو۔
وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ یعنی رسول ہونے کے دعویٰ میں میں موسیٰ کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔
وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾
اور اسی طرح فرعون کی (دوسری) بداعمالیاں (بھی) اس کے لئے خوبصورت بنا دی گئی تھیں اور (حق کے) راستہ سے اس کو روک دیا گیا تھا اور موسیٰ کے بارے میں فرعون کی ہر تدبیر غارت ہی گئی۔
وكذلك یعنی جس طرح رب السموت کو دیکھنے بھالنے کے لئے اونچی عمارت کی تعمیر کو فرعون کی نظر میں زینت آگیں بنا دیا گیا۔ اسی طرح اس کی ہر بدکاری جو عقل سلیم کے خلاف تھی فرعون کے خیال میں زینت آفریں بنادی گئی۔ مطلب یہ کہ اللہ نے فرعون کی بصیرت ہی تباہ کر دی تھی۔ اسی وجہ سے وہ اپنے ہر برے عمل کو اچھا جانتا تھا۔
وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ اور راہ صواب سے اس کو روک دیا گیا تھا یعنی اللہ نے راہ حق سے اس کو روک دیا تھا (جس کا سبب اس کی بصیرت کی نابینائی اور عمل کی بدی تھی اور) حقیقی فاعل ہر امر کا اللہ ہی ہے۔ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت یاب ہونے کی توفیق دیتا ہے۔
وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ یعنی موسیٰ کو زیر کرنے کی فرعون کی ہر تدبیر۔
اِلَّا فِيْ تَبَابٍ تباب خسارہ بربادی بیکار۔
وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾　اور مومن نے کہا بھائیو

تم میری راہ پر چلو میں تم کو ٹھیک راستہ بتاتا ہوں۔
سَبِيلَ الرَّشَادِ ایہ راستہ جس پر چلنے والا منزل مقصود پر پہنچ جائے سبیل الرشاد کہلاتا ہے اس میں فرعون اور اس کے ساتھیوں کے طریقہ پر تعریض ہے کہ وہ طریقہ رشاد کا طریقہ نہیں ہے۔

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ اور میرے بھائیو!
یہ دنیوی زندگی محض چندروزہ ہے اور اصل قیام گاہ تو آخرت ہے۔
متاع ایک حقیر متاع کو تھوڑے دنوں اس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے پھر ختم ہو جاتی ہے۔
دار القرار لازوال مقام لہٰذا اسی کو ایسا ہی کام کرنا چاہئے جس سے آخرت میں فائدہ حاصل ہو۔

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ جو شخص گناہ کرتا ہے اس کو گناہ کے برابر سزا دی جاتی ہے اور جو شخص نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو سو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور وہاں ان کو بے حساب رزق دیا جائے گا۔
وَهُوَ مُؤْمِنٌ مومن ہونا اس لئے ضروری ہے کہ ایمان ہر نیک عمل کے ثواب کی شرط ہے کیونکہ اللہ ہی جزا کا مالک ہے۔ لہٰذا اس پر ایمان لانا ضروری ہے تاکہ جو عمل کیا جائے وہ اس کی مرضی کے مطابق خلوص کے ساتھ کیا جائے۔
بِغَيْرِ حِسَابٍ یعنی اعمال کے برابر نہیں۔ اعمال سے ثواب کا موازنہ نہ ہوگا بلکہ اللہ کے کرم اور رحمت سے چند در چند کتنے ہی گنا بدلہ دیا جائے گا۔

وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۝ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ۝ اور اے میرے بھائیو یہ کیا بات ہے کہ میں تم کو نجات (کے راستہ) کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ (کے راستہ) کی طرف بلا رہے ہو تم مجھے اس بات کی دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کا منکر ہو جاؤں اور ایسی چیزوں کو اس کا شریک ٹھہراؤں جس (کے شریک ہونے) کی میرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور میں تم کو اس (اللہ) کی طرف بلا رہا ہوں جو سب پر غالب اور بڑا خطا بخش ہے۔
مالی یعنی مجھے بتاؤ عقل و دانش کے خلاف تمہاری یہ عادت کیوں ہے۔
اِلَى النَّجٰوةِ یعنی اللہ واحد لاشریک پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہوں تاکہ تم کو دوزخ سے نجات حاصل ہو۔
اِلَى النَّارِ اور تم مجھے شرک کی طرف بلا رہے ہو جو دوزخ میں لے جانے والا ہے۔ خواب غفلت سے بیدار کرنے اور اس امر پر تنبیہ کرنے کے لئے کہ تم میری خیر خواہی کے مقابلہ میں بدخواہی کر رہے ہو مکرر خطاب کیا۔
تدعوننی لاکفر یہ پہلے تدعوننی سے بدل یا اس کا بیان ہے اور دعاء (کے افعال اور اس سے مشتقات) کے بعد عربی میں لفظ الی بھی آتا ہے اور لام بھی۔ لفظ ہدایت اور اس کے مشتقات کا استعمال بھی اسی طرح ہوتا ہے۔
لیس لی بہ جس کے رب ہونے کا مجھے علم نہیں یعنی کوئی دلیل نہیں بلکہ شرک کے ناممکن ہونے کی قطعی دلائل میرے پاس ہیں۔ ایمان کے لئے کوئی ایسی دلیل ہونی چاہئے جو معبود کی ہستی اور اس کے رب ہونے کو ثابت کر سکے۔ بغیر کسی دلیل کے ایمان نہیں ہو سکتا اور اعتقاد بغیر یقین کے صحیح نہیں۔
العزیز یعنی غالب ہستی جو منکروں سے بدلہ لینے پر قادر ہو۔
الغفار یعنی مومنوں میں سے جس کے چاہے گناہ بخش دے مطلب یہ کہ وہ تمام صفات الوہیت کو جامع ہے اس کی قدرت بھی کامل ہے حلم بھی ہمہ گیر اور ارادہ بھی مطلق ہے۔

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ

هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾

یقینی بات ہے کہ جس چیز کی (عبادت کی) طرف تم مجھے بلاتے ہو وہ نہ تو دنیا ہی میں پکارے جانے کے لائق ہے اور نہ آخرت میں۔ اور (یہ بھی یقینی بات ہے) کہ ہم سب کو اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور جو لوگ (بندگی کی) حد سے تجاوز کرنے والے ہیں وہ دوزخی ہوں گے آگے چل کر تم میری بات یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں خدا تعالیٰ بلاشبہ سب بندوں کا نگراں ہے۔

جو لوگ بندہ مومن کو بت پرستی کی طرف بلاتے ہیں ان کی تردید میں اس نے یہ (پُرزور مدلل) تردید کی۔ یعنی جس چیز کی پرستش کی تم مجھے دعوت دے رہے ہو یہ کچھ بھی نہیں ہے اس صورت میں لاجرم میں لا نافیہ ہوگا۔ جس سے دعوت کفار کی نفی ہو جائے گی اور جرم فعل ہے جس کا معنی ہے حق (ثابت اور صحیح ہے یہ بات) یعنی تم جو مجھے بتوں کی پوجا کی دعوت دے رہے ہو اس کا دونوں جہان میں بے اصل اور ہیچ ہونا یقینی ہے کیونکہ یہ (بے عقل) جمادات ہیں نہ دنیا میں کسی کو اپنی پرستش کی طرف بلاتے ہیں نہ آخرت میں اپنے پرستاروں کا ساتھ دیں گے بلکہ ان پجاریوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔

یا یہ مطلب ہے کہ ان کی قابل قبول دعوت نہ ہونا یقینی ہے یا ان کی دعوت قبول نہ ہونا یقینی ہے۔ سدی نے کہا یہ بت کسی کے لئے نہ دنیا میں دعا کرتے ہیں نہ آخرت میں کریں گے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جرم فعل ہے جرم مصدر ہے جرم کا معنی ہے انقطاع اور لا نافیہ ہے جیسے لابد میں لا نفی کا ہے اور بد فعل ہے تبدید کا معنی ہے تفریق یعنی الوہیت اصنام کے دعوی کا بطلان ہر زمانہ میں ہے کسی وقت اس دعوی کے غلط ہونے کا انقطاع نہیں ہے۔ یہ تو ہوئی لفظ لاجرم کی اصلی لغوی تحقیق) عرف عام میں لاجرم کا معنی ہوتا ہے قطعی یقینی قاموس میں ہے لاجرم یعنی لابد (ضروری) قطعی لامحالہ یہ لاجرم کا عمومی استعمال ہے۔ اس کے بعد کسی کلام کو پختہ کرنے کے لئے قسم کے معنی میں اس کا استعمال کیا جانے لگا۔ اسی لئے اس کے جواب میں لام کا آنا ضروری قرار دیا گیا جیسے کہا جاتا ہے لاجرم لاتینک میں ضرور تیرے پاس آؤں گا۔

وان مردنا یعنی مرنے کے بعد ہم سب کو لوٹ کر اللہ کے پاس جانا ہے وہی حسب استحقاق ہر ایک کو جزا سزا دے گا۔

وان المسرفین گمراہی میں حد سے تجاوز کرنے والے یعنی شرک اور بے قصور خوں ریزی کرنے والے هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ یعنی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ یعنی جب عذاب آنکھوں کے سامنے آجائے گا اس وقت تم لوگ باہم میری نصیحت یاد کرو گے لیکن اس وقت نصیحت یاد کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں کہ وہ ہی ہر دکھ اور تکلیف سے مجھے محفوظ رکھے۔

جب عبد مومن نے فرعونیوں کے دین کی علی الاعلان مخالفت کی تو لوگوں نے اس کو سزا دینے کی دھمکی دی اس وقت اس نے یہ جملہ کہا۔

اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ یعنی اللہ سب بندوں کو خوب دیکھتا ہے وہی خوب جانتا ہے کہ کون حق پرست ہے اور کون باطل کوش۔ اس کے بعد عبد مومن فرعونیوں کے پاس سے چلا گیا اور روپوش ہو گیا جس کے بعد کافروں کو اس پر کبھی دسترس حاصل نہ ہوئی۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْۗءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾

اس کے بعد اللہ نے اس کو فرعون اور فرعونیوں کی ضرر رساں تدبیروں سے محفوظ رکھا اور کافروں پر برا عذاب نازل ہوا۔

فوقاہ سے پہلے چند جملے محفوظ ہیں پوری عبارت اس طرح تھی۔ فرعونیوں نے اس کو قتل کرنا چاہا مگر وہ بھاگ گیا فرعون نے اس کو پکڑنے کے لئے اپنے آدمیوں کو بھیجا لیکن اللہ نے اس کو محفوظ رکھا۔

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ یعنی فرعون اور فرعونیوں پر برا تکلیف وہ عذاب نازل ہوا فرعون کا ذکر کرنا بیکار تھا کیونکہ وہ تو عذاب کا مستحق سب سے زیادہ تھا اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

سوء العذاب یعنی دنیا میں پانی میں غرق کر دیا اور مرنے کے بعد دوزخ میں ڈال دیا۔

بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ آل فرعون سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو فرعون نے عبد مومن کی گرفتاری کے لئے بھیجا تھا اس صورت میں سوء العذاب سے مراد ہو گا عذاب قتل عبد مومن بھاگ کر ایک پہاڑ پر چلا گیا لوگوں نے اس کا پیچھا کیا اور پہاڑ پر چڑھ گئے جا کر دیکھا تو اس کو نماز میں مشغول پایا اور چاروں طرف گھیر اڈالے صف بستہ جنگلی درندے اس کی حفاظت کر رہے تھے مجبور ہو کر لوٹ پڑے اس جرم میں فرعون نے ان کو قتل کرا دیا۔

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا ۚ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۗ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾

صبح شام (روزانہ) ان کو دوزخ کے روبرو لایا جاتا ہے اور جس روز قیام برپا ہو گی تو (حکم ہو گا فرعون اور) فرعونیوں کو شدید ترین عذاب میں داخل کرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ آل فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کے جوف کے اندر داخل ہو کر روزانہ دو مرتبہ صبح شام دوزخ پر پیش ہوتی ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے اے آل فرعون قیامت برپا ہونے تک تمہارا یہی ٹھکانا ہے اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عمر کی اس روایت سے ہوتی ہے جو صحیحین میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مر جاتا ہے تو اس کی قیام گاہ صبح شام اس کے سامنے لائی جاتی ہے اگر وہ جنتی ہوتا ہے تو جنت والوں کی قیام گاہ اور اگر دوزخی ہوتا ہے تو دوزخ والوں کی قیام گاہ (اس کے سامنے لائی جاتی ہے) اور اس سے کہا جاتا ہے یہ ہی تیری رہنے کی جگہ اس وقت تک ہے جب تک کہ اللہ قیام تک کے دن تجھے اٹھائے گا۔

آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ روح باقی رہتی ہے اور قبر (یعنی برزخ) میں عذاب ہوتا ہے (متعدد) احادیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں اور اسی پر اجماع علماء ہے۔

ادخلوا یعنی (عذاب کے) فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اشد العذاب سے مراد ہے طرح طرح کا عذاب جو عالم برزخ کے عذاب سے بالکل الگ قسم کا ہو گا۔

وَاِذْ یَتَحَآجُّوْنَ فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِیْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا كُلٌّ فِیْهَاۤ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَیْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾

اور جب کہ کفار دوزخ کے اندر ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو ادنیٰ درجہ کے لوگ (یعنی تابع حکم لوگ) بڑے درجہ کے لوگوں سے (یعنی سرداروں سے) کہیں گے (دنیا میں) ہم تمہارے تابع تھے تو کیا (آج) تم ہم سے آگ کا کچھ حصہ ہٹا کر ہمارے کام آ سکتے ہو (اس کے جواب میں) وہ لوگ جو (دنیا میں) بڑے بن بیٹھے تھے کہیں گے ہم سب ہی دوزخ میں ہیں۔ اللہ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا۔

واذیتحاجون یعنی اے محمد آپ اپنی قوم کے سامنے اس وقت کا ذکر کیجئے جب وہ دوزخ کے اندر باہم جھگڑیں گے۔

تبعاتبع واحد بھی ہے اور جمع بھی جیسے خدم خادم کی جمع ہے یہ قول علماء بصرہ کا ہے لیکن ادباء کوفہ کے نزدیک یہ جمع کا صیغہ ہے مگر اس کا واحد نہیں آتا۔ البتہ اس کی جمع اتباع آتی ہے۔

فهل انتم ہل حرف استفہام ہے لیکن استفہام بہ معنی امر ہے۔

نصیبا مغنون کا مفعول ہے یا مصدر ہے اس جگہ اس کا استعمال اسی طرح ہے جس طرح آیت لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا میں لفظ شیئا کا ہے۔

انا کل ہم یعنی اور تم ہر فریق آج دوزخ میں ہے تو ہم کس طرح تم سے یہ عذاب دور کر سکتے ہیں اگر کر سکتے تو اپنے اوپر

سے دفع کرتے۔
ان اللہ یعنی اللہ جنتیوں کے لئے جنت کا اور دوزخیوں کے لئے دوزخ کا فیصلہ کر چکا اس کے فیصلہ کو کوئی پلٹ نہیں سکتا۔
وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ اور دوزخی جب شدت عذاب میں مبتلا ہوں گے تو جہنم کے کارندوں سے کہیں گے تم اپنے رب سے اتنی درخواست کر دو کہ وہ کسی روز (کچھ بھی) ہمارے اس عذاب میں تخفیف کر دے۔
قَالُوا أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۚ قَالُوا فَادْعُوا ۗ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿۵۰﴾ جہنم کے دربان کہیں گے کیا تمہارے پیغمبر تمہارے پاس واضح احکام لے کر نہیں پہنچے تھے دوزخی کہیں گے پہنچے کیوں نہ تھے اس پر دوزخ کے کارندے کہیں گے تو اب تم (خود) ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا محض بیکار ہے۔
ع ۱۴ ۱۰

اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ استفہام انکاری ہے اور بطور استہزاء استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد ہے ناامید بنا دیا۔
الا فی ضلل یعنی بیکار نا قابل قبول یہ جملہ اللہ کا قول ہے یہ بھی ممکن ہے کہ دوزخ کے کارندوں کے کلام کا جزء ہو۔
إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ ۖ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾ ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس روز (بھی مدد کریں گے جس روز گواہی دینے والے (ملائکہ گواہی دینے) کھڑے ہوں گے اس روز کافروں کا عذر ان کو فائدہ نہیں دے گا اور رحمت خدا سے ان کو دوری ہوگی اور اس عالم میں ان کے لئے خرابی ہوگی۔
اِنَّ لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ضحاک نے کہا دنیا میں مدد کرنے سے مراد ہے دلیل و برہان سے مدد کرنا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا غلبہ عطا کرنا مراد ہے۔ بیضاوی نے کہا اگرچہ کبھی کافروں کو بھی غلبہ عطا کیا گیا لیکن اعتبار انجام و مآل اور اکثریت کا ہے (اور اکثر صورتوں میں پیغمبروں کو کافروں پر غلبہ ہی عطا کیا گیا ہے) بعض لوگوں نے کہا نصرت رسل سے مراد ہے دشمنوں سے انتقام (یعنی دنیا میں اللہ نے پیغمبروں کے دشمنوں سے پیغمبروں کا انتقام ضرور لیا)
وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ یعنی قیامت کے دن جب اعمالنامے لکھنے والے فرشتے شہادت دیں گے کہ پیغمبروں نے اللہ کا پیام اپنی امتوں تک پہنچا دیا تھا اور کافروں نے ان کو جھوٹا قرار دیا تھا۔
الظالمین ظالموں سے مراد ہیں کافر ولھم اللعنۃ لعنت سے مراد ہے رحمت خدا سے دوری۔
سوء الدار یعنی برا گھر مراد جہنم۔
وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَىٰ وَأَوْرَثْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۵۴﴾ اور آپ ﷺ سے پہلے ہم موسیٰ کو کتاب ہدایت (یعنی توریت) دے چکے ہیں اور ہم نے وہ کتاب بنی اسرائیل کو پہنچائی تھی کہ وہ ہدایت اور نصیحت (کی کتاب تھی) (سلیم) عقل والوں کے لئے۔
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى اس آیت کا ربط حضرت موسیٰ کے قصہ سے ہے درمیان میں معترضہ جملے ہیں۔
الھدی یعنی وہ کتاب جس میں دینی ہدایت تھی (یعنی جو دینی ہدایت کا ذریعہ تھی) حضرت موسیٰ کو توریت فرعون کے ہلاک ہونے کے بعد عطا کی گئی تھی۔
ھدی وذکری یعنی ہدایت اور نصیحت کے لئے یا (مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی وہ کتاب ہدایت کرنے والی اور نصیحت آفریں تھی۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْكَارِ۝ پس (اے محمد دشمنوں کی ایذاء پر) آپ صبر کیجئے اللہ کا وعدہ بلاشبہ سچا ہے اور اپنی خطا کی اللہ سے معافی طلب کیجئے اور صبح و شام اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے۔

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ یعنی اللہ نے جو آپ ﷺ سے نصرت کا وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہوگا اس کے خلاف ہونا ممکن نہیں۔ اس بات کے ثبوت کے لئے اللہ نے حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا واقعہ بیان فرمادیا۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ (رسول اللہ ﷺ گناہ سے معصوم و محفوظ تھے پھر آپ سے صدور گناہ کیسے ہو سکتا تھا اور استغفار کا حکم کیوں دیا گیا اس شبہ کو دور کرنے کے لئے حضرت مفسرؒ نے کہا) یہ امر تعبدی ہے تاکہ رسول اللہ ﷺ کے درجات میں اضافہ ہو (یعنی باوجود گناہ نہ ہونے کے محض حکم) استغفار کے زیر اثر استغفار کرنے سے رسول اللہ ﷺ کے درجات قرب میں اضافہ ہوگا) اور امت کے لئے ایک طریقہ مسنونہ جاری کرنا بھی مقصود ہے۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ یعنی رب کے انعامات کے شکریہ میں نماز پڑھو۔

بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْكَارِ حسن نے کہا اس سے مراد ہیں عصر اور فجر کی نمازیں۔ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک پانچوں نمازیں مراد ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ اِنْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ جو لوگ بلا کسی سند کے جو ان کے پاس موجود ہو خدا کی آیتوں میں جھگڑے نکالا کرتے ہیں ان کے دلوں میں بڑائی (ہی بڑائی) ہے۔

یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ یعنی قرآن کا انکار کرتے ہیں۔

بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ یعنی بغیر خدائی سند کے۔

فی صدورھم سینوں سے مراد ہیں دل۔ سینہ کے اندر دل ہوتا ہے۔

الاکبر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یعنی آپ کی تکذیب پر آمادہ کرنے والا محض ان کا غرور اور تکبر ہے جو ان کے دلوں کے اندر بھرا ہوا ہے وہ اپنے کو آپ سے بڑا جانتے ہیں اسی لئے آپ کے پیرو ہونے سے نفرت کرتے ہیں۔

مَّا هُمْ بِبَالِغِیْهِ کہ وہ اس تک بھی پہنچنے والے نہیں ہیں۔

مجاہد نے کہا یعنی وہ جو بڑے ہونے کے مدعی ہیں وہ بڑائی کو پہنچ نہیں سکتے اللہ ان کو ذلیل رکھے گا۔ ابن قتیبہ نے کہا ان کے دلوں میں تکبر ہے اور رسول اللہ ﷺ پر غالب آجانے کی خواہش ہے لیکن وہ اس بڑائی تک پہنچ نہیں سکیں گے۔

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ پس (ان کی شرارتوں سے) آپ اللہ کی پناہ مانگئے۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۝ کیونکہ وہ بلاشبہ تمہاری باتوں کو سننے والا اور تمہارے افعال کو دیکھنے والا ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۝ کوئی شک نہیں کہ آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کرنا آدمیوں کو پیدا کرنے سے بڑا کام ہے لیکن اکثر لوگ ناواقف ہیں۔

یعنی اتنے بڑے آسمان و زمین جس نے بغیر کسی ابتدائی ہیولیٰ کے پیدا کئے وہ انسانوں کو دوبارہ پیدا کر سکتا ہے۔ قرآن نے قیام ہونے کے عقیدہ کا اظہار کیا تو جھگڑے نکالنے والوں نے جھگڑے کرنے شروع کئے کہ دوبارہ انسان کی تخلیق کیسے ہو سکتی ہے۔ کافروں کے اس شبہ کو آیت مذکورہ میں دور کیا گیا ہے۔

چونکہ اکثر لوگ انتہائی غفلت خواہشات کے غلبے اور اسلاف کی کورانہ تقلید کی وجہ سے غور نہیں کرتے اور سوچ سے کام نہیں لیتے اس لئے ناواقف ہیں (اور قیامت کے حقانیت کو نہیں جانتے)

ابن ابی حاتم نے ابوالعالیہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک بار یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دجال کا

کچھ تذکرہ کیا اور دجال کی بڑی تعریف کی اور کہنے لگے وہ ہم میں سے ہوگا اور فلاں فلاں کارنامے انجام دے گا اس پر اللہ نے آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ سے فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ تک نازل فرمائی مطلب یہ کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا آدمیوں کو یعنی دجال کو پیدا کرنے سے بڑا ہے پھر اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگیں۔

کعب احبار کا قول ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ سے مراد یہودی ہیں وہ دجال کے منتظر تھے ان کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا۔

حضرت عمران بن حصین کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے تخلیق آدم سے قیامت تک کوئی واقعہ دجال کے واقعہ سے بڑھ کر نہیں ہوگا۔ رواہ مسلم۔

حضرت عبداللہ بن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم پر یہ بات مخفی نہ رہنا چاہئے کہ اللہ کانا نہیں ہے اور مسیح دجال دائیں آنکھ سے کانا ہوگا اس کی دائیں آنکھ پر انگور کی طرح ٹینٹ پھولا ہوا ہوگا۔ (متفق علیہ)

حضرت انس کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس نے اپنی امت کو کانے کذاب سے نہ ڈرایا ہو خوب سمجھو وہ کانا ہوگا اور تمہارا رب کانا نہیں ہے اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان (لفظ) کفار لکھا ہوگا۔ متفق علیہ۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم سے دجال کے متعلق ایک بات نہ کہہ دوں ہر نبی نے اپنی امت کو دجال کے متعلق (کچھ نہ کچھ) جتلایا ہے بلاشبہ وہ کانا ہوگا اس کے ساتھ جنت بھی ہوگی اور دوزخ بھی جس کو وہ جنت کہے گا حقیقت میں وہ دوزخ ہوگی میں تم کو (دجال کے فتنے سے) ڈراتا ہوں جس طرح نوحؑ نے اپنی قوم کو ڈرایا تھا۔ متفق علیہ۔

حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دجال خروج کرے گا تو اس کے ساتھ پانی بھی ہوگا اور آگ بھی جس کو لوگ پانی سمجھیں گے وہ آتش سوزاں ہوگی اور جس کو آگ سمجھیں گے وہ ٹھنڈا میٹھا پانی ہوگا تم میں سے جو کوئی اس کو پالے اس کو چاہئے کہ جس کو آگ (کی صورت میں) دیکھ رہا ہو اس میں گر جائے وہ بلاشبہ ٹھنڈا پاکیزہ پانی ہوگا۔ متفق علیہ۔ مسلم کی روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ دجال کی آنکھ مٹی ہوئی ہوگی اس پر ایک موٹا ناخونہ ہوگا دجال کی دونوں آنکھوں کے درمیان (لف) کافر لکھا ہوگا ہر مومن خواہ لکھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو اس کو پڑھ لے گا۔

یہ بھی حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دجال بائیں آنکھ سے کانا ہوگا۔ بال گھونگھریالے ہوں گے اس کے ساتھ اس کی جنت بھی ہوگی اور دوزخ بھی۔ جو اس کی دوزخ ہوگی وہ حقیقت میں جنت ہوگی اور جو اس کی جنت ہوگی وہ حقیقت میں دوزخ ہوگی۔ رواہ مسلم۔

حضرت نواس بن سمعان راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے دجال کا ذکر کیا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا اگر وہ میری زندگی میں برآمد ہوگا تو میں تمہاری طرف سے اس کا مقابلہ کروں گا اور اگر وہ میری زندگی میں نمودار نہیں ہوگا تو اللہ میری جانب سے تمہارا نگراں (مددگار) ہوگا اور ہر شخص اپنی ذات سے اس کا مقابل ہوگا دجال ایک ژولیدہ نوجوان ہوگا اس کی آنکھ میں پھولا ہوگا میں اس کو عبدالعزیٰ بن قطن کے ہم شکل قرار دیتا ہوں تم میں سے جو اس کو پالے تو سورۂ کہف کی ابتدائی آیات پڑھ کر اس پر دم کرے یہ آیات دجال کے فتنہ سے بچاؤ کا ذریعہ ہو جائیں گی۔ وہ شام اور عراق کی درمیانی گھاٹی (یا سبزہ زار) سے عروج کرے گا اور دائیں بائیں تباہی مچائے گا اللہ کے بندو تم ثابت قدم رہنا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس کا قیام زمین پر کتنی مدت رہے گا۔ فرمایا چالیس روز جن میں ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا اور ایک دن ایک ماہ کے برابر اور ایک دن ایک ہفتہ کے برابر اور باقی دن تمہارے دنوں کے برابر ہوں گے ہم نے عرض کیا جو دن ایک سال کے برابر ہوگا اس دن میں اتنی ہی نمازیں ہمارے لئے کافی ہوں گی جتنی ہماری ایک دن کی ہوتی ہیں فرمایا نہیں۔ بلکہ تم (اوقات کا) اندازہ کر لینا (گویا ہر ۲۴ گھنٹوں میں پانچ اوقات کی نمازیں پڑھنے کا حکم دیا اس طرح ایک سال کے برابر والے دن کی کل نمازیں اٹھارہ سو ہوں گی۔ مترجم) رواہ مسلم۔

حضرت ابو سعیدؓ خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دجال خروج کرے گا تو سامنے سے ایک ایمان دار اس کی طرف متوجہ ہوگا دجال کے سرحدی سپاہی (یا باڈی گارڈ والے) اس کے سامنے آجائیں گے اور پوچھیں گے کہاں جانے کا ارادہ ہے مومن کہے گا میں اس شخص کے پاس جانے کا ارادہ کر رہا ہوں جس نے خروج کیا ہے۔ سپاہی کہیں گے کیا ہمارے رب پر تیرا ایمان نہیں ہے مومن کہے گا۔ ہمارے رب سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔ سپاہی کہیں گے اس کو قتل کر دو انہیں میں سے ایک شخص کہے گا کیا تمہارے رب نے تم کو اس کے حکم کے بغیر کسی کو قتل کر دینے سے منع نہیں کر دیا (یہ سن کر سپاہی اس مومن کو قتل نہیں کریں گے بلکہ اس کو) لے کر دجال کے پاس چلے جائیں گے مومن دجال کو دیکھتے ہی کہے گا لوگو یہ وہی دجال ہے جس کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے دجال حکم دے گا اس کا سر توڑ دو حسب الحکم لوگ تلوار سے اس کا پیٹ اور پیٹھ پھاڑ دیں گے دجال کہے گا کیا اب بھی تو مجھ پر ایمان نہیں لائے گا مومن کہے گا تو فریبی بڑا جھوٹا ہے دجال کہے گا اس کو آرے سے چیر دو لوگ وسط سر سے دونوں ٹانگوں کے درمیان تک چیر ڈالیں گے پھر دجال اس کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان کھڑا ہو کر کہے گا اٹھ جا مومن زندہ ہو کر سیدھا اٹھ کھڑا ہوگا دجال کہے گا کیا تو اب مجھ پر ایمان رکھتا ہے مومن کہے گا اب تو تیرے متعلق میری بصیرت اور بڑھ گئی (یعنی مجھے یقین ہو گیا کہ تو دجال ہی ہے) پھر مومن کہے گا لوگو میرے بعد یہ کسی کے ساتھ ایسی حرکت نہیں کر سکے گا دجال اس کو پکڑ کر ذبح کرنے کی کوشش کرے گا لیکن اللہ اس کی گردن (کی جڑ) سے ہنسلی کی ہڈی تک (پوری گردن اور گلے کو) تانبا کر دے گا (کہ چھری یا تلوار اس کو کاٹ نہ سکے گی) جب دجال کو کوئی صورت بن نہ پڑے گی تو حکم دے گا اس کے ہاتھ پاؤں پکڑ کر آگ میں پھینک دو لوگ خیال کریں گے کہ دجال نے اس کو آگ میں پھینکوا دیا اور حقیقت میں وہ جنت میں جا گرے گا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے نزدیک یہ سب سے بڑا شہید ہوگا۔ رواہ مسلم۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اصفہان کے ستر ہزار یہودی دجال کے پیچھے پیچھے ہوں گے اور یہ سب شاہانہ چادریں اوڑھے ہوں گے (یعنی سردار ہوں گے) رواہ مسلم۔

حضرت ابو سعیدؓ خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دجال مدینہ کی گھاٹیوں میں گھسنے کے لئے آئے گا لیکن مدینہ میں اس کا داخلہ حرام کر دیا گیا ہے اس لئے مدینہ سے متصل بعض ریگستانی شور یلے مقاموں پر اترے گا۔

ایک آدمی جو سب سے افضل ہوگا (مدینہ سے) نکل کر اس کے پاس پہنچے گا دجال کہے گا اگر میں اس شخص کو قتل کر کے دوبارہ زندہ کر دوں تو پھر بھی کیا تم میری بات میں شک کرو گے لوگ کہیں گے نہیں۔ دجال اس شخص کو قتل کر کے پھر زندہ کر دے گا وہ شخص کہے گا خدا کی قسم آج سے زیادہ تیرے متعلق تو مجھے کبھی بصیرت حاصل ہی نہیں ہوئی تھی دجال اس کو دوبارہ قتل کرنا چاہے گا لیکن قابو نہ پا سکے گا۔ رواہ البخاری و مسلم فی صحیحا۔

حضرت ابو بکرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسیح دجال کا رعب مدینہ کے اندر داخل نہیں ہوگا اس روز مدینہ کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دروازے پر دو فرشتے نگراں مقرر رہوں گے۔ متفق علیہ۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان فرمایا اور ارشاد کیا دجال ایک مشرقی ملک سے جس کو خراسان کہا جاتا ہے برآمد ہوگا اس کے پیچھے بہت لوگ ہوں گے جن کے چہرے ایسے ہوں گے جیسے کوئی ہوئی (چپٹی) ڈھالیں۔ رواہ الترمذی۔

حضرت اسماءؓ بنت یزید بن سکن کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دجال زمین پر چالیس سال رہے گا جس کا ایک سال (اتنا چھوٹا اور بے برکت) ہوگا جیسے ایک ماہ اور مہینہ ایک ہفتہ کی طرح ہوگا اور ہفتہ ایک دن کے برابر اور ایک دن اتنا ہوگا جیسے آگ میں کھجور کی کوئی چھپٹ جل جاتی ہے (بھڑک جاتی ہے) رواہ البغوی فی شرح السنۃ والمعالم۔

حضرت ابو سعیدؓ خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت (یعنی امت دعوت) کے ستر ہزار تاج پوش (حکام بادشاہ نواب وغیرہ) لوگ دجال کے پیچھے ہو جائیں گے۔ (رواہ البغوی فی شرح السنۃ والمعالم)

بغوی نے حضرت ابو امامہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس روز ستر ہزار یہودی تاج پوش آراستہ تلواروں والے دجال کے پیچھے ہو جائیں گے۔

حضرت اسماء بنت یزید انصاریہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تشریف فرما تھے آپ ﷺ نے دجال کا تذکرہ کیا اور فرمایا دجال کے سامنے تین سال ایسے آئیں گے کہ ایک سال تو آسمان ایک تہائی بارش کو اور زمین ایک تہائی روئید گی کو روک لے گی اور دوسرے سال دو تہائی بارش اور دو تہائی روئید گی رک جائے گی اور تیسرے سال (بالکل کال ہو جائے گا) بارش بالکل نہ ہوگی اور نہ زمین سے کچھ اگے گا تمام کھر اور ڈاڑھوں والے جانور مر جائیں گے دجال کا شدید ترین فتنہ یہ ہوگا کہ وہ ایک اعرابی کے پاس جائے گا اور اس سے کہے گا اگر میں تیرے اونٹوں کو زندہ کردوں تو کیا پھر بھی تو مجھے اپنا رب نہیں جانے گا وہ اعرابی جواب دے گا کیوں نہیں۔ دجال شیطانوں کو اونٹوں کی شکل میں کر دے گا جن کے خوبصورت تھن اور بہت بڑے بڑے کوہان ہوں گے۔ ایک آدمی کا بھائی مر چکا ہوگا اور باپ بھی۔ دجال اس سے کہے گا اگر میں تیرے باپ اور بھائی کو زندہ کردوں تب بھی تو مجھے اپنا رب نہیں جانے گا۔ وہ شخص کہے گا کیوں نہیں دجال شیاطین کو اس کے باپ اور بھائی کی شکل میں لا کر پیش کر دے گا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے کام سے باہر تشریف لے گئے کچھ دیر کے بعد لوٹ کر آئے تو لوگوں کو ایک خاص فکر و غم میں جتلا پایا حضور ﷺ نے جو حالت دجال کی بیان کی تھی اس سے لوگوں کو بڑی فکر ہو گئی تھی آپ ﷺ نے دروازے کے دونوں بازو پکڑ کر فرمایا اسماء کیا بات ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ دجال کا جو ذکر آپ ﷺ نے کیا اس کو سن کر ہمارے دل نکلے پڑتے ہیں فرمایا اگر وہ میری زندگی میں آیا تو میں اس سے مقابلہ کروں گا ورنہ ہر مومن کا اللہ (نگہبان ہے) میرے بجائے اللہ ہو گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم آٹا گوندھتے ہیں اور روٹی پکانے نہیں پاتے کہ بھوکے ہو جاتے ہیں پھر اس روز مومنوں کی کیا حالت ہوگی فرمایا تسبیح خداوندی ان کے لئے کافی ہوگی جیسے آسمان والوں کے لئے کافی ہوتی ہے (یعنی روٹی پانی کی ضرورت ہی نہیں ہوگی) رواہ احمد والبغوی فی العالم۔

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ راوی ہیں کہ دجال کے متعلق جتنا میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا اتنا اور کسی نے نہیں پوچھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تھا وہ تجھے ضرر نہیں پہنچا سکتا میں نے عرض کیا لوگ کہتے ہیں اس کے ساتھ روٹی کا پہاڑ اور پانی کا (بھرا ہوا) دریا چلے گا فرمایا اللہ کے لئے یہ بات اس سے بھی زیادہ آسان ہے (یعنی اللہ کو اپنے ساتھ روٹی اور پانی رکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے) متفق علیہ۔

آیت مذکورہ میں فرمایا تھا اکثر لوگ ناواقف ہیں آئندہ آیت میں اسی مناسبت سے فرمایا کہ جاہل اندھا ہوتا ہے اور عالم صاحب بصر ہوتا ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ اور نابینا و بینا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے اور وہ لوگ جو بدکردار ہیں برابر نہیں ہو سکتے تم لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہو۔

اعمیٰ یعنی جاہل بصیر یعنی عالم الذین امنوا وعملوا الصلحت یعنی نیکوکار مسئ بدکار مطلب یہ کہ جاہل اور عالم نیکوکار اور بدکار برابر نہیں ان میں بڑا تفاوت درجہ ہے دنیا میں تو ان کے درمیان کوئی تفاوت (محسوس) نہیں ہوتا لامحالہ مرنے کے بعد اور قیامت کے دن ان کے درمیان فرق مراتب ہونا ضروری ہے۔

قلیلا ما یعنی بہت کم سمجھتے ہو یا تھوڑی دیر سمجھتے ہو۔

اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ بیشک وہ گھڑی یعنی قیامت ضرور آنے والی ہے اس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں مانتے۔

لاتیۃ ضرور آنے والی ہے تاکہ نیکوکار اور بدکار کا فرق مرتبہ ظاہر ہو جائے۔

لاریب فیھا اللہ کی دی ہوئی خبر میں جھوٹ کی آمیزش بھی محال ہے اس لئے جب اللہ نے فرمادیا کہ قیامت آئے گی تو یقیناً بلاشک وشبہ آئے گی۔

لا یومنون یعنی قیامت کو نہیں مانتے اور اللہ کے وعدہ کو سچا نہیں جانتے اکثر لوگ غافل ہیں شقی ہیں ان کی نظر محسوسات سے آگے نہیں بڑھتی اس لئے قیامت پر ان کا ایمان نہیں۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۝ اور تمہارے رب نے فرمادیا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت سے غرور کی وجہ سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

ادعونی بعض اہل علم نے کہا کہ دعا سے مراد عبادت ہے یعنی میری ہی عبادت کرو کسی اور کی پوجا نہ کرو اور عبادت کی جگہ چونکہ دعا کا صیغہ استعمال کیا ہے اس لئے ثواب کے صیغہ کی جگہ استجب فرمایا۔ دعا سے عبادت اور استجابت سے عطا ثواب مراد ہونے کا قرینہ آئندہ آیت میں عن عبادتی کا لفظ ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ دعا اور عبادت دونوں سے مراد سوال ہے ہر ضرورت کی چیز اللہ ہی سے مانگنا اور کسی دوسرے کی طرف رخ نہ کرنا ہی کمال عبودیت ہے اور اللہ کی بے نیازی اور اپنے محتاج ہونے کا اظہار ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے بعض لوگ (ایسے بھی ہیں جو) اپنی ضرورت کی ہر چیز اپنے رب سے ہی مانگتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر ان کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جاتا ہے تو وہ بھی اپنے رب سے ہی مانگتے ہیں۔

رواہ الترمذی۔ ثابت بنانی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں یہاں تک کہ وہ نمک بھی رب سے ہی مانگتے ہیں اور جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی (خدا ہی سے) طلب کرتے ہیں۔

حضرت نعمانؓ بن بشیر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دعا ہی عبادت ہے پھر حضور ﷺ نے یہ آیت اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ دٰخِرِیْن تک تلاوت فرمائی۔ رواہ احمد وابوداؤد ورواہ ابن ابی شیبۃ فی المصنف والحاکم فی المستدرک و ابن حبان فی صحیحہ والترمذی وابن ماجۃ والنسائی فی مسندیہما وقال الترمذی حدیث حسن صحیح۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت نعمانؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے اور یہ فرما رہے تھے میں نے خود سنا تھا۔ حدیث مبارک کے جو یہ الفاظ ہیں ان الدعا ہو العبادۃ اس میں ہو ضمیر فصل اور العبادۃ (خبر) پر الف لام لانا حصر پر دلالت کر رہا ہے اگر مسند الیہ اور مسند کے درمیان ضمیر فصل ذکر کی جائے اور خبر (یعنی مسند) پر الف لام داخل کر دیا جائے تو اس کلام میں مسند الیہ (مبتداء) پر مسند (خبر) کا حصر مقصود ہوتا ہے جیسے اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ یعنی اللہ کے سوا اور کوئی رازق نہیں اللہ ہی رازق ہے اور کبھی مسند الیہ کو مسند پر محصور کرنا مقصود ہوتا ہے (یعنی پہلی صورت کے برعکس) جیسے ایک حدیث کے الفاظ ہیں الکرم ہو التقوی والحسب ہو الایمان یعنی تقویٰ ہی عزت ہے اور تقویٰ کے سوا کوئی عزت نہیں اور ایمان ہی نسب ہے ایمان کے سوا کوئی نسب نہیں۔ حدیث مذکورہ بالا میں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں (۱) دعا ہی عبادت ہے۔ (۲) عبادت ہی دعا ہے یہ حصر بطور مبالغہ ہے شاید اس سے یہ مراد ہے کہ دعا اور عبادت کی حقیقت ایک ہی ہے صرف مفہوم کا اعتباری فرق ہے ہر دعا اور سوال عبادت و اطاعت ہے سوال میں سائل کی عاجزی اور احتیاج کا اظہار ہوتا ہے اور لغت میں عبودیت اظہار عجز و احتیاج کو ہی کہتے ہیں عبادت کا لفظ عبودیت سے زیادہ بلیغ ہے اظہار عجز کے انتہائی درجہ کا نام عبادت ہے جس کا مستحق سواء اللہ کے اور کوئی نہیں۔ اللہ نے خود ارشاد فرمایا ہے وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ اور ہر عبادت و طاعت سوال ہی ہے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اکثر دعائی و دعاء الانبیاء قبلی بعرفات لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر رواہ ابن ابی شیبۃ فی المصنف دوسری آیت میں فرمایا ہے

وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

جزری نے نہایہ میں لکھا ہے تہلیل (لا الٰہ الا اللہ کہنا) اور تحمید (الحمد للہ کہنا) کو دعا اس لئے کہا گیا کہ تہلیل و تحمید سے بھی دعا کی طرح ثواب و جزاء کا استحقاق ہو جاتا ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ بندہ جب میری تعریف کے شغل میں بجائے سوال کرنے کے لگا رہتا ہے تو میں جتنا مانگنے والے کو دیتا ہوں اس سے زیادہ اس ثناء کرنے والے کو دیتا ہوں۔ ترمذی اور مسلم نے بیان کیا ہے کہ (اللہ نے فرمایا) جس کو قرآن (کی تلاوت) میرے ذکر سے اور مجھ سے سوال کرنے سے باز رکھتی ہے میں اس کو اتنا دیتا ہوں جو سوال کرنے والوں سے افضل (بہتر اور زیادہ) ہوتا ہے۔ دوسری روایت میں آیا ہے جس کو قرآن (کی تلاوت) اور میرا ذکر سوال کرنے سے باز رکھتا ہے الحدیث۔

دعا کی تفصیل: بعض دعائیں تو فرض ہیں جیسے نماز کے اندر سورۂ فاتحہ میں اہدنا الصراط المستقیم پڑھا جاتا ہے بعض دعائیں سنت مؤکدہ ہوتی ہیں جیسے آخری قعدہ کے آخر میں پانچ کے مقامات میں دعائیں کی جاتی ہیں بعض دعائیں حرام یا مکروہ ہوتی ہیں جیسے صرف لذات دنیا کا سوال یا ایسے کام کے لئے دعا جو گناہ ہے۔ یا نا ممکن بات کی درخواست اللہ نے فرمایا ہے کچھ کہتے ہیں رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً ایسی دعا کرنے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا یہ بھی ارشاد خداوندی ہے کہ اللہ نے جو بعض لوگوں کو بعض چیزوں میں فضیلت عطا فرمائی ہے تم اس کی تمنا نہ کرو۔

دنیا اور آخرت میں بندہ جس چیز کا محتاج ہے اس کی درخواست اللہ سے کرنی اور ہر شر سے اس کی پناہ مانگنی تو ایسی دعا مستحب ہے اس کا استحبابی حکم دیا گیا ہے علماء کا اس پر اجماع ہے بعض زاہد کہتے ہیں کہ اللہ سے کچھ نہ مانگنا افضل ہے اس میں تسلیم اور رضاء بالقضاء کا زیادہ ظہور ہوتا ہے علماء کا ایک گروہ قائل ہے کہ اگر مسلمانوں کے لئے دعا کی جائے تو اچھا ہے اور اگر صرف اپنے لئے کی جائے تو اچھا نہیں ہے۔

ہمارے مسلک کی دلیل کتاب اللہ احادیث رسول اللہ ﷺ اور اجماع امت ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دعا سے زیادہ کوئی چیز اللہ کے نزدیک عزت والی نہیں ہے۔ رواہ الترمذی و قال حسن غریب۔ ابن ماجہ اور حاکم نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دعا عبادت کا مغز ہے۔ رواہ الترمذی۔

حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ سے اس کا فضل طلب کرو کیونکہ اللہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور بہترین عبادت کشائش کا انتظار ہے۔ رواہ الترمذی و قال ہذا حدیث غریب۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے رواہ الترمذی و ابن حبان والحاکم ترمذی نے اس کو حدیث غریب کہا ہے اس طرح کی حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص غرور کی وجہ سے اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے یہ ہی مطلب ہے آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ کا۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دعا کرنے میں کمزوری نہ کرو کیونکہ دعا کی موجودگی میں اللہ کسی کو ہلاک نہیں کرے گا۔ رواہ ابن حبان والحاکم۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دعا مومن کا ہتھیار ہے دین کا ستون ہے آسمانوں کا اور زمین کا نور ہے۔ رواہ الحاکم فی المستدرک۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے لئے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا اس کے لئے رحمت کے دروازے کھول دیئے گئے اور اللہ سے جو چیزیں مانگی جاتی ہیں سب سے مرغوب اس کے نزدیک یہ ہے کہ عافیت کی درخواست کی جائے۔ رواہ الترمذی حاکم کی مستدرک میں بجائے رحمت کے جنت کے دروازوں کے دروازے کھول دیئے گئے۔

آیا ہے۔

فصل: دعا کو قبول کرنے کا وعدہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جس کے لئے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا اس کے لئے قبولیت کے دروازے کھول دیئے گئے۔ رواہ ابن ابی شیبہ۔

حضرت سلمانؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا رب بڑا حیادار اور کریم ہے جب بندہ اس کے سامنے ہاتھ اونچے کرتا (یعنی پھیلاتا) ہے تو اسکو اپنے بندے کے خالی ہاتھ واپس کرتے شرم آتی ہے رواہ الترمذی و ابوداؤد و البیہقی فی الدعوات الکبیر۔

حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان کوئی ایسی دعا کرتا ہے جس میں گناہ ہو نہ حق قرابت کا انقطاع ہو تو اللہ تین چیزوں میں سے ایک چیز اس کو ضرور عطا فرماتا ہے۔ یا اس کی دعا جلد پوری کر دیتا ہے۔ یا آخرت کے لئے اس کو جمع رکھتا ہے یا اس بددعا کی برابر برائی کو دور کر دیتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ خواہ ہم بہت سی دعائیں کریں (تب بھی یہ معاوضہ ملے گا) فرمایا اللہ کے پاس بہت کچھ ہے (وہ ضرور عطا فرمائے گا) رواہ احمد۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر دعا گناہ اور قطع قرابت کی نہ ہو تو بندہ کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے بشر طیکہ جلدی کا خواستگار نہ ہو عرض کیا گیا یارسول اللہ عجلت طلبی سے کیا مراد ہے فرمایا بندہ کہنے لگتا ہے میں نے دعا کی دعا کی (یعنی بار بار دعا کی) لیکن دعا کی قبولیت میں نہیں دیکھتا آخر وہ تھک جاتا ہے اور دعا کرنی چھوڑ دیتا ہے۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دعا ان (آفات) سے بھی فائدہ دیتی ہے جو نازل ہو چکی ہوتی ہیں اور ان (آفات و مصائب) سے بھی جو وقت دعا تک نازل نہیں ہوتیں (بلکہ آئندہ نازل ہونے والی ہوتی ہیں) اے اللہ کے بندو دعا کا التزام کرو۔ رواہ الترمذی

امام احمدؒ نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی اللہ سے دعا کرتا ہے اللہ اس کا سوال پورا کرتا ہے یا بقدر سوال کسی دکھ کو اس سے روک دیتا ہے بشر طیکہ دعا کسی گناہ یا قطع قرابت کی نہ ہو۔ رواہ الترمذی۔

فصل کسی کی دعا رد نہیں کی جاتی

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین دعائیں مقبول ہوتی ہیں جن کے قبول ہونے میں کوئی شک نہیں۔ باپ کی دعا مظلوم کی دعا مسافر کی دعا۔ رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجۃ۔ یہ بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین ہیں جن کی دعا رد نہیں کی جاتی۔ روزہ دار کی دعا افطار کے وقت امام عادل کی دعا۔ مظلوم کی دعا مظلوم کی (بد) دعا بادلوں سے اوپر اٹھالی جاتی ہے اور آسمان کے دروازے اس کے لئے کھول دیئے جاتے ہیں اور رب فرماتا ہے مجھے اپنی عزت کی قسم میں تیری ضرور مدد کروں گا اگرچہ کچھ وقت کے بعد ہو۔ رواہ الترمذی۔

حضرت ابودرداءؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کی دعا اپنے (مسلمان) بھائی کے لئے اس کی غیر حاضری میں (یعنی پس پشت) قبول ہوتی ہے جب وہ اپنے بھائی کے لئے خیر کی دعا کرتا ہے تو جو فرشتہ اس کے سر کے پاس کھڑا ہوتا ہے وہ آمین کہتا ہے (یعنی اللہ تیرے بھائی کے لئے ایسا ہی کردے) اور تیرے لئے بھی ایسا ہی ہو جائے۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پانچ دعائیں قبول کی جاتی ہیں مظلوم کی دعا اس وقت تک کہ اس کا انتقام مل جائے حاجی کی دعا وقت واپسی تک بیمار کی دعا صحت مند ہونے تک بھائی کی دعا اپنے بھائی کے لئے غائبانہ پھر فرمایا سب سے زیادہ جلد قبول ہونے والی یہ ہی بھائی کے لئے غائبانہ دعا ہے۔ رواہ البیہقی فی دعوات الکبیر۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جلد ترین قبول ہونے والی وہ دعا ہے جو غائب (مسلمان) کے لئے اس کے پس پشت کی جائے۔ رواہ الترمذی و ابوداؤد۔

فصل۔ قبولیت دعا کی شرطیں (۱) کھانے پینے اور پہننے میں حرام چیز سے پرہیز حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی طویل سفر کرتا ہے بال پراگندہ اور غبار آلود ہوتے ہیں ایسی حالت میں وہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر دعا کرتا ہے اور کہتا ہے اے رب اے رب لیکن اس کا کھانا حرام کا پینا حرام کا اور لباس حرام کا ہوتا ہے اور حرام مال سے ہی اس کی پرورش ہوتی ہے تو دعا کیسے قبول ہو۔ رواہ مسلم۔ (۲) دعا میں حضور قلب ہونا ضروری ہے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قبول ہونے کا یقین رکھتے ہوئے دعا کیا کرو خوب سمجھ لو کہ غافل دل کی دعا اللہ قبول نہیں کرتا۔ رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب۔ (۳) قطعی دعا کی جائے حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو یوں نہ کہے کہ اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے بلکہ عزم رکھے (کہ خدا اس کی دعا قبول کرے) اور بڑی رغبت کے ساتھ دعا کرے کیونکہ اللہ جو کچھ عطا فرماتا ہے اس کے لئے وہ چیز بڑی نہیں ہوتی۔ رواہ مسلم۔

فصل: دعا کے آداب حضرت فضالہ بن عبیدؓ راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ (مسجد میں) تشریف فرما تھے ایک شخص آیا آکر نماز پڑھی نماز کے بعد کہا اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما حضور ﷺ نے فرمایا اے نماز پڑھنے والے تو نے (دعا کرنے میں) جلدی کی جب تو نماز پڑھ چکے اور بیٹھ جائے تو (پہلے) ان صفات کے ساتھ جن کا اللہ مستحق ہے اس کی حمد کر (پھر) مجھ پر درود بھیج پھر دعا کر۔ راوی کا بیان ہے پھر ایک اور شخص نے آکر نماز پڑھی نماز کے بعد اللہ کی حمد کی اور رسول اللہ ﷺ کے لئے دعا رحمت کی حضور نے اس سے فرمایا اب تیری دعا قبول کی جائے گی۔ رواہ الترمذی وروی ابوداؤد والنسائی نحوہ۔

حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا جب میں نے (آخری) قعدہ کیا تو اول اللہ کی ثنا کی پھر رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجا پھر اپنے لئے دعا کی حضور نے فرمایا مانگ (جو مانگے گا) تجھے دیا جائے گا۔ رواہ الترمذی۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا دعا آسمان و زمین کے درمیان روکی رکھی جاتی ہے جب تک تو اپنے نبی کے لئے درود نہ پڑھے دعا کا کوئی حصہ اوپر نہیں چڑھتا۔ رواہ الترمذی۔

حضرت مالک بن یسارؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم اللہ سے دعا کرو تو ہتھیلیوں کو پھیلا کر دعا کرو ہتھیلیوں کی پشت کی طرف سے نہ مانگو۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں آیا ہے کہ ہتھیلیوں کی طرف سے مانگو ہتھیلیوں کی پشت کی طرف سے نہ مانگو اور دعا سے فارغ ہو جاؤ تو ہتھیلیاں منہ پر پھیر لیا کرو۔

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کے جامع الفاظ کو پسند فرماتے تھے اور دوسرے الفاظ کو نظر انداز کرتے تھے۔ رواہ ابوداؤد حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا میں ہاتھ اتنے اٹھاتے کہ دونوں بغلوں کی سفیدی دکھائی دے جاتی تھی۔ سائب بن یزیدؓ نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب دعا کرتے تھے تو (دعا کے بعد) دونوں ہاتھ اٹھا کر منہ پر پھیر لیتے تھے۔ رواہ البیہقی فی دعوات الکبیر۔

عکرمہؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا کہ دعا (کی شکل) یہ ہے کہ دونوں مونڈھوں تک یا ان کے قریب تک تم اپنے دونوں ہاتھ اٹھالو۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ (دعا میں) تمہارا ہاتھوں کو اوپر اٹھانا بدعت ہے رسول اللہ ﷺ اس سے یعنی سینہ سے اوپر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ رواہ احمد۔

حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کا ذکر کرتے اور اس کے لئے دعا فرماتے تو شروع اپنی ذات کے لئے دعا سے کرتے تھے۔ رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث حسن غریب صحیح۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ۝۶۱

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے آرام کے

لئے رات بنائی اور دن کو روشن بنایا اللہ لوگوں پر بلاشبہ بڑا مہربان ہے لیکن اکثر آدمی شکر نہیں کرتے۔
لِتَسْكُنُوا فِيهِ یعنی رات میں نیند سے تم کو آرام ملے۔
لَا يَشْكُرُونَ یعنی منعم کو نہیں جانتے اور نعمتوں کی اہمیت اور اللہ کے فضل کی عظمت سے غافل ہیں۔ الناس کی تکرار اس امر کو ظاہر کرنے کے لئے کہ ناشکری انہیں لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے وہ ہی ناشکری کرتے ہیں جیسے دوسری آیت میں کیا ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ یہ ہے اللہ تمہارا رب وہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں سو تم لوگ (شرک کرکے) کہاں الٹے جارہے ہو اور اسی طرح وہ لوگ بھی الٹے چلا کرتے تھے جو اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے تھے۔

ذلکم یعنی یہ ذات جس کے تمام افعال الوہیت اور ربوبیت کے مقتضی ہیں اللہ ہے تمہارا رب ہے ہر چیز کا خالق ہے جو ہر ہو عرض ہو یا بندوں کے افعال ہوں ہر چیز اسی کی پیدا کی ہوئی ہے۔
لا الہ الا ھو اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں کیونکہ اس کے سوا کسی میں ایسی صفات نہیں جو مستحق الوہیت بنا سکیں۔
فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ پھر اس کی عبادت سے دوسروں کی عبادت کی طرف کہاں پھرائے جاتے ہو (تمہارا رخ دوسروں کی طرف کیوں ہو جاتا ہے)
کذلک یوفک یعنی کفار مکہ کی طرح وہ لوگ اللہ کی عبادت سے دوسروں کی عبادت کی طرف پھرائے جاتے تھے جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ اللہ ہی تو ہے جس نے زمین کو تمہاری قرار گاہ اور آسمان کو چھت بنایا اور تم لوگوں کی صورتیں بنائیں اور اچھی صورتیں عطا کیں۔
قرارا بمعنی مستقر یعنی قرار گاہ۔
بناء یعنی تمہارے اوپر چھت اس جملہ میں (الوہیت و ربوبیت کی) دوسری دلیل بیان کی ہے۔ جس میں اللہ نے دوسری طرح کے مخصوص افعال سے استدلال کیا ہے۔
فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ یعنی تمہارے قد موزوں جلد صاف اعضاء مناسب اور صنائع و کمالات حاصل کرنے کے قابل ارکان بدن (اور قوتیں) بنائیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے آدمی کو کشیدہ قامت معتدل (اعضاء والا) بنایا وہ ہاتھ سے کھاتا لیتا اور پکڑتا ہے دوسرے جانور منہ سے پکڑتے اور لیتے ہیں۔

فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ اور تم کو مزے دار چیزیں روزی کیں۔
الطیبات سے مراد ہیں لذیذ کھانے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ښ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ یہ ہے اللہ تمہارا رب سو بڑی شان والا ہے اللہ جو سارے جہان کا رب ہے۔
یعنی اللہ ہی تمہارا رب ہے اور سارا جہان اسی کا پروردہ ہے سب اس کے محتاج ہیں اور روبہ زوال ہیں۔

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وہی زندہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یعنی اس کی حیات ذاتی ہے وہ حیات ذاتی میں منفرد ہے (اس کی حیات مستعار اور کسی کی عطا کردہ نہیں ہے) وجود اس کا تقاضاء ذات ہے اور واجب ہے۔ وجود اور

وجوب اگرچہ اس کی صفات کمالیہ ہیں لیکن (جس طرح دوسری صفات اس کی ذات کا پرتو ہیں اسی طرح) وجود وجوب بھی اس کی ذات کے پرتو ہیں۔

فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ سو تم (سب) لوگ خالص اعتقاد کر کے اسی کو پکارو۔

فادعوہ یعنی اس کی عبادت کرو اپنی ہر حاجت اس سے ہی مانگو۔

فادعوہ میں ف سببی ہے (یعنی سابق کلام ف سے بعد والے کلام کا سبب ہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ کی صفات مذکورہ اس امر کی موجب ہیں کہ اس کی عبادت کرو۔

الدین دین سے مراد ہے طاعت، طاعت و عبادت کو خالص کرنے کا یہ معنی ہے کہ عبادت شرک اور ریا سے پاک ہو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ساری خوبیاں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہان کا رب ہے۔

الحمد اللہ رب العلمین بعض علماء کے نزدیک لفظ قائلین محذوف ہے یعنی یہ جملہ کہتے ہوئے اللہ کو پکارو۔ فراء نے کہا یہ جملہ خبر ہے اور اس خبر کے اندر حکم مضمر ہے یعنی اللہ کی عبادت کرو اور الحمد للہ رب العالمین کہو۔

مجاہدؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کہے اس کو اس کے بعد الحمد للہ رب العالمین بھی کہنا چاہئے یہی مطلب ہے آیت فَادْعُوْهُ... مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا۔

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ ولید بن مغیرہ اور شیبہ بن ربیعہ وغیرہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا محمد تم اپنے قول کو چھوڑ دو اور باپ دادا کے مذہب پر چلو اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ آپ (ان مشرکوں سے) کہہ دیجئے کہ مجھے ان معبودوں کی پوجا کرنے کی ممانعت کر دی گئی ہے جن کو اللہ کے سوا تم پوجتے ہو جب کہ میرے رب کی طرف سے میرے پاس (توحید ربوبیت والوہیت کی) کھلی ہوئی دلیلیں آچکی ہیں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف رب العالمین کے سامنے سر جھکا لوں۔

البینات دلائل اور نشانیاں جن کی تائید براہین عقلیہ سے ہو رہی ہے اور جو غیر اللہ کی عبادت سے روک رہی ہیں۔

ان اسلم کہ میں اطاعت کروں اور اپنی اطاعت و عبادت کو شرک سے پاک رکھوں۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے تم کو بچہ کر کے ماں کے پیٹ سے نکالتا ہے پھر (تم کو زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو پھر تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور تم میں سے کچھ لوگ پہلے ہی مر جاتے ہیں اور تاکہ تم سب اپنے مقررہ وقت تک پہنچ جاؤ اور (یہ سب کچھ اس لئے کیا) تاکہ تم سمجھو۔

طفلا بمعنی اطفال ہے واحد کا صیغہ ذکر کر کے جنس طفل مراد لی ہے یا نخرجکم کا معنی ہے نخرج کل واحد منکم۔

ثم لتبلغوا میں لام کا تعلق ایک محذوف فعل سے ہے یعنی پھر تم کو زندہ رکھتا ہے تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ۔

من قبل یعنی بوڑھا ہونے یا جوانی تک پہنچنے سے پہلے۔

اجلا مسمی مقرر معین وقت جس سے آگے بڑھنا ممکن نہیں۔ اس سے مراد ہے میعاد حیات۔

ولعلکم تعقلون تاکہ اس کے اندر قدرت کی جو نشانیاں اور عبرتیں ہیں ان کو تم سمجھو۔

هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ وہی زندگی دیتا ہے اور (وہی) موت دیتا ہے جب وہ کسی کام کے ہو جانے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو صرف اتنا کہتا ہے ہو اور وہ فوراً ہو جاتا ہے۔

فاذا قضی جب وہ کسی امر کا ارادہ کرتا ہے۔
فیکون یعنی وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے اللہ کو کسی چیز کی تخلیق میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔
فاذا میں لفظ ف دلالت کر رہا ہے کہ یہ کلام سابق کا نتیجہ ہے سابق کلام بتا رہا ہے کہ اللہ کی قدرت ذاتی ہے کسی سامان اور مواد کی اس کو کوئی حاجت نہیں۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يُجَادِلُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى يُصۡرَفُوۡنَ ۞ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِالۡكِتٰبِ وَبِمَاۤ اَرۡسَلۡنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ۞

کیا آپ نے ان لوگوں کی حالت کو نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں وہ کہاں پھرے چلے جا رہے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی کتاب کی اور اللہ نے اپنے پیغمبروں کو جو (شریعتیں) لے کر بھیجا ان کی (بھی) تکذیب کی سو ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گا۔

الم تر میں سوال انکاری ہے اور نفی کا انکار اثبات ہوتا ہے۔ یہ استفہام اپنے اندر تعجب آفرینی کا مفہوم رکھتا ہے یعنی استفہام انکاری تعجبی ہے۔ اللہ کی آیات میں جھگڑا کرنے سے یہ مراد ہے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کی مخالفت کے درپے ہیں۔

اَنّٰى يُصۡرَفُوۡنَ کہاں یعنی کس طرح ان کو حق سے پھیرا جاتا ہے۔ یہ استفہام زجری توبیخی ہے مجادلہ کرنے والوں کا دوبار ذکر مذمت مجادلہ کی تاکید کے لئے ہے۔ یا مجادلہ کرنے والے الگ الگ تھے یا جن مسائل میں جدال کرتے تھے وہ مسائل جدا جدا تھے اس لئے دوبار جدال کرنے والوں کا ذکر کیا۔ محمد بن سیرین نے کہا پہلی آیت مشرکوں کے بارے میں ہے اور یہ آیت فرقہ قدریہ کے متعلق نازل ہوئی۔

الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا یہ ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کی تکذیب کی اور شریعتیں دے کر اللہ نے اپنے پیغمبروں کو بھیجا تھا ان کو جھوٹا قرار دیا۔

ایک شبہ: فرقہ قدریہ تو کتاب اللہ کو مانتا ہے اور تمام شریعتوں اور پیغمبروں کے سچا ہونے کا اقرار کرتا ہے پھر جدال کرنے والوں سے فرقہ قدریہ کیسے مراد ہو سکتا ہے۔

ازالہ: قدریہ گروہ والے اس امت کے مجوسی ہیں کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے ساری کائنات خیر ہو یا شر جواہر ہوں یا اعراض سب اسی کی مخلوق ہے اس کی قدرت کل ہے ہمہ گیر ہے وہ جس کو چاہتا ہے اور جو گناہ چاہتا ہے بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے جرم کی سزا دیتا ہے ہر صغیرہ کبیرہ گناہ اگر وہ چاہے تو معاف کر سکتا ہے وہ جیسا چاہتا ہے کرتا ہے اور جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے وہ سب سے باز پرس کرنے والا ہے اس سے کسی امر کی کوئی باز پرس نہیں کر سکتا۔ فرقہ قدریہ ان سب باتوں کا منکر ہے یہ گروہ پل صراط میزان اور شفاعت وغیرہ کا بھی انکار کرتا ہے اس لئے اس گروہ کو آیات میں جدال کرنے والا اور شرائع انبیاء کا تکذیب کرنے والا قرار دیا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الذین کذبوا سے جملہ الگ الذین مع صلہ کے مبتدا ہو اور فسوف یعلمون خبر ہو۔

اِذِ الۡاَغۡلٰلُ فِىۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ وَالسَّلٰسِلُ ؕ يُسۡحَبُوۡنَ ۞ فِى الۡحَمِيۡمِ ۙ ثُمَّ فِى النَّارِ يُسۡجَرُوۡنَ ۞

جب کہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیروں میں (باندھ کر) ان کو کھولتے پانی میں گھسیٹا جائے گا پھر آگ میں ان کو جھونک دیا جائے گا۔

یسحبون یعنی یسحبون بھا زنجیروں سے ان کو کھینچا جائے گا۔

یسجرون ان کو جلایا جائے گا سجر التنور اس نے تنور میں ایندھن بھر دیا جھونک دیا۔ مقاتل نے کہا ان سے آگ بھڑکائی جائے گی مجاہد نے کہا ان کو آگ کا ایندھن بنایا جائے گا حاصل مطلب یہ ہے کہ ان کو طرح طرح کا عذاب دیا جائے گا کبھی کھولتے ابلتے پانی کا عذاب کبھی دہکتی بھڑکتی آگ کا عذاب۔ ترمذی نسائی ابن ماجہ ابن ابی حاتم ابن حبان حاکم اور بیہقی نے حضرت ابن

عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے سر کی کھوپری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر سیسے کا کوئی ایسا گولہ آسمان سے زمین کی طرف پھینکا جائے جن کے درمیان پانچ سو برس کی راہ ہے تو گولہ رات ہونے سے پہلے زمین تک پہنچ جائے گا (یعنی پانچ سو برس کی راہ دس بارہ گھنٹے میں طے کرلے گا) لیکن اگر (دوزخ کی) زنجیر کے سرے سے ایک گولہ پھینکا جائے تو تہ یا انتہائی گہرائی تک پہنچنے میں اس کو چالیس سال چلتا رہنا پڑے گا (یعنی دوزخ کی گہرائی آسمان وزمین کی درمیانی مسافت سے ہزاروں گنا زائد ہے ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٧٣﴾ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَلْ لَمْ نَكُنْ نَدْعُو مِنْ قَبْلُ شَيْئًا ۚ

پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ اللہ کے سوا وہ (معبود) کہاں گئے جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے تھے وہ کہیں گے وہ تو سب ہم سے غائب ہوگئے بلکہ اس سے پہلے ہم تو کسی کو نہیں پوجتے تھے۔

ضلوا یعنی ہم سے غائب ہوگئے ہم کو کہیں نظر نہیں آتے یہ جواب اس وقت دیں گے جب ان کے معبود ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ یا ضلوا عنا کا معنی ہے وہ ہم سے کھوگئے ہم کو جو ان سے امیدیں تھیں وہ پوری نہیں ہو سکتیں۔

بَلْ لَمْ نَكُنْ نَدْعُو بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ کافروں کی طرف سے یہ شرک کرنے کا ہی انکار ہوگا یعنی وہ کہیں گے ہم شرک کرتے ہی نہیں تھے جیسے دوسری آیت میں مقولہ (معنوی) نقل کیا ہے کہ وہ کہیں گے واللہ ربنا ما کنا مشرکین۔ بعض علماء نے کہا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم کسی ایسی چیز کی عبادت نہیں کرتے تھے جو ہم کو فائدہ پہنچا سکتی یا تکلیف کو دور کر سکتی۔ حسن بن فضل نے کہا یعنی اس سے پہلے ہم نے کچھ کیا ہی نہیں مطلب یہ کہ ہماری ساری عبادت (جو مخلوق کی ہم نے کی تھی) بیکار گئی۔

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِينَ ﴿٧٤﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُونَ ﴿٧٥﴾
ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٦﴾

اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کو غلطی میں پھنسائے رکھتا ہے یہ سزا اس کے بدلے میں ہے کہ تم دنیا میں ناحق خوشیاں مناتے تھے اور اس کے بدلے میں ہے کہ تم اتراتے تھے جہنم کے دروازوں میں گھس جاؤ اور ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہو وہ تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا ہے۔

کذلک یعنی جیسے ان مشرکوں کو یا فرقہ قدریہ کو گم کردہ راہ بنادیا اسی طرح اللہ سب کافروں کو گمراہ بنادیتا ہے کہ ان کو کسی سود مند فائدہ رساں چیز تک پہنچنے کا راستہ ہی نہیں ملتا اور راستہ مل جاتا ہے تو اس پر چلتے نہیں۔

ذلکم اللہ کی طرف سے یہ گمراہی اس لئے ہوئی کہ تم لوگ دنیا میں اکڑتے پھرتے تھے اور غرور کرتے تھے حالانکہ اس اکڑ اور غرور کا تم کو کوئی حق نہیں تھا یہ باطل اکڑ ہی شرک اور سرکشی تھی۔

تمرحون اٹھلا کر چلتے تھے یعنی بیجا خوشی میں پھولے نہیں سماتے تھے۔

ادخلوا یعنی (آج اور اب) جہنم کے ساتوں دروازوں میں داخل ہو جاؤ جو (جرم کے موافق تمہارے لئے مقرر کردیئے گئے ہیں اور ان کے اندر ہمیشہ رہنا تمہارے لئے مقدر کردیا گیا ہے۔

فبئس مثوی سو جو لوگ حق سے نیوڑاتے اور غرور کرتے ہیں ان کے لئے جہنم برا ٹھکانا ہے چونکہ جہنم میں داخلہ دوامی قیام کا ذریعہ ہوگا اس لئے جہنم کو برا ٹھکانا فرمایا۔

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿٧٧﴾

سو آپ صبر کیجئے بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے پس اگر ہم آپ کو (آپ کی زندگی میں) اس (عذاب وسزا) کا کچھ حصہ جس کا ہم ان (مشرکوں) کے متعلق وعدہ کر رہے ہیں دکھادیں یا (اس سے پہلے) آپ کو وفات دیدیں

بہر حال ہماری ہی طرف ان سب کو لوٹنا ہو گا (آخرت میں ہم ان کو ضرور عذاب دیں گے)۔
فَاصْبِرْ یعنی اے محمد آپ ان مشرکوں کی ایذا اور رسانی پر صبر رکھیں۔
اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ یعنی اللہ نے آپ کو فتح یاب کرنے اور کافروں کو تباہ کرنے کا وعدہ کیا ہے وہ حق ہے لامحالہ پورا ہو کر رہے گا۔
فاما اما اصل میں ان ما تھا ان ظرفیہ ہے اور ما زائد ہے تاکید شرط کو ظاہر کر رہا ہے اس لئے نون ثقیلہ تاکید یہ فعل (نری) کے ساتھ لایا گیا۔
نعدھم یعنی قید و قتل کا وعدہ۔
او نتو فینک یعنی دنیوی عذاب دکھانے سے پہلے ہم آپ کو وفات دیدیں۔
فَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ یعنی قیامت کے دن ہماری طرف ہی سب کو لوٹنا ہو گا ہم ہی اعمال کے مطابق ان کو سزا دیں گے۔
یہ جملہ نتو فینک کا جواب ہے یعنی اگر کافروں کو دنیوی عذاب میں مبتلا کرنے سے پہلے ہم آپ کو وفات دے دیں تو آخرت میں ان کو ضرور عذاب دیں گے اس صورت میں نرینک کا جواب محذوف ہو گا یہ بھی جائز ہے کہ جملہ فَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ دونوں کا جواب ہو اور دونوں سے اس کا تعلق ہو مطلب یہ کہ کافروں کا دنیوی عذاب ہم آپ کو زندگی ہی میں دکھادیں یا آپ کو وفات پہلے دیدیں، بہر حال آخرت میں تو سب کو ہمارے پاس آنا ہی ہے وہاں سخت عذاب ہونا لازم ہے۔
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ　اور ہم آپ سے پہلے بہت رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے احوال تو ہم نے آپ سے بیان کر دیئے اور بعض کے احوال آپ سے نہیں بیان کئے۔
رسلا اس میں تنوین تکثیر ہے (بکثرت پیغمبر)
احمد نے اور ابن راہویہ نے اپنی مسندوں میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ابولبابہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے انبیاء کی تعداد دریافت کی گئی فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار دریافت کیا گیا ان میں رسول کتنے ہوئے فرمایا ۳۱۳ ایک بڑی جماعت ابن حبان نے حضرت ابوذرؓ کی روایت سے بھی اسی مضمون کی حدیث نقل کی ہے۔
قرآن مجید میں صرف ۲۷ کا ذکر آیا ہے۔
وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ　اور کوئی رسول ایسا نہیں ہوا کہ کوئی معجزہ بغیر اذن خدا کے لئے آئے۔ آیت سے مراد معجزہ۔ اذن اللہ کا حکم اور ارادہ مطلب یہ کہ کسی کو یہ اختیار نہیں کہ کوئی فرمائشی معجزہ خود اپنی قوت و مرضی سے بغیر حکم خدا کے ظاہر کر دیں۔
فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝　سو جس وقت اللہ کا حکم (عذاب) آجائے گا ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہو جائے گا اور اس وقت اہل باطل خسارہ میں رہیں گے۔ (ترجمہ تھانوی)
امر اللہ یعنی انبیاء اور ان کی امتوں کے درمیان اللہ کا آخری فیصلہ۔
بالحق یعنی کافروں پر عذاب اور انبیاء و مومن کی فتح و نصرت۔
المبطلون یعنی وہ کافر جن کے لئے معجزات نبوت سے حق کا ظہور نہیں ہوتا بلکہ وہ محض عناد و عداوت کے زیر اثر (خود تراشیدہ) نشانیاں طلب کرتے ہیں۔
اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝
اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے مویشی بنائے تاکہ ان میں بعض سے تم سواری لو اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں جن

کو تم کھاتے ہو اور تمہارے ان میں اور بھی فائدے ہیں اور اس لئے بنائے) تاکہ تم ان پر سوار ہو کر اپنے مطلب کو پہنچو اور ان پر اور کشتیوں پر تم لدے لدے پھرتے ہو۔ (ترجمہ تھانوی)

لِتَرْكَبُوا مِنْهَا یعنی چوپایوں کی جنس میں سے کچھ تو وہ ہیں جن کا گوشت تم کھاتے ہو جیسے بکریاں بھیڑیں اور کچھ وہ ہیں جن کا گوشت بھی کھاتے ہو اور ان پر سوار بھی ہوتے ہو جیسے اونٹ بیل وغیرہ۔

وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ یعنی تمہارے لئے ان سے بہت فائدے ہیں اون، بال، کھال (سینگ آنت) دودھ (دہی پنیر مکھن گھی وغیرہ)

وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا یعنی خشکی کے سفر میں ان پر سوار ہو کر اپنے دلی مقصد تک پہنچ جاؤ۔

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ اور خشکی میں جانوروں پر اور دریاؤں میں کشتی یا جہاز پر تم کو سوار کیا جاتا ہے۔ علی الفلک بجائے فی الفلک (کشتیوں میں) کے علیہا کی مناسبت کی وجہ سے فرمایا۔ سواری کا سفر میں استعمال مختلف دینی اغراض کے لئے بھی ہوتا ہے یہ اغراض بھی واجب ہوتی ہیں بھی مستحب اور کھانا محض ضرورت زندگی یا لذت اندوزی کے لئے ہوتا ہے (دینی غرض کے زیر اثر نہیں ہوتا) اس لئے اسلوب عبارت بدل دیا (سوار ہونے اور مقصد حاصل کرنے کے لئے تو لترکبوا اور ولتبلغوا فرمایا اور کھانے کے لئے وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ بطور اظہار واقعہ فرمایا۔

وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَأَيَّ آيَاتِ اللَّهِ تُنكِرُونَ ۝ اور اللہ تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے سو کس (کس) آیت خداوندی کا انکار کرو گے۔ یعنی اللہ تم کو ایسی نشانیاں دکھاتا ہے جو اس کی ہستی قدرت کاملہ اور رحمت عامہ پر دلالت کرتی ہیں۔

ای اٰیٰتِ اللّٰہِ میں استفہام انکاری ہے یعنی آیات الٰہیہ اتنی ظاہر اور اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا انکار کیا ہی نہیں جا سکتا۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو (مشرک) لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا کیا برا انجام ہوا حالانکہ وہ لوگ ان سے زیادہ تھے اور قوت و نشانات میں بھی جو زمین پر چھوڑ گئے ہیں بڑھے ہوئے تھے سو ان کی یہ ساری کمائی ان کے کچھ بھی کام نہیں آئی۔

افلم یسیروا۔ یعنی کیا یہ شہر سے باہر نہیں نکلے اور ملک میں چل پھر کر انہوں نے نہیں دیکھا۔

اثارا یعنی محلات قلعے کارخانے وغیرہ جو زمین پر چھوڑ گئے۔

فما اغنی عنہم پس اس نے ان کو فائدہ نہیں پہنچایا کچھ کام نہ آیا۔ ما اغنی میں ما نافیہ ہے یا استفہام انکاری کے لئے ہے۔

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ جب ان کے پیغمبران کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے تو وہ لوگ اپنے (اس) علم (معاش) پر بڑے نازاں ہوئے جو ان کو حاصل تھا۔ (ترجمہ تھانوی) بالبینت۔ بینات سے مراد ہیں معجزات اور واضح آیات و نشانات۔

فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ تو جو علم ان کے پاس تھا اس پر مغرور ہو گئے اور پیغمبروں کے علم کو حقیر سمجھا۔ علم سے مراد ہیں وہ مفروضات جن کے علم ہونے کے وہ مدعی تھے اور انہی کو علم سمجھتے تھے۔ ورنہ حقیقت میں دینی امور میں ان کا علم جہل مرکب تھا۔ جیسے الٰہیات، طبعیات اور بعض ریاضیات میں یونانیوں کے اقوال و افکار تھے یا جیسے کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ ہم کو دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھایا جائے گا اور نہ ہم کو عذاب ہو گا (کذا قال مجاہد) یا جیسے یہودی اور عیسائی کہتے تھے کہ یہودیوں نے کہا جنت کے اندر سواء یہودیوں کے اور کوئی نہیں جائے گا اور عیسائیوں نے کہا کہ جنت کے اندر سواء عیسائیوں کے اور کوئی داخل

نہیں ہو گا۔
یا علم سے دنیوی امور کا علم مراد ہے اللہ نے فرمایا ہے یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ وہ ظاہری دنیوی زندگی کو ہی جانتے ہیں آخرت کی طرف سے وہ بالکل ہی غافل ہیں۔ پیغمبروں نے ان کو بتایا تھا کہ دنیا کی طلب میں خوبی (اعتدال) اختیار کرو خواہشات نفس کے پیچھے نہ پڑ جاؤ انبیاء کی یہ تعلیم ان کے علم سے بہت دور تھی اس لئے تعلیم انبیاء کی طرف انہوں نے کوئی توجہ نہ کی بلکہ انبیاء کی ہدایت کو حقیر سمجھا انبیاء کا اور ان کی تعلیم کا مذاق بنایا اور اپنے علم کو دنیا کمانے کے لئے بہت ہی مفید سمجھا اور اس کے صحیح ہونے کا یقین رکھا۔
یا علم سے مراد ہے ان چیزوں کا علم جو آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا جیسے علم طبعی، ریاضی، نجوم، جادو، شعبدے اور دوسرے وہ علوم جن کی نسبت یونان و ہندوستان کی طرف کی جاتی ہے۔ ایک حکایت میں آیا ہے کہ افلاطون نے حضرت عیسیٰ کی نبوت کا امتحان لینے کے لئے آپ سے پوچھا اگر آسمان کمان اور حوادث اس سے نکلنے والے تیر اور انسان ان کا نشانہ ہو اور تیر پھینکنے والا اللہ ہو تو پھر بھاگنے کی جگہ کونسی ہے حضرت عیسیٰ نے فرمایا فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ اللہ ہی کی طرف بھاگو یہ جواب سن کر افلاطون کو حضرت عیسیٰ کی نبوت کا یقین ہو گیا لیکن پھر بھی ایمان نہیں لایا اور کہنے لگا انبیا نا قصوں (کی ہدایت و تعلیم) کے لئے ہوتے ہیں اور ہم کامل ہیں (ہم کو انبیاء کی ضرورت نہیں)
ایک روایت میں کہا ہے کہ سقراط نے حضرت موسیٰ کے پیغمبر ہونے کا تذکرہ سنا اور لوگوں نے اس سے کہا اگر آپ حضرت موسیٰ کی خدمت میں پہنچ جاتے تو بہتر ہوتا کہنے لگا ہم تو خود ہی ہدایت یافتہ ہیں ہم کو کسی اور ہادی کی کیا ضرورت۔
بعض اہل علم نے فرحوا بما عندہم من العلم کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ پیغمبروں کے پاس جو علم خداداد تھا کافر اس پر ہنستے اور اسکو حقیر جانتے تھے۔ اس مطلب پر فرحوا کا ترجمہ ضحکوا اور استہزاء ہو گا اور عندہم کی ضمیر رسل کی طرف راجع ہو گی۔ آئندہ آیت سے اس تفسیر کی تائید ہو رہی ہے۔
وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ اور وہ جس چیز کا مذاق بناتے تھے اسی نے ان کو گھیر لیا بعض علماء تفسیر کا خیال ہے کہ فرحوا کی ضمیر بھی انبیاء کی طرف راجع ہے یعنی جب انبیاء نے کافروں کی جہالت گمراہی اور بدانجامی کو دیکھا تو اللہ کے دیئے ہوئے علم سے ان کو بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے اللہ کا شکر کیا کہ اللہ نے ان کو علم نبوت کی نعمت عطا فرمائی اور کافروں کو ان کی جہالت اور استہزاء کی سزا نے گھیر لیا۔
فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ سو جب (مرتے کے وقت) ہمارے عذاب کی شدت کو دیکھا تو کہنے لگے ہم اکیلے اللہ پر ایمان لائے اور جس کو ہم اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے اس کے شریک ہونے کا ہم انکار کرتے ہیں۔
مطلب یہ کہ ہم بت پرستی سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔
فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ سو ان کو ان کا ایمان لانا نفع بخش نہیں ہوا جب کہ انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔
لما راوا باسنا جب انہوں نے عذاب دیکھ لیا تو اس وقت ایمان لانا بے سود تھا کیونکہ اس وقت کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اس لئے لم یک فرمایا یعنی ایسے وقت میں ایمان لانا درست اور ٹھیک نہیں تھا۔
ع ۹ ۱۴ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ اللہ نے اپنا یہی معمول مقرر کیا ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے اور اس وقت کافر (دونوں جہان کے) خسارے میں رہ گئے۔
سنت اللہ یعنی (ہمیشہ سے) گزشتہ زمانہ میں اللہ نے بندوں کے معاملہ میں یہ طریقہ بنادیا ہے کہ نزول عذاب کے وقت ایمان لانا بے سود ہے اور عذاب انہیں لوگوں پر آتا ہے جو پیغمبروں کی تکذیب کرتے ہیں۔

ہنالک یعنی عذاب کو دیکھ لینے کے وقت

زجاج نے کہا کافر تو ہر وقت ہی خسارے میں رہتا ہے لیکن اس خسارہ کا ان کے لئے ظہور اس وقت ہوتا ہے جب عذاب ان کی نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔

الحمدللہ ۲۸/ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ کو تفسیر المومن ختم ہوئی اس کے بعد

انشاء اللہ سورہ فصلت (السجدہ) کی تفسیر آئے گی۔

والحمدللّٰہ رب العٰلمین وصلّی اللّٰہ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحبہ اجمعین۔

سورۃ حمٓ السجدہ

سورۃ فصلت (حمٓ السجدہ) مکی ہے اس میں ۵۴ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ كِتٰبٌ حم مبتدا ہے اور تنزیل خبر لیکن اگر حم سے مراد حروف ہجاء ہوں تو تنزیل مبتدا محذوف کی خبر ہوگی۔ اخفش کے نزدیک تنزیل چونکہ موصوف ہے اس لئے باوجود نکرہ ہونے کے مبتدا ہے اور کتاب خبر ہے۔

ان ساتوں سورتوں کا آغاز حم سے کیا گیا ہے اور سب ہی کا نام حم رکھا گیا اور کتاب سے افتتاح کیا گیا ہے کیونکہ ان سب کا آغاز عبارت کے لحاظ سے بھی ملتا جلتا ہے اور معنی کے اعتبار سے بھی یکسانیت ہے۔ یعنی اللہ رحمٰن رحیم کی طرف سے اتاری ہوئی ایک کتاب ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا موسیٰ کی الواح (تختیوں) سے لے طٰہٰ اور طواسین (طسم والی سورتیں) اور حوامیم (حم والی سورتیں) عطا کی گئی ہیں۔ رواہ الحاکم فی المستدرک والبیہقی عن معقل بن یسار۔

الرحمٰن اور الرحیم کی طرف تنزیل کی نسبت بتا رہی ہے کہ تمام دنیوی اور دینی مصالح کا مدار اس قرآن پر ہے (کیونکہ یہ رحمٰن ورحیم خدا کا اتارا ہوا ہے)

فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کر دی گئی ہیں یعنی احکام قصص اور مواعظ واضح طور پر تفصیل کے ساتھ اس میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (یعنی) ایسا قرآن ہے جو عربی (زبان میں) ہے۔ یعنی یہ اللہ کا عربوں پر احسان ہے کہ اس نے قرآن عربی میں نازل کیا جس کا پڑھنا ان کے لئے دشوار نہیں اور سمجھنا آسان ہے اگر دوسری زبان میں نازل ہوتا تو عربوں کے لئے سمجھنا دشوار ہوتا۔

لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اہل علم کے لئے (اس ترجمہ پر یعلمون بجائے فعل لازم کے مانا جائے گا) یا مفعول محذوف ہے یعنی ان لوگوں کے لئے جو قرآن کے معانی و مطالب جانتے اور سمجھتے ہیں۔

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (اللہ کے دوستوں کو) بشارت دینے والا اور (خدا کے دشمنوں کو عذاب سے) ڈرانے والا۔

فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ سو اکثر لوگوں نے (قرآن پر غور کرنے اور اس کو ماننے سے) رخ پھیر لیا۔

فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ اس لئے وہ کان لگا کر (محض ضد اور دشمنی کی وجہ سے) نہیں سنتے یالا یسمعون کا مطلب ہے قبول نہیں کرتے عربی محاورہ میں کہا جاتا ہے میں نے فلاں شخص سے سفارش کی مگر اس نے میری بات نہیں سنی یعنی نہیں مانی۔

وَقَالُوْا اور انہوں نے (یعنی مشرکین مکہ نے) کہا۔

قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِن بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ ۝

لے جس چیز کی طرف آپ ہم کو بلاتے ہیں اس کی طرف سے ہمارے دل پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگ رہی ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک پردہ پڑا ہوا ہے سو آپ اپنا کام کیے جائیے ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔

قلوبنافی آکنۃ اکنۃ کنان کی جمع ہے پردے۔ سرپوش۔

مما تدعونا یعنی جس توحید کی طرف تم ہم کو بلا رہے ہو اس کی طرف سے ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں اس لئے تمہاری بات ہم نہیں سمجھتے۔

وفی اذاننا وقرو قر ثقل گرانی ڈاٹ مطلب یہ کہ ہمارے کان بند ہیں اسلئے تمہاری بات نہیں سنتے۔ یعنی تمہاری دعوت ہم قبول نہیں کرتے اس طرح جیسے کوئی بے عقل اور مکمل بہرا ہو جو نہ کچھ سمجھتا ہو نہ سنتا ہو۔

حجاب یعنی ہمارے اور تمہارے درمیان دین کا اختلاف ہے جو ہم کو تمہارے ساتھ جڑ جانے اور مل جانے سے روکتا ہے اور یہ حجاب بھی ایسا ہے جو ہم دونوں کی درمیانی مسافت کو پر کردینے والا ہے دونوں کے درمیان کوئی خلاء نہیں ہے کہ ایک فریق دوسرے کی طرف بڑھ سکے اور مائل ہو سکے۔ آیات مذکورہ میں ترک قبول اور انقطاع کلی کو تمثیلی رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔

فاء عمل سو آپ اپنے مذہب کے مطابق کام کریں یا یہ مطلب کہ آپ ہمارے افکار و اعمال کے خلاف کام کئے جائیں۔

اننا عملون ہم اپنے مذہب پر عمل کریں گے یا یہ مطلب کہ آپکے دین کو باطل کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔

قُلْ (اے محمد آپ ان کے جواب میں) کہہ دیجئے۔

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ

کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ (تھانویؒ)

حسن نے کہا اللہ نے آپ کو تواضع کی تعلیم دی یعنی میں تم میں سے ہی ایک شخص ہوں اگر میرے پاس وحی نہ آتی تو مجھے

لے حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت ہے کہ کچھ قریشی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور ﷺ نے ان سے فرمایا تمہارے مسلمان نہ ہونے کی کیا وجہ ہے اسلام لے آؤ گے تو عرب کے سردار بن جاؤ گے قریشیوں نے کہا ہم آپ کی بات نہیں سمجھتے نہ ہم کو آپ کا کلام سنائی دیتا ہے ہمارے دلوں پر تو غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ ابوجہل نے ایک کپڑا لے کر اپنے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان حائل کر کے کہا محمد فی آکنۃ مما تدعونا الیہ وفی اذاننا وقرومن بینا وبینک حجاب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم کو دو باتیں ماننے کی دعوت دیتا ہوں شہادت دو کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی ساجھی نہیں (۲) اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ کافروں نے جب یہ بات سنی تو پشت پھیر کر چل دیے اور بولے کیا اس نے (ہمارے) تمام معبودوں کی جگہ ایک معبود کو دے دی یہ بڑی عجیب بات ہے اور ایک دوسرے سے کہنے لگا چلو (چلو) اپنے معبودوں (کی پوجا) پر جمے رہو مقصود یہی ہے ہم نے یہ بات تو پچھلی قوموں میں نہیں سنی تھی یہ محض من گھڑت ہے کیا نصیحت نامہ ہم میں (سب کو چھوڑ کر) اسی پر نازل کیا گیا۔ اس وقت جبرئیل نازل ہوئے اور انہوں نے کہا محمد ﷺ اللہ آپ کو سلام فرماتا ہے اور اس نے فرمایا ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کو سمجھنے سے ان کے دل پردوں میں ہیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹیں کہ ان کو کچھ سنائی نہیں دیتا اگر ان کی یہ بات صحیح ہوتی تو قرآن سن کر بھاگتے کیوں بلاشبہ یہ جھوٹے ہیں سنتے ہیں لیکن سننے سے فائدہ نہیں اٹھاتے کیونکہ ان کو قرآن سے نفرت ہے (یہ واقعہ تو پہلے دن ہوا) جب دوسرا دن ہوا تو ان میں سے ستر آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا محمد ﷺ ہمارے روبرو اسلام پیش کیجئے (ہم مسلمان ہونا چاہتے ہیں حضور ﷺ نے اسلام پیش کیا) اور وہ سب مسلمان ہو گئے رسول اللہ ﷺ یہ بات دیکھ کر مسکرا دیئے اور فرمایا کل تم کہتے تھے کہ تمہارے دل میری دعوت کی طرف سے پردہ پوش ہیں اور تمہارے کانوں میں ڈاٹیں ہیں اور آج صبح کو ہی تم مسلمان ہو گئے اللہ کا شکر ہے یہ کہنے لگے اے اللہ کے رسول ہم نے کل جھوٹ کہا تھا اگر وہ بات سچ ہوتی تو ہم کو کبھی ہدایت نہ ملتی اللہ سچا ہے اور بندے جھوٹے ہیں اللہ غنی ہے اور ہم اس کے محتاج ہیں۔

وہ علم حاصل نہ ہوتا جو تم دیکھ رہے ہو میرے پاس وحی ہی تو آئی ہے جس نے بتایا ہے کہ تمہارا سب کا معبود ایک ہی معبود ہے اس لئے تم پر لازم ہے کہ اس کو کان لگا کر سنو اور قبول کر لو (اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کا یہ مطلب ہے کہ میں فرشتہ نہیں ہوں نہ جن ہوں کہ تم اس سے تعلیم حاصل نہ کر سکو نہ خلاف عقل باتوں کی میں تم کو تعلیم دیتا ہوں بلکہ توحید کی طرف بلا رہا ہوں جو بالکل تقاضا عقل کے بھی مطابق ہے اور نقل کے بھی موافق ہے۔

فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ سو اس (معبود برحق) کی طرف سیدھ باندھ لو اور اس سے معافی مانگو۔ یعنی خالص توجہ کے ساتھ اللہ کی طاعت کرو اور اللہ کی طاعت سے رخ موڑ کر کسی دوسرے کی طاعت کی طرف نہ جاؤ اور ہر طرح کے شرک و گناہ کی معافی کی درخواست اللہ سے کرو۔ اس سے آگے نافرمانوں کو عذاب کی دھمکی دی اور فرمایا۔

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝

اور ایسے مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے منکر ہی رہتے ہیں۔ ویل عذاب کا لفظ ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لا یوتون الزکوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہیں کرتے توحید کا اقرار ہی نفس کی (زکوٰۃ یعنی) طہارت ہے مطلب یہ ہے کہ توحید کا اقرار کر کے وہ شرک کی نجاست سے اپنے نفسوں کو پاک نہیں کرتے حسن اور قتادہ کے نزدیک (زکوٰۃ سے مالی زکوٰۃ ہی مراد ہے مطلب یہ ہے کہ) زکوٰۃ واجب ہونے کا وہ اقرار نہیں کرتے۔ ایک مقولہ (بصورت فرمان) تھا کہ زکوٰۃ اسلام کا پل ہے جس نے اس پل کو طے کر لیا وہ (گرنے سے) بچ گیا اور جو نہ طے کر سکا وہ تباہ ہو گیا۔ مقاتل اور ضحاک نے لا یوتون الزکوٰۃ کا یہ مطلب بیان کیا کہ وہ اللہ کی فرماں برداری کی راہ میں مال صرف نہیں کرتے اور خیرات نہیں دیتے۔ مجاہد نے کہا (زکوٰۃ سے مراد اعمال کی پاکی ہے یعنی) وہ اپنے اعمال کو پاک نہیں کرتے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ (زکوٰۃ مالی مراد ہو یا طہارت اعمال دونوں صورتوں میں) آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار (جس طرح ایمان کے مکلف ہیں اسی طرح) فروع ایمان کے بھی مکلف ہیں (لیکن حضرت ابن عباسؓ نے جو اول الذکر مطلب بیان کیا ہے کہ زکوٰۃ سے زکوٰۃ نفس یعنی اقرار توحید مراد ہے اس مطلب پر بیضاوی کا استنباط اور استدلال غلط ہو گا۔ مترجم) ہم نے سورت روم کی آیت لم نک من المصلین کی تفسیر میں یہ مسئلہ بیان کر دیا ہے۔ یعنی زکوٰۃ نہ دینے کی علت یہ ہے کہ وہ آخرت کے منکر ہیں جو شخص آخرت کا منکر ہو اور زکوٰۃ کے اخروی ثواب کا عقیدہ نہ رکھتا ہو وہ غریبوں کی مالی امداد کو تضیع مال کے سوا کچھ نہیں سمجھتا۔ شرک باللہ اور انکار آخرت کے ساتھ اللہ نے آیت مذکورہ میں زکوٰۃ نہ دینے کا ذکر اس لئے کیا کہ مال سے انسان کو بہت زیادہ محبت ہوتی ہے۔ مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ایمان کی اول ترین علامت ہے آیت میں (در پردہ) مومنوں کو اور زکوٰۃ کی ترغیب دی گئی ہے اور زکوٰۃ نہ دینے پر سخت تہدید کی گئی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان کے لئے اجر ہے جو کبھی منقطع نہ ہو گا۔ ع ۱۵

حضرت ابن عباسؓ نے غیر ممنون کا ترجمہ کیا غیر منقطع مقاتل نے کہا غیر ناقص (یعنی کامل) مجاہد نے کہا بے حساب بعض نے ترجمہ کیا بے احسان دھرے۔ من احسان رکھنا۔

سدی نے کہا جو بیمار، اپاہج، اور بوڑھے لوگ (جوانی کی طرح) عبادت کرنے سے عاجز ہو گئے ہوں ان کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا مطلب یہ ہے کہ جوانی اور صحت کی حالت میں وہ نیک عمل کرتے تھے (کمزوری اور مجبوری کے زمانہ میں بھی ان کے اعمال ویسے لکھے جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندہ جب اچھے طریقہ سے عبادت کرتا رہتا ہے پھر بیمار ہو جاتا ہے تو اعمال نویس فرشتے کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس کے ویسے ہی اعمال تحریر کر جیسے وہ صحت کی حالت میں کیا کرتا تھا یہ حکم اس وقت تک کے لئے دیا جاتا ہے جب کہ اللہ اس کو بیماری سے آزاد کر دے۔ رواہ البغوی فی تفسیرہ و شرح السنۃ۔

حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بیمار ہو جاتا ہے یا سفر کی حالت میں ہوتا ہے تو اس کے لئے ویسے اعمال لکھے جاتے ہیں جیسے وہ وطن میں قیام اور صحت کی حالت میں کیا کرتا تھا رواہ البخاری۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مسلمان کسی جسمانی دکھ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ فرشتے کو حکم دیتا ہے اس کے وہی نیک اعمال لکھ جو (صحت کی حالت میں) وہ کیا کرتا تھا اب اگر اللہ اس کو تندرستی دیدیتا ہے تو اللہ (اس بیماری کی وجہ سے) اس کے گناہ دھو دیتا اور پاک کر دیتا ہے اور اگر اس کی روح قبض کر لیتا ہے تو اس کی مغفرت کر دیتا ہے اور اس کو رحمت سے نوازتا ہے۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا بیماری کی حالت میں بندہ کے لئے وہ ثواب لکھا جاتا ہے جو بیمار ہونے سے پہلے اس کے اعمال کا لکھا جاتا تھا اور اب بیماری کی وجہ سے ان اعمال کو کرنے سے قاصر ہو گیا ہو۔ رواہ رزین۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۹

آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم لوگ ایسے خدا (کی توحید) کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو (باوجود اتنی بڑی لمبائی چوڑائی کے) دو دن میں پیدا کر دیا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو یہی سارے جہان کا رب ہے۔

ائنکم استفہام زجری ہے یہ جملہ جواب ہے ایک محذوف سوال کا۔ گویا رسول اللہ ﷺ نے سوال کیا کہ اگر وہ استقامت نہ اختیار کریں اور استغفار نہ کریں تو میں ان سے کیا کہوں۔

فی یومین یعنی دو دن کی مقدار کے برابر وقت میں ان دونوں کا نام یک شنبہ اور دو شنبہ رکھا گیا ہے۔

ذلک یعنی یہ جس نے زمین دو دن کی مدت میں بنائی۔

رب العالمین یعنی تمام ممکنات موجودہ کا خالق اور سب کو آہستہ آہستہ نقطۂ ارتقاء تک پہنچانے والا ہے۔ عالم کی انواع مختلف ہیں اسی لئے عالمین بصیغہ جمع ذکر کیا اور اہل عقل کو بے عقل مخلوق پر ذکر میں ترجیح دی۔

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۱۰

اور اس نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنا دیئے اور اس (زمین) میں فائدہ کی چیزیں رکھ دیں اور اس میں اس کے رہنے والوں کی غذائیں تجویز کر دیں چار دن میں (یہ سب کچھ ہوا جو شمار میں) پورے ہیں پوچھنے والوں کے لئے۔

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ یعنی زمین میں پہاڑ پیدا کئے جو جمے ہوئے ہیں زمین میں گڑے ہوئے ہیں۔

مِنْ فَوْقِهَا یعنی زمین کے اوپر سے اٹھے ہوئے ہیں۔

وَبٰرَكَ فِيْهَا یعنی زمین میں دریا نہریں درخت پھل اور جانور پیدا کئے۔

وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا اور زمین کے باشندوں کی روزی زمین میں ہی مقرر فرما دی۔ اقواتھا میں مضاف محذوف ہے یعنی اقوات اہلہا۔ حسن نے کہا اللہ نے زمین میں انسانوں اور چوپایوں کی روزی الگ الگ مقرر کر دی جو چیز جس کے لئے مناسب اور ذریعۂ زندگی تھی وہ اس کو دے دی۔ عکرمہ اور ضحاک نے کہا ہر شہر میں وہ چیز پیدا کی جو دوسرے شہر میں نہیں پیدا کی تاکہ ایک شہر والے دوسرے شہر کو لے جائیں اور اس طرح باہم تجارت کر کے زندگی بسر کریں کلبی نے کہا کسی طرف والوں کو روٹی کسی سمت والوں کو (صرف) جوار کسی کو چھوارے اور کسی جانب کے رہنے والوں کو مچھلیاں عطا کیں (یعنی ہر سمت کے رہنے والوں کو خاص خاص قسم کھانے کی چیزیں عنایت کیں۔

فی اربعۃ ایام یعنی یہ سب کچھ مزید دو دنوں میں کیا جو پہلے دو دنوں سے متصل ہیں یعنی سہ شنبہ اور چار شنبہ۔ اس طرح چار روز پورے ہو گئے محاورہ میں کہا جاتا ہے میں بصرہ سے بغداد تک دو دن میں پہنچا اور کوفہ تک تین دن میں۔ یعنی دو دن

پہلے اور ایک دن مزید۔
سواء یعنی یہ ٹھیک چار دن میں ہوا۔
للسائلین قتادہ اور سدی نے کہا اس کا تعلق ایک محذوف فعل سے ہے یعنی جو لوگ دریافت کریں کہ زمین اور کائنات زمین کی تخلیق کتنی مدت میں ہوئی تو ان کے لئے یہ پوری گنتی بیان کر دی گئی۔ یا اس کا تعلق قدر محذوف ہے یعنی طلب گاروں کے لئے زمین میں یہ روزی چار دن میں بنادی گئی۔

ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ　پھر آسمان (کے بنانے) کی طرف توجہ کی اور وہ اس وقت دھواں (سا) تھا۔
ثم استوی پھر براہِ راست وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا یعنی آسمان کا قصد کیا۔ استوی الی مکان کذا فلاں مقام کا اس نے براہِ راست قصد کیا کسی دوسری جگہ کی طرف توجہ بھی نہیں کی۔ ثم کا اس جگہ استعمال تاخیر زمانہ کے لئے نہیں ہے کیونکہ پہاڑوں کی تخلیق زمین کو بچھانے اور ہموار کرنے کے بعد ہوئی اس لئے تاخیر زمانی تو مراد نہیں ہو سکتی بلکہ دونوں تخلیقوں میں تفاوت کے اظہار کے لئے ثم کا استعمال کیا۔
وهی دخان شاید دخان سے مراد مادہ دخان اور وہ چھوٹے ننھے اجزاء ہوں جن سے آسمان بنایا گیا ہے۔ آسمان کا مادہ دخان یعنی آبی بخارات ہیں کذا قال البغوی (فلاسفۂ یونان اور علماء طبعیات کے نزدیک دخان نام ہے ارضی اور آتشی اجزاء کے مخلوط امتزاجی قوام کا اور بخار نام ہے آبی و ہوائی اجزاء کے مرکب امتزاجی کا لیکن بغوی کے قول پر دخان سے مراد آبی بخارات ہیں)

فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا　سو اس سے اور زمین سے فرمایا تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے۔
یعنی جو تاثیر و تاثر میں نے تمہارے اندر پیدا کیا ہے اس کو لے کر آجاؤ اور جو مختلف اوضاع اور طرح طرح کی کائنات تمہارے اندر میں نے ودیعت کر دی ہیں ان کو ظاہر کرو۔ یا یہ مطلب ہے کہ جس چیز کو میں تمہارے اندر سے پیدا کرنے والا ہوں اس چیز کو نمودار کر دو۔
طاؤس نے حضرت ابن عباسؓ کا تفسیری قول اس طرح نقل کیا ہے میں نے بندوں کی مصلحت کے لئے جو منافع تم دونوں کے اندر پیدا کئے ہیں ان کو ظاہر کرو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے آسمان سے ارشاد فرمایا اے آسمان اپنے سورج چاند اور ستاروں کو نمودار کر اور اے زمین اپنے اندر دریاؤں کو رواں کر اور درختوں اور پھلوں کو بر آمد کر۔
طوعا او کرھا چار و نا چار حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ نے آسمان و زمین سے ارشاد فرمایا۔ میں نے جو حکم تم کو دیا ہے اس کی تعمیل کرو ورنہ میں تم کو مجبور کر کے اپنے حکم کی تعمیل کراؤں گا۔ آسمان و زمین نے اس کے جواب میں کہا۔

قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىٕعِیْنَ ﴿۱۱﴾　دونوں نے کہا ہم بخوشی حاضر ہیں۔ طائعتین جمع مذکر کا صیغہ استعمال کیا۔ طائعتین بصیغہ تثنیہ مؤنث نہیں فرمایا اس لئے کہ حکم کی اطاعت کا قول کرنے والے آسمان و زمین اور ان کی ساری کائنات تھی اس لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا اور جب آسمان و زمین کی طرف قول کی نسبت کی اور قول کی نسبت ذی عقل کی طرف کی جاتی ہے اس لئے آسمان و زمین کو ذی عقل مان کر وہ صیغہ استعمال کیا جو ذی عقل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ کلام مبنی بر استعارہ ہے (حقیقی قول مراد نہیں ہے)
ائتیا سے مراد ہے قدرت کاملہ کا اظہار اور مراد خداوندی کا یقینی قطعی وقوع اور اتینا سے مراد ہے فوراً متاثر ہو جانا جس طرح حاکم و فرماں رواں کے حکم کی تعمیل فرماں بردار فوراً کرتا ہے اسی طرح آسمان و زمین نے فرمان پذیری کا مظاہرہ کیا آیت کن فیکون میں بھی یہی فوری فرمان پذیری ہی مراد ہے۔

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ　سو دو روز میں ان کو سات آسمان بنادیا۔ ہن کی ضمیر سماء کی

طرف راجع ہے کیونکہ سماء معنی کے لحاظ سے جمع ہے۔ ضمیر مبہم ہے اور سبع سموت اس کی توضیح ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ نے سات آسمان ایجاد کر دیئے یعنی مطلق عدم سے وجود میں لے آیا اور ان کو محکم کر دیا۔

یومین یعنی پنج شنبہ اور جمعہ محلی نے لکھا ہے جمعہ کی آخری ساعت میں تخلیق کائنات سے فارغ ہو گیا۔ اسی آخری ساعت میں اللہ نے آدم کو پیدا کیا۔ اسی لئے اس جگہ سواء نہیں فرمایا۔

میں کہتا ہوں شاید محلی کے اس قول کا مدار اس حدیث پر ہے جو مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اللہ نے مٹی کو سنیچر کے دن پیدا کیا اور پہاڑوں کو اتوار کے دن پیدا کیا اور درختوں کو سوموار کے دن پیدا کیا اور مصائب کو منگل کے دن پیدا کیا اور نور کو بدھ کے دن پیدا کیا اور زمین پر چوپایوں کو جمعرات کے دن پھیلایا اور آدم کو جمعہ کے دن عصر کے بعد آخری ساعت میں سب سے آخر میں پیدا کیا۔ آخری ساعت عصر اور رات کے درمیان والی ساعت ہوتی ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ اس حدیث کو نقل کرنے میں راوی سے غلطی ہوئی ہے کیونکہ یہ قرآنی صراحت کے خلاف ہے قرآن کی صراحت ہے کہ اللہ نے زمین و آسمان چھ روز میں پیدا کئے اور اس حدیث میں سات روز کا ذکر ہے صحیح یہ ہے کہ آغاز تخلیق اتوار کے دن سے ہوا لیکن اس حدیث میں سنیچر کے دن ابتداء تخلیق قرار دی گئی ہے آیت خلق الجبال رواسی الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑوں وغیرہ کی پیدائش تیسرے اور چوتھے دن (منگل اور بدھ) ہوئی لیکن حدیث میں پہاڑوں کی پیدائش اتوار کے دن اور درختوں کی پیدائش پیر کے دن بتائی گئی ہے۔ تخلیق آدم کے قصہ کی رفتار بتا رہی ہے کہ آسمان و زمین کی تخلیق سے بہت مدت کے بعد آدم کی تخلیق ہوئی اللہ نے فرمایا اِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً الخ پھر تخلیق آدم کے بیان میں آیا ہے کہ آدم کی مٹی چالیس روز گوندھی گئی اب حدیث مذکور کی رو سے اگر آدم کی پیدائش جمعہ کی آخری ساعت میں قرار دی جائے تو آغاز تخلیق جمعہ کے دن سے ہو گی۔

وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا اور ہر آسمان میں اس کے مناسب (فرشتوں کو) حکم بھی دیا۔

عطاء نے حضرت ابن عباسؓ کا قول اس طرح نقل کیا ہے کہ اللہ نے ہر آسمان کے اندر اس کی مخلوق یعنی ملائکہ دریا پہاڑ زمہریر اور وہ سب چیزیں پیدا کر دیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ قتادہ اور سدی نے کہا یعنی آسمان میں سورج چاند اور ستارے پیدا کر دیئے۔ مقاتل نے کہا اللہ نے جو امر و نہی دینی چاہی وہ آسمان کو وحی کر دی۔ بعض نے کہا آسمان میں جو مخلوق تھی اس کو طاعت کا حکم دے دیا۔

وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۱۲﴾

اور ہم نے اس قریبی آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور اس کی حفاظت کی یہ تجویز ہے زبردست واقف (کل) کی۔

بمصابیح مصابیح سے مراد ہیں ستارے۔

وحفظا (یہ مفعول مطلق ہے) یعنی ہم نے آفات یا چوری کرنے والوں سے اس کو محفوظ کر دیا حفظا مفعول لہ ہے یعنی زینت اور حفاظت کے لئے ہم نے آسمان دنیا میں ستارے پیدا کر دیئے۔

العزیز اپنی حکومت میں غالب۔

العلیم اپنی مخلوق سے واقف۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُکُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ پھر اگر (دلائل توحید سن کر بھی) یہ لوگ (توحید سے) اعراض کرتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی آفت قوم عاد و ثمود پر آئی تھی۔ یعنی اس بیان کے بعد بھی اگر کفار مکہ ایمان سے روگردانی کریں تو ان کو اس ہلاکت آفریں عذاب شدید سے ڈرایئے جیسا قوم عاد و ثمود پر آیا تھا۔

صاعقہ۔ ہر مہلک چیز

اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝۱۴

جب کہ ان کے پاس ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی پیغمبر آئے کہ بجز اللہ کے اور کسی کو مت پوجو انہوں نے جواب دیا اگر ہمارے رب کو یہ منظور ہوتا (کہ کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجے) تو فرشتوں کو بھیجتا سو ہم اس توحید کے منکر ہیں جس کو دے کر (بزعم خود) تم بھیجے گئے ہو۔

اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ جب قوم عاد و ثمود کے پاس ان کے پیغمبر آئے۔

مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ آگے سے بھی اور پیچھے سے بھی یعنی ہر طرف سے پہنچے اور ان کو ہدایت کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ یا آگے پیچھے سے مراد ہے گزرا ہوا اور آنے والا زمانہ۔ گزشتہ کافروں پر کیا گزرا وہ بھی بتایا اور آئندہ آخرت میں ان پر کیسا عذاب ہوگا اس سے بھی ڈرا دیا۔ یا آگے پیچھے سے مراد ہے پہلا پچھلا، پہلے لوگوں کے احوال کی اطلاع ان کو تھی اور حضرت ہود و حضرت صالح نے ان کو پچھلے لوگوں کے احوال سے بھی باخبر کر دیا اور اس طرح ایمان کی دعوت دی۔ یا من بین ایدیھم ومن خلفھم سے مراد ہے کثرت جیسے دوسری آیت میں آیا ہے يَاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ

قالوا یعنی قوم عاد و ثمود نے جواب دیا۔

فانا بما ارسلتم یعنی تم جو رسول ہونے کے مدعی ہو اور کہہ رہے ہو کہ تم کو تبلیغ توحید کے لئے بھیجا گیا ہم اس کو نہیں مانتے۔ تم بھی ہماری طرح آدمی ہی ہو تم کو ہم پر کوئی برتری حاصل نہیں۔

بغوی نے حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ابو جہل نے اور قریش کے کچھ سرداروں نے کہ محمد ﷺ کا معاملہ ہماری سمجھ میں ٹھیک ٹھیک نہیں آتا۔ کسی ایسے آدمی کو تلاش کرو جو شاعری اور کہانت اور جادو سے واقف ہو وہ جا کر محمد ﷺ سے گفتگو کرے اور پھر آ کر ہم کو صاف صاف بتائے عتبہ بن ربیعہ بولا واللہ میں نے شعر بھی سنے ہیں اور کہانت و سحر کے الفاظ بھی اور مجھے اس سے کچھ واقفیت بھی ہے اگر اس میں سے کوئی بات ہوئی تو مجھ سے چھپی نہیں رہے گی غرض عتبہ وہاں سے اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور حضور ﷺ سے کہنے لگا محمد تم بہتر ہو یا ہاشم تم بہتر ہو یا عبدالمطلب تم بہتر ہو یا عبداللہ تم ہمارے معبودوں کو کیوں برا کہتے ہو اور کیوں ہمارے اسلاف کو گمراہ قرار دیتے ہو اگر تم سرداری کے خواستگار ہو تو ہم اپنے جھنڈے تم کو دے دیں گے اور اگر عورت کے خواہشمند ہو تو قریش کی دس عورتوں سے جن کو تم پسند کرو تمہارا نکاح کر دیں گے اور اگر تم مال کے طلبگار ہو تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ تم بھی دولت مند ہو جاؤ گے اور تمہارے بعد آنے والی نسل بھی۔ عتبہ کہتا رہا اور رسول اللہ ﷺ خاموشی سے سنتے رہے جب وہ کہہ چکا تو رسول اللہ ﷺ نے پڑھنا شروع کیا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم حٰمٓ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا آپ نے یہ آیات مثل صاعقۃ عاد و ثمود تک پڑھیں عتبہ نے (ڈر کر) فوراً حضور ﷺ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور رشتہ داری کی قسم دے کر خاموش ہو جانے کی درخواست کی پھر لوٹ کر سیدھا اپنے گھر پہنچ گیا قریش کے پاس نہیں گیا اپنے گھر میں بیٹھا رہا یہ بات دیکھ کر ابو جہل نے کہا اے گروہ قریش واللہ خدا کی قسم ہم کو یہ نظر آتا ہے کہ عتبہ محمد ﷺ کی طرف جھک گیا اور محمد ﷺ کے کھانے پر ریجھ گیا اس کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ وہ مفلس ہو گیا ہے ذرا اس کے پاس تو چلو قریش والے عتبہ کے پاس گئے اور ابو جہل نے اس سے کہا عتبہ خدا کی قسم ہم کو تو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تم تو ہمارے پاس نہیں آئے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تمہارا جھکاؤ محمد ﷺ کی طرف ہو گیا اور تم ان کے کھانے پر ریجھ گئے اگر تم ضرورت مند ہو تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیں جو محمد کے کھانے سے تم کو بے نیاز کر دے یہ بات سن کر عتبہ کو غصہ آ گیا اور قسم کھا کر کہا آئندہ محمد ﷺ سے وہ بات بھی نہیں کرے گا اور بولا تم لوگ واقف ہو کہ میں قریش کے اندر بڑے مالدار لوگوں میں سے ہوں بات یہ ہوئی کہ میں ان کے پاس گیا تھا اور ان

سے پورے حالات بیان کئے تھے لیکن انہوں نے مجھے ایسا جواب دیا کہ خدا کی قسم نہ وہ شعر ہے نہ کہانت اور جادو (کے الفاظ) پھر عتبہ نے یہ سورت پڑھ کر سنائی یہ کلام سن کر میں نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ کر خاموش کر دیا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہا وہ چپ ہو جائیں تم جانتے ہو کہ محمد ﷺ جب کوئی بات کہتا ہے تو جھوٹ نہیں کہتا اس سے مجھے ڈر ہو گیا کہ کہیں تم پر عذاب آجائے۔

محمد بن کعب قرظی کا بیان ہے ہم سے کہا گیا ہے کہ عتبہ بڑا دانشمند سردار تھا قریش کی مجلس میں ایک روز بیٹھا ہوا تھا اور رسول اللہ ﷺ اس وقت تنہا مسجد (کعبہ) میں تشریف فرما تھے عتبہ نے کہا اے گروہ قریش کیا میں محمد ﷺ کے پاس جا کر ان سے کچھ گفتگو کروں اور چند باتیں ان کے سامنے رکھوں شاید وہ ہماری کوئی بات قبول کر لیں اور ہم ان کی وہ بات پوری کر دیں اور وہ پھر ہم سے کچھ تعرض نہ کریں یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے کہ حضرت حمزہ مسلمان ہو چکے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھی بڑھتے جارہے تھے قریش نے کہا ابو الولید ایسا ہی کرو ان کے پاس جاؤ اور بات کرو عتبہ اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا میرے بھتیجے تم جانتے ہو کہ تمہارا کنبہ وسیع ہے اور نسبی لحاظ سے بھی تمہارا ایک اخص مقام ہے لیکن تم نے ایک بڑی بات کی ہے جس سے قریش کی جماعت میں تم نے پھوٹ ڈال دی اور سب کو بیوقوف قرار دیا اور ان کے معبودوں کی خرابیاں بیان کیں اور ان کے گزشتہ باپ دادا کو کافر بتایا ذرا کان لگا کر میری بات سنو میں چند چیزیں تمہارے سامنے رکھتا ہوں تم ان پر غور کرو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو الولید کہو کیا باتیں ہیں عتبہ نے کہا بھتیجے اگر تم جو کہتے ہو اس سے تمہارا مقصد مال کا حصول ہے تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ تم ہم سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ گے اور اگر سرداری کے طلبگار ہو تو ہم تم کو اپنا سردار بنالیں گے اور اگر تم کو کچھ دکھائی دیتا ہے (یعنی جنون یا جن کا اثر ہے) تو ہم تمہارا علاج تلاش کریں گے اور ممکن ہے یہ شعر ہوں جو تمہارے سینہ سے ابلتے ہوں (اور تم ان کو روک نہ سکتے ہو) تو اے نبی مطلب تم کو اس (شاعری) پر وہ قدرت حاصل ہے جو دوسروں کو نہیں ہے جب عتبہ بات ختم کر چکا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو الولید کیا تم اپنی بات پوری کر چکے عتبہ نے کہا جی ہاں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تو اب میری سنو عتبہ نے کہا سناؤ حضور نے پڑھنا شروع کیا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حٰمٓ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا حضور ﷺ پڑھ رہے تھے اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پشت کے پیچھے ٹکائے ان پر سہارا لگائے خاموشی کے ساتھ کان لگائے سن رہا تھا جب حضور ﷺ آیت سجدہ پر پہنچے تو آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور فرمایا ابو الولید یہ تمہاری بات کا جواب ہے۔ عتبہ فوراً اٹھ گیا اور اپنے ساتھیوں کی طرف چل دیا۔ اہل مجلس میں سے ایک نے دوسرے سے خدا کی قسم کھا کر کہا ابو الولید جو خیال لے کر گیا تھا اس کے خلاف خیال لے کر واپس آرہا ہے جب عتبہ آکر بیٹھ گیا تو لوگوں نے پوچھا کیا خبر لائے۔ ابو الولید عتبہ نے کہا خبر یہ ہے کہ میں نے ایسا کلام سنا کہ خدا کی قسم میں نے ویسا کلام کبھی نہیں سنا نہ وہ شعر ہے نہ جادو نہ کہانت برادران قریش میرا کہا مانو اس شخص کو یونہی چھوڑ دو جو کچھ کر رہا ہے کرنے دو تم کچھ تعرض نہ کرو اس سے علیحدہ رہو جو بات میں نے اس سے سنی ہے خدا کی قسم اس کی کچھ حقیقت ہو کر رہے گی اگر عرب اس پر کامیاب ہو جائیں گے تو تمہارا کام ہو جائے گا اور اگر یہ عرب پر غالب آگیا تو اس کی حکومت تمہاری حکومت اور اس کی عزت تمہاری عزت ہو گی اس کی وجہ سے تم بڑے خوش نصیب ہو جاؤ گے قریش نے کہا ابو الولید واللہ اس نے تیرے اوپر جادو کر دیا ہے عتبہ نے کہا میرا تمہارے لئے یہی مشورہ ہے اب تم جو چاہو کرو۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ

پھر وہ جو عاد کے لوگ تھے وہ دنیا میں ناحق تکبر کرنے لگے اور کہنے لگے وہ کون ہے جو طاقت میں ہم سے بڑھ کر ہے۔

فَاسْتَكْبَرُوْا یعنی بغیر استحقاق کے دوسرے لوگوں سے اپنے کو بڑا اور برتر سمجھنے لگے اور کہنے لگے وہ کون ہے جو طاقت میں ہم سے بڑھ کر ہے۔

مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے یعنی ہر عذاب کو ہم اپنی طاقت سے دفع کر دیں گے (قوم عاد کی طاقت کی

یہ حالت تھی کہ) پہاڑ کے بڑے بڑے پتھر اکھاڑ کر جہاں چاہتے تھے لے جاتے تھے۔ اللہ نے ان کی تردید میں فرمایا۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝۱۵

کیا ان کو یہ نظر نہ آیا کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے طاقت میں بہت زیادہ ہے اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا یعنی کیا انہوں نے نہیں جانا۔ یہ استفہام انکاری ہے اور فعل محذوف پر عطف ہے یعنی کیا انہوں نے ایسی بات کہی اور یہ جانا کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے طاقت میں بہت زیادہ ہے۔

بِاٰيٰتِنَا آیات سے مراد ہیں معجزات

يجحدون یعنی حق جانتے ہوئے انکار کرتے رہے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِیْۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰی

تو ہم نے ان پر ایک طوفانی آندھی منحوس دنوں میں بھیج دی تاکہ اس دنیوی زندگی میں ہم ان کو رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھادیں اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی رسوائی کا سبب ہے۔

رِيْحًا صَرْصَرًا تیز آندھی جس میں سخت سردی اور شور کرنے والی آواز بھی ہو۔ صرصر ماخوذ ہے صر سے صر کا معنی ہے سردی یا صرہ سے ماخوذ ہے اور ضرہ کا معنی ہے چیخ سخت آواز۔

نحسات یعنی وہ دن جوان کے لئے منحوس تھے ضحاک نے کہا تین سال تک اللہ نے ان کو بارش سے محروم رکھا اور بغیر بارش کے تیز ہوائیں چلتی رہیں۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ طوفان آخر شوال میں بدھ سے شروع ہوا اور بدھ تک رہا اور جس امت پر عذاب آیا بدھ ہی کے دن آیا

عَذَابَ الْخِزْیِ ذلت کا عذاب یعنی ذلت والا عذاب

وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝۱۶ اور ان کو مدد نہیں پہنچے گی کہ عذاب دفع ہو سکے۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عَلَی الْهُدٰی فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۱۷ اور وہ جو قوم ثمود والے تھے تو (پیغمبر کے ذریعہ سے) ہم نے ان کو سیدھا راستہ بتادیا لیکن انہوں نے اندھے پن کو بمقابلہ ہدایت کے پسند کیا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک سراپا ذلت کے عذاب کی آفت نے ان کی بدکرداریوں کی پاداش میں ان کو آپکڑا۔

فَهَدَيْنٰهُمْ یعنی خیر وشر دونوں کے راستے بتادیئے اور پیغمبروں کی وساطت سے ان کو سیدھا راستہ دکھادیا۔ کذا فسر ابن عباسؓ۔

فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عَلَی الْهُدٰی یعنی ایمان کے مقابلہ میں انہوں نے جہالت اور کفر کو پسند کیا۔

صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ یعنی آسمان کی طرف سے ایک ہلاکت آفریں چیخ۔

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ یعنی گمراہی اختیار کرنے کی پاداش میں۔

ع ۲ ۱۷ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝۱۸ اور (اس آفت سے) ان لوگوں کو بچالیا جو ایمان لائے اور (ہم سے) ڈرتے تھے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَی النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝۱۹ حَتّٰۤی اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲۰

اور (یاد دلایئے ان کو وہ دن کہ جب اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف (لے جانے کے لئے) جمع کئے جائیں گے پھر روکے جائیں گے (تاکہ باقی لوگ بھی آجائیں) یہاں تک کہ جب وہ دوزخ کے قریب آجائیں گے تو ان کے کان اور آنکھیں اور کھالیں ان کے خلاف ان کے اعمال کی شہادت دیں گے۔

یوزعون یعنی ہنکائے جائیں گے اور دھکّے دے کر دوزخ کی طرف لے جائے جائیں گے قتادہ اور سدی نے کہا آگے والوں کو روک دیا جائے گا تاکہ پچھلے لوگ آکر ان سے مل جائیں اور سب یکجا ہو جائیں۔ بیضاوی نے لکھا ہے اس سے مراد دوزخیوں کی کثرت کا اظہار ہے۔

جاء وھا یعنی جب دوزخ کے سامنے پہنچیں گے آنے سے مراد ہے دوزخ کے سامنے پہنچ جانا۔

وجلودھم سدی اور اہل تفسیر کی ایک جماعت نے کہا کھالوں سے مراد شرمگاہیں ہیں۔ مقاتل نے کہا ہاتھ پاؤں بولیں گے مسلم نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے حضرت انسؓ نے فرمایا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے یکایک حضور ﷺ مسکرا دیئے اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ میں کس وجہ سے مسکرا رہا ہوں ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی جانے فرمایا میں اس لئے مسکرا رہا ہوں کہ بندہ اپنے رب سے مخاطب ہو کر عرض کرے گا اے میرے رب کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دے دی ہے (یعنی کیا تو نے یہ نہیں فرما دیا ہے کہ کسی پر ظلم نہ ہو گا) اللہ فرمائے گا کیوں نہیں بندہ عرض کرے گا پھر میرے خلاف شہادت دینے والا کوئی میرا ہی جزء ہو کسی اور (باہر والے) کو میں اپنے خلاف شہادت دینے کی اجازت نہیں دوں گا اللہ فرمائے گا بس آج تیرا ہی نفس تیرے خلاف شہادت دے گا یا اعمال لکھنے والے ملائکہ شاہد ہوں گے اس کے بعد اللہ اس کے منہ پر مہر لگا دے گا اور اعضاء کو حکم دے گا تم بولو ہاتھ پاؤں اس کے اعمال بول کر بتائیں گے پھر اس کو بات کرنے کی آزادی دے دی جائے گی (یعنی منہ پر سے مہر ہٹالی جائے گی) تو وہ (اعضاء سے) کہے گا دور ہو جاؤ تمہارا ناس جائے تمہاری طرف سے ہی تو میں دفاع کر رہا تھا۔

مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اس طرح بیان کیا ہے اللہ اس کے منہ پر مہر کر دے گا اور اس کی ران کو بولنے کا حکم دے گا فوراً اس کی ران اس کا گوشت اور ہڈی بول پڑے گی اور اس کے اعمال بیان کرے گی۔

وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا ۖ اور (دوزخ کی طرف لے جائے جانے والے کافر) کہیں گے تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی۔ یعنی تم ہلاک ہو جاؤ تمہارا ناس جائے تمہاری طرف سے تو ہم مدافعت کر رہے تھے پھر تم نے ہی ہمارے خلاف شہادت دی۔ یہ سوال بطور توبیخ ہو گا۔

قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وہ جواب دیں گے ہم کو اسی اللہ نے گویا بنا دیا جس نے ہر (بولنے والی) چیز کو گویا بنایا ہے۔

وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۱﴾ اور اسی نے تم کو پہلی بار پیدا کیا اور اسی کی طرف تم سب کو لوٹایا جائے گا۔ یہ جملہ اعضاء کے کلام کا جزء بھی ہو سکتا ہے اور جملہ مستانفہ (ابتدائیہ جدید) بھی ہو سکتا ہے اس کے بعد جو کلام آرہا ہے اس میں بھی یہ دونوں احتمال جائز ہیں۔

شیخین نے صحیحین میں نیز بغوی نے حضرت ابن مسعودؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ کعبہ کے دو ثقفی اور ایک قریشی یا دو قریشی اور ایک ثقفی شخص جمع ہوئے ان تینوں کے پیٹ تو موٹے تھے جن پر چربی کی تہ جمی ہوئی تھی اور دلوں میں سمجھ کم تھی ایک بولا کیا تم کو معلوم ہے کہ اللہ ہماری باتیں سنتا ہے دوسرا بولا ہم چلا کر بولیں تو سنتا ہے اور چپکے چپکے بات کریں تو نہیں سنتا تیسرے نے کہا اگر وہ چلا کر بات کرنے کو سنتا ہے تو چپکے کی بات بھی ضرور سنے گا۔

بغوی نے لکھا ہے یہ ثقفی شخص عبدیالیل تھا اور دونوں قریشی آدمی ربیعہ اور صفوان بن امیہ تھے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَٰكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۲﴾ اور تم (دنیا میں) اس بات سے چھپا ہی نہیں سکتے تھے کہ تمہارے کان اور آنکھیں اور کھالیں تمہارے خلاف میں گواہی دیں لیکن تم اس گمان میں رہے کہ اللہ کو تمہارے بہت سے اعمال کی خبر بھی نہیں۔

تَسْتَتِرُونَ بغوی نے لکھا ہے اکثر علماء نے اس کا ترجمہ کیا ہے تم چھپا نہیں سکتے تھے، مجاہد نے ترجمہ کیا تم ڈرتے نہ تھے۔ قتادہ نے کہا تم خیال بھی نہیں کرتے تھے کہ تمہارے ہاتھ اور پاؤں تمہارے خلاف شہادت دیں گے لیکن تمہارا خیال تھا کہ تمہارے بہت سے اعمال کی اللہ کو خبر نہیں ہے اسی لئے تم اپنے برے اعمال بیباکی سے کرتے تھے۔

وَذَٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۲۳﴾ اور اسی تمہارے خیال نے جو تم نے اپنے رب کے متعلق کر رکھا تھا تم کو ہلاک کیا اور تم گھاٹا پانے والوں میں سے ہو گئے۔

فَإِنْ يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ ۖ وَإِنْ يَسْتَعْتِبُوا فَمَا هُمْ مِنَ الْمُعْتَبِينَ ﴿۲۴﴾ اب اگر وہ (دوزخ کے اندر) صبر کریں گے تو دوزخ ان کا ٹھکانا ہے ہی (کبھی وہاں سے نجات نہیں ملے گی) اور اگر معافی طلب کریں گے تو معافی یافتہ لوگوں میں سے نہ ہوں گے۔

وان یستعتبوا یعنی اگر وہ رب کو راضی کرنا چاہیں گے اور خواستگار عتبی ہوں گے عتبی کا معنی ہے اپنی پسندیدہ حالت کی طرف لوٹنا۔

فما ھم من المعتبین تو ان کی یہ درخواست قبول نہیں کی جائے گی۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ اور ہم نے دنیا میں ان کے ساتھ رہنے والے کچھ شیاطین مقرر کر رکھے تھے۔

وقیضنا یعنی ہم نے مقرر کر دیئے ہیں مقاتل نے ترجمہ کیا ہم نے فراہم کر دیئے ہیں تیار کر دیئے ہیں۔

لہم ان کافروں کے لئے۔

قرناء ساتھی قرناء قرین کی جمع ہے جیسے کرماء کریم کی جمع ہے یعنی کافروں جیسے شیطان جنات جو ان پر ایسے مسلط اور محیط ہیں جیسے انڈے پر اس کا پوست قیض انڈے کے پوست کو کہتے ہیں بعض نے کہا قیض کا اصل معنی ہے عوض۔ بیع مقایضہ (سامان کا سامان سے مبادلہ) اسی سے مشتق ہے۔

فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ سو انہوں نے ان کے اگلے پچھلے (ان کی نظر میں) خوبصورت بنا دیئے تھے۔

مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ سے مراد ہیں دنیوی چیزیں اور خواہشات کا اتباع اور ما خلفھم سے مراد ہے امر آخرت یعنی شیطانوں نے ان کو (دنیا کا شیفتہ بنا دیا اور) آخرت کے انکار اور دوسری زندگی کی تکذیب کی دعوت دی۔

وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿۲۵﴾ اور ان کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ کا قول (وعدہ عذاب) پورا ہو کر رہا جو ان سے پہلے (کافر) جن وانس ہو گزرے ہیں بیشک وہ سب بھی خسارے میں رہے۔ القول یعنی کلمہ عذاب۔

فی امم یعنی منجملہ ان امتوں کے جو ان سے پہلے گزر گئیں جن کے اعمال کی طرح انہوں نے بھی عمل کئے۔

كَانُوا خَاسِرِينَ یعنی ان چیزوں کو اختیار کیا جو موجب عذاب ہیں اور ان چیزوں کو چھوڑا جو موجب رحمت ہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ﴿۲۶﴾

منزل ۶

اور ان (کفار مکہ) نے کہا کہ قرآن کو نہ سنو اور اس میں گڑبڑ ڈال دو تاکہ تم (قرأت قرآن پر) غالب آجاؤ۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کچھ لوگ دوسروں سے کہتے تھے جب محمد ﷺ کو تم قرآن پڑھتے دیکھو تو ان کے سامنے رجز اور شعر خوب پڑھو اور بیہودہ باتیں کرو مجاہد نے کہا گڑبڑ کرنے سے مراد ہیں سیٹیاں اور تالیاں بجانا ضحاک نے کہا خوب باتیں کرو کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہوں اس میں گڑبڑ پیدا ہو جائے۔ سدی نے کہا ان کے سامنے جا کر شور مچاؤ چیخو چلاؤ۔

فَلَنُذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٧﴾

تو ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا ضرور مزا چکھائیں گے اور جو حرکتیں یہ کرتے تھے ان کی بدترین سزا دیں گے۔

الذین کفروا بجائے ضمیر کے اسم ظاہر دو باتوں کی وجہ سے استعمال کیا ان لوگوں کے کفر کی تصدیق ہو گئی۔ حکم میں عموم ہو گیا یہ حکم ان کافروں کے لئے بھی ہو گیا اور دوسرے کافروں کے لئے بھی۔

أَسْوَأَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ یعنی ان کے برے اعمال کی سزا دیں گے یا یہ مطلب ہے کہ ہم ان کے کفر کی سزا دیں گے جو ان کے دنیوی اعمال میں سب سے برا عمل تھا۔

ذَٰلِكَ جَزَاءُ أَعْدَاءِ اللَّهِ النَّارُ لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ جَزَاءً بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿٢٨﴾

یہ سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی (یعنی) دوزخ جس کے اندر ان کے لئے (دوامی) قیام گاہ ہو گی بدلے میں اس بات کے کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے۔

دَارُ الْخُلْدِ قیام گاہ رہنے کا مقام

بِآيَاتِنَا آیات سے مراد قرآن ہے۔

يَجْحَدُونَ یعنی حق کا انکار کرتے تھے یا جحود سے مراد ہے قرآن میں گڑبڑ کرنا۔ انکار قرآن گڑبڑ کرنے کا سبب تھا اس لئے سبب سے اس کا نتیجہ مراد لیا جا سکتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرِنَا الَّذَيْنِ أَضَلَّانَا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ

(دوزخ میں ڈالے جانے کے بعد) کافر کہیں گے اے ہمارے رب ہم کو وہ دونوں شیطان اور انسان دکھا دے جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا۔

الَّذَيْنِ أَضَلَّانَا یعنی جنات اور انسانوں میں سے جس نے ہم کو بہکایا اور گناہ پر آمادہ کیا ان کو ہمارے سامنے لے آ بعض کے نزدیک دو بہکانے والوں سے مراد ہیں ابلیس اور حضرت آدمؑ کا بیٹا قابیل کفر و معصیت کی بنیاد ڈالنے والے یہی دونوں تھے۔

نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونَا مِنَ الْأَسْفَلِينَ ﴿٢٩﴾

ہم ان کو اپنے پیروں تلے مل ڈالیں تاکہ وہ خوب ذلیل ہوں۔

لِيَكُونَا تاکہ وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہو جائیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تاکہ ان کا عذاب ہمارے عذاب سے زیادہ سخت ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا

بیشک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر سیدھے راستہ پر قائم رہے یعنی جن لوگوں نے اللہ کے رب ہونے کا اعتراف اور اس کی وحدانیت کا اقرار کیا (اور سیدھے راستہ سے انحراف نہیں کیا)

محلی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق ہوا۔ (ثم سے تاخیر زمانی مراد نہیں ہے بلکہ) ثم اس جگہ ترتیب کی تاخیر کو ظاہر کر رہا ہے اقرار توحید و ربوبیت سے استقامت کا درجہ مؤخر ہے۔ استقامت سے مراد ہے اعتدال۔ کسی طور پر حق سے منحرف نہ ہونا کج راہی اختیار نہ کرنا نہ اعتقاد میں نہ اعمال میں نہ اخلاق میں قاموس میں ہے استقام اعتدال۔ قومتہ

میں نے اس کو سیدھا کر دیا قویم اور مستقیم دونوں ہم معنی ہیں وہ ہموار سیدھا راستہ جو راہی کو منزل تک پہنچاوے اس کو صراط مستقیم اسی مناسبت سے کہا جاتا ہے۔ استقامت کا لفظ مختصر اور جامع ہے تمام احکام شرعیہ کو حاوی ہے اداء مامورات ہو یا منہیات وممنوعات سے اجتناب اگر پابندی اور دوام کے ساتھ ہو تو استقامت کا لفظ اس کو محیط ہے حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی نے خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اسلام کے سلسلہ میں مجھے کوئی ایسی بات بتا دیجئے کہ حضور ﷺ کے بعد پھر مجھے کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے ارشاد فرمایا کہو امنت باللّٰہ (میں اللہ پر ایمان لایا) پھر استقامت رکھو۔ (یعنی اس پر جمے رہو یا سیدھی چال چلتے رہو) رواہ مسلم۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے استقامت کے متعلق سوال کیا گیا فرمایا (استقامت یہ ہے کہ) تم کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ قرار دو۔ حضرت عمر بن خطابؓ سے استقامت کی بابت دریافت کیا گیا تو فرمایا تم امر و نہی کی پابندی رکھو اور لومڑی کی طرح (ادھر ادھر) مڑ نہ جاؤ۔

حضرت عثمان بن عفانؓ نے استقاموا کا ترجمہ کیا انہوں نے خالص اللہ کیلئے عمل کئے۔ حضرت علی ﷺ نے فرمایا پھر انہوں نے فرائض ادا کئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا پھر وہ اداء فرائض پر قائم رہے حسنؒ نے کہا پھر وہ امر الٰہی پر قائم رہے اللہ کی طاعت کرتے رہے اور نافرمانی سے بچتے رہے مجاہد اور عکرمہ نے کہا اللہ سے ملنے کے وقت یعنی مرتے دم تک لا الٰہ الا اللہ کی شہادت پر قائم رہے۔ مقاتل نے کہا معرفت پر قائم رہے۔ پھر (معرفت سے نہیں پھرے۔

یہ تمام اقوال اسی مضمون کی مختلف تعبیریں ہیں جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ اور حسنؒ کا قول ان تمام امور کو شامل ہے جن کا بجالانا اللہ نے فرض کیا ہے اور ان امور کو بھی حاوی ہے جن سے اجتناب رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے خواہ ان اوامر و نواہی کا تعلق عقائد سے ہو یا اخلاق سے یا اعمال سے۔

حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عثمانؓ کا بیان کردہ مطلب بتا رہا ہے کہ شہرت کی طلب اور دکھاوٹ کسی عمل میں وہ نہیں کرتے مجاہد اور عکرمہ کے قول کا بھی یہی حاصل ہے غرض استقامت بغیر فناء نفس و قلب کے نہیں حاصل ہوتی اور معرفت الٰہیہ کا حصول جو مقاتل کے قول میں کیا ہے اسی طریقہ سے ہوتا ہے جو صوفیہ نے اپنی اصطلاحات میں بیان کیا ہے۔

قتادہ کا بیان ہے حسنؒ جب یہ آیت پڑھتے تھے تو کہتے تھے اے اللہ تو ہمارا رب ہے ہم کو استقامت نصیب کر حسن صوفیہ کے سرگروہ تھے اکثر سلسلوں کا سرچشمہ وہی تھے۔

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝

ان پر فرشتے اتریں گے (اور یہ پیام دیں گے) کہ تم اندیشہ نہ کرو نہ رنج کرو اور جنت ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا تھا۔

حضرت ابو بکر صدیق نے حاضرین سے فرمایا تم لوگ ان دونوں آیتوں کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو (اللہ نے فرمایا ہے) اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (اس کا مطلب یہ ہے دوسری آیت میں فرمایا) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (ظلم سے کیا مراد ہے) حاضرین نے جواب دیا ثم استقاموا کا یہ مطلب ہے کہ اس پر قائم رہے اور امر کے پابند رہے اور پھر کوئی گناہ نہیں کیا اور لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ کا بھی یہی مطلب ہے کہ ایمان کے بعد انہوں نے گناہ نہیں کیا حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا آپ لوگوں نے آیت کی تفسیر میں بڑی شدت اختیار کی لم یلبسوا ایمانہم بظلم کا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے پھر ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کیا اور ثم استقاموا کا یہ مطلب ہے کہ وہ اقرار ربوبیت و وحدانیت کے بعد اس پر قائم رہے بت پرستی کی طرف نہیں لوٹے۔ کذا فی ازالۃ الخفاء للشیخ ولی اللہ۔ نسائی بزار اور ابو یعلی وغیرہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت اَلَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ تلاوت فرمائی پھر فرمایا کچھ لوگوں نے یہ بات دباؤ اور خوف کی وجہ سے کہی پھر اکثر منکر ہو گئے جو مرتے وقت اس کا قائل رہا وہ صاحب استقامت ہے۔

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مرتے وقت ملائکہ اترتے ہیں قتادہ اور مقاتل نے کہا جب قبروں سے اٹھیں گے تو ملائکہ ان پر نازل ہوں گے۔ وکیع بن جراح نے کہا تین مقامات پر بشارت ملے گی مرتے وقت اور قبر کے اندر اور قبر سے اٹھنے کے وقت۔

اَلَّا تَخَافُوْا یہ جملہ تفسیر یہ ہے کیونکہ تنزل کے اندر قول کا معنی پوشیدہ ہے یا اَلَّا تَخَافُوْا میں ان مصدری ہے یعنی امر آخرت جو تمہارے سامنے آرہا ہے اس کا اندیشہ نہ کرو۔ مجاہد کا یہی قول ہے۔

وَلَا تَحْزَنُوْا یعنی جو اہل وعیال دنیا میں چھوڑ کر جا رہے ہو ان کا غم نہ کرو ہم ان کی جگہ تمہارے کام آئیں گے۔
خوف اس اندیشہ کو کہتے ہیں جو کسی مصیبت کے آئندہ ہونے کا ہوتا ہے اور حزن اس غم کو کہتے ہیں جو کسی مفید امر کے فوت ہو جانے یا کسی ضرر رساں چیز کے آجانے سے پیدا ہوتا ہے۔ عطاء بن ابی رباح نے کہا مطلب یہ ہے کہ اپنے گناہوں کا کچھ خوف وملال نہ کرو یعنی عذاب کا اندیشہ نہ کرو اور گناہوں کی فکر نہ کرو اللہ سب گناہ معاف کر دے گا۔

وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ یعنی دنیا میں پیغمبروں کی زبانی جس جنت کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا تھا اس کے ملنے سے خوش ہو جاؤ۔

ابو نعیم نے لکھا ہے کہ ثابت بنانی نے حم السجدہ پڑھی جب آیت تتنزل علیھم الملائکۃ پر پہنچے تو کہا ہم کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ مومن بندے کو جب قبر سے اٹھایا جائے گا تو وہ فرشتے جو دنیا میں اس کے ساتھ رہتے تھے اس سے ملیں گے اور کہیں گے تم کچھ خوف ورنج نہ کرو اور جس جنت کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اس کے حصول سے خوش ہو جاؤ اس کے بعد اللہ خوف سے اس کو ماموں کر دے گا اور اس کی آنکھوں کو ٹھنڈا رکھے گا۔

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ ہم تمہارے رفیق تھے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی (تمہارے ساتھ) رہیں گے یعنی دنیا میں ہم تمہارے ساتھی تھے اچھی باتیں تمہارے دل میں ڈالتے تھے اور شیطانوں سے تمہاری حفاظت کرتے تھے اور آخرت میں بھی تمہارے ساتھ اس وقت تک رہیں گے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ اور تمہارے لئے اس جنت میں جو کچھ تمہارا جی چاہے گا موجود ہے اور جو مانگو گے وہ بھی تمہارے لئے تیار ہے یعنی جنت کے اندر وہ لذتیں اور عزت ملے گی جو تمہارے دل چاہیں گے اور جن کے تم خواہشمند ہوں گے تدعون دعاء سے ماخوذ ہے اور دعا کے معنی ہیں طلب۔
مقدم الذکر سے مؤخر الذکر عام ہے۔

منزل ۶

نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝ بطور مہمانی اس خدا کی طرف سے جو بڑا بخشنے والا رحمت والا ہے۔

یعنی جو کچھ ان کی تمنا ہوگی اس کے مقابلہ میں جو کچھ دیا جائے گا وہ ایسا ہوگا جس کا خیال ان کے دلوں میں پیدا بھی نہ ہوا ہوگا اور یہ عطیہ بطور مہمانی ہوگا (اللہ میزبان ہوگا اور اہل جنت مہمان)

بزار ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم جنت کے اندر پرندوں کو دیکھ کر (ان کا گوشت کھانے کی) جونہی خواہش کرو گے فوراً وہ تمہارے سامنے بھنے بھنائے گر پڑیں گے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت ابو امامہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جنتی آدمی (جونہی) جنت کے اندر پرندہ (کا گوشت کھانے) کی خواہش کرے گا فوراً وہ پرندہ جو بختی اونٹ کی طرح ہوگا جنتی کے خوان پر گر پڑے گا نہ اس کو دھواں لگا نہ آگ نے اس کو چھوا ہوگا جنتی آدمی اس میں سے پیٹ بھر کر کھالے گا پھر وہ پرندہ (صحیح سالم اصلی حالت میں اڑ جائے گا)۔

بیہقی اور ترمذی نے لکھا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی مومن جنت کے اندر بچہ پیدا ہونے کی خواہش کرے گا فوراً گھڑی بھر میں بچہ اس کی خواہش سے پیدا ہو جائے گا اس کی مدت حمل اور مدت پیدائش اور عمر سب کچھ ایک گھڑی میں ہو جائے گا۔

ہناد نے الزہد میں حضرت ابو سعیدؓ کی روایت سے بیان کیا حضرت ابو سعیدؓ نے فرمایا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اولاد تو آنکھوں کی ٹھنڈک اور تکمیل مسرت ہوتی ہے کیا جنت کے اندر جنتی کی اولاد ہوگی فرمایا جب جنتی بچے کی خواہش کرے گا۔ الخ

اصبہانی نے الترغیب میں غیر مرفوع حدیث حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کی ہے کہ جنتی آدمی (جب) بچہ پیدا ہونے کی خواہش کرے گا (تو بچہ فوراً پیدا ہو جائے گا) اس کے حمل شیر خوارگی اور دودھ چھڑانے کی مدت بس ایک گھڑی ہوگی۔

بیہقی نے مرفوعاً ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بیان کی ہے آدمی (جب) جنت میں بچہ پیدا ہونے کی خواہش کرے گا۔ الخ

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾

اور اس شخص کے قول سے بہتر کس کا قول ہوگا جس نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا اور نیک کام کئے اور کہا میں بلاشبہ مسلمانوں میں سے ہوں۔

استفہام انکاری ہے یعنی اس سے بہتر قول والا کوئی نہیں ہو سکتا (جس نے اللہ کو ماننے کی دعوت دی اور نیک کام کئے اور مسلم ہونے کا اعلان کیا)

قولا قول سے مراد ہے فخر کرنا یا اسلام کو دین و مذہب بنانا (یعنی قول سے مراد ہے دین و مذہب) عرب کہتے ہیں یہ فلاں شخص کا قول ہے یعنی دین و مذہب ہے۔

محمد بن سیرین اور سدی نے کہا من دعا الی اللہ الخ سے رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک مراد ہے حسنؒ کے نزدیک ہر وہ مومن مراد ہے جس نے اللہ کی دعوت (اسلام) قبول کی اور نیک کام کئے اور اپنے مسلم ہونے کا اظہار کیا۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں سمجھتی ہوں کہ اس آیت کا نزول مؤذنوں کے حق میں ہوا تھا۔ حضرت ابو امامہؓ نے فرمایا دعا الی اللہ (اللہ کی طرف بلایا) اس سے مراد ہے اذان دی اور عمل صالحا (نیک کام کئے) اس سے مراد ہے اذان و اقامت کے درمیان دو رکعتیں پڑھیں۔ قیس بن حازم نے کہا نیک کام کرنے سے مراد ہے اذان و اقامت کے درمیان نماز پڑھنا۔ حضرت معقلؓ بن یسار راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے تیسری بار حضور ﷺ نے فرمایا ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے اس کے لئے جو چاہے (یعنی فرض نہیں ہے جو چاہے پڑھے) متفق علیہ۔

حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا مجھے نہیں معلوم حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اذان اور اقامت کے درمیان (کی ہوئی) دعا رد نہیں کی جاتی رواہ ابوداؤد والترمذی۔

فصل۔ اذان کی فضیلت

حضرت معاویہؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے قیامت کے دن مؤذن سب سے زیادہ دراز گردن ہوں گے۔ رواہ مسلم حضرت ابو سعیدؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مؤذن کی (اذان کی) آواز جتنی مسافت تک جن وانس یا کوئی اور چیز (چوپایہ وغیرہ) سنے گی قیامت کے دن اس کے لئے شہادت دے گی۔ رواہ البخاری۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام ذمہ دار ہے اور مؤذن امانت دار، اے اللہ اماموں کو ہدایت فرما اور مؤذنوں کی مغفرت فرما۔ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی والشافعی۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے بامید ثواب سات برس اذان دی اس کے لئے دوزخ سے براءت (نجات) لکھ دی گئی رواہ الترمذی وابن ماجہ وابوداؤد۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین شخص جنت کے ٹیلوں یعنی بلند مقامات) پر ہوں گے ایک وہ غلام جس نے اللہ کا حق بھی ادا کیا اور اپنے آقا کا بھی دوسرا وہ شخص جس نے کسی قوم کی امامت کی اور لوگ اس (کی امامت) سے

راضی رہے۔ تیسرا وہ آدمی جس نے ہر رات دن میں پانچ نمازوں کی اذان دی۔ رواہ الترمذی ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جہاں تک مؤذن کی آواز جاتی ہے اس کی مغفرت کی جاتی ہے اور ہر تر و خشک اس کی شہادت دیتا ہے اور نماز میں حاضر ہونے والے کے لئے پچیس نمازوں (کا ثواب) لکھا جاتا ہے (یعنی جماعت سے نماز پڑھنے والے کو پچیس نمازوں کا ثواب ملتا ہے) اور ہر دو نمازوں کے درمیان کئے ہوئے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ۔

حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو باتیں ہیں جن کو رد نہیں کیا جاتا یا فرمایا کم رد کیا جاتا ہے اذان کے وقت دعا کرنی اور جہاد کے وقت کی دعا جب لوگ باہم گتھے ہوئے (دست و گریباں) ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے بارہ سال اذان دی اس کے لئے جنت واجب ہو گئی۔ ہر اذان دینے سے روزانہ اس کی ساٹھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ہر اقامت کہنے پر تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ [1] رواہ ابن ماجہ۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا مغرب کی اذان کے وقت ہم کو دعا کرنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ رواہ البیہقی فی الدعوات۔

فصل: اذان کا جواب

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم مؤذن کی اذان سنو تو جو وہ کہتا ہے تم بھی کہو پھر مجھ پر درود پڑھو جو میرے لئے دعا کرے گا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا پھر میرے لئے اللہ سے وسیلہ طلب کرو وسیلہ جنت کے اندر ایک خاص مقام ہے جس پر اللہ کے بندوں میں سے کسی ایک بندہ کو فائز کیا جائے گا اور میں امید کرتا ہوں کہ میں ہی وہ بندہ ہوں گا پس جو میرے لئے وسیلہ ملنے کی دعا کرے گا اس کے لئے میری شفاعت کھل جائے گی۔ رواہ مسلم

حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب موذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہے اور تم میں سے بھی کوئی (سننے والا) اللہ اکبر اللہ اکبر کہے (الحدیث) یعنی جو مؤذن کہے وہ (سننے والا بھی) وہی کہے اور جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہے تو وہ (سننے والا) لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہے تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ رواہ مسلم۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مؤذن ہم سے بڑھ جائیں گے فرمایا جیسا وہ کہتے ہیں تم بھی ویسے ہی الفاظ کہو پھر جب ختم کر چکو تو اللہ سے مانگو (جو مانگو گے) پاؤ گے۔ رواہ ابوداؤد۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ نیکی اور بدی برابر نہیں ہیں۔

یعنی جزاء اور حسن انجام کے لحاظ سے دونوں برابر نہیں۔ دوسرا لا نفی کی تاکید کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو انسان کو چاہئے کہ وہ اچھی خصلتیں اختیار کرے اور برائیوں کو ترک کرے غضب چھوڑ کر صبر اختیار کرے جہالت ترک کر کے برداشت کو اختیار کرے اور انتقام کی بجائے درگزر کرے اور بخل پر سخاوت کو بزدلی پر دلیری کو اور بے لگامی پر عفت کو ترجیح دے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ آپ نیک برتاؤ سے (بدی کو) ٹال دیا کریں۔

احسن سے حسن اضافی یعنی بدی سے زیادہ اچھا ہونا مراد نہیں کیونکہ بدی میں اچھائی ہوتی ہی نہیں نہ کم نہ زیادہ بلکہ احسن سے فی نفسہٖ زیادہ خوبی والی خصلت مراد ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حکم دیا گیا ہے کہ اگر کوئی غصہ کرے تو اس کے مقابلہ میں صبر کیا جائے اور کوئی جہالت کرے تو تحمل کیا جائے اور کوئی بدسلوکی کرے تو اس کو معاف کر دیا جائے۔ بعض علماء نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ بدیاں بھی سب ایک درجہ کی نہیں ہوتیں اسی طرح نیکیوں کے مراتب بھی مختلف ہوتے ہیں اب اگر کوئی دشمن کوئی بدی

[1] حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر خلافت (کے مشاغل) کی حالت میں مجھ میں طاقت ہوتی تو میں اذان دیا کرتا۔

کرے تو اس کے مقابلہ میں بہترین اعلیٰ درجہ کی نیکی سے کام لیا جائے مثلاً کسی نے اگر تمہارے ساتھ بد سلوکی کی ہو تو درگزر کرنا چاہئے (یہ ایک درجہ کی نیکی ہے) لیکن اگر بدی کے عوض دشمن سے بہترین سلوک کیا جائے تو یہ احسن ہے۔

فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾ پھر یکایک وہ شخص جس سے آپ کے اور اس کے درمیان دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی گہرا دوست ہوتا ہے۔

اذا مفاجاتیہ ہے یعنی جونہی آپ بدی کے مقابلہ میں نیکی کریں گے فوراً اچانک بدی کرنے والا دشمن تمہارا دوست ایسا بن جائے گا جیسے وہ تمہارا گہرا یار ہو گیا۔

مقاتل بن حیان نے کہا اس آیت کا نزول ابوسفیان کے حق میں ہوا لیکن مقاتل کا یہ قول صحیح نہیں کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور ابوسفیان کا حلقہ بگوش اسلام ہونا فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے۔

وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾ اور یہ بات ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل (مزاج) ہیں اور اسی کو یہ خصلت ملتی ہے جو بڑا خوش نصیب ہو۔

وَمَا یُلَقّٰىهَا یعنی بدی کے مقابلہ میں بھلائی کرنے کی خصلت صرف ان لوگوں کو ملتی ہے جو نفسانیت اور خواہشات کی مخالفت پر جمے رہتے ہیں۔

ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ بڑا خوش نصیب یعنی جس کو تجلیات ذاتی وصفاتی کا بڑا حصہ ملتا ہے اسی کو یہ اعلیٰ خصلت ملتی ہے نفس پر جب اعلیٰ صفات جلوہ پاش ہو جاتی ہیں تو بری صفات نکل جاتی ہیں۔

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اور اگر (ایسے وقت میں) شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو فوراً اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے۔

اما ان شرطیہ ہے اور ما زائد ہے۔

یَنْزَغَنَّكَ نزغ کچوکا دینا چبھونا شیطان کچوکا دیتا ہے یعنی گناہ پر ابھارتا ہے قاموس میں ہے نزغہ اس کے نیزہ چبھویا نزغ بینہم ان کے درمیان فساد ڈلوادیا وسوسہ پیدا کر دیا برانگیختہ کر دیا مطلب یہ ہے کہ اگر شیطان کی طرف سے آپ کے دل میں وسوسہ پیدا ہو اور انتقام لینے پر اور برائی کے عوض برائی کرنے پر شیطان آپ کو ابھارے۔ تو شیطان کے شر سے آپ اللہ کی پناہ کے خواستگار ہوں اور شیطان کے بہکاوے میں نہ آئیں اللہ خود اس بدی کو آپ سے دفع کر دے گا۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۶﴾ بیشک اللہ (آپ کی دعا کو) سننے والا (اور آپ کی نیت وصلاحیت کو) جاننے والا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ اور منجملہ اس کی (وحدانیت وقدرت کی) نشانیوں کے رات اور دن اور سورج اور چاند بھی ہیں تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو اور (صرف اس خدا کو سجدہ کرو جس نے ان نشانیوں کو پیدا کیا اگر تم کو اسی کی عبادت کرنی ہے۔

یعنی ان میں سے ہر ایک چیز اپنے بنانے والے کے واجب ہونے پر اور اس کی وحدانیت اور صفات کاملہ پر دلالت کر رہی ہے اس لئے چاند سورج کو سجدہ نہ کرو یہ تو مخلوق ہیں تمہاری طرح محکوم ہیں بلکہ اس خدا کو سجدہ کرو جس نے ان چاروں کو پیدا کیا ہے۔ ہن کی ضمیر چاروں کی طرف راجع ہے مگر (دن رات کو تو کوئی سجدہ کرتا ہی نہیں ہے) مراد ہے چاند سورج کو سجدہ کرنے کی ممانعت کرنی۔ رات دن کے ساتھ چاند سورج کو سجدہ کرنے کی ممانعت میں رات دن کو شامل کرنے سے درپردہ اس امر پر تنبیہ ہے کہ بے علم اور غیر مختار ہونے میں چاند سورج بھی رات دن کی طرح ہیں۔

شافعیؒ کے نزدیک یہ مقام سجدۂ تلاوت کا ہے کیونکہ اللہ نے اس میں سجدہ کا حکم دیا ہے حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہی قول مروی ہے طحاوی نے عبدالرحمن بن یزیدؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حم

کی پہلی آیت پر سجدہ کرتے تھے طحاوی نے نافع کی روایت سے حضرت ابن عمرؓ کا یہی قول نقل کیا ہے۔

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ ۞

پھر اگر یہ (امتثال حکم اور سجدہ کرنے سے) تکبر کریں تو (اللہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا) جو فرشتے آپ کے رب کے مقرب ہیں وہ شب و روز اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور (بالکل) نہیں اکتاتے۔

فالذین میں ف تعلیلیہ ہے شرط کی جزا محذوف ہے اور جزا کے قائم مقام جزا کی علت کو ذکر کیا ہے یعنی اگر یہ لوگ تکبر کرتے ہیں تو خدا کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ مقرب بارگاہ فرشتے اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اللہ کو ان لوگوں کے سجدہ کرنے کی کوئی پرواہ نہیں۔

عندربک جو آپ کے رب کے مقرب ہیں یہ قرب مکانی ہے اللہ کے قرب کی کیفیت ناقابل بیان ہے بارگاہ خداوندی کے مقرب ملائکہ انبیاء اور اولیاء ہیں۔

لایسمون وہ اکتاتے نہیں بلکہ اللہ کی پاکی بیان کرنے میں ان کو لذت آتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا تھا بلالؓ مجھے راحت پہنچاؤ (یعنی رسول اللہ ﷺ کو نماز میں راحت ملتی تھی)

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ آیت سجود تلاوت کا مقام ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول روایت میں آیا ہے ابن ابی شیبہ نے (مصنف میں) اور طحاوی نے مجاہدؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ حم تنزیل کی آخری آیت پر سجدہ کرتے تھے۔ دوسری روایت میں اتنا زائد آیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے ایک شخص کو آیت ان کنتم ایاہ تعبدون پر سجدہ کرتے دیکھا تو فرمایا تم نے جلدی کی (یعنی آیت سجدہ تلاوت کرنے سے پہلے سجدہ کر لیا۔

طحاوی نے مجاہد کا بیان نقل کیا ہے مجاہدؒ نے کہا میں نے حضرت ابن عباسؓ سے حم والے سجدہ کی بابت دریافت کیا فرمایا دونوں آیتوں میں آخری آیت پر سجدہ کرو۔ طحاوی نے اپنی سند سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت ابووائل حم کی آخری آیت پر سجدہ کرتے تھے۔ ابن سیرین کی روایت بھی اسی طرح ہے اور قتادہؒ کا قول بھی اسی کی طرح مروی ہے صاحب ہدایہ نے لکھا ہے یہی قول حضرت عمرؓ کا ہے ابن ہمام نے لکھا حضرت عمرؓ کا قول (روایت کے اعتبار سے) غریب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول احتیاط پر مبنی ہے کیونکہ وجوب سجدہ اگر ایاہ تعبدون پر ہو تو ایک آیت کی تاخیر سے سجدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر لایسمون پر سجدہ کا وجوب ہو تو اول آیت پر سجدہ کرنا کافی نہیں ہوگا۔

طحاوی نے لکھا ہے کہ آخری آیت پر سجدہ تلاوت کا وجوب محل غور ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن میں دس سجدے متفق علیہ ہیں۔

(۱) سورۂ اعراف میں آیت ذیل کی تلاوت موجب سجدہ ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ

(۲) سورۂ رعد کی آیت ذیل محل سجدہ ہے۔ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ

(۳) سورۂ نحل کی آیت ذیل مقام سجود ہے واللہ یسجد مافی السموت ومافی الارض من دابۃ یومرون تک

(۴) سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ذیل مقام سجود ہے۔ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا خُشُوْعًا عَلَيْكَ

(۵) سورۂ مریم کی آیت ذیل محل سجود ہے۔ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا

(۶) سورۂ حج کی اس آیت پر باتفاق علماء سجدہ ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ الخ

(۷) سورۂ فرقان کی آیت ذیل مقام سجود ہے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ الخ

(۸) سورۂ نمل کی محل سجود یہ آیت ہے اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ الخ

(۹) الم تنزیل کی آیت ذیل پر سجدہ ہے اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الخ

(۱۰) حم تنزیل کے محل سجود میں اختلاف ہے اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ سجدے کا مقام ہے یا وَهُمْ لَا یَسْئَمُوْنَ

آیات مذکورہ بالا میں سے ہر آیت خبری کلام ہے (امر نہیں ہے) متکبروں کے تکبر کو بیان کیا گیا ہے یا خشوع کرنے والوں کے خشوع کا اظہار بصورت خبر کیا گیا ہے تکبر کرنے والوں کی مخالفت اور اہل خشوع کی موافقت ہم پر لازم ہے سجدہ کا حکم آیات مذکورہ میں نہیں دیا گیا ہے تکبر کرنے والوں کی مخالفت اور اہل خشوع کی موافقت ہم پر لازم ہے سجدہ کا حکم آیات مذکورہ میں نہیں دیا گیا ہے دوسری آیات میں جہاں باجماع علماء سجدۂ تلاوت نہیں ہے ضرور سجدہ کا حکم دیا گیا قابل غور یہ امر ہے کہ جن آیات میں سجدہ کا حکم دیا گیا ہے وہاں عبادت اور نماز کے سجدہ کا حکم ہے (سجدہ تلاوت کسی کے نزدیک مراد نہیں) اور جہاں سر بسجود ہونے کے واقعہ کی اطلاع دی گئی ہے وہاں سجدۂ تلاوت ہے۔ (اگر یہ ضابطہ عمومی ہے تو) پھر سورۂ حج میں سجدۂ تلاوت نہ ہونا چاہئے کیونکہ اِرْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ امر کے صیغے ہیں اور اس آیت میں سجدہ کا حکم دیا گیا ہے اسی لئے امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ واسجدوا میں نماز کے سجدہ کا حکم دیا گیا ہے قرینہ کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ حکم رکوع کے ساتھ اس آیت میں سجدہ کا حکم دیا گیا ہے (اور رکوع سے مراد بالاتفاق نماز کا رکوع مراد ہے اس لئے سجدہ سے بھی سجدہ نماز مراد ہونا چاہئے) اور یہ بھی تقاضا النظر ہے کہ سورۂ حم تنزیل میں پہلی آیت پر سجدۂ تلاوت نہ ہو کیونکہ اس میں سجدہ کا حکم دیا گیا ہے بلکہ دوسری آیت پر سجدہ ہو کیونکہ اس کی حیثیت محض خبری ہے اور سورہ ص میں سجدۂ تلاوت ہونا چاہئے کیونکہ محل سجود اس میں اخباری ہے امر کا صیغہ نہیں ہے فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ سب فعل ماضی اخباری ہیں اسی لئے امام ابوحنیفہؒ اس مقام پر سجدۂ تلاوت کے قائل ہیں۔ اسی طرح سورت اذا السماء انشقت میں آیت۔ فَمَا لَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَاِذَا قُرِئَ عَلَیْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا یَسْجُدُوْنَ پر بھی سجدۂ تلاوت ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ عبارت بھی محض خبری ہے امر نہیں ہے یہ بھی اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ (ضابطۂ مذکورہ کے خلاف) سورت والنجم اور سورت اقراء کی آیت فاسجدوا اللہ واعبدوا اور واسجدو اقترب پر سجدۂ تلاوت کو ضروری قرار دیتے ہیں حالانکہ دونوں جگہ سجدہ کا حکم دیا گیا ہے (اخباری حیثیت نہیں ہے) لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چونکہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان آیات پر سجدہ کیا تھا اس لئے حدیث کے مقابلہ میں انہوں نے قائم کردہ ضابطۂ عمومی کو ترک کردیا۔ امام مالک کے نزدیک مفصل میں سجدۂ تلاوت کہیں نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ سورت حج میں تو دو سجدے ہیں میں نے وہاں اس کا ذکر کردیا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَی الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

اور منجملہ (قدرت و توحید کی) نشانیوں کے ایک یہ بھی ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ زمین دبی دبائی پڑی ہوتی ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی اور پھولتی ہے (اس سے ثابت ہوا کہ) جس نے اس کو زندہ کردیا وہی مردوں کو زندہ کردے گا بیشک وہ ہر شے پر قادر ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یعنی منجملہ اس کی دلائل قدرت کے۔

خَاشِعَةً خشک غبار آلود جس میں کوئی روئیدگی نہ ہو۔

اهْتَزَّتْ ہلتی ہے۔

رَبَتْ ابھرتی ہے اوپر کو پھولتی ہے۔

اَحْیَاهَا یعنی زمین کی روئیدگی کو زندہ کیا قیامت کے دن مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔

عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ ہر چیز پر یعنی زندہ کرنے اور مردہ کرنے پر قدیر قادر ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ؕ　　بیشک جو لوگ ہماری آیتوں میں

کجروی کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔
مجاہد نے کہا یُلْحِدُوْنَ فِیْ آیَاتِنَا سے مراد ہے سیٹیاں اور تالیاں بجانا شور و غل کرنا اور لغویات بکنا قتادہ نے کہا یُلْحِدُوْنَ فِیْ اٰیٰتِنَا یعنی ہماری آیات کو جھٹلاتے اور ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ سدی نے کہا عناد اور مخالفت کرتے ہیں۔ مقاتل نے کہا یہ آیت ابو جہل کے حق میں نازل ہوئی۔
یلحدون کا لفظ عام ہے تکذیب کرنے والے لغویات بکنے والے اور قرآن کی قرأت کے وقت سیٹیاں بجانے والے اور تفسیر سلف کے خلاف قرآن کے معانی میں تحریف کرنے والے اور باطل تاویلات کرنے والے سب ہی یلحدون کے ذیل میں آتے ہیں۔
لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں اس لئے سزا اور انتقام سے بے خوف نہ رہیں۔
اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ کیا جو دوزخ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن (ہر عذاب سے) بے خوف ہو کر آئے گا۔
افمن میں استفہام انکاری ہے۔ ابن المنذر نے بشیر بن فتح کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول ابو جہل اور حضرت عمارؓ بن یاسر کے حق میں ہوا بعض نے حضرت عمارؓ کی جگہ حضرت حمزہؓ یا حضرت عثمانؓ کا نام ذکر کیا ہے الفاظ میں عموم ہے اس لئے اس صفت کے تمام لوگ اس میں شامل ہیں۔
بظاہر ترتیب عبارت یوں ہونی چاہئے تھی کیا جو دوزخ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ بہتر ہے جو جنت میں داخل ہو گا (اس ترتیب سے جہنم کا جنت سے مقابل ہو جائے گا) لیکن کلام میں زور نہیں پیدا ہو گا کلام میں زور اسی طریقہ سے ہوتا ہے جس طرح بیان کیا گیا ہے کیونکہ دوزخ میں ڈالا جانے والا جب اس شخص کی طرح نہیں ہو سکتا جو قیامت کے دن بے خوف اور مامون ہو کر آئے گا تو جنت میں داخل ہونے والے کے برابر نہ ہونے کا تو ذکر ہی کیا ہے جنت میں داخل ہونے والے کے برابر ہونے کا احتمال ہی نہیں ہوتا۔
اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ (اے کافرو) جو چاہو کئے جاؤ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے یعنی تمہارے اعمال کی تم کو ضرور سزا دے گا۔ آیت میں عذاب کی سخت وعید ہے۔
اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ جو لوگ اس قرآن کا جب کہ قرآن ان کے پاس پہنچا ہے انکار کرتے ہیں (ان میں خود تدبر کی کمی ہے) اس جملہ کی خبر محذوف ہے مثلاً قرآن کا جن لوگوں نے انکار کیا وہ شخص عناد کرنے والے ہیں یا اللہ ان کو اس کفر کی سزا دے گا یا وہ ہلاک ہونے والے ہیں بعض کے نزدیک اس کی خبر اُولٰٓئِكَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ ہے۔
وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ ۝ اور بلاشبہ یہ قرآن عزت والی کتاب ہے۔
کلبی کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے (اس آیت کی تفسیر میں فرمایا) اللہ کے نزدیک عزت والی کتاب ہے قتادہ نے کہا اللہ نے اس کو عزت والا بنایا ہے باطل کو اس کی طرف راہ نہیں مل سکتی۔
لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ باطل (شیطان) اس کے پاس نہیں آسکتا نہ آگے سے نہ پیچھے سے۔ قتادہ اور سدی نے کہا باطل سے مراد شیطان ہے شیطان قرآن میں کوئی کمی بیشی یا تبدیل تغیر نہیں کر سکتا۔ شیطان انس ہو یا جن سب ہی کو لفظ باطل حاوی ہے۔ فرقہ شیعہ نے قرآن میں دس پاروں کا اضافہ کیا تھا لیکن کامیاب نہیں ہوئے قرآن ان کے پاس بھی تیس ہی پاروں کا رہا پھر بعض آیات میں الفاظ کی کمی بیشی کی جیسے لک قوم ھاد کے آخر میں لفظ علی بڑھا دیا اور سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا کے آخر میں آل محمد کا لفظ زیادہ کیا لیکن اللہ نے انکی اس کوشش کو بار آور نہیں ہونے دیا اور بڑھائے ہوئے الفاظ جزء قرآن نہ بن سکے۔

زجاج نے کہا کہ آگے سے باطل نہ آسکنے کا معنی ہے کمی نہ ہو اور پیچھے سے باطل نہ آنے کا معنی ہے زیادتی نہ ہوتا۔ اس تفسیر پر باطل سے مراد ہو گی کمی بیشی۔ مقاتل نے یہ مطلب بیان کیا کہ کتب سابقہ سے اس قرآن کی تکذیب نہیں ہوتی نہ اس کے بعد کوئی ایسی کتاب آئے گی جو قرآن کو باطل اور منسوخ کر دے۔

تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿۴۲﴾ یہ خدائے حکیم محمود کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

یعنی وہ خدا جس کی حکمت کامل ہے اور ہر مخلوق اس کی نعمت سے بہرہ یاب ہے اس لئے تمام مخلوق اس کی ثناء کرتی ہے اور خود بھی وہ محمود ہے مخلوق کی حمد کرنے کی اس کو ضرورت بھی نہیں ایسے خدا کی طرف سے یہ قرآن نازل کردہ ہے۔

مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِن قَبْلِكَ (کافروں کی طرف سے) آپ کو وہی (تکذیب وایذا کی) باتیں کہی جاتی ہیں جو آپ سے پہلے پیغمبروں سے کہی جاچکی ہیں۔

اس آیت میں تلقین تسکین ہے رسول اللہ ﷺ کو کہ کفار مکہ جو آپ ﷺ کو ساحر کذاب کہتے ہیں یہ نئی بات نہیں گذشتہ پیغمبروں کو بھی کافروں نے یہی کہا تھا لیکن انہوں نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں رنجیدہ نہ ہوں۔ بعض اہل تفسیر نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ پچھلے پیغمبروں کے پاس وحی کے ذریعہ سے جو پیام توحید آیا تھا اور اصول دین بتائے گئے تھے اور مومنوں سے سعادت دارین کا وعدہ کیا گیا تھا اور کافروں کو عذاب سے ڈرایا گیا تھا وہی سب سے کہا جارہا ہے۔ بعض علماء نے کہا قول کا مقولہ آئندہ آیت ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ﴿۴۳﴾ بلاشبہ آپ کا رب مومنوں کے لئے مغفرت کرنے والا (مشرکوں کافروں کے لئے) دردناک سزا دینے والا ہے۔

کافروں نے محض انکار اور سرکشی کے طور پر کہا تھا کہ جس طرح توریت وانجیل عجمی زبانوں میں بھیجی گئیں اسی طرح کیا قرآن کسی عجمی زبان میں اتارا گیا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَّقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ ۖ أَأَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ ۗ اگر ہم اس کو عجمی (زبان کا) قرآن بناتے تو لوگ یوں کہتے کہ اس کی آیات صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں (یہ بات) کیا ہے کہ (کتاب تو) عجمی اور (رسول) عربی ہے۔

یعنی یہ نصیحت نامہ جو آپ لوگوں کو پڑھ کر سنا رہے ہو اگر یہ عجمی زبان میں پڑھا جانے والا ہوتا تو اہل مکہ کہتے اس کی آیات عربی زبان میں صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں کہ ہم سمجھ لیتے۔ مقاتل نے کہا عامر حضرمی کا ایک یہودی عجمی غلام تھا جس کا نام یسار اور کنیت ابو فکیہہ تھی رسول اللہ ﷺ اس کے پاس آتے جاتے تھے یہ دیکھ کر مشرکوں نے کہنا شروع کیا کہ یسار محمد ﷺ کو تعلیم دیتا ہے یسار کے آقا نے اس کو مارا اور کہا تو محمد ﷺ کو سکھلاتا ہے یسار نے کہا وہ تو مجھے تعلیم دیتے ہیں اس پر اللہ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔

ابن جریر نے سعید بن جبیرؒ کا قول نقل کیا ہے کہ قریش نے کہا تھا یہ قرآن عجمی اور عربی (دونوں زبانوں میں) کیوں نہیں نازل کیا گیا اس پر اللہ نے آیت لقالوا لولا فصلت الخ نازل فرمائی۔ ابن جریر نے لکھا ہے اس تفسیر پر اعجمی وعربی بغیر ہمزہ استفہام کے قرأت مروی ہے۔

قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ ۖ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۚ أُولَٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿۴۴﴾ آپ کہہ دیجئے یہ قرآن ایمان والوں کے لئے راہنما اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور وہ قرآن ان کے حق میں بینائی ہے یہ لوگ (قرآن سے نفع اندوز نہ ہونے کی وجہ سے) ایسے ہیں کہ (گویا) بڑی دور جگہ سے ان کو پکارا جارہا ہے (کہ آواز تو سنتے ہیں مگر سمجھتے نہیں)

... شفاءٌ اس میں تنوین اظہار عظمت کے لئے ہے یعنی بڑی شفا ہے سینہ کی جہالت کی بیماری اور قلب و نفس کے امراض خبیثہ کے لئے بعض نے کہا قرآن جسمانی دکھ درد کے لئے شفاء ہے۔

وقر گرانی بوجھ

عمی نابینائی مراد تاریکی اور شبہات

قتادہ نے کہا کفار قرآن (کی سچی تصویر) کو دیکھنے سے اندھے اور اس کی (نداء حق) سننے سے بہرے تھے اس لئے قرآن سے ان کو کوئی نفع نہیں پہنچتا تھا۔

اولٰئک ینادون یہ جملہ بطور تشبیہ کہا گیا ہے جیسے بہت دور سے کسی کو آواز دی جائے تو وہ کچھ سنتا تو ہے اور سمجھتا نہیں ہے یہی حالت کافروں کی تھی کہ قرآن کی آواز ان کو سنائی نہیں دیتی گویا ان کو بہت دور سے پکارا جارہا تھا (اس لئے سنتے نہ تھے)۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ اور بلاشک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی پھر اس میں اختلاف کیا جانے لگا۔ یعنی کسی نے تصدیق کی کسی نے تکذیب اسی طرح قریش نے قرآن میں اختلاف کیا۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے کہ پورا عذاب آخرت میں ملے گا روز قیامت تک کامل عذاب نہیں آئے گا یا مقررہ مدت سے پہلے عذاب نہیں آئے گا) تو ان کا فیصلہ (دنیا میں ہی) ہو چکا ہوتا۔ یعنی ان پر عذاب آچکا ہوتا اور دنیا میں ہی ان کو ہلاک کر دیا گیا ہوتا۔

وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ اور یہ لوگ اس کی طرف سے ایسے شک میں پڑے ہوئے جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا ہے۔

انہم وہ تکذیب کرنے والے۔

منہ توریت یا قرآن کی طرف سے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

جو شخص نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے نفع کے لئے (کرتا ہے) اور جو برا عمل کرتا ہے سو اس کا وبال اسی پر پڑے گا اور آپ کا رب بندوں پر بالکل ظلم کرنے والا نہیں۔ یعنی نیکی کرنے والوں کے اعمال کا ثواب اللہ ضائع نہیں کرے گا نہ بدکاروں کو سزا جرم سے زائد دے گا۔

ایک شبہ: اللہ تو تھوڑا ظلم بھی نہیں کرتا کیونکہ ظلم یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرے اور ہر چیز کا مالک اللہ ہے اس لئے اس کے کسی فعل میں ظلم کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور آیت میں کہا گیا ہے کہ اللہ بڑا ظالم نہیں ہے تو اس کا کیا یہ مطلب ہے کہ اللہ تھوڑا ظالم ہے۔

ازالہ: حقیقت میں اس لفظ سے کافروں کی پُرزور تردید بطور تعریض کی گئی ہے مقصد یہ ہے کہ کافر بڑے ظالم ہیں۔

پچیسواں پارہ شروع

...... پارہ الیہ یرد ......

منزل ۶

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۗ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۚ قیامت کے علم کا حوالہ خدا ہی کی طرف سے دیا جاسکتا ہے اور کوئی اپنے خول میں سے نہیں نکلتا اور نہ کسی عورت کو حمل رہتا ہے اور نہ وہ بچہ جنتی ہے مگر سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے۔ یعنی قیامت برپا ہونے کے وقت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جائے مطلب یہ کہ اگر کسی سے قیامت برپا ہونے کا وقت دریافت کیا گیا تو اس کو جواب میں کہنا چاہئے اللہ ہی کو اسکا علم ہے اس کے سوا کوئی قیامت کے معین وقت کا علم نہیں رکھتا۔ اکمام۔ شگوفے۔

ماتحمل من انثیٰ میں ما نافیہ ہے اور من زائد ہے۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿٤٧﴾ اور جس روز کہ اللہ ان (مشرکوں) کو پکارے گا (اور کہے گا کہ) میرے شریک (آج) کہاں ہیں وہ کہیں گے کہ (اب تو) ہم آپ سے یہی عرض کرتے ہیں کہ (آج) اس عقیدہ کا ہم میں کوئی نہیں۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ یعنی اللہ مشرکوں کو پکارے گا اور بطور استہزاء و تبیخ دریافت کرے گا کہ جن مفروضہ شریکوں کو تم نے معبود سمجھ رکھا تھا آج وہ کہاں ہیں۔

اٰذَنّٰكَ یعنی اب ہم آپ کو اطلاع دے رہے ہیں۔

مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ کہ ہم میں سے کوئی شرک کی شہادت دینے والا نہیں۔ مطلب یہ کہ جب عذاب آنکھوں کے سامنے دیکھیں گے تو شرک سے بیزاری کا اظہار کریں گے یا یہ مطلب ہے کہ آج ہم میں سے کوئی بھی ان شریکوں کا مشاہدہ نہیں کرتا سب غائب ہوگئے کوئی سامنے نظر نہیں آتا۔

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿٤٨﴾ اور جن جن کو یہ پہلے سے (یعنی دنیا میں) پوجا کرتے تھے وہ سب غائب ہو جائیں گے اور وہ لوگ سمجھ لیں گے کہ ان کے لئے کہیں بچاؤ کی صورت نہیں۔

وَضَلَّ عَنْهُمْ یعنی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا یا یہ مطلب ہے سب غائب ہوں گے کوئی معبود دکھائی نہ دے گا۔

يَدْعُوْنَ پکارتے تھے یعنی پوجا کرتے تھے۔

وَظَنُّوْا اور گمان کریں گے یعنی یقین کرلیں گے۔

مَحِيْصٍ بھاگنے کی جگہ مفر

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۡ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿٤٩﴾ ترقی کی خواہش سے انسان کا جی نہیں بھرتا اور اگر اس کو کوئی تکلیف چھو بھی جاتی ہے تو ناامید اور نراس ہو جاتا ہے۔

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ یعنی کافر آدمی نہیں اکتاتا اس کا جی نہیں بھرتا۔

مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ خیر کی طلب سے یعنی برابر مال و دولت صحت وغیرہ کی اللہ سے درخواست کرتا رہتا ہے۔
وَإِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ اور اگر اس کو کوئی تکلیف یعنی افلاس و بیماری (وغیرہ) پہنچ جائے۔
فَيَئُوسٌ قَنُوطٌ تو اللہ کی رحمت اور راحت ملنے سے ناامید ہو جاتا ہے۔
وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَٰذَا لِي وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رُجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِنْدَهُ لَلْحُسْنَىٰ
اور جو تکلیف اس کو پہنچ جاتی ہے اس کے بعد اگر ہم اپنی مہربانی کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ کہتا ہے یہ تو میرے لئے ہونا ہی چاہئے تھا اور میں قیامت کو آنے والا نہیں خیال کرتا اور اگر (بالفرض) میں اپنے رب کے پاس لوٹا کر لے جایا بھی گیا تو میرے لئے اس کے پاس بہتری ہی ہو گی۔
رحمة یعنی مال و عافیت
هذالی یعنی یہ تو میرا حق تھا ہی میرے علمی اور عملی کمالات کا یہی تقاضا تھا۔ یا یہ مطلب ہے کہ یہ دولت و عافیت مجھے ہمیشہ حاصل رہے گی۔
اِنَّ لِي عِنْدَهُ لَلْحُسْنٰى یعنی بالفرض اگر قیامت برپا بھی ہوئی تو میری حالت وہاں بھی اچھی ہو گی اور خدا کے پاس بھی مجھے عزت حاصل ہو گی۔ اس قول کی وجہ یہ ہے کہ کافر کو دنیا میں جو بہبودی اور ترقی حاصل ہوتی ہے وہ اس کو اپنا استحقاق جانتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میرا یہ استحقاق خدا کے پاس بھی قائم رہے گا۔
فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا عَمِلُوا وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۝ سو ہم ان منکروں کو ان کی کی ہوئی (ساری بد) اعمالیاں ضرور ضرور بتلائیں گے اور سخت عذاب کا مزہ بلاشبہ یقیناً چکھائیں گے۔
بماعملو احضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہم ضرور ان کی بد اعمالیوں کی مصیبت پر ڈالیں گے۔
من عذاب غلیظ سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے جس سے رہائی ممکن نہ ہو گی۔
وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَاءٍ عَرِيضٍ ۝
اور جب آدمی کو ہم نعمت عطا کرتے ہیں تو (ہم سے اور ہمارے احکام سے) منہ پھیر لیتا ہے اور کروٹ بدل لیتا ہے اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو خوب لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے۔
الانسان یعنی کافر آدمی۔
اعرض یعنی شکر کرنے سے رخ پھیر لیتا ہے۔
ونابجانبہ اور اپنا پہلو موڑ لیتا ہے۔
بعض علماء نے کہا کہ جانب سے بطور کنایہ نفس مراد ہے جیسے آیت جنب اللہ میں جنب سے مراد ذات ہے۔ اس صورت میں یہ مطلب ہو گا کہ وہ اپنے نفس کو (ادائے شکر سے) دور لے جاتا ہے اور غفلت کی وجہ سے بالکل دور ہو جاتا ہے عریض لمبی چوڑی یعنی کثیر۔ عرب لمبے چوڑے سے مراد کثیر لے لیتے ہیں محاورہ میں بولا جاتا ہے الحال فی الکلام والدعاء واعرض اس نے بہت باتیں اور دعائیں کیں لفظ عرض کثرت و وسعت کے مفہوم پر زیادہ دلالت کرتا ہے کیونکہ طول نام ہے سب سے بڑی مسافت وامتداد کا اور جب دوسری امتداد یعنی عرض بھی اتنا ہی ہو (یعنی شکل مربع بن جائے) تو پھر اس کی وسعت کا کیا کہنا اسی لئے جنت کے متعلق اللہ نے فرمایا عرضہا السموات۔
ایک شبہ: آیت یئوس قنوط اور آیت فذودعا عریض میں بظاہر تضاد ہے (ناامیدی میں لمبی چوڑی دعا کی ہے۔)
ازالہ: پہلی آیت میں اور لوگ مراد ہیں اور دوسری آیت میں جو لوگ مراد ہیں وہ پہلے لوگوں سے غیر ہیں غالباً پہلی آیت میں کافر مراد ہیں کیونکہ اللہ نے فرمایا وَلَا يَيْأَسُ مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ اور فرمایا ہے وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ

رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِلَّا الضَّالُّوْنَ اور مؤخر الذکر آیت میں غافل مومن مراد ہیں۔
یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں آیتیں کافروں ہی کے متعلق ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ کافر پر جب کوئی دکھ آتا ہے تو وہ خلوص کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور سچے دل سے دعائیں کرتا ہے لیکن کسی مصلحت کی وجہ سے اگر قبول دعا میں تاخیر ہو جاتی ہے تو وہ نراس ہو جاتا ہے۔ مومن صالح کی حالت اس سے بالکل جدا ہوتی ہے وہ کبھی ناامید نہیں ہوتا قبول دعا میں تاخیر کو وہ مصلحت خداوندی سمجھتا ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے دعا کرنے والوں کو یا تو اللہ جلد (یعنی اس دنیا میں) عطا فرما دیتا ہے یا ان کے لئے آخرت میں جمع رکھتا ہے۔
یا یوں کہا جائے کہ دل سے تو نراس اور ناامید ہوتا ہے مگر زبان سے لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے یا یوں کہا جائے کہ بتوں کی طرف سے ناامید ہو جاتا ہے اور خدا سے دعائیں کرتا ہے۔
مسئلہ: جو چاہتا ہے کہ مصیبت اور سختی کے وقت اس کی دعا قبول کی جائے اس کو چاہئے کہ سکھ اور راحت کے وقت دعا زیادہ کرے ایک حدیث میں اسی طرح آیا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ۝ آپ کہئے یہ تو بتاؤ کہ اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہی آیا ہو پھر تم کرو اس کا انکار تو اس سے زیادہ غلطی میں کون ہو گا جو (حق سے) دور دراز مخالفت میں پڑا ہو۔
اس کلام کا ربط آیت قل ہو للذین امنوا ہدی وشفاء سے ہے مطلب یہ ہے کہ اگر قرآن اللہ کی طرف سے ہو تو یقیناً حق ہو گا اور اس کا انکار حق سے دور دراز مخالفت ہو گا اور تم اس کے منکر رہو لہٰذا تم سے زیادہ اور کوئی گمراہ (اضل) نہیں ہے۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ
ہم عنقریب اپنی (قدرت کی) نشانیاں ان کے گرد و نواح میں بھی دکھائیں گے۔ اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ (قرآن) حق ہے۔
سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ حضرت ابن عباسؓ نے آیت فی الآفاق کی تفسیر میں فرمایا گزشتہ اقوام کے (پارینہ کھنڈر اور) مکان اور فی انفسہم سے مراد غزوۂ بدر کا واقعہ (جس میں باوجود طاقت اور فوج کی کثرت کے کافروں کو شکست ہوئی کچھ مارے گئے اور کچھ قید ہوئے) قتادہ نے بھی اس کی یہی تفسیر کی ہے بعض کے نزدیک آیات فی انفسہم سے مراد ہیں مصائب اور جسمانی روگ۔ مجاہد اور سدی نے کہا آیات فی انفسہم سے مکہ کی فتح مراد ہے۔
عطاء اور ابن زید نے کہا آیات فی الآفاق ارضی اور سماوی نشانیاں ہیں سورج چاند ستارے سبزہ درخت اور دریا آفاق آیات ہیں اور آیات فی الانفس اللہ کی عجیب بے مثال حکمت اور لطیف بناوٹ ہے۔
بیضاوی نے لکھا ہے کہ آیات فی الآفاق یہ ہیں آئندہ واقعات کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی پیشن گوئیاں۔ گذشتہ حوادث و مصائب کے نشانات۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء کا بلاد شرق و غرب پر معجزانہ تسلط۔ اور آیات فی انفسہم سے مراد ہیں۔ وہ واقعات جو اہل مکہ کو خود پیش آئے (مثلاً بدر کی شکست اور مکہ کی فتح۔ انسان کی جسمانی ساخت صنعت الٰہیہ کی عجیب کار فرمائیاں اور کمال قدرت کی ندرت آگیں اعجوبہ زائیاں۔
حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ یعنی یہ بات ان پر ظاہر ہو جائے کہ یہ قرآن خدا کا بھیجا ہوا ہے اور رسول کو اللہ کی امداد حاصل ہے یا دین خدا حق ہے یا اللہ حق ہے اور توحید کی تائید اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔

اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ کیا آپ کے رب کی یہ بات (آپ کی تصدیق کے لئے) کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے۔

بِرَبِّکَ میں ب زائد ہے اور رَبُّکَ فاعل ہے اور صرف مادہ کفی (یعنی کفایت سے جو افعال بنتے ہیں ان) میں فاعل پر جو (ب) آتی ہے وہ زائد ہوتی ہے۔

والم یکف میں استفہام انکاری ہے اور فعل محذوف پر اس کا عطف ہے اصل عبارت اس طرح تھی کیا اپنے کام کے انجام میں آپ کو کچھ شک ہے اور آپ کے لئے یہ بات کافی نہیں ہے کہ آپ کا رب ہر چیز پر شاہد ہے۔ جن نشانات کا اس نے وعدہ کیا ہے ان کو آپ کے معاملہ میں ضرور پورا کرے گا۔ یا شہید ہونے سے مراد ہے عالم ہونا یعنی اللہ ان کے حال اور آپ کے حال کو جانتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ انسان کو گناہوں سے روکنے کے لئے کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے کوئی بات اس سے چھپی نہیں ہے یعنی وہ ضرور ہر بات کا بدلہ دے گا۔

مقاتل نے یہ مطلب بیان کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ اللہ قرآن کے منزل من اللہ ہونے کا خود شاہد ہے اور اس کی شہادت یہ ہے کہ اس نے قرآن کو معجزہ بنایا ہے۔

زجاج نے کہا کافی ہونے کا یہ معنی ہے کہ اللہ نے ایسی دلائل بیان کی ہیں جو تصدیق کے لئے کافی ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ کی شہادت کافی ہے کیونکہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ۝ یاد رکھو کہ وہ لوگ اپنے رب کے روبرو جانے سے شک میں پڑے ہیں خوب سن لو کہ اللہ ہر چیز کو اپنے علم کے احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔

مِنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ لقاء رب سے مراد ہے قیامت برپا ہونا اعمال کا بدلہ ملنا۔

بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ یعنی ہر چیز اس کے علم اور قدرت کے احاطہ میں ہے ہر چیز کا اجمالی اور تفصیلی علم اس کو ہے اور ہر چیز پر وہ قدرت رکھتا ہے کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہر چیز پر اس کا ذاتی احاطہ ہے اور ذاتی احاطہ بے کیف ہے اس کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔

الحمدللہ سورۂ فُصّلت حم السجدہ کی تفسیر ۲۸ / ماہ صفر ۱۲۰۸ھ کو ختم ہوئی۔

اس کے بعد سورۂ شوریٰ کی تفسیر آئے گی۔ انشاء اللہ والحمدللّٰہ

رب العٰلمین وصلّی اللّٰہ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

سورة الشوریٰ

یہ سورۃ مکی ہے اس میں ۵۳ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حٰمٓ ۝۱ عٓسٓقٓ ۝۲ بغوی نے لکھا ہے کہ حسن بن فضل سے دریافت کیا گیا حم عسق کے دو ٹکڑے کیوں کئے گئے (یعنی حم کو عسق سے جدا کیوں کیا گیا) اور کھیعص کے دو ٹکڑے نہیں کئے گئے۔ حسن نے جواب دیا جن صورتوں کو حم سے شروع کیا گیا ان میں سے یہ بھی ایک سورت ہے اس جیسی دوسری سورتوں کی طرح اس کا آغاز بھی (مستقل طور پر) حم سے کیا گیا (اور کہہ سے کسی صورت کا آغاز نہیں کیا گیا اس لئے کہہ کو (یعص) سے ملا کر کھیعص کر دیا گیا) یا یوں کہا جائے کہ حم مبتدا ہے عسق اس کی خبر ہے (اور مبتدا کو خبر سے الگ لکھا جاتا ہے خبر کا جز نہیں بنایا جاتا) یا یوں کہا جائے کہ حم عسق دو آیات ہیں اور کھیعص ایک آیت ہے۔

یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ کھیعص اور ان جیسے دوسرے مقطعات کو وہ علماء بھی حروف ہجاء قرار دیتے ہیں۔ جو مقطعات قرآنی کی مختلف تشریحیں کرتے ہیں اور حم کو حرف ہجاء قرار دینے پر اہل تاویل کا اتفاق نہیں ہے بعض نے حم کو فعل کے معنی میں بیان کیا یعنی حم الامر (جو چیز ہونے والی ہے اس کا فیصلہ کر دیا گیا)

عکرمہؒ راوی ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ح اللہ کا حکم ہے اور م اللہ کی مجد اور ع اللہ کا علم ہے اور س اللہ کی سناء (بزرگی یا نور) اور ق اللہ کی قدرت۔ اللہ نے ان کی قسم کھائی ہے یہ بھی حضرت ابن عباسؓ کا قول کہا جاتا ہے کہ ہر صاحب کتاب نبی کے پاس حم عسق وحی کے ذریعہ سے بھیجا گیا اگلے جملہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳ اسی طرح آپ پر اور آپ سے پہلے جو (پیغمبر) گزرے ہیں ان پر اللہ جو زبردست (اور) حکمت والا ہے وحی بھیجتا رہا ہے۔

العزیز سب پر قوت کے ساتھ غالب۔

الحکیم اپنے حکم میں غلطی نہ کرنے والا۔ یعنی جو معانی اس سورت میں اللہ نے وحی کئے ہیں ان کی طرح یا جس طرح اللہ نے یہ سورت وحی کے ذریعہ سے بھیجی ہے۔ اس کی طرح اللہ نے آپ پر بھی (دوسری) آیات اور سورتوں کی وحی بھیجی اور آپ سے پہلے پیغمبروں پر بھی۔ یوحی مضارع کا صیغہ ہے جس میں حال ماضی کو بغرض استمرار بیان کیا ہے یعنی وحی بھیجنے کا اللہ کا دستور ہی رہا ہے۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝۴ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہی سب سے بالا اور عظیم الشان ہے۔

العلی یعنی مخلوق سے بالا۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ کچھ بعید نہیں کہ آسمان اپنے اوپر سے (کہ ادھر ہی سے بوجھ پڑتا ہے) پھٹ پڑیں یعنی اللہ کی عظمت و بزرگی کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں کچھ بعید نہیں یا یہ مطلب ہے کہ مشرکین جو اللہ کو صاحب اولاد قرار دیتے اور کہتے ہیں اتخذ اللہ ولدا ان کے اس قول سے اگر آسمان پھٹ پڑیں تو بعید نہیں۔ سورۂ مریم کی

آیت لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ اسی مطلب پر دلالت کر رہی ہے یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ کثرت ملائکہ سے اگر آسمان پھٹ جائیں تو بعید نہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمان چرچرایا اور چرچرانا اس کے لئے بیجا بھی نہیں ہے قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے آسمان میں بالشت بھر جگہ بھی ایسی نہیں جہاں سجدہ کرنے والے کسی فرشتہ کی پیشانی سجدہ میں نہ ہو جو اللہ کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہتا ہے۔ رواہ ابن مردویہ عن انسؓ۔

بغوی کی روایت میں کیا ہے کہ آسمان میں ایک قدم رکھنے کی کوئی جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ قیام میں یا رکوع میں یا سجدہ میں نہ ہو۔

مِنْ فَوْقِهِنَّ اوپر کی جانب سے یعنی پھٹنے کی ابتداء اوپر ہی کی جہت سے ہوگی۔ اول مطلب پر فوق سے ہونے کی تخصیص اس وجہ سے ہوگی کہ یہ اللہ کی عظمت شان اور برتری کی سب سے بڑی نشانی ہے دوسرے مطلب پر فوقیت کا خصوصی ذکر اس لئے کیا کہ اس سے نیچے کی طرف پھٹنا بدرجۂ اولیٰ ثابت ہو جائے گا اور تیسرے مطلب پر خصوصیت فوق کی وجہ یہ ہوگی کہ اوپر ہی ملائکہ کی کثرت ہوگی (اور اوپر سے ہی بار پڑے گا) بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ ہن کی ضمیر ارض کی طرف راجع ہے کیونکہ ارض سے مراد جنس ہے (اور جنس کی طرف جمع کی ضمیر بھی راجع ہو سکتی ہے) یہ قول دوسرے تفسیری مطلب پر درست ہوگا۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ　اور فرشتے اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں۔

یعنی کافر جو اللہ کی طرف صاحب اولاد ہونے کی نسبت کرتے ہیں اور ایسی باتیں اس کی ذات میں مانتے ہیں جو کسی طرح اس کی شان کے مناسب نہیں ان سب سے فرشتے اللہ کے پاک ہونے کا اظہار کرتے ہیں خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ عظمت الٰہیہ کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اور بھی تسبیح و تحمید میں مشغول رہتے ہیں۔

بِحَمْدِ رَبِّهِمْ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے حمد الٰہی کرتے ہیں۔

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝　اور زمین والوں کے لئے معافی طلب کرتے ہیں خوب سن لو کہ اللہ ہی بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ یعنی مومنوں کے لئے معافی کے طلبگار ہوتے ہیں کیونکہ مومنوں کے ساتھ ان کو ایمان میں شرکت حاصل ہے اور اس شرکت ایمانی کا تقاضا ہے کہ وہ اہل ایمان کے لئے دعا مغفرت کریں۔

الغفور الرحیم یعنی اللہ اپنے دوستوں کو بخشنے والا مہربان ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ڮ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝

اور جن لوگوں نے دوسروں کو خدا کے سوا کارساز قرار دے رکھا ہے اللہ خود ان کو دیکھ رہا ہے اور آپ کو ان پر اختیار نہیں دیا گیا۔

اولیاء یعنی شریک اور مثل

حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ یعنی ان کے احوال و اعمال کا نگراں جو ان کو ان کے اعمال کی سزا دے گا۔

وما انت عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ یعنی اے محمد آپ کو ان پر اختیار نہیں دیا گیا کہ آپ ان کو اپنے مقصد کے مطابق (ہدایت پر) لے آئیں یا یہ مطلب ہے کہ آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں ان کا معاملہ آپ کے سپرد نہیں کیا گیا۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۝

اور ہم نے اسی طرح آپ پر (یہ) عربی زبان میں قرآن وحی کے ذریعہ سے نازل کیا ہے تاکہ آپ (سب سے پہلے) مکہ کے رہنے والوں کو اور ان لوگوں کو جو مکہ کے آس پاس رہنے والے ہیں (اللہ کی نافرمانی سے) ڈرائیں اور جمع ہونے کے دن (روز

قیامت) کا خوف دلائیں جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ایک گروہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور ایک گروہ دہکتی آگ میں ہو گا۔

لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى تاکہ آپ اُمّ القریٰ کے رہنے والوں کو ڈرائیں۔ عرب کی اکثر بستیاں مکہ سے ہی نکلی ہیں (عرب میں سب سے اول مکہ کی آبادی ہوئی اس لئے مکہ کو ام القریٰ (بستیوں کی ماں) کہا جاتا ہے۔

وَمَنْ حَوْلَهَا یعنی سارے عرب یا ساری زمین کی بستیاں خواہ مکہ سے مشرقی جانب ہوں یا مغربی شمالی سمت میں ہوں یا جنوبی پہلے مکہ والوں کو اور مکہ کے گرد اگرد سارے عرب کو ڈرانے کا حکم دیا گیا تاکہ اللہ کا بول بالا کرنے میں سب مل کر مدد کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے پانچ چیزوں میں دوسرے انبیاء پر فضیلت عطا کی گئی (۱) سب لوگوں کے لئے مجھے بھیجا گیا (یعنی تمام لوگوں کو میری امت دعوت بنایا گیا) (۲) میری امت کے لئے میری شفاعت جمع رکھی گئی (یعنی قیامت کے دن امت کی شفاعت کا مجھے اختیار دیا گیا)

(۳) ایک ماہ کی راہ تک آگے کی طرف اور ایک ماہ کی راہ تک پیچھے کی طرف میرا رعب (دشمنوں کے دلوں میں) ڈال دیا گیا اور اس طرح میری مدد کی گئی۔ (۴) زمین کو میرے لئے مسجد اور پاک بنا دیا گیا (یعنی سوائے نجس مقامات کے ہر جگہ مجھے نماز پڑھنے کی اجازت دے دی گئی۔ (۵) میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا۔ رواہ الطبرانی بسند صحیح عن السائب بن یزید۔

مسلم اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چھ چیزوں کی وجہ سے مجھے انبیاء پر فضیلت عطا کی گئی۔ (۱) مجھے کلام جامع عطا کیا گیا۔ (یعنی ایسے مختصر الفاظ جو کثیر مضامین کو حاوی ہوں بولنے کا مجھے ملکہ عطا کیا گیا) (۲) دشمنوں پر رعب ڈال کر میری مدد کی گئی (یعنی مجھے فتح یاب کیا گیا) (۳) میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا۔ (۴) میرے لئے ساری زمین کو مسجد اور پاک بنا دیا گیا۔ (۵) مجھے تمام مخلوق (یعنی انسانوں) کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا۔ (۶) مجھ پر سلسلہ انبیاء کو ختم کر دیا گیا۔

يَوْمَ الْجَمْعِ تاکہ آپ ان کو قیامت کے دن سے ڈرائیں جب کہ اگلے پچھلے سب لوگ جمع ہوں گے۔

فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ الخ یعنی جمع ہونے والوں میں سے ایک فریق جنتی اور دوسرا دوزخی ہو گا۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا بیان ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ اپنی مٹھیوں میں دو تحریریں دبائے برآمد ہوئے اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ دونوں تحریریں کیا ہیں۔ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم نہیں واقف حضور ﷺ نے دائیں ہاتھ والی تحریر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ رب العالمین کی (طرف سے) تحریر ہے۔ اس وقت سے بھی پہلے کی ہے جب نطفے باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں میں ٹھہرے تھے۔ جب لوگ (یعنی ان کے خمیر) کیچڑ میں پڑے ہوئے تھے ان میں نہ زیادتی ہو سکتی ہے نہ کمی قیامت تک ہونے والے (جنتی) لوگوں کی اللہ کی طرف سے یہ مجمل تحریر ہے پھر بائیں ہاتھ والی تحریر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ رب العالمین کی طرف سے دوزخیوں کے ان باپوں کے اور ان کے قبائل کے ناموں کی تحریر ہے ان کی گنتی ہے یہ اس وقت سے بھی پہلے کی ہے جب نطفے باپوں کی پشتوں میں اور ماؤں کے رحموں میں ٹھہرے تھے جب لوگ (یعنی ان کے خمیر) کیچڑ میں پڑے ہوئے تھے ان میں نہ زیادتی ہو سکتی ہے نہ کمی۔ قیامت تک ہونے والے (دوزخی) لوگوں کی اللہ کی طرف سے یہ مجمل تحریر ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے عرض کیا تو ایسی حالت میں عمل کی کیا ضرورت۔ فرمایا کئے جاؤ سیدھی چال رکھو اور لگے لگے چلو جو جنتی ہے اس کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر ہو گا خواہ (زندگی بھر) اس نے کیسے ہی عمل کئے ہوں اور دوزخی کا خاتمہ دوزخیوں کے عمل پر ہو گا خواہ (عمر بھر) اس نے کچھ بھی کیا ہو پھر فرمایا فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ۔ اللہ کی طرف سے انصاف ہو گا۔ رواہ البغوی والترمذی۔

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتا۔

اُمَّةً وَّاحِدَةً کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا سب کو ایک دین پر کر دیتا۔ مقاتل نے کہا سب کو دین اسلام پر کر دیتا۔ اللہ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے ولو شاء اللہ لجمعہم علی الہدیٰ (اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ اس سے مقاتل کے قول کی تائید ہوتی ہے)۔

وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر دیتا ہے۔

یعنی دین اسلام کی ہدایت کر دیتا ہے۔

وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۸﴾ اور ان ظالموں کا (قیامت کے دن) نہ کوئی حامی ہوگا نہ مددگار۔

الظلمون یعنی کافر مطلب یہ کہ اللہ ان کو اپنی رحمت میں داخل نہیں کرے گا اس لئے ان کا کوئی حامی نہ ہوگا کہ عذاب کو دفع کر سکے نہ مددگار ہوگا کہ دوزخ سے بچا سکے۔ وعید نے زور پیدا کرنے کے لئے طرز کلام کو بدلا گیا۔ تقابل کا تقاضا تھا کہ یوں کہا جاتا کہ اللہ ان کو اپنی رحمت میں داخل نہیں کرے گا لیکن مبالغہ کے طور پر فرمایا ان کا کوئی حامی ہوگا نہ مددگار۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۹﴾ ع ۲

کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے کارساز قرار دے رکھے ہیں کارساز تو اللہ ہی ہے وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا ام (منقطعہ) بمعنی بل ہے اور ہمزہ انکاری ہے یعنی کافروں نے اللہ کو حامی اور کارساز نہیں قرار دیا بلکہ اس کے دوسروں کو (یعنی بتوں اور شیطانوں وغیرہ کو) کارساز قرار دیا اور ایسا کرنا کسی طرح صحیح نہ تھا یہ معنی ہے کہ جن کو کارساز بنا رکھا ہے وہ ان کے حامی نہیں ہوں گے کارساز تو اللہ ہی ہے وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو کارساز قرار دیا جائے۔ وہی ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ دینے کے لئے مردوں کو زندہ کرے گا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ آپ کا بھی ولی یعنی مددگار ہے اور ان لوگوں کا بھی جو آپ کے پیرو ہیں۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ اور جس جس بات میں تم (اہل حق سے) اختلاف کرتے ہو سو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے یعنی اے لوگو امر دین میں تم جو اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے قیامت کے دن وہی حق پرستوں اور باطل پرستوں کو الگ الگ کر دے گا۔ بعض علماء نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا کہ جن متشابہات (کے مطلب) میں تم اختلاف کرتے ہو اس کو محکمات کی طرف لوٹا دو (یعنی ایسا مطلب مت بیان کرو جو آیات محکمات کے خلاف ہو۔ مترجم)

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۱۰﴾ (اے محمد آپ کہہ دیجئے) یہی اللہ میرا رب ہے میں اسی پر توکل کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ یعنی دشمنوں کی شرارتوں کو دفع کرنے میں اور تمام امور میں اسی پر اعتماد کرتا ہوں اور سخت مشکلات میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۭ

وہ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے اور (اسی طرح) چارپایوں کے جوڑے بنائے (اور) اس (جوڑے لگانے کی تدبیر) سے تمہاری نسل چلاتا رہتا ہے۔

مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا تمہاری جنس (یعنی جنس انس) سے تمہارے جوڑے یعنی عورتیں پیدا کیں۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا اور چوپایوں کے لئے چوپایوں کی جنس کے جوڑے پیدا کئے یا یہ مطلب ہے کہ تمہارے لئے چوپایوں کی مختلف اصناف پیدا کیں یا تمہارے لئے چوپایوں کے نر اور مادہ پیدا کئے۔

یذرؤکم ذرء کا معنی ہے بکھیرنا پھیلانا مراد ہے کثیر کر دینا۔

فیہ یعنی (جوڑ ابنانے کی) اس تدبیر میں اللہ تم کو پھیلا رہا ہے نسل کثیر کر رہا ہے بعض نے فیہ کا مطلب بیان کیا رحم میں یا پیٹ میں یا فی بمعنی ب ہے یعنی اس طریقہ سے اللہ تم کو پھیلا رہا ہے بعض نے کہا جوڑے بنا بنا کر اللہ تم کو کثیر کر رہا ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ کوئی چیز اس کی مثل نہیں۔

مثل کا لفظ زائد ہے مطلب یہ کہ وہ کسی چیز کی طرح نہیں ہے مثل کے لفظ کی زیادتی مفید تاکید ہے جس طرح ایک اور آیت میں آیا ہے فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ بعض کے نزدیک کمثلہ میں کاف زائد ہے یعنی اس کی مثل کوئی شے نہیں جو اس کی ہم پلڑہ اور اسے جوڑ کھانے والی ہو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس کی کوئی نظیر نہیں ہے بعض نے کہا مثل کا لفظ مبالغہ کے لئے بطور کنایہ استعمال کیا گیا ہے جیسے نفی فعل کا اگر مبالغہ مقصود ہو تو کہا جاتا ہے تجھ جیسا آدمی یہ کام نہیں کرتا۔ یعنی تو یہ کام نہیں کرتا جب مخاطب کی مثل جو مخاطب کا ہم پلڑہ اور برابر کا ہو یا کام نہیں کرتا تو مخاطب کا نہ کرنا بدرجۂ اولیٰ ثابت ہو جائے گا اور کنایہ کے لئے حقیقت کا وجود یا امکان ضروری نہیں جیسے کسی دراز قامت آدمی کو بطور کنایہ کہتے ہیں فلاں طَوِيلُ النِّجَادِ فلاں شخص کا پرتلہ لمبا ہے یعنی وہ دراز قد ہے اس کلام کی صداقت کے لئے ضروری نہیں کہ اس کا پرتلہ بھی ہو۔ اسی طرح آیت بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ سے بطور کنایہ سخی ہونا مراد ہے واقع میں ہاتھوں کا لمبا ہونا ضروری نہیں نہ ممکن ہے۔ بعض نے کہا مثل کا معنی ہے صفت یعنی اس کی صفات کی طرح کسی کی صفات نہیں ہیں۔

وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝۱۱ اور وہ ہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے جو چیز سننے کے قابل ہے اس کو سنتا ہے اور جو چیز دیکھنے کے قابل ہے اس کو دیکھتا ہے یعنی حقیقت میں سننے اور دیکھنے والا وہی ہے دوسرے سننے اور دیکھنے والے تو سماعت و بصارت اسی سے مانگتے ہیں۔ لیس کمثلہ شئی میں نفی مثل کی صراحت ہے اس سے یہ شبہ پایا تو ہم ہو سکتا تھا کہ جب اسی کی مثل نہیں تو اس کے اندر کوئی بھی صفت نہیں ہوگی اس شبہ کو آیت مذکورہ میں زائل کر دیا۔

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ اسی کے ہیں آسمانوں کے اور زمین کے خزانے۔

یعنی آسمانوں اور زمین میں رزق کے خزانے کلبی نے کہا (آسمان میں) بارش اور (زمین میں) سبزہ کے خزانے۔

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے کم دیتا ہے۔

(ترجمہ تھانوی) یعنی اپنی مشیت کے موافق رزق کی وسعت بھی وہی کرتا ہے اور تنگی بھی وہی کرتا ہے اور یہ سب کچھ امتحان و آزمائش کے لئے کرتا ہے۔

إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝۱۲ بلاشبہ وہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے یعنی جیسا مناسب ہوتا ہے ویسا کرتا ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (اے امت محمدی)

اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوحؑ کو حکم دیا تھا اور جو ہم نے (اے رسول) آپ کے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجا اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو (اور ان کی امتوں کو) دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

یعنی دین اسلام جو امت محمدیہ کے لئے مقرر کیا ہے وہ کوئی نیا دین نہیں ہے تمام انبیاء کا دین یہی رہا ہے حق (ہر زمانہ میں) ایک ہی ہوتا ہے اور حق کے بعد سواء گمراہی کے اور کیا رہ جاتا ہے (پس دین اسلام کے علاوہ ہر مذہب گمراہی ہے) اہل کتاب نے جو اسلام کا انکار کیا وہ محض دشمنی اور ضد کے زیر اثر کیا۔

حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے (سمجھانے کے) لئے ایک (سیدھی) لکیر کھینچی پھر فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے اس کے بعد اس لکیر سے دائیں بائیں کچھ لکیریں اور کھینچیں اور فرمایا یہ (مختلف) راستے ہیں ان میں سے ہر راہ پر ایک شیطان بیٹھا اپنی طرف بلا رہا ہے اس کے بعد آپ نے پڑھا۔ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ الخ رواہ احمد

والدارمی والنسائی۔
یہ دین اسلام نام ہے ایک اللہ کی ذات اور صفات کو اور اس کے انبیاء کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے ملائکہ کو اور مرنے کے بعد (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھائے جانے کو اور جو کچھ انبیاء لے کر آئے سب کو ماننے کا اور اللہ کے حکم پر چلنے اور ممنوع باتوں سے باز رہنے کا۔ یہ ایمان و عمل تمام شریعتوں میں مشترک ہے۔ سب شریعتیں اس پر متفق ہیں بعض عملی احکام کا منسوخ ہو جانا دین میں اختلاف پر دلالت نہیں کرتا (یعنی بعض شرائع کے بعض عملی احکام اگر شریعت اسلامیہ یا شریعت عیسویہ میں منسوخ کر دیئے گئے تو اس سے دینی وحدت میں کوئی فرق نہیں آتا) ایسا نسخ تو ایک ہی نبی کے احکام میں (مختلف اوقات میں) ہوا ہے خود رسول اللہ ﷺ نے سولہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور کعبہ کی طرف رخ کر کے آپ نماز پڑھنے لگے اس اختلاف حکم سے دین اسلام کی وحدت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ اسی طرح مختلف انبیاء کی شریعتوں میں اگر بعض فروع احکام میں اختلاف ہے تو اس سے ادیان کا اختلاف لازم نہیں آتا سب کا مال ایک ہی ہے یعنی اللہ کے اوامر کا امتثال اور ممنوعات سے اجتناب۔
اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ اَوْحَیْنَا اور وَصَّیْنَا میں قول کا معنی مضمر ہے اس کی تفسیر اس آیت میں کر دی۔ اس صورت میں ان مفسرہ ہو گا۔ ان کو مصدری قرار دینا بھی صحیح ہے۔ اقامت دین کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو احکام تم کو دیں بغیر کسی انحراف اور کجروی کے اس پر عمل کرو۔
وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ اور اپنی خواہشات و خیالات کی پیروی کر کے یا محض تعصب و ضد کے زیر اثر دین میں تفرقہ نہ ڈالو۔ افکار و خیالات اور میلانات نے ہی امت محمدیہ کے تتر بتر ٹکڑے کر دیئے۔ رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ بالا حدیث مبارک میں ایک لکیر سیدھی اور دائیں بائیں متعدد مختلف لکیریں کھینچ کر اول لکیر کو راہ خدا اور دوسری لکیروں کو شیطانی راہیں قرار دینے کا بھی یہی مطلب ہے رہا یہودیوں اور عیسائیوں کا ایمان نہ لانا تو اس کا سبب صرف تعصب و عناد تھا۔
حضرت علیؓ نے فرمایا تفرقہ پیدا نہ کرو۔ جماعت رحمت ہے اور جماعت کا چھٹنا عذاب۔ حضرت ابوذرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جماعت کو ایک بالشت ترک کیا اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے نکال دی۔ رواہ احمد و ابو داؤد۔
حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جماعت پر اللہ کا ہاتھ (ہوتا) ہے۔
رواہ الترمذی بسند حسن حضرت معاذ بن جبلؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان انسان کے لئے بھیڑیا بکریوں کا بھیڑیا ہوئی اور دور جانے والی اور الگ چلنے والی بکری کو پکڑ لیتا ہے (اسی طرح جماعت سے پھٹ جانے والے آدمی پر شیطان قبضہ کر لیتا ہے شاہراہ سے الگ) گھاٹیوں (پگڈنڈیوں) سے بچو جماعت اور جمہور کے ساتھ رہو۔ رواہ احمد۔

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝

مشرکین کو وہ بات بڑی گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپ ان کو بلا رہے ہیں اللہ اپنی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے اور جو شخص خدا کی طرف رجوع کرتا اللہ اس کو اپنی جانب پہنچنے کی توفیق دیتا ہے۔
مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ یعنی جس دین مستقیم کی آپ کافروں کو دعوت دے رہے ہیں اور جو توحید کا داعی ہے اور بت پرستی کو ترک کرنے کا حکم دے رہا ہے وہ مشرکوں پر بڑا شاق گزرتا ہے۔
اَللّٰهُ يَجْتَبِيْ اللہ چن لیتا ہے (کھینچ لیتا ہے)
اِلَيْهِ اپنے دین کی طرف یا اپنی طرف یا اس شئی کی طرف جس کی آپ دعوت دے رہے ہیں۔
مَنْ يَّشَاۗءُ جس کو چاہے خواہ چنا جانے والا شخص کوشش اور ارادہ کرے یا نہ کرے۔
مَنْ يُّنِيْبُ جو اس کی طرف متوجہ ہو۔

صوفیہ کہتے ہیں جس کو اللہ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور آدمی بے اختیار اس کی طرف کھینچ جاتا ہے تو ایسا آدمی مراد خدا وندی ہوتا ہے۔ یہ گروہ انبیاء اور صدیقین کا ہوتا ہے اور جو شخص اپنے ارادہ سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے پھر اللہ اس کو اپنی ذات تک رسائی کی توفیق دیتا ہے تو ایسا شخص مرید ہوتا ہے۔ یہ گروہ اولیاء اور اللہ کے نیک بندوں کا ہوتا ہے۔

وَمَا تَفَرَّقُوا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ اور بعد اس کے کہ ان کے پاس حکم پہنچ چکا تھا وہ لوگ محض آپس کی ضد اضدی سے مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔

وَمَا تَفَرَّقُوْا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یعنی اہل کتاب کے فرقے فرقے نہیں بنے۔

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ مگر اس امر کے بعد کہ آسمانی کتابیں بھیجی جاچکی تھیں جن میں صراحت تھی کہ تمام انبیاء کا دین ایک ہی ہے اور محمد ﷺ کے پاس اللہ نے جو وحی بھیجی وہ وہی وحی تھی جو حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے پاس بھیجی تھی۔

بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ آپس کی ضد اضدی سے عطاء نے کہا یعنی رسول اللہ ﷺ کے خلاف وہ مغرور ہو گئے اور تکبر کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا۔ قاموس میں ہے بغی علیہ بغیا اونچا ہو گیا ظلم کیا انصاف کیا بڑھ چڑھ گیا۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک مقرر مدت تک ان کو مہلت دینے کا پہلے سے فیصلہ نہ ہو گیا ہوتا تو (دنیا میں ہی) ان کا باہمی فیصلہ (اللہ کی طرف سے) ہو چکا ہوتا۔

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى روز جزا تک عذاب کو مؤخر کر رکھنے کا حکم۔

لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ تو دنیا میں ہی ان کے درمیان مومن و کافر کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ باطل پرستوں کی جڑ اکھاڑ دی جاتی اور حق پرستوں کا غلبہ عنایت کر دیا جاتا۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾ اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی ہے (یعنی مشرکین مکہ) وہ اس کی طرف سے (ایسے قوی) شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا ہے۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ یعنی یہودی اور عیسائی۔

مِنْۢ بَعْدِهِمْ یعنی اپنے انبیاء کے بعد یا گزشتہ امتوں کے بعد بعض کے نزدیک مکہ کے مشرک مراد ہیں جن کو کتاب یعنی قرآن ان کے یعنی اہل کتاب کے بعد دیا گیا۔

لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ اپنی کتاب کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں کتاب پر جیسا ایمان رکھنا چاہئے ویسا ایمان نہیں رکھتے یا قرآن کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں جو ان کو تردد میں ڈالے ہوئے ہے۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ سو آپ ان کو برابر دعوت دیئے جایئے اور خود بھی راہ مستقیم پر قائم رہیے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور ان کی (نفسانی) خواہشوں پر نہ چلیے۔

فَلِذٰلِكَ یعنی اہل کتاب کے اسی تفرقہ کی وجہ سے۔

فَادْعُ آپ لوگوں کو اقامت دین کی طرف بلاتے رہیے اور دین میں تفرقہ نہ کرنے اور قرآن پر چلنے کی دعوت دیئے جایئے۔

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ اور ان کی کج رفتار خواہشات پر نہ چلیے۔

وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۖ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۖ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۖ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

اور آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے جو کتاب بھی نازل کی ہے میرا اس پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ (اپنے اور تمہارے درمیان عدل رکھوں اللہ ہی ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہماری تمہاری کچھ بحث نہیں اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اس میں شک نہیں کہ اسی کے پاس (سب کو) جانا ہے۔

بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ یعنی اللہ کی نازل کی ہوئی تمام کتابوں پر یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح میرا ایمان نہیں۔ یہ لوگ تو کہتے ہیں ہم بعض کو مانتے اور بعض کو نہیں مانتے۔ درمیانی راہ نکالنا چاہتے ہیں۔

لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ یعنی باہم بحث کرنے والوں کا فیصلہ کردوں اور شرعی احکام پہنچادوں۔ ایمان بماانزل سے قوت نظریہ کا استکمال ہو جاتا ہے اور عدل کرنے سے قوت عملیہ کی تکمیل۔ آمنت سے اول کی طرف اشارہ ہے اور امرت لاعدل سے دوسرے کی طرف اشارہ ہے۔

اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ یعنی اللہ سب کا خالق ہے اور تمام امور کا ذمہ دار ہے۔

لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ یعنی ہر ایک کو اس کے عمل کے موافق بدلہ دے گا۔

لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ہمارا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں کوئی بحث نہیں۔ ہمارے اعمال سے تم کو ضرور نہیں پہنچے گا اور تمہارے اعمال سے ہمارا کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ ہم محض خیر خواہی کے زیر اثر تم کو اسلام کی دعوت دے رہے ہیں۔ خصومت اور عداوت کی کوئی وجہ نہیں۔ حکم جہاد سے پہلے مکہ میں (قبل از ہجرت) اس آیت کا نزول ہوا تھا پھر (مدینہ میں) آیت جہاد نازل ہوئی جس سے آیت مذکورہ کا حکم منسوخ ہو گیا اور يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ اِلٰى قوله بَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ میں کافروں سے موالات کی بھی ممانعت کردی۔

اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا یعنی قیامت کے دن اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور ہمارا فیصلہ کردے گا (کہ کون حق پر تھا اور کون باطل پر)

ابن المنذر نے عکرمہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب سورت اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا نازل ہوئی تو مشرکوں نے مکہ میں ان مومنوں سے جوان کے پاس موجود تھے کہا لوگ خدا کے دین میں گروہ گروہ داخل ہو گئے تم بھی یہاں سے چلے جاؤ کب تک ہمارے ہاں رہو گے۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾ اور جو لوگ اللہ کے (دین کے) معاملہ میں (مسلمانوں) سے جھگڑے نکالتے ہیں۔ بعد اس کے کہ وہ (یعنی رسول اللہ ﷺ) مان لئے گئے ان کی حجت ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر (اللہ کا) غضب (آنے والا) ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ یعنی اللہ کے دین میں جھگڑے نکالتے ہیں۔

عبدالرزاق نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ جھگڑا نکالنے والوں سے مراد ہیں یہودی اور عیسائی (یعنی اہل کتاب) انہوں نے کہا تھا ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے اور ہمارا پیغمبر تمہارے پیغمبر سے پہلے ہے اس لئے ہم تم سے بہتر ہیں یہی اہل کتاب کا جھگڑا تھا۔

مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ بعد اس کے کہ لوگوں نے اس کی دعوت قبول کرلی اور مسلمان ہو گئے اور معجزات نیز حسن دعوت کی وجہ سے دین خداوندی میں داخل ہو گئے۔

حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ ان کا جھگڑا اور بحث کرنا باطل ہے یا یہ مطلب ہے کہ جس بات کو وہ دلیل و حجت خیال کرتے ہیں

حقیقت میں وہ ایک لغو بے بنیاد شبہ ہے (وہ وہم کو فہم سمجھ بیٹھے ہیں)
وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ اور چونکہ وہ خواہ مخواہ عناد رکھتے ہیں اس لئے ان پر اللہ کا غضب آنے والا ہے۔
وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ اور کفر کی وجہ سے ان پر سخت عذاب ہوگا۔
اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ ۗ اللہ ہی تو ہے جس نے یہ کتاب (یعنی قرآن ترجمہ مولانا تھانوی) اور انصاف کو نازل فرمایا۔

الکتب بالحق یعنی اللہ ہی نے تو کتاب نازل کی جو برحق ہے یعنی باطل سے بہت دور ہے یا یہ مطلب ہے کہ حق عقائد اور صحیح احکام کی تعلیم دیتی ہے۔ الکتاب سے مراد جنس کتاب ہے۔

والمیزان قتادہ مجاہد اور مقاتل نے کہا میزان سے مراد عدل ہے میزان یعنی ترازو انصاف اور صحیح مساوات کا آلہ ہوتا ہے (اور عدل کا بھی معنی انصاف ہے) اس لئے عدل کو میزان کہا گیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے پورا پورا تولنے کا حکم دیا اور تول میں کمی کرنے کی ممانعت فرمائی۔

بعض علماء کے نزدیک میزان سے مراد شریعت ہے شریعت سے حقوق کا صحیح توازن ہوتا اور انسانوں کے باہمی معاملات میں انصاف ہوتا ہے۔

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ﴿١٧﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ ۗ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿١٨﴾ اور آپ کو (اس کی) کیا خبر عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی ہو اس کے جلد آنے کے طلب گار وہی لوگ ہوتے ہیں جو اس کے آنے کا یقین نہیں رکھتے اور جو لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو اس سے ڈرتے ہیں خوب سن لو قیامت برحق ہے یاد رکھو کہ جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑتے ہیں وہ بڑی گمراہی میں ہیں۔

لعل الساعۃ قریب یعنی ممکن ہے کہ قیامت کا آنا قریب ہو اس لئے آپ اس کتاب پر چلیے شریعت پر عمل کیجئے عدل کی پابندی کیجئے اس سے پہلے کہ قیامت کی گھڑی اچانک آجائے (اور عمل کرنے کا وقت ختم ہو جائے) اس وقت تمہارے اعمال تولے جائیں گے اور اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا (ہکذا فسرہا الکسائی) الساعۃ مؤنث ہے اور قریب مذکر ہے دونوں میں توافق نہیں ہے اس لئے کسائی نے قریب کا فاعل محذوف قرار دیا یعنی قیامت کا آنا قریب ہے بعض نے کہا قریب کا لفظ اگرچہ مذکر ہے لیکن قرب والی (یعنی مؤنث) مراد ہے (گویا اس قائل کے نزدیک وزن فعیل مؤنث کے لئے بھی استعمال کرلیا جاتا ہے بعض نے کہا ساعت بمعنی بعث ہے (اور بعث مذکر ہے) اس لئے قریب بصیغۂ مذکر ذکر کیا۔

مقاتل کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیامت کا تذکرہ کیا اس وقت آپ کے پاس کچھ مشرک بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے بطور تکذیب کہا تو قیامت کب آئے گی۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

یَسْتَعْجِلُ بِهَا یعنی جن کا ایمان قیامت پر نہیں وہ بطور استہزاء قیامت کے جلد آجانے کے خواستگار ہوتے ہیں۔

مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا اہل ایمان کو چونکہ عذاب کا ڈر ہوتا ہے اس لئے وہ قیامت کے آنے سے ڈرتے ہیں۔

یُمَارُوْنَ جھگڑتے ہیں اور وقوع قیامت میں شک کرتے ہیں قاموس میں ہے مریہ اور مریہ شک۔ جھگڑا کرنا۔ مارہ ممارہ اس میں شک کیا اس کا اصل لغوی معنی ہے اونٹنی کے تھن کو دودھ دوہنے کے لئے سختی کے ساتھ دبانا جھگڑا کرنے والے دونوں فریق بھی سخت کلامی کے ساتھ باہم جواب کے ساتھ خواستگار ہوتے ہیں اس لئے اس جھگڑے کو مریۃ کہا جاتا ہے۔

لَفِي ضَلَالٍ یعنی حق سے بہت ہی بھٹکے ہوئے ہیں قیامت اگرچہ بالفعل محسوس نہیں ہے لیکن قرآن حدیث اور صحیح عقل کی شہادت ہے کہ دار الجزاء کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ قیامت اس وقت ہماری نظروں سے غائب ہے اور محسوس نہیں ہے مگر محسوس کی بہت زیادہ مشابہ ہے (گویا نظروں کے سامنے ہی ہے) اب جو شخص قیامت کو نہیں جانتا اور اللہ

کی ہمہ گیر قدرت کے باوجود وقوع قیامت کو قدرت کے احاطہ سے خارج سمجھتا ہے وہ بہت ہی گمراہ ہے اور مابعد زندگی کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے۔

ع ۲ ﴿اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۱۹﴾ اللہ (دنیا میں) اپنے بندوں پر مہربان ہے جس کو (جس قدر) چاہتا ہے روزی دیتا ہے اور وہ ہی قوت والا (اور) زبردست ہے۔

اللہ لطیف لطیف کا ترجمہ حضرت ابن عباسؓ نے کیا بڑا مہربان۔ عکرمہ نے کہا بندوں سے بھلائی کرنے والا سدی نے کہا نرمی کرنے والا۔ مقاتل نے کہا نیکوں اور بدوں پر، سب پر مہربانی کرنے والا کہ بدکاروں کی خطاکاریوں کی وجہ سے کسی کو ہلاک نہیں کرتا۔ بعض نے یہ مطلب بیان کیا کہ نفع پہنچانے اور مصائب کا رخ پھیر دینے کی تدبیر وہ اپنے مخفی علم سے کرنے والا ہے۔ بعض نے کہا اس کا علم دقیقہ رس ہے اس کا حلم عظیم ہے وہ بندے کی اچھائیاں پھیلاتا اور عیوب پر پردہ ڈالتا ہے۔ بندے کی ضرورت سے زیادہ عطا کرتا اور بقدر برداشت طاعت کا حکم دیتا ہے۔

يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ یعنی جس کو جتنی چاہتا ہے روزی دیتا ہے جیسا اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے ویسا ہی اپنے احسان سے نوازتا ہے ہر مومن و کافر اور ہر جاندار کو رزق عطا فرماتا ہے۔ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا اللہ نے رزق پہنچانے کی دو تدبیریں کی ہیں۔ (۱) اس نے تم کو پاکیزہ رزق عطا کیا (۲) کل رزق کسی کو یک دم اٹھا کر نہیں دے دیا۔

القوی ایسی قدرت والا کہ اس کی قدرت ظاہر ہے۔

العزیز ایسا غالب طاقتور کہ اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۲۰﴾ جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کو اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم اس کو کچھ دنیا (اگر ہم چاہیں) تو دے دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہ ہوگا۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ حرث اصل میں زمین میں دانہ بکھیرنے کو کہتے ہیں لیکن جو کھیتی تخم پاشی سے پیدا ہوتی ہے اس کو بھی حرث کہہ لیا جاتا ہے قاموس میں ہے حرث کمائی مال جمع کرنا کھیتی اس جگہ ثواب آخرت مراد ہے۔ ثواب آخرت کو زرع سے تشبیہ دی کیونکہ آخرت میں ملنے والا ثواب دنیوی اعمال کا پھل ہے اسی لئے دنیا کو آخرت کا کھیت کہا گیا ہے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں جو کام کیا جاتا ہے اسکا حاصل آخرت میں ملے گا تو گویا ثواب آخرت کمائی ہے۔

نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ یعنی اس کی کمائی یا کھیتی میں ہم ترقی دیں گے ایک کے بدلے دس اور دس سے بھی زیادہ سات سو گنا تک عطا کریں گے۔ جیسے ایک دانہ سے ایک پودا پیدا ہوا اور پودے میں سات بالیاں ہوں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔

وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا یعنی جو شخص اپنے اعمال کا بدلہ دنیا میں ہی چاہتا ہے۔

نُؤْتِهٖ مِنْهَا تو ہم دنیا میں ہی اس کو کچھ دے دیتے ہیں اور اتنا ہی دیتے ہیں جتنا اس کے لئے ہم نے تقسیم کر دیا ہے۔

حضرت عمر بن خطابؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اعمال صرف نیتوں کے ساتھ ہیں ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی پس جس کا ترک وطن اللہ اور رسول کی طرف آنے کے لئے ہو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہوگی۔ اور جس کا ترک وطن دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہو اس کی ہجرت اسی کے لئے ہوگی جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہوگی۔ متفق علیہ۔

حضرت ابی بن کعبؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس امت کو خوشخبری دے دو (نام) روشن ہونے کی اونچا ہونے کی فتح یابی کی اور زمین پر اقتدار حاصل ہونے کی امت میں سے جو شخص آخرت کا کام دنیا کے لئے کرے گا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ رواہ البغوی۔ ﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۚ وَلَوْلَا

کیاان کے کچھ شریک (خدائی میں) ایسے ہیں جنہوں نے ان
كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ
کے لئے ایسا دین مقرر کر دیا ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی اور اگر (خدا کی طرف سے) ایک قول فیصل (ٹھہرایا ہوا) نہ ہوتا
تو (دنیا میں ہی) ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔
اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا ام منقطعہ بمعنی بل اور ہمزہ انکاری ہے۔
لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا یعنی ان کے مفروضہ اور خود ساختہ شرکاء۔
مَالَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یعنی اسلام کے سوا دوسرا دین جس میں شرک انکار قیامت اور صرف
دنیا کے لئے عمل کرنے کی تعلیم دی گئی ہو۔
كَلِمَةُ الْفَصْلِ یعنی پہلے کا طے شدہ قول فیصل کہ قیامت آنے سے پہلے ان کو (پوری) سزا نہیں دی جائے گی۔
لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ یعنی کافروں اور مومنوں کے اختلاف کا فیصلہ کر دیا گیا ہوتا اور تکذیب کرنے والوں پر عذاب آچکا ہوتا
مگر اللہ نے فرمادیا ہے بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ۔
اور بلاشبہ ظالموں یعنی مشرکوں کے لئے (آخرت
وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾
میں) دردناک عذاب ہے۔
ضمیر غائب کی جگہ اسم ظاہر (الظالمین) کی صراحت یہ جتانے کے لئے کی کہ وہ ظلم یعنی شرک کی وجہ سے عذاب الیم کے
مستحق ہیں۔
(قیامت کے دن)
تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ
آپ ظالموں (یعنی مشرکوں) کو دیکھیں گے کہ وہ اپنے کیے ہوئے کاموں (یعنی شرک و معاصی) کی سزا سے ڈر رہے ہوں گے
لیکن وہ اعمال کا بدلہ اور عذاب تو ان پر پڑ کر رہے گا۔ یعنی ڈرنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ
اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے وہ
الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾
جنتوں کے باغوں میں ہوں گے ان کو اپنے رب کے پاس وہ سب کچھ ملے گا جس کے وہ خواہش مند ہوں گے یہی اللہ کا بڑا فضل
ہوگا۔ روضات الجنت یعنی جنت کے اندر سب سے عمدہ اور تفریح کے مقامات۔
ذلک یعنی جنت کی یہ نعمت جس کا ذکر کیا گیا۔
الفضل الکبیر یعنی دنیوی نعمتیں جنت کے مقابلہ میں سب ہیچ ہیں۔
یہی ہے وہ جس کی
ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ
بشارت اللہ اپنے بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے۔
قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ
(اے محمد) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ بجز رشتہ داری کے دوستی کے میں تم سے اس (ہدایت) کی کوئی اجرت
(نفع) نہیں چاہتا۔ یعنی صرف اتنا چاہتا ہوں کہ قرابت دار ہونے کے ناتے تم مجھ سے مؤدت رکھو۔
بخاری نے صحیح میں طاؤس کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے المودۃ فی القربیٰ کا مطلب پوچھا گیا تو سعید بن
جبیر نے کہا القربیٰ (سے مراد) آل محمد ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تم نے (جواب دینے میں) جلدی کی بات یہ تھی کہ
قریش کے ہر بطن میں رسول اللہ ﷺ کا رشتہ قرابت تھا اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا میں تم لوگوں سے کوئی معاوضہ تبلیغ نہیں
چاہتا بس اتنا چاہتا ہوں کہ میرے تمہارے درمیان جو قرابت داری ہے اس کو جوڑے رکھو۔ (منقطع نہ کرو)
بغوی نے شعبی کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ مؤدت فی القربیٰ سے مراد یہ ہے کہ تم میری

قرابت کا لحاظ کرو۔ مجھ سے (حسب تقاضا قرابت) مؤدت کرو اور میرے رشتۂ قرابت کو جوڑے رکھو، مجاہد، عکرمہ، سدی اور ضحاک نے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے۔ عکرمہ نے کہا مطلب یہ ہے کہ میں تم سے دعوت و تبلیغ کی کوئی اجرت کا طلب گار نہیں ہوں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ میرے تمہارے درمیان جو قرابت ہے اس کی پاسداری کرو۔ آیت کا وہ مطلب نہیں ہے جو بڑے چھوٹے کاذب بیان کرتے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے بعض لوگ کہتے ہیں یہ آیت منسوخ ہو گئی اس کا نزول تو مکہ میں ہوا تھا مکہ میں مشرکین رسول اللہ ﷺ کو دکھ پہنچاتے تھے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور رسول اللہ ﷺ سے مؤدت رکھنے اور رشتہ قرابت کو جوڑے رکھنے کا حکم دیا پھر مکہ سے ہجرت کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں پہنچے اور انصار نے آپ کو اپنے پاس جگہ دی اور ہر طرح آپ کی مدد کی تو اللہ نے یہ بات پسند کی کہ جو حکم دوسرے انبیاء کو دیا تھا وہی حکم آپ کو بھی دے دیا اور (پچھلا حکم منسوخ کر کے) فرمایا۔ وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍاِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یہی بات تمام انبیاء نے اپنی امتوں سے کہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی مختلف آیات میں یہی کہنے کا حکم دیا گیا۔ ضحاک بن مزاحم اور حسین بن فضل نے آیت الا المودۃ فی القربیٰ کو منسوخ مانا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے یہ قول ناپسندیدہ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے محبت اور ہر دکھ کو حضور ﷺ سے دور کرنا اور آپ کے اقارب سے بھی محبت کرنا تو دینی فرائض میں سے ہے۔

میں کہتا ہوں اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے اور آپ کے اقارب سے محبت تو فرض محکم ہے جو منسوخ نہیں ہو سکتا۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہ ہو گا جب تک کہ میں اس کی نظر میں اس کے باپ اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ یہ بھی حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین باتیں ہیں جس کے اندر یہ تین باتیں ہوں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کی لذت پائے گا۔ (۱) اس کو اللہ اور رسول ﷺ کی محبت تمام ماسوا سے زیادہ ہو (۲) اگر اس کو محبت کسی شخص سے ہو تو محض اللہ کے واسطے ہو (۳) اللہ نے جب اس کو کفر سے نجات دے دی ہو تو پھر دوبارہ کفر میں داخل ہونے کو وہ اتنا ہی ناگوار سمجھتا ہو جیسے آگ میں ڈالے جانے کو۔ رواہما الشیخان فی الصحیحین۔ اسی پر اجماع امت ہے۔

ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے اجرت طلبی کا حکم منسوخ کر دیا گیا ہو۔

اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کی تفسیر بروایت مجاہد حضرت ابن عباسؓ سے اس طرح منقول ہے کہ تم اللہ سے محبت کرو اور اطاعت کے ذریعہ سے اس کا قرب حاصل کرو۔ حسن کا بھی یہی قول ہے۔ حسن نے کہا ہے کہ قربیٰ سے قرب خدا مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اطاعت اور عمل صالح کے ذریعہ سے تم اللہ کے مقرب اور محبوب ہو جاؤ۔ بعض لوگوں نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ میں تم سے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ میرے قرابت داروں سے اور میری اولاد سے تم محبت کرو اور ان کے معاملہ میں میرا لحاظ کرو۔ یہ قول سعید بن جبیر اور عمرو بن شعیب کا ہے ابن ابی حاتم طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے قرابت داروں سے کون لوگ مراد ہیں۔ فرمایا علیؓ اور فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے۔

فرقۂ شیعہ نے اس حدیث کی روشنی میں اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ تینوں سابق خلفاء کی خلافت صحیح نہ تھی۔ خلیفہ صرف حضرت علیؓ تھے کیونکہ اللہ نے اس آیت میں اور اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی مذکورہ تشریح میں حضرت علیؓ کی محبت فرض قرار دی ہے اور علیؓ کے سوا دوسروں کی محبت واجب نہیں ہے اور محبت کا لازمی تقاضا ہے کہ محبوب کی اطاعت واجب ہو۔ اس لئے حضرت علیؓ کے سوا کسی کی خلافت صحیح نہیں ہوئی۔ فرقہ شیعہ کا استدلال بوجوہ ذیل غلط ہے۔

(۱) حدیث مذکور کی سند میں ایک راوی حسین اشعری ہے جو سخت شیعی ہے۔ اس لئے یہ حدیث ہی صحیح نہیں ہے پھر

آیت مکی ہے اور مکہ میں حضرت سیدہ کا کوئی لڑکا ہوا ہی نہ تھا۔
(۲) یہ تسلیم ہے کہ حضرت علیؓ حضرت فاطمہ اور دونوں صاحبزادوں کی محبت واجب ہے لیکن اس سے یہ تو لازم نہیں آتا ہے کہ دوسروں کی محبت واجب نہ ہو۔ دیکھو ابن عدی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو بکر و عمر سے محبت رکھنی ایمان ہے اور ان دونوں سے بغض رکھنا کفر ہے۔ یہ بھی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ابو بکر و عمر کی محبت ایمان کی علامت ہے اور ان سے بغض کفر ہے۔ اور انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے اور ان سے بغض کفر ہے۔ اور عرب کی محبت ایمان کی علامت ہے اور ان سے دشمنی کفر ہے اور جس نے میرے صحابہ کو گالی دی اس پر اللہ کی لعنت۔ اور جو ان کے معاملہ میں میرا لحاظ رکھے گا میں قیامت کے دن اس کا لحاظ رکھوں گا۔ رواہ ابن عساکر عن جابرؓ۔
رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا انصار سے محبت ایمان کی نشانی اور انصار سے عداوت نفاق کی علامت ہے۔ رواہ النسائی عن انس۔ یہ بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قریش سے محبت کرنی ایمان ہے اور ان سے دشمنی کرنا کفر ہے۔ عرب کی محبت ایمان ہے اور ان سے عداوت کفر ہے۔ جس نے عرب سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے عرب سے عداوت کی اس نے مجھ سے عداوت کی۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط عن انس۔
پھر فرقۂ شیعہ کا یہ قول کہ جس کی محبت واجب ہے وہی امام خلیفہ ہو گا اور اس کی اطاعت واجب ہو گی۔ غلط ہے۔
بعض علماء کے نزدیک القربیٰ سے مراد ہیں رسول اللہ ﷺ کے وہ قرابتدار جن کے لئے زکوٰۃ لینی ناجائز تھی یعنی بنی ہاشم اور بنی مطلب۔ بنی مطلب بنی ہاشم سے جاہلیت کے دور میں بھی الگ نہ تھے اور اسلام کے بعد بھی علیحدہ نہیں ہوئے۔
بعض نے کہا حضرت علیؓ، حضرت عقیلؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت عباسؓ کی نسل مراد ہے۔ انہیں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا میں تمہارے اندر دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جاؤں گا اول اللہ کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور نور ہے اس کو لو اور مضبوطی سے پکڑے رہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ سے مسلمانوں کو کتاب اللہ کے موافق عمل کرنے پر برانگیختہ کیا اور ترغیب دی پھر فرمایا دوئم میرے اہل بیت ہیں اپنے اہل بیت کے معاملہ میں تم کو خدا کی یاد دلاتا ہوں میں اپنے اہل بیت کے معاملہ میں تم کو خدا کی یاد دہانی کرتا ہوں۔
بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت زید بن ارقم سے دریافت کیا گیا رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کون تھے فرمایا علیؓ اور عقیلؓ اور عباسؓ کی اولاد۔
ایک شبہ: تبلیغ دین رسول اللہ ﷺ پر فرض تھی اور ادائے فرض کی اجرت طلب کرنی جائز نہیں بلکہ نفل عبادت کی اجرت کی طلب بھی کسی طرح درست نہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ کا اپنی اور اپنے قرابتداروں کی محبت کو تبلیغ رسالت کا اجر قرار دینا اور اس کا حکم دینا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ آیت مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ کی تفسیر میں ہم نے اس کی تشریح کر دی ہے اور رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل کر دیا ہے کہ جو آخرت کا عمل دنیا کے لئے کرے گا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو گا۔
ازالہ: مودت کو تبلیغ کا اجر قرار دینا حقیقی نہیں مجازی ہے۔ اجرت جیسی شکل ہونے کی وجہ سے مودت کو اجر کہا گیا کیونکہ حقیقی اجرت تو وہ ہوتی ہے جو اجرت کے طلب گار کے لئے مفید ہو اور وہ خود اس سے فائدہ اندوز ہو سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو اپنی اور اپنے اقرباء کی مؤدت طلب کی اور اللہ نے آپ ﷺ کو مؤدت طلب کرنے کا حکم دیا وہ صرف مؤدت کرنے والوں کے لئے فائدہ رساں ہے رسول اللہ ﷺ کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھنے کا محبت کرنے والے کو فائدہ پہنچتا ہے وہ اللہ کا محبوب مقرب اور دوست ہو جاتا ہے اور اس محبت سے اس کو کمال ایمان کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے میرے نزدیک آیت مذکورہ میں مؤدت فی القربیٰ کی یہی تفسیر زیادہ صحیح ہے کہ میں تم سے بس یہ چاہتا ہوں کہ میرے اقرباء میرے اہل بیت اور میری اولاد سے محبت کرو۔ رسول اللہ ﷺ تو آخری نبی تھے آپ کے بعد اور کوئی نبی ہونے والا نہ تھا

آپ کے بعد فرض تبلیغ کو ادا کرنے والے علماء امت ہی ہیں۔ علماء ظاہر ہوں یا علماء باطن (یعنی فقہاء اور محدثین ہوں یا ائمہ تصوف) اللہ نے اپنے نبی کو اسی لئے حکم دیا ہے کہ آپ امت کو اپنے اہل بیت سے محبت رکھنے کی تبلیغ کریں کیونکہ امام المسلمین حضرت علیؓ اور ائمہ اہل بیت جو آپ کی نسل میں سے ہوئے کمالات ولایت کے قطب تھے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا میں علم کا شہر ہوں اور علی اس شہر میں داخل ہونے کا دروازہ ہیں۔ رواہ البزار والطبرانی عن جابر۔ اس روایت کی تائید کی شواہد وہ حدیثیں بھی ہیں جن کے راوی حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ ہیں۔ حاکم نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ یہی باعث ہے کہ اکثر مشائخ کے سلسلے ائمہ اہل بیت تک پہنچ کر ختم ہو جاتے ہیں۔ سادات عظام میں بہت کثرت سے اولیاء ہوئے ہیں جیسے غوث الثقلین محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی حسنی حسینی اور شیخ بہاء الدین نقشبند اور سید مودود چشتی اور سید معین الدین چشتی اور سید ابوالحسن شاذلی وغیرہ۔ یہی مراد ہے حدیث مبارک انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی کی۔ اکثر علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ الا المودۃ فی القربی میں استثناء منقطع ہے (اور الا کا معنی ہے لکن) اور اجر اپنے حقیقی معنی پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں تم سے کسی معاوضہ کا بالکل طلب گار نہیں لیکن میری قرابت جو تم سے ہے اس کی یاد دہانی کرتا ہوں اور مودت قرابت چاہتا ہوں۔ حضرت زید بن ارقم کی روایت کردہ حدیث اذکرکم اللہ فی اہل بیتی میں اسی مطلب کا اظہار کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جو اپنی اور اپنے اہل بیت کی محبت رکھنے کا حکم امت کو دیا تاکہ امت کو فائدہ پہنچے اس کی تائید آئندہ آیت سے ہو رہی ہے فرمایا ہے۔

وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝ اور جو شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس میں اور خوبی بڑھا دیں گے۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا قدر دان ہے۔

حسنۃ سے مراد ہے رسول اللہ ﷺ اور آپ کی آل اور نائبوں کی محبت ورنہ سابق عبارت اور اس جملہ میں کوئی ربط نہ ہوگا البتہ لفظ حسنہ عام ہے ہر نیکی کو شامل ہے۔ اللہ حسنۃ میں اور خوبی بڑھا دیتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آل رسول یعنی مشائخ طریقت کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت بڑھ جاتی ہے اور محبت رسول کی ترقی سے محبت خدا میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اسی لئے مشائخ صوفیہ کہتے ہیں کہ صوفی کو پہلے فنافی الشیخ کا درجہ حاصل ہوتا ہے پھر فنافی الرسول کا اور آخر میں فنافی اللہ کا۔ فنا سے مراد ہے ایسی شدت محبت کہ محبوب کی یاد کے وقت نہ اپنا پتہ رہے نہ کسی دوسرے کا سواء محبوب کے ہر نشان مٹ جائے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت ابوبکرؓ کے حق میں ہوا بخاری نے صحیح میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اہل بیت رسول کے معاملہ میں محمد ﷺ کا لحاظ کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ یعنی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اولیاء سے جو شخص محبت رکھتا ہے اللہ اس کے گناہ معاف کرنے والا ہے۔ شاید یہی مطلب ہے آیت لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ ماتاخر سے مراد اس جگہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنے والوں اور آپ کے دوستوں کے گناہ ہیں۔

شکور یعنی اطاعت و محبت کرنے والوں کی اطاعت و محبت کا قدر دان ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے یعنی محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ پر دروغ بافی کی ہے۔ یعنی کفار مکہ معاوضۂ رسالت تو ادا نہیں کرتے بلکہ یوں کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے خدا پر بہتان تراشی کی ہے کہ نبوت کا مدعی بن بیٹھا ہے یا قرآن کو اللہ کی کتاب کہتا ہے۔

فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ سو خدا اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے۔ یعنی محمد جیسے شخص سے کذب تراشی اور بہتان بندی کا صدور بعید از عقل ہے۔ دروغ بندی کی جرات تو وہی کر سکتا ہے جس کے دل پر اللہ کی طرف

سے گمراہی کی مہر لگ چکی ہو اور اپنے رب کو پہچانتا نہ ہو لیکن جو صاحب بصیرت اور خدا شناس ہو وہ ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ گویا حاصل مفہوم یہ ہے کہ اگر اللہ آپ کو بے مدد چھوڑنا چاہتا تو آپ کے دل پر مہر لگا دیتا کہ آپ اللہ پر دروغ بندی کرنے لگتے۔
مجاہد نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا اگر اللہ چاہے گا تو آپ کے دل پر صبر کی مہر کر دے گا کہ پھر آپ کے لئے کافروں کی طرف سے اذیت رسانی شاق نہیں رہے گی اور کافر جو آپ کو تہمت تراش کہہ رہے ہیں اس سے آپ کو دکھ نہ ہو گا۔ قتادہ نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا۔ اگر اللہ چاہتا تو آپ کے دل پر چھاپ لگا دیتا کہ آپ کو قرآن فراموش ہو جاتا آپ ان کو بتا دیجئے کہ اگر میں اللہ پر کذب تراشی کرتا تو خدا میرے دل پر نسیان کی چھاپ لگا دیتا۔

وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۲۴

اور اللہ باطل کو مٹایا کرتا ہے اور حق کو اپنے احکام سے ثابت کیا کرتا ہے بلاشبہ وہ دلوں کی باتیں جاننے والا ہے۔ یہ جملہ استینافیہ ہے جو مدلل طریقہ سے نفی افترا کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر رسول افترا پرداز ہوتے تو ان کے افترا کو اللہ مٹا دیتا، کیونکہ اللہ کا دستور ہی یہی ہے کہ وہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو وحی کے یا فیصلے کے ذریعہ سے ثابت کرتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس نے وعدہ کر رکھا ہے کہ باطل کو مٹائے گا اور حق کو قرآن یا فیصلے کے ذریعہ سے ثابت کرے گا۔ اس کے فیصلہ کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ باطل کو مٹایا اور کافروں کے مقابلہ میں اپنے احکام بھیج کر اسلام کا بول بالا کر دیا۔
اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۔ بغوی نے اور طبرانی نے کمزور سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب آیت قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى نازل ہوئی تو کچھ لوگوں کے دلوں میں ایک شیطانی خیال یہ پیدا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بعد اپنے اقرباء کے اتباع پر ہم کو اس طرح سے آمادہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس وقت جبرئیلؑ آئے اور رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ کچھ لوگوں کے دلوں میں آپ کے متعلق اس طرح کے جھوٹے خیال پیدا ہوئے ہیں اور اللہ نے آیت انه علیم بذات الصدور نازل فرمائی جب حضور ﷺ نے یہ آیت لوگوں کو سنائی تو غلط خیال رکھنے والوں نے توبہ کی اور کہا یا رسول ﷺ اللہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور سچے ہیں اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۲۵

اور وہ ایسا رحیم ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور تمام گزشتہ گناہ معاف کر دیتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سب کو جانتا ہے۔
عن عبادہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یعنی اپنے اولیاء اور اطاعت گزار بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ عرب کہتے ہیں قبلت منه الشئی میں نے اس سے وہ چیز لے لی۔ اور قبلت عنه الشئی میں نے وہ چیز اس سے الگ کر دی۔
بعض علماء نے لکھا ہے کہ توبہ کے معنی ہیں دل سے معاصی کو ترک کرنے کا پکا ارادہ کرنا اور عملاً گناہ کو ترک کرنا۔ اور دل سے اطاعت کی پختہ نیت کرنا اور عملاً اطاعت کرنا۔ سہل بن عبد اللہ نے کہا توبہ سے مراد ہے برے احوال کو چھوڑ کر اچھے احوال کی طرف منتقل ہو جانا۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا گزشتہ گناہوں سے توبہ کرنے کے چھ معانی ہیں (۱) فرائض کے ضائع کر دینے پر پشیمانی (۲) فرائض کو دوبارہ ادا کرنا (۳) حقوق لوٹا کر دے دینا (۴) جس طرح نفس کو گناہوں میں گھلایا ہو اسی طرح نفس کو اطاعت میں پگھلانا (۵) جیسے پہلے نفس کو گناہوں کی لذت چکھائی ہو اسی طرح نفس کو اطاعت کی تلخی چکھانا (۶) جیسے پہلے ہنستا رہا تھا اسی طرح اب رونا۔
بغوی نے شرح السنۃ میں حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے۔ ندامت توبہ ہے اور گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے۔
فصل: حارث بن سوید کا بیان ہے میں حضرت عبد اللہؓ کی عیادت کرنے گیا۔ حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا اگر کوئی شخص ہلاکت آفریں صحرا میں ہو اور اس کی اونٹنی بھی اس کے ساتھ ہو جس پر اس شخص کے کھانے پینے کا سامان ہو پھر یہ شخص ایک

جگہ اتر کر سو جائے اور اونٹنی کسی طرف کو چلی جائے جب یہ شخص بیدار ہو تو اونٹنی موجود نہ ہو۔ یہ شخص اونٹنی کی تلاش میں دور دور گھومتا پھرے۔ یہاں تک کہ سخت پیاس لگنے لگے مگر پانی نہ ملے آخر وہ فیصلہ کرلے کہ اب مجھے اسی مقام پر جا کر مرجانا ہے جہاں اونٹنی تھی۔ یہ سوچ کر وہ واپس آجائے اور مرنے کے لئے آنکھیں بند کرلے کچھ دیر کے بعد جو آنکھیں کھلیں تو اس کو اپنے پاس ہی اونٹنی کھانے پانی سے لدی ہوئی مل جائے ایسے آدمی کو جتنی خوشی ہوتی ہے اللہ کو اپنے بندہ کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے رواہ البغوی۔

مسلم نے حضرت انس ابن مالکؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے اگر کوئی ویران بیابان میں ہو، اس کی اونٹنی بھی ساتھ ہو جس پر اس آدمی کا کھانا پانی لدا ہو، پھر اونٹنی گم ہو جائے (یعنی یہ شخص کہیں اتر کر سو جائے اور اونٹنی کسی طرف چلی جائے وہ ہر چند تلاش کرے مگر اونٹنی نہ ملے آخر ناامید ہو کر کسی درخت کے سایہ میں جا کر لیٹ رہے اور جب آنکھ کھلے تو اونٹنی کو اپنے پاس کھڑا پائے۔ اونٹنی کو دیکھتے ہی اس کی مہار پکڑلے اور شدت مسرت سے غلطی سے بول اٹھے اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں (یعنی مسرت سے اتنا مغلوب ہو جائے کہ اس کو ہوش ہی نہ رہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں) یہ شخص جتنا اونٹنی کے ملنے سے خوش ہوگا اللہ اپنے بندہ کی توبہ سے اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے۔

مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندہ جب گناہ کا اقرار کرتا ہے پھر توبہ کرلیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

یہ بھی مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مغرب کی جانب سے سورج برآمد ہونے سے پہلے جو توبہ کرے گا اللہ اس کی توبہ قبول فرمالے گا۔

ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گناہ سے توبہ کرلینے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے۔

وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ یعنی صغیرہ کبیرہ گناہ سب معاف کر دیتا ہے خواہ گناہ گار نے توبہ کی ہو یا نہ کی ہو اگر اللہ چاہتا ہے تو معاف فرما دیتا ہے۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک آدمی تھا جس نے کبھی کوئی اچھا کام نہیں کیا تھا۔ جب وہ مرنے لگا تو اس نے گھر والوں کو وصیت کردی کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا کر خاکستر کر دینا پھر آدھی خاک خشکی میں اور آدھی دریا میں اڑا دینا کیونکہ خدا کی قسم اگر اللہ نے مجھ پر قابو پالیا تو وہ عذاب دے گا کہ کسی آدمی کو ایسا عذاب نہیں دے گا۔ غرض جب وہ مر گیا تو گھر والوں نے وہی کیا جیسا اس نے کہا تھا۔ اس کے بعد اللہ نے سمندر کو حکم دیا سمندر نے وہ خاک جمع کردی جو اس کے اندر تھی اور خشکی نے بھی حسب الحکم جو رکھا اس میں تھی وہ سمیٹ کر یکجا کردی پھر اللہ نے اس سے فرمایا تو نے ایسا کیوں کیا تھا۔ اس شخص نے عرض کیا اے میرے رب تیرے خوف سے ایسا کیا تھا تو خوب واقف ہے اللہ نے اسکو بخش دیا۔

حضرت ابودرداءؓ کا بیان ہے رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے اور میں نے خود سنا آپ فرما رہے تھے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اس کے لئے دو جنتیں ہوں گی) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ خواہ اس نے زنا کی ہو خواہ اس نے چوری کی ہو، حضور ﷺ نے دوسری بار بھی یہی فرمایا وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ میں نے دوبارہ یہی عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ خواہ اس نے زنا کی ہو خواہ اس نے چوری کی ہو۔ حضور ﷺ نے پھر تیسری بار بھی وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ فرمایا۔ میں نے بھی تیسری بار یہی کہا یا رسول ﷺ خواہ اس نے زنا کی ہو خواہ اس نے چوری کی ہو فرمایا ابودرداءؓ ناک مٹی میں رگڑے تب بھی اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرنے والے کے لئے دو جنتیں ہوں گی۔ رواہ احمد۔

وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ اس میں خطاب مشرکوں کو ہے۔

وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ ۚ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿٢٦﴾

اور ان لوگوں کی عبادت یا دعا قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ ثواب دیتا ہے، اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے۔

وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ یعنی اللہ نیکوکار، ایمان داروں کی دعا قبول کرتا ہے۔ الذین سے پہلے لام محذوف ہے اصل میں للذین تھا جیسے آیت وَإِذَا كَالُوهُمْ میں محذوف ہے، اصل میں وَإِذَا كَالُوا لَهُمْ تھا۔

بروایت عطاء حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ یستجیب کا معنی ہے یثیب یعنی اللہ ثواب دیتا ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے استجابت کا معنی ہے اطاعت کا ثواب دینا کیونکہ اطاعت بھی دعا اور درخواست کی طرح ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارک ہے اعلیٰ ترین دعا الحمد للہ ہے۔ اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجۃ وابن حبان من حدیث جابر۔ روایت میں آیا ہے کہ ابراہیم بن ادہم سے کسی نے پوچھا کیا وجہ کہ ہم خدا سے دعا کرتے ہیں مگر ہماری دعا قبول نہیں ہوتی۔ ابراہیم نے جواب دیا، اس لئے قبول نہیں ہوتی کہ اللہ نے تم کو اطاعت کی دعوت دی اور تم نے اس کی دعوت قبول نہیں کی۔

وَيَزِيدُهُم یعنی ان کی دعا یا استحقاق سے زائد دیتا ہے۔ ابو صالح کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے۔ یعنی ان کے بھائیوں دوستوں کے لئے ان کی سفارش قبول فرمائے گا اور زیادہ دینے کا مطلب ہے کہ ان کے بھائیوں کے دوستوں کے حق میں بھی ان کی شفاعت قبول کرے گا۔

لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ یعنی مومنوں کو جتنا ثواب ملے گا کافروں کو اس کے مقابلہ میں اتنا ہی سخت عذاب ہوگا۔

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَٰكِن يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿٢٧﴾

اور اگر اللہ اپنے سب بندوں کے لئے روزی فراخ کر دیتا تو وہ دنیا میں شرارت کرنے لگتے۔ لیکن وہ اندازے کے مطابق جتنا رزق چاہتا ہے اتارتا ہے۔ بلاشبہ وہ اپنے بندوں کے مصالح کو جاننے والا دیکھنے والا ہے۔

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت خباب بن ارت نے فرمایا، یہ آیت ہمارے حق میں اتری تھی ہم نے دیکھا کہ بنی قریظہ، بنی نضیر اور بنی قینقاع بڑے کشادہ حال ہیں، ان کو دیکھ کر ہمارے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لَبَغَوْا یعنی دولت کے غرور میں آجاتے اور ملک میں تباہی مچاتے یا یہ مطلب ہے کہ ایک دوسرے سے اونچا ہوتا اور اس پر غالب آنے کی کوشش کرتا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا بغی کا یہ معنی ہے کہ ایک مکان کے بعد دوسرے مکان کی، اور ایک سواری کے ملنے کے بعد دوسری سواری کی، اور ایک لباس کے بعد دوسرے لباس کے طلب گار ہوتے ہیں۔ بغی کا اصل معنی یہ ہے کہ جو چیزیں مقدار اور کیفیت کے لحاظ سے کم و بیش ہو سکتی ہوں ان کی طلب میں نقطۂ اعتدال سے تجاوز نہ کرنا۔

وَلَٰكِن يُنَزِّلُ لیکن وہ رزق نازل فرماتا ہے۔

بِقَدَرٍ اندازہ کے ساتھ یعنی جیسا اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے۔

بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ یعنی اللہ اپنے بندوں کے پوشیدہ احوال اور نتائج کو جانتا ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا اس آیت کا نزول اصحاب صفہ کے حق میں ہوا تھا۔ اصحاب صفہ وہ غریب لوگ جو علم دین حاصل کرنے کے لئے مدینہ میں مسجد نبوی سے باہر ایک چبوترہ پر اقامت گزیں تھے کے دلوں میں مالدار ہونے کی تمنا پیدا ہوئی تھی اور

انھوں نے کہا تھا کاش ہمارے پاس بھی مال ہوتا۔ اخرجہ الحاکم وصححہ۔ طبرانی نے حضرت عمرو بن حریث کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔

بغوی نے حضرت انسؓ بن مالک کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بحوالہ جبرئیل باری تعالیٰ کا یہ قول بیان فرمایا کہ جو میرے کسی ولی کی توہین کرتا ہے وہ مجھ سے جنگ کرنے کے لئے میرا مقابلہ کرتا ہے۔ میں اپنے اولیاء کی حمایت کے لئے ایسا غضب ناک ہوں جیسا غضب ناک شیر غضب میں آجاتا ہے۔ میرا مومن بندہ میرا مقرب اور کسی طریقہ سے اتنا نہیں ہوتا جتنا میرا مقرر کردہ فریضہ ادا کرنے سے ہوتا ہے اور نوافل کے ذریعہ سے میرا مومن بندہ برابر میرا مقرب ہوتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو پھر میں اس کے کان اور آنکھیں اور ہاتھ ہوجاتا ہوں اور اس کا مددگار بن جاتا ہوں اگر وہ مجھ سے دعا کرتا ہوں تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں اور مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کو دیتا ہوں جس کام کو میں کرنے والا ہوتا ہوں اس کے کرنے میں مجھے ایسا تردد نہیں ہوتا جتنا اپنے مومن بندہ کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے اگر وہ مرنے کو ناگوار جانتا ہو تو مجھے اس کو دکھ دینا پسند نہیں ہوتا مگر مرنے کے بغیر اس کے لئے کوئی چارہ نہیں ہوتا اس لئے قبض روح کی تکلیف اس کو دیتا ہوں میرے کچھ مومن بندے ایسے ہیں جو مجھ سے باب عبادت کھولنے کی درخواست کرتے ہیں لیکن میں ان کو اس سے روک دیتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے اندر غرور پیدا ہوجائے اور اس سے ان کی حالت بگڑ جائے۔ میرے کچھ مومن بندے ایسے ہیں جن کے ایمان کو صرف مال ہی درست رکھ سکتا ہے اگر میں ان کو محتاج بنادوں تو ان کا ایمان بگڑ جائے اور کچھ مومن بندے ایسے ہیں کہ افلاس ہی ان کے ایمان کو درست رکھ سکتا ہے اگر میں ان کو غنی کردوں تو مال ان کے ایمان کو خراب کردے۔ میرے کچھ مومن بندے ایسے ہیں کہ ان کے ایمان کو صرف جسمانی تندرستی ہی صحیح رکھ سکتی ہے اگر میں ان کو بیمار کردوں تو بیماری ان کے ایمان کو بگاڑ دے اور کچھ مومن بندے ایسے ہیں کہ بیماری ہی ان کے ایمان کو صحیح رکھ سکتی ہے اگر میں ان کو تندرست کردوں تو صحت ان کے ایمان کو خراب کردے میں اپنے بندوں کے کاموں کا اپنے علم کے مطابق انتظام کرتا ہوں مجھے ان کے دلوں کی حالت معلوم ہے میں بخوبی جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہوں۔

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ ۚ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۲۸﴾

اور وہ ایسا ہے جو لوگوں کے ناامید ہوجانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور وہی سب کا کارساز مستحق ستائش ہے۔

الغیث　مفید بارش۔ جو کال کے وقت مخلوق کی فریاد رسی کرتی ہے۔

رحمتہ رحمت سے مراد یا مینہ ہے یا وہ خدا اور زق جو میدانوں میں اور پہاڑوں پر پیدا ہوتا ہے یعنی نباتات اور جانور۔

الولی کارساز بندوں پر احسان کرنے والا ذمہ دار۔

الحمید　مستحق ستائش جس کی ذات فی نفسہ بھی مستحق حمد ہے اور چونکہ وہ محسن ہے اس لئے بھی مستحق ستائش ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِنْ دَابَّةٍ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ﴿۲۹﴾

اور من جملہ اس کی نشانیوں کے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان جانداروں کا پیدا کرنا ہے جن کو اس نے آسمان وزمین میں پھیلا رکھا ہے اور وہ جب چاہے ان کو جمع کرنے پر قادر ہے۔

ومن ایاتہ　اور اللہ کے وجود وحدانیت قدرت اور صفات کاملہ کی نشانیوں میں سے آسمان وزمین کو پیدا کرنا بھی ہے آسمان وزمین کی ذات کیفیات اور حالات اللہ کے وجود پر اور خالق وصانع اور قادر ودانا ہونے پر دلالت کررہی ہیں۔

من دابۃ　سے مراد ہے جاندار (دابۃ کا لغوی معنی ہے رینگنے والا اور زندگی ہی رینگنے کا سبب ہے) پس مسبب بول کر سبب مراد لیا گیا ہے۔ اس ترجمہ پر لفظ دابہ تمام جانداروں کو شامل ہوگا ملائکہ ہو یا جن وانس یا جانور یا دابۃ سے مراد ہیں زمین پر چلنے والے جانور اس صورت میں فیھما کی ضمیر تثنیہ اگرچہ آسمان وزمین کی طرف راجع ہے لیکن مراد زمین ہے کیونکہ زمین

میں جو چیز موجود ہو گی وہ زمین و آسمان کے مجموعہ میں ضرور موجود ہو گی۔

وھو علی جمعھم الخ اور وہ جب چاہے ان کو جمع کرنے کی قدرت رکھتا ہے پس قیامت کے دن جمع کرے گا۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ اور اے گناہ گارو تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے پہنچتی ہے اور بہت سے قصوروں سے تو اللہ درگزر ہی فرماتا ہے۔

فبما کسبت ایدیکم یعنی تمہارے گناہوں کی وجہ سے۔

ما اصابکم میں ماشرطیہ ہے یا موصولہ ہے جس کے اندر شرط کا معنی ہے۔

ویعفوا عن کثیر اس جملہ کا عطف سابق جملہ اسمیہ پر ہے یا جملہ معترضہ ہے۔

حسن نے کہا ہے یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کسی لکڑی کی چبھن اور کسی قدم کی لغزش اور کسی رگ کی پھڑک بغیر گناہ کے نہیں ہوتی اور بہت سے گناہ تو وہ ہوتے ہیں جن سے اللہ درگزر فرماتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کی بیماری اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ رواہ الحاکم فی المستدرک والبیہقی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کیا میں تم کو کتاب اللہ کی بہت بڑھیا آیت بتاؤں جو رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان فرمائی تھی وہ آیت ہے وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ میں اس کی تفسیر بیان کرتا ہوں۔ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ یعنی کوئی بیماری یا عذاب یا کوئی دنیوی بلاء۔ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ دنیا میں پاداش عمل کے بعد اللہ آخرت میں دوہری سزا نہیں دے گا اس کی شان اس سے برتر ہے۔ اور جس جرم سے دنیا میں درگزر فرمادی تو معافی کے بعد پھر لوٹ کر اس کی آخرت میں سزا نہیں دے گا وہ احکم الحاکمین ہے۔ رواہ احمد وغیرہ۔

بیضاوی نے لکھا ہے آیت میں خطاب مجرموں کو ہے اور مجرموں ہی کے لئے آیت کا حکم خاص ہے کیونکہ جو گناہ گار نہ ہوں ان پر مصیبت دوسری وجوہ سے آتی ہے مثلاً یہ مقصد ہوتا ہے کہ مومن صبر کرے تاکہ اجر عظیم کا مستحق ہو جائے۔

بغوی نے عکرمہ کا قول نقل کیا ہے بندہ کے جوڑ اسی کھرونچ لگ جاتی ہے وہ یا تو اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اللہ اس کے بغیر اس کا گناہ معاف کرنے والا نہیں ہوتا یا کسی مرتبہ پر پہنچانے کے لئے ہوتی ہے کہ بغیر اس دکھ کے اللہ اس مرتبہ پر اس کو پہنچانے والا نہیں ہوتا یعنی یا اس سے کوئی گناہ معاف کیا جاتا ہے یا ترقی درجہ حاصل ہوتی ہے۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

اور تم زمین میں پناہ لے کر اس کو ہرا نہیں سکتے اور خدا کے سوا تمہارا حامی و مددگار نہیں۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ یعنی جن مصائب کا فیصلہ تمہارے لئے کر دیا گیا اس سے تم چھوٹ نہیں سکتے بچ نہیں سکتے اللہ کے مقابلے میں تمہارا کوئی حامی نہیں جو تم کو بچا سکے نہ کوئی مددگار ہے کہ مصائب کو دفع کر سکے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ۝

اور من جملہ اس کی نشانیوں کے وہ جہاز ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح دکھائی دیتے ہیں اگر اللہ چاہے تو ہوا کو روک دے اور نتیجہ یہ نکلے کہ جہاز سمندر کی سطح پر کھڑے رہ جائیں بلاشبہ اس میں ہر صابر شاکر مومن کے لئے قدرت خداوندی کی بڑی نشانیاں ہیں یا اگر خدا چاہے تو جہازوں کو ان کے (بد) اعمال کی وجہ سے تباہ کر دے اور ان میں بہت سے آدمیوں سے درگزر کر جائے۔

الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ جہاز جو سمندر میں چلتے ہیں۔ كَالْأَعْلَامِ ایسے جہاز جو پہاڑوں کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ رواکد کے ہوئے۔ علی ظهره سمندر کی پشت پر یعنی سطح پر) صَبَّارٍ شکور یعنی مومن کے لئے۔ مصیبت اور سختی پر صبر اور راحت و آسائش کے وقت شکر مومن کا شیوہ ہے اس لئے صبار شکور سے مومن مراد ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایمان کے دو حصے ہیں آدھا صبر میں ہے اور آدھا شکر میں ہے رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن انس۔

او یوبقهن یا جہازوں کو تباہ کر دے۔ اس جملہ کا عطف فَيَظْلَلْنَ پر ہے یا اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ پر۔ یعنی ہوا کو روک دے اور روکے رہے کہ جہازوں کے مسافر ہلاک ہو جائیں جہاز ڈوب جائیں بعض نے کہا يُسْكِنِ الرِّيْحَ پر عطف ہے یعنی اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک دے اور جہاز کھڑے کے کھڑے رہ جائیں یا طوفان پیدا کر دے اور جہازوں کو ڈبو دے۔

وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ یہ جملہ معترضہ ہے یعنی بہت آدمیوں سے درگزر کرے اور ان کو بچالے۔ یا یہ جملہ معطوفہ ہے سابق کلام پر اس کا عطف ہے یعنی اگر اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک دے کہ جہاز کھڑے رہ جائیں یا طوفان بھیج دے کہ جہاز تباہ ہو جائیں اور آدمی ڈوب جائیں یا موافق ہوائیں چلاتا رہے اور کثیر لوگوں سے درگزر فرمائے۔

وَيَعْلَمَ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا مَا لَهُمْ مِنْ مَحِيصٍ ﴿۳۵﴾ اور اس تباہی کے وقت ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں معلوم ہو جائے کہ اب ان کے لئے کہیں بچاؤ نہیں یعنی اگر خدا چاہے تو ہواؤں کو روک دیں تاکہ جہاز کے مسافروں سے انتقام لے لے اور جو لوگ آیات خداوندی کی تکذیب کرتے اور ان کو باطل قرار دیتے ہیں ان کو معلوم ہو جائے کہ اب عذاب سے رہائی ممکن نہیں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جو لوگ قرآن کی تکذیب کرتے اور آیات خداوندی سے سبق اندوز نہیں ہوتے قیامت کے دن جب اللہ کے سامنے جائیں تو ان کو معلوم ہو جائے کہ عذاب سے بھاگنے کا اب کوئی راستہ نہیں۔

فَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۳۶﴾ سو جو کچھ تم کو دیا دلایا گیا ہے وہ محض چند روزہ دنیوی زندگی کا سامان ہے اور آخرت میں جو ثواب اللہ کے پاس ہے وہ بدرجہا بہتر اور زیادہ پائیدار ہے اور یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

فما اوتیتم یعنی دنیا میں جو کچھ تم کو دیا گیا ہے۔

فمتاع الحیوة سو وہ دنیوی زندگی میں برتنے کا سامان ہے اس زندگی میں اس سے فائدہ اندوز ہو سکتے ہو لیکن دنیوی زندگی فناپذیر ہے یہ سامان آخرت کے لئے توشہ نہیں ہے اس لئے بقدر ضرورت اس میں سے لے لو جو چیز آخرت سے غافل بنائے اس کو چھوڑ دو۔

وما عند اللہ یعنی آخرت میں جو ثواب اللہ کے پاس ہے۔

خیر بہتر ہے مقدار کیفیت فائدہ ہر لحاظ سے بہتر ہے وہ سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے۔

لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنا سارا مال خیرات کر دیا کچھ لوگوں نے اس فعل پر آپ کو ملامت کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

آیت میں اس بات کا بیان ہے کہ ہر انسان کے لئے مومن ہو یا کافر دنیا متاع حیوۃ ہے دونوں اس سے فائدہ اندوز ہوتے ہیں لیکن آخرت میں جو ثواب اللہ کے پاس ہے وہ مومنوں کے لئے بہمہ جہات بہتر ہے۔

وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اور جو کبیرہ گناہوں سے اور ان میں سے خصوصاً بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ کا عطف اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ پر ہے یعنی ثواب آخرت ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو کبیرہ گناہوں سے پرہیز رکھتے ہیں۔ فواحش بھی کبیرہ گناہ ہی ہوتے ہیں۔ سدی نے کہا اس سے مراد زناء ہے مقاتل نے کہا کبائر وہ گناہ ہیں جن کی شرعاً جسمانی سزا مقرر ہے۔ سورۂ نساء میں ہم نے کبائر کی تفصیل بیان کر دی ہے۔

وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠

اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز کی پابندی کی اور ان کا ہر کام جس میں کوئی خاص نص نہ ہو آپس کے مشورے سے ہوتا ہے۔

وَاِذَا مَا غَضِبُوْا اس کا عطف بھی يَجْتَنِبُوْنَ پر ہے اور ہم یغفرون میں لفظ ہم سے یہ جتاتا ہے کہ وہ ہی غصہ کے وقت بھی معاف کر دینے کے اہل ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا اور انہوں نے اپنے رب کی دعوت کو قبول کیا یعنی رب کے حکم پر چلے۔

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى شوریٰ مصدر ہے جیسے فتیا۔ شوریٰ کا معنی ہے باہم مشورہ کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ان کی اپنی رائے ہوتی ہے اس پر عمل کرنے میں جلدی نہیں کرتے بلکہ دوسرے سے مشورہ کرتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جب کوئی مومن دوسرے مومن سے کسی معاملہ میں مشورہ کرتا ہے تو وہ وہی مشورہ دیتا ہے جس سے مشورہ لینے والے کو دونوں جہان میں بہبودی حاصل ہو اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور برے کام سے روکتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار (یعنی خیر خواہ ہو خیانت کار یعنی بد خواہ نہ ہو) رواہ مسلم عن ابی ہریرہؓ والترمذی عن ام سلمۃؓ وابن ماجۃ عن ابن مسعودؓ۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت علیؓ کی روایت نقل کی ہے کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہو وہی مشورہ دے جو اپنے لئے اختیار کرنے والا ہو یعنی جو بات اپنے لئے پسند کرتا ہو ویسا ہی مشورہ وہ مشورہ طلب کرنے والے کو دے مطلب یہ کہ خیر خواہ ہو ایسا نہ ہو کہ اپنے لئے تو ایک بات پسند کرتا ہو اور دوسروں کو اس کے خلاف مشورہ دے۔

طبرانی نے الکبیر میں حضرت سمرہ بن جندب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے اس کو امانت دار ہونا چاہئے خواہ مشورے دے یا نہ دے۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا ہے اس میں سے کچھ راہ خیر میں خرچ کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اور جو ایسے ہیں کہ جب ان پر ظلم کسی کی طرف سے واقع ہو جاتا ہے تو برابر کا بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے لیکن جو شخص معاف کر دے اور صلح کر لے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے بلاشبہ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ الظلم ظلم زیادتی۔ يَنْتَصِرُوْنَ یعنی برابر برابر انتقام لیتے ہیں زیادتی نہیں کرتے۔

ابن زید نے کہا اللہ نے مومنوں کی دو قسمیں قائم کی ہیں ایک وہ جو ظالموں سے ان کے ظلم کے برابر بدلہ لیتے ہیں دوسری قسم ان مومنوں کی ہے جو ظالموں کے ظلم کو معاف کر دیتے ہیں آیت میں اول الذکر صنف کا بیان ہے۔

اس آیت کی تشریح میں ابراہیم نے کہا یہ لوگ ذلت کو پسند نہیں کرتے ذلیل ہونے سے ان کو نفرت ہے لیکن اگر ان کو قدرت حاصل ہو جائے اور قابو پالیں تو در گزر کرتے ہیں اور معاف کر دیتے ہیں۔ عطاء نے کہا ان سے وہ مومن مراد ہیں جن کو مکہ سے ظلم و زیادتی کر کے نکالا گیا یعنی بے قصور ان کو وطن سے نکالا دیا گیا ان کا قصور اگر تھا تو بس یہ تھا کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے پھر اللہ نے ان کو ملک پر اقتدار عطا فرمایا یہاں تک کہ ظالموں سے انہوں نے انتقام لے لیا۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے ان مومنوں کے تمام اصول فضائل کا اس جگہ ذکر فرمایا ہے ذلت کو ناپسند کرنا اور انتقام لینا

لیکن اللہ نے مغفرت و عفو کی صفت سے بھی ان کو موصوف قرار دیا اس سے بیان میں تضاد و اختلاف پیدا نہیں ہوتا کیونکہ عفو کرنا تو بتارہا ہے کہ جب ان کو قابو حاصل ہو جاتا ہے اور ظالم ان کے مقابلہ سے عاجز ہو جاتا ہے تو وہ معاف کر دیتے ہیں اور انتقام کا لفظ بتارہا ہے کہ دشمن ان سے مقابلہ کرتا ہے اور یہ اپنے دشمن سے مقابلہ کر کے انتقام لیتے ہیں عاجز سے درگذر کرنا قابل ستائش فعل ہے اور مقابلہ کرنے والے سے درگزر کرنا مذموم ہے اس سے تو اس کی جرات میں اضافہ ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں اگر ظالم اللہ کی بھی حق تلفی کرتا ہے اور جمہور اہل اسلام کی بھی تو اس صورت میں افضل بلکہ واجب ہے کہ اس سے بدلہ لیا جائے اور فتنہ کا دروازہ بند کر دیا جائے اور کسی خاص شخص پر ظالم ظلم کرتا ہے تو بقدر ظلم بغیر زیادتی کے انتقام لینا جائز ہے لیکن معاف کر دینا اور صلح کر لینا بہتر ہے برائی کو بھلائی کر کے دفع کرنا افضل ہے۔ [1]

جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا برائی کے بدلے کو برائی کہنا محض ظاہری مشابہت کی وجہ سے ہے یا اس وجہ سے سیئہ کہا جاتا ہے کہ انتقام سے ظالم کو ناگواری ہوتی ہے اور برائی محسوس ہوتی ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ عفو سے انتقام برا ہے۔

مقاتل نے کہا جزاء سیئہ سے مراد ہے قتل اور زخمی کرنے کا بدلہ۔ مجاہد اور سدی نے کہا برے الفاظ کا بدلہ مراد ہے مثلاً کسی نے کہا اخزاک اللہ اللہ تجھے رسوا کرے اس کے جواب میں دوسرا شخص بھی یہی لفظ کہہ دے یا کسی نے گالی دی تو اس نے جواب میں ویسی ہی گالی بغیر زیادتی کے دے دے۔ [2]

سفیان بن عیینہ کا بیان ہے کہ میں نے سفیان ثوری سے کہا آیت وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا کا کیا یہ مطلب ہے کہ اگر کوئی تم کو گالی دے تو تم بھی اس کو گالی دو یا جو عمل کوئی تمہارے ساتھ کرے تم بھی ویسا ہی عمل اس کے ساتھ کرو ثوری نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا میں نے ہشام بن حجیرہ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو انہوں نے کہا مراد یہ ہے کہ اگر زخمی کرنے والا زخمی کر دے تو اس سے بدلہ لیا جائے یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر وہ تم کو گالی دے تو تم بھی اس کو گالی دو ہشام کے اس قول کے تائید

---

[1] ابن عون نے کہا میں دریافت کرتا تھا کہ آیت وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّن سَبِيلٍ میں انتصار سے کیا مراد ہے۔ تو مجھ سے علی بن زید بن ضرعان نے اپنی سوتیلی ماں ام محمد کے حوالہ سے بیان کیا (ام محمد حضرت عائشہ کی خدمت میں جایا کرتی تھی) ام محمد نے کہا مجھ سے ام المومنین حضرت عائشہ نے فرمایا ایک دن زینب بنت جحش میرے پاس بیٹھی ہوئی تھیں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور ہاتھ سے کچھ کرنے لگے میں نے اپنے ہاتھ سے کچھ اشارہ کر کے زینب کی موجودگی سے آگاہ کر دیا آپ نے ہاتھ روک لیا۔ زینب عائشہ کو سخت سست کہنے لگیں رسول اللہ ﷺ نے ان کو روکا مگر وہ نہ مانیں رسول اللہ ﷺ نے عائشہ سے کہا تم بھی ان کو برا کہو عائشہ نے زینب کو سخت سست کہا زینب حضرت علی کے پاس گئیں اور ان سے کہا عائشہ نے تم لوگوں کو یہ کہا اور یہ کیا یہ بات سن کر حضرت فاطمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور عائشہ کی کچھ شکایت کی رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا رب کعبہ کی قسم عائشہ تیرے باپ کی چہیتی ہے حضرت سیدہ یہ بات سن کر لوٹ گئیں اور جا کر کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ یہ باتیں کہیں اور آپ نے مجھ سے یہ یہ فرمایا اس کے بعد حضرت علی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور اس معاملہ میں کچھ گفتگو کی۔ اخرجہ ابوداؤد۔

[2] حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے ایک شخص نے آپ کے سامنے حضرت ابوبکرؓ کو گالی دی رسول اللہ ﷺ اپنے میں آگئے اور مسکرانے لگے جب اس شخص نے حضرت ابوبکرؓ کو زیادہ برا کہا تو حضرت ابوبکرؓ نے بھی اس کو بعض باتیں لوٹا دیں یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کو غصہ آگیا اور آپ اٹھ کھڑے ہوئے پیچھے سے حضرت ابوبکرؓ بھی جا پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جب تک وہ مجھے گالیاں دیتا رہا تو آپ بیٹھے رہے جب میں نے اس کی بعض گالیاں لوٹا دیں تو آپ ناراض ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اس کی کیا وجہ ہے حضور ﷺ نے فرمایا تمہارے ساتھ یعنی تمہاری حمایت کے لئے ایک فرشتہ تھا وہ تمہاری طرف سے جواب دے رہا تھا جب تم نے اس کی بعض باتیں لوٹا دیں یعنی جو اس نے تم کو کہا وہی تم نے اس کو کہا تو شیطان آپڑا اور میں شیطان کے پاس بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ پھر فرمایا ابوبکر تین باتیں ہیں اور تینوں سچی ہیں (۱) اگر کسی بندہ پر کوئی کسی طرح کا ظلم کرے اور وہ اللہ کے واسطے اس کو معاف کر دے تو اللہ اس کو عزت فرماتا ہے اور اپنی نصرت عطا کرتا ہے (۲) اور جو شخص خیرات کا دروازہ کھول دے اور اس کا مقصد ہو امداد تو اللہ اس کے مال میں ترقی دیتا ہے (۳) اور جو شخص سوال کا دروازہ اس غرض سے کھولے کہ مانگ مانگ کر مال کو بڑھائے تو اللہ اس کی وجہ سے مال میں کمی کر دیتا ہے۔ رواہ احمد۔

رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ دو شخص جو باہم گالی گلوچ کرتے ہیں دو شیطان ہیں جو بے ہودہ جھوٹی بکواس کرتے اور جھوٹ کہتے ہیں۔ رواہ احمد والبخاری بسند صحیح عن عیاض بن حمار۔

یہ بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بکثرت لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ گزشتہ امتوں پر شہادت دینے والے ہوں گے نہ کسی کی سفارش کرنے والے یعنی نہ ان کی شہادت قابل ہوگی نہ شفاعت رواہ مسلم وابوداؤد عن ابی الدرداء۔

رسول اللہ ﷺ نے دو باہم گالی گلوچ کرنے والوں کے متعلق جو فرمایا اس سے دونوں کی برائی برابر ظاہر کرنا مقصود نہیں ہے دونوں میں جو ابتدا کرنے والا ہے وہ بڑا مجرم ہے البتہ مظلوم اگر اس برابری کی حدود سے تجاوز کر جائے تو وہ بھی ویسا ہی ہو جائے گا۔ رواہ احمد و مسلم وابوداؤد عن ابی ہریرہ۔ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ ابتدا کرنے والا بڑا مجرم ہے اور جواب دینے والے کو برابر کا جواب دینے کی ایک طرح کی اجازت ہے۔

فَمَنْ عَفَا یعنی جو ظلم و حق تلفی کرنے والے کو معاف کر دے گا۔

وَأَصْلَحَ یعنی ظالم سے صلح کرلے گا۔

فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے یعنی اللہ اس کو ضرور اجر دے گا (اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں کیونکہ کسی کا اللہ پر کوئی حق نہیں اس لئے شبہ کیا جاسکتا تھا کہ پھر اللہ کے ذمہ ہونے کا کیا مطلب ہے اس کا جواب حضرت مفسر نے یہ دیا کہ اللہ کی ذمہ داری کا یہ معنی ہے کہ اللہ اس کو ضرور اجر دے گا۔

بغوی نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی ندا دے گا جس کا کوئی ثواب اللہ کے ذمہ ہو تو وہ کھڑا ہو جائے اس ندا کو سن کر صرف وہی شخص کھڑا ہوگا جس نے اپنے حق تلفی کرنے والے سے درگزر کی ہوگی یہ بیان کر کے حسن نے یہی آیت پڑھی۔

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ یعنی اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو دوسروں کو گالی دینے کی ابتداء کرتے ہیں یا انتقام لینے میں برابری کی حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یعنی ظلم کرنے کی ابتداء کرتے ہیں۔

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ ﴿٤١﴾ اور جو اپنے اوپر ظلم ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لیتے ہیں تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں۔

بَعْدَ ظُلْمِهِ ان کے مظلوم ہونے کے بعد ظلم کی اضافت مفعول کی جانب ہے یعنی بعد اسکے کہ ظالم نے اس پر ظلم کیا ہو۔

مَا عَلَيْهِمْ یعنی انتقام لینے والوں کے خلاف کوئی راہ نہیں مطلب یہ ہے کہ نہ ان کو برا کہا جائے گا نہ ان سے مواخذہ ہوگا۔

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٢﴾ اخروی عذاب اور دنیوی سرزنش و مواخذہ کی راہ تو صرف ان لوگوں کے خلاف ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق زمین پر سرکشی کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

إِنَّمَا السَّبِيلُ یعنی آخرت کی سزا اور دنیوی سرزنش و مواخذہ تو ان لوگوں کے لئے ہے جو لوگوں کو ضرر پہنچانے کی ابتدا کرتے ہیں اور لوگوں کو جان مال اور آبرو کا دکھ پہنچاتے ہیں۔

وَيَبْغُونَ قاموس میں ہے بغی (ماضی) یبغی (مضارع) بغیا (مصدر) تکبر کیا غلبہ کیا ظلم کیا حق سے تجاوز کیا۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿٤٣﴾ اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے تو وہ افضل ہے یہ البتہ بڑی ہمت کے کاموں سے ہے یعنی جس نے ظالم کے ظلم پر صبر کیا انتقام نہیں لیا معاف کر دیا تو یہ صبر و عفو ان امور میں سے ہے جو شرعاً مطلوب ہیں۔ عزم بمعنی معزوم ہے۔ اور معزوم کا مطلب ہے مطلوب۔ مراد مطلوب شرعی۔ ایسا آدمی افضل الناس ہے۔

زجاج نے کہا صابر کو صبر کا ثواب دیا جائے گا اور ثواب کی طلب مکمل طلب ہے۔ مقاتل نے کہا یعنی ان امور میں سے ہے جن کا حکم اللہ نے دیا ہے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْ بَعْدِهٖ ؕ اور جس شخص کو اللہ گمراہ کر دے تو اس شخص کا دنیا میں بھی کوئی چارہ ساز نہیں۔

یعنی اللہ جب کسی کو بے مدد چھوڑ دے تو اس کے بعد ایسے شخص کا کوئی مددگار نہیں جو ہدایت یاب بنانے اور عذاب کو دفع کرنے کا ذمہ دار ہو سکے۔

وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ

اور تو ان ظالموں کو دیکھے گا جس وقت یہ عذاب کا مشاہدہ کریں گے کہتے ہوں گے کیا (دنیا میں) واپس جانے کی کوئی صورت ہے اور نیز تو ان کو اس حالت میں دیکھے گا کہ وہ دوزخ کے روبرو لائے جائیں گے مارے ذلت کے جھکے ہوئے ہوں گے سست نگاہ سے دیکھتے ہوں گے۔

وترى یعنی اے مخاطب تو دیکھے گا۔

لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ یعنی جب وہ عذاب کو دیکھیں گے۔ چونکہ آئندہ قیامت کے دن عذاب کو دیکھنا یقینی ہے اس لئے بجائے مستقبل کے ماضی کا صیغہ استعمال کیا۔

هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ بظاہر لفظی لحاظ سے ہَلْ استفہامیہ ہے لیکن حقیقت میں یہ درخواست ہے۔ عذاب کو دیکھ کر دنیا میں لوٹ کر جانے کی وہ درخواست کریں گے۔

عَلَيْهَا یعنی آگ پر ان کی پیشی ہوگی۔ خٰشِعِيْنَ خوف زدہ عاجزی اور فروتنی کرنے والا۔

مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ پوشیدہ چوری کی نظر سے دیکھیں گے جیسے وہ شخص جو رسیوں سے بندھا اور جکڑا ہوا ہو خوف زدہ ہو کر عاجزی کے ساتھ چوری کی نظر سے جلاد کی تلوار کو دیکھتا ہے۔ بعض کے نزدیک من (ابتدائیہ) ب (سببیہ) کے معنی میں ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ۝

اور اس وقت ایمان والے کہیں گے کہ پورے خسارہ والے وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے آج قیامت کے روز خسارے میں پڑے یاد رکھو کہ ظالم (یعنی مشرک اور کافر) دائمی عذاب میں رہیں گے۔

وَاَهْلِيْهِمْ یعنی وہ لوگ جنہوں نے کفر میں ان کی پیروی کی وہ بھی دوامی عذاب کے روبرو لائے جائیں گے (اور اس طرح وہ بھی خسارہ میں پڑ جائیں گے) بعض اہل تفسیر کے نزدیک اہل سے مراد حوریں ہیں اگر کافر ایمان لے آتے تو ان کو وہ حوریں مل جاتیں جو جنت میں ان کے لئے مقرر کر دی گئی ہے لیکن کفر کی وجہ سے وہ ان حوروں تک نہیں پہنچ سکے اور اس طرح خسارے میں رہے۔

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ یعنی قیامت کے دن خسارہ میں رہیں گے یا قیامت کے دن مومن یہ بات کہیں گے۔

فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ لازوال عذاب۔ یہ مومنوں کے قول کا جزء تکمیلی ہے یا اللہ کی طرف سے تصدیق ہے۔

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ۝

اور وہاں ان کے کوئی مددگار نہ ہوں گے کہ خدا سے الگ ہو کر ان کی مدد کر سکیں اور جس کو خدا گمراہ کر دے اس کے لئے نجات کا کوئی راستہ نہیں۔

ینصرونہم یعنی عذاب کو دفع کر سکیں۔ فما لہ من سبیل یعنی دنیا میں حق تک پہنچنے اور آخرت میں جنت تک رسائی کا کوئی راستہ نہیں اس کے لئے خیر کے سارے دروازے بند ہیں۔

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَىِٕذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۝ تم اپنے رب کا حکم مانو قبل اس کے کہ ایسا دن آجائے جس کے لئے خدا کی طرف سے ہٹنا نہ ہوگا۔ اس روز تم کو کوئی پناہ ملے گی اور نہ تمہارے بارے میں خدا سے کوئی روک ٹوک کرنے والا ہے۔

اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّکُمْ یعنی محمد جو اللہ کی طرف بلانے والے ہیں تم ان کی نافرمانی نہ کرو۔

لَا مَرَدَّ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ یعنی اللہ جب اس روز کے آنے کا حکم دے چکے گا تو پھر اس حکم کو واپس نہیں لے گا۔ اس مطلب پر من اللہ کا تعلق لا مرد سے ہوگا بعض کے نزدیک اس کا تعلق یاتی سے ہے یعنی وہ دن جب آئے گا تو اس کا لوٹانا ممکن نہ ہوگا۔

یوم سے مراد ہے مرنے کا دن یا روز قیامت۔

ملجا مفر (بھاگنے کی جگہ) جہاں پناہ پکڑ سکو۔

مَا لَکُمْ مِّنْ نَّکِیْرٍ یعنی تم نے جو کچھ کیا ہے اس کا انکار نہ ہو سکے گا کیونکہ اعمالناموں میں اس کا اندراج ہوگا اور تمہاری زبان ہاتھ پاؤں وغیرہ بھی تمہارے اعمال کی شہادت دیں گے۔ یا (نکیر بمعنی منکر ہے) مطلب یہ ہے کہ جو برائیاں اور بداعمالیاں تمہارے ساتھ ہوں گی ان کے سوا اور کوئی برا سلوک تمہارے ساتھ نہ ہوگا۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۭ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ پھر اگر وہ لوگ یہ سن کر بھی اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان کا نگراں بنا کر نہیں بھیجا ہے، آپ کے ذمہ تو صرف حکم کا پہنچانا ہے۔

یعنی اگر وہ آپ کے حکم ماننے سے روگرداں ہوں تو روگرداں ہونے دیجئے کچھ غم نہ کیجئے کیونکہ ہم نے آپ کو ان کا نگراں ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے کہ ان کی روگردانی اور اعراض کی بازپرس اور مواخذہ آپ سے کیا جائے آپ کا فرض تو احکام خدا پہنچانا ہے اور تبلیغ حکم آپ کر چکے ہیں۔

وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ۝ اور ہم جب اس قسم کے انسان کو اپنی عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس پر اترا جاتا ہے اور اگر ایسے لوگوں پر ان کے اعمال کے بدلے میں جو پہلے وہ اپنے ہاتھوں سے کر چکے ہیں کوئی مصیبت آجاتی ہے تو آدمی ناشکری کرنے لگتا ہے۔

الانسان سے جنس انسان مراد ہے۔ رحمتہ یعنی دنیوی نعمت۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا دولت اور صحت۔ سیئۃ یعنی قحط، مفلسی، بیماری۔

بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ یعنی ان گناہوں کی وجہ سے جو سابق زندگی میں وہ کر چکے ہیں اکثر کام ہاتھوں سے ہوتے ہیں اس لئے قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ فرمایا۔

کَفُوْرٌ سخت ناشکرا۔ تھوڑا سا دکھ آجاتا ہے تو گزشتہ تمام نعمتیں بھول جاتا ہے اور سب کا انکار کرنے لگتا ہے بار بار مصیبت کا ذکر کرتا ہے اور غور نہیں کرتا کہ اس کا سبب کیا ہے۔ یہ حکم اگرچہ مجرموں کے لئے مخصوص ہے لیکن سارے مجرم اور گناہ گار بھی انسان جنس میں داخل ہیں اس لئے جنس مراد لینا غلط نہیں ہے۔

اذا (جب) عربی زبان میں اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کوئی بات ثابت شدہ اور محقق ہو نعمت عطا فرمانا اور اس کا مزہ چکھانا اللہ کی رحمت ذاتیہ کا اقتضاء اور اس کا معمول ہی ہے کسی شک کی اس میں گنجائش ہی نہیں ہے اس لئے اذقنا کے ساتھ لفظ

اذا استعمال کیا۔ لیکن مصیبت کا آنا مقتضاء رحمت نہیں۔ نہ اللہ کا یہ دستور ہی ہے کہ بے وجہ بغیر جرم کے مصیبت میں مبتلا کر دے اس لئے تصیبھم کے ساتھ لفظ ان (اگر۔ جو شک کے لئے آتا ہے) استعمال کیا۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝

اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے یا ان کو جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔ بے شک وہ بڑا جاننے والا اور بڑی قدرت والا ہے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ جب ساری کائنات پر اس کی حکومت ہے تو اسی کو اس میں جیسا چاہے تصرف کرنے کا حق ہے نعمت دے یا جرم کا انتقام لے۔

يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ یہ کلام سابق کی علت ہے۔

يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا بعض اہل علم نے کہا یہ آیت خلق مایشاء کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں کو لڑکیاں عطا فرماتا ہے ان کے کوئی لڑکا نہیں ہوتا۔ اور بعض کو لڑکے دیتا ہے ان کے کوئی لڑکی نہیں ہوتی۔ آیت میں لڑکی عطا کرنے کا ذکر چونکہ پہلے کیا ہے اس سے بعض عطا نے استنباط کیا ہے اور کہا ہے کہ عورت کی یہ برکت ہے کہ سب سے اول اس کی لڑکی پیدا ہو۔

اَوْ يُزَوِّجُهُمْ یعنی بعض کو دونوں دیتا ہے لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی۔

وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا بعض کو بانجھ کر دیتا ہے ان کے نہ لڑکی پیدا ہوتی ہے نہ لڑکا۔

اِنَّهٗ عَلِيْمٌ یعنی جو کچھ پیدا کرتا ہے اس کو جانتا ہے۔ قدیر جس چیز کو چاہتا ہے اس پر قدرت بھی رکھتا ہے پس ہر کام اپنی مصلحت واختیار کے ماتحت کرتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا موسیٰ نے تو اللہ سے کلام کیا اور اس کی طرف دیکھا بھی تھا اگر آپ نبی ہیں تو آپ نے خدا سے کلام کیوں نہیں کیا اور اس کو کیوں نہیں دیکھا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۗئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاۗءُ ۭ

اور (حالت موجودہ میں) کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر (تین طریقوں سے یا تو) الہام سے یا پردے کی آڑ سے یا کسی فرشتے کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے جو کچھ خدا کو منظور ہو پیام پہنچا دے۔

وما کان بشر یعنی کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے۔

وحیا لغت عربی میں وحی کا معنی ہے تیزی کے ساتھ اشارہ کرنا۔ اس جگہ وہ پوشیدہ کلام مراد ہے جو بسیط ہو حروف مقطعات سے مرکب نہ ہو اور پیغمبر کے دل میں بیداری میں یا خواب میں ڈال دیا جائے (اسی کو پیغمبر کا) الہام بھی کہا جاتا ہے وحی کی دو قسمیں ہیں (۱) رودر رو کلام جیسا کہ حدیث معراج میں آیا ہے اور آخرت میں دیدار خداوندی کے سلسلے میں بھی اس کا ذکر ہے۔ (۲) غیبی آواز سنائی دے جیسے حضرت موسیٰ نے وادیٔ طویٰ اور طور پر سنی۔ لیکن آگے من وراء حجاب آگیا ہے اس لئے اس جگہ وحی سے مراد ہوگی وحی کی اول قسم۔ اور من وراء حجاب سے مراد ہوگی وحی کی دوسری قسم۔ اس تشریح کے بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ آیت سے نفی رویت پر استدلال نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس آیت سے تو ثبوت رویت ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں بغوی نے آیت کا جو سبب نزول لکھا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وحی کے وقت دنیا میں اللہ کی طرف نظر کرنا ممکن ہے اس صورت میں وحیا سے مراد ہوگا دل میں بسیط کلام کا القاء اور من وراء حجاب سے مراد ہوگا بغیر فرشتہ کی وساطت

کے اور بغیر معاینہ کے سنا جانے والا کلام جیسے حضرت موسیٰ نے وادی طویٰ اور کوہ طور پر سنا تھا۔ کذا قال البغوی۔

اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا رسول یعنی فرشتہ ہو جبرئیل ہیں یا کوئی اور۔ فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ پھر وہ فرشتہ بحکم خدا جو کچھ خدا کو منظور ہو القاء کر دے۔ نافع نے فیوحی (بضم لام کلمہ) پڑھا اس قرأت پر اللہ کے کلام کرنے کی دو قسمیں ہوں گی بوساطت فرشتہ اور بلا وساطت فرشتہ۔

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے ارشاد فرمایا کبھی تو اس طرح آتی ہے جیسے گھنٹی کی جھنجھناہٹ۔ یہ وحی میرے لئے بڑی سخت ہوتی ہے کچھ دیر کے بعد وحی ٹوٹ جاتی ہے اور کبھی فرشتہ آدمی کی شکل میں میرے پاس آتا اور بات کرتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے مجھے یاد ہو جاتا ہے۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی دن بہت سخت سردی کا تھا وحی ٹوٹی تو میں نے دیکھا کہ آپ کی پیشانی سے پسینہ پھوٹ کر نکل رہا تھا۔ متفق علیہ

حضرت عبادہ بن صامت کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ بے چین ہو جاتے تھے اور چہرہ کا رنگ پھیکا پڑ جاتا تھا۔ رواہ مسلم

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ نبی ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ پندرہ برس مکہ میں رہے سات برس تک تو آپ آواز سنتے تھے روشنی بھی دکھتی تھی لیکن کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی تھی اور آٹھ برس آپ کے پاس وحی آتی رہی پھر مدینہ میں دس سال قیام فرما رہے اور وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۵ سال تھی۔ متفق علیہ۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے رسول اللہ ﷺ کے لئے وحی کا آغاز سچے خوابوں سے ہوا (آپ شروع میں سوتے میں سچے خواب دیکھا کرتے تھے) الحدیث۔ متفق علیہ۔

اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾ یعنی اللہ مخلوق کی صفات سے بالا ہے اور حکمت والا ہے، اس کی حکمت کا جیسا تقاضا ہوتا ہے ویسا کرتا ہے کبھی بوساطت کلام کرتا ہے کبھی بغیر وساطت کے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس وحی یعنی اپنا حکم بھیجا آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب اللہ کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کا انتہائی کمال کیا ہے لیکن ہم نے اس قرآن کو ایک نور بنایا جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت کرتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ آپ ایک سیدھے راستے کی ہدایت کر رہے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح یعنی جس طرح ہم نے دوسرے انبیاء کے پاس وحی بھیجی اسی طرح آپ کے پاس بھی بھیجی۔ یا یہ مطلب کہ جس طرح ہم نے آپ سے بیان کر دیا اسی طرح ہم نے آپ کو وحی بھیجی۔

رُوْحًا روح سے مراد ہے کتاب یعنی قرآن مجید كَذٰلِكَ قَالَ الکلبی ومالک بن دینار۔ سدی نے کہا جس طرح روح سے بدن کی زندگی ہوتی ہے اسی طرح قرآن دلوں کو زندہ کرتا ہے اس لئے قرآن کو روح فرمایا۔ ربیع نے کہا روح سے مراد ہیں جبرئیل اور اَوْحَيْنَا کا معنی ہے اَرْسَلْنَا یعنی ہم نے جبرئیل کو بھیجا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا روح سے مراد نبوت ہے۔ حسن نے کہا رحمت مراد ہے ان دونوں سے مراد بھی قرآن ہی ہے نبوت اور رحمت کا نشان قرآن ہی ہے۔

مِّنْ اَمْرِنَا اپنے حکم سے۔ یعنی اپنے حکم سے ہم نے وحی بھیجی یا یہ مطلب کہ روح ہمارے امر سے ہے (ہمارے امر کا نتیجہ ہے)۔

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ یعنی وحی سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے۔
وَلَا الْإِيْمَانُ اور نہ یہ جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے۔ یعنی ان احکام و شرائع سے واقف نہ تھے جن کو جاننے کا طریقہ (عقلی نہیں بلکہ) محض نقلی ہے۔ محمد بن اسحاق نے کہا اس جگہ ایمان سے نماز مراد ہے دوسری آیت میں آیا ہے۔ ما کان اللّٰہ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَکُمْ اللہ ایسا نہیں کہ تمہاری گزشتہ نمازوں کو اکارت کردے۔ اس تفسیر کی بناء اہل علم کے اس متفق علیہ خیال پر ہے کہ انبیاء کا اللہ پر ایمان فطری الہامی ہوتا ہے وہ فطری طور پر بالہام خداوندی اس عالم کا ایک صانع جو تمام نقائص سے پاک اور تمام صفات کمالیہ سے موصوف ہے مانتے ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ وحی سے پہلے رسول اللہ ﷺ دین ابراہیمی پر اللہ کی عبادت کرتے تھے یہ قول خلاف روایت ہے اور روایت سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی رسول اللہ ﷺ تو امی تھے آپ نے کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی اور سارا ماحول بت پرستوں کا تھا (پھر رسول اللہ ﷺ کو دین ابراہیمی سے واقفیت وحی سے پہلے کیسے ہو گئی) ہاں یہ بات ضرور ہے کہ وحی سے پہلے رسول اللہ ﷺ خلوت پسند تھے تنہائی کی طرف راغب تھے۔ میں کہتا ہوں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وحی سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ مومن کامل تھے حقیقت ایمان کا یقین رکھتے تھے لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ اسی حالت کا نام ایمان ہے۔
وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لیکن اس ایمان کو نور بنادیا سدی نے کہا۔ قرآن کی طرف ضمیر راجع ہے یعنی اس قرآن کو نور بنادیا۔ نور سے مراد ہے جہالت کی تاریکی کو دور کرنے والی روشنی۔
نَّهْدِيْ بِهٖ یعنی دنیا میں قرآن کے ذریعہ سے صحیح عقیدہ تک اور آخرت میں جنت اور مقام قرب تک ہم جس بندہ کو چاہتے ہیں پہنچاتے ہیں۔
وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ یعنی اے محمد آپ تمام لوگوں کو سیدھے راستہ پر چلنے کی ہدایت کرتے ہیں سیدھے راستہ سے مراد ہے اسلام جو جنت میں پہنچانے والا ہے۔ اس جملہ میں ہدایت سے مراد ہے راستہ دکھانا۔ رہنمائی۔

صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ؀ ع ۵
یعنی اللہ کے راستہ کی طرف کہ اسی کا ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سن لو کہ اللہ ہی کی طرف براہ راست تمام امور جائیں گے۔
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی کائنات کی ہر چیز اللہ ہی کی مملوک اور اسی کی مخلوق ہے۔
الْاُمُوْرُ یعنی مخلوق کے تمام امور براہ راست بلاواسطہ قیامت کے دن اللہ ہی کے پاس منتقل ہوں گے تمام درمیانی تعلقات اور وسائط ختم ہو جائیں گے۔
اس آیت میں اطاعت گزاروں کے لئے اچھے انجام کا وعدہ اور مجرموں کے لئے عذاب کی وعید ہے۔ واللہ اعلم۔

بحمد اللہ تفسیر سورت شوریٰ شنبہ کے دن ۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ کو ختم ہوئی۔

اس کے بعد انشاء اللہ سورۂ زخرف کی تفسیر آئے گی۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

سورۃ الزخرف

یہ سورت مکی ہے اس میں ۸۹ آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حٰمٓ ۚ ﴿١﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾ حم۔ قسم اس کتاب واضح کی۔

کتاب مبین سے مراد ہے قرآن مجید۔ قرآن پاک راہ ہدایت بتاتا اور ظاہر کرتا ہے۔ قرآن کے اعجاز کا تقاضا ہے کہ قرآن کی صداقت کو مانا جائے اور قرآن کی صداقت پر ایمان رکھنے سے ان تمام احکام و ضوابط کا علم ہو جانا ضروری ہے جن سے انسان کی دنیوی بہبودی اور اخروی فلاح وابستہ ہے۔

وَالْكِتٰبِ میں واو قسمیہ ہے اور اگر حٰمٓ کو مقسم بہ کہا جائے تو والکتاب کا واو عاطفہ ہو گا اور آئندہ جملہ جواب قسم قرار پائے گا۔

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٣﴾ کہ ہم اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ (اے عرب آسانی کی ساتھ) تم سمجھ لو۔

اِنَّا جَعَلْنٰهُ ہم نے اس کتاب کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ تم سمجھو۔ قرآن حقیقت میں اللہ کی صفت کلامیہ ہے جو مخلوق (یعنی مجعول) نہیں ہے (بنائی ہوئی نہیں ہے) اس لئے آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس کتاب کو عربی الفاظ کا جامہ پہنایا ہے تاکہ تم پڑھ سکو اور اس کے معانی کو سمجھو۔

اللہ نے مختلف چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں یعنی ان کو اپنی ہستی (اور وحدانیت اور دوسری صفات) کی دلیل بنایا ہے اور یہ سب چیزیں اللہ کی توحید وغیرہ پر شہادت دے رہی ہیں اللہ نے اس کتاب کے عربی زبان کا قرآن ہونے پر قرآن ہی کی قسم کھائی۔ یہ بڑی ندرت آگیں قسم ہے۔ مقسم بہ (کتاب مبین) اور مقسم علیہ (قرآنا عربیا) میں خاص تناسب ہے۔

وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿٤﴾ اور کوئی شبہ نہیں کہ وہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بڑے رتبہ کی اور حکمت بھری کتاب ہے۔

اُمِّ الْكِتٰبِ (تمام کتابوں کی اصل) یعنی لوح محفوظ دوسری آیت سے اس کی تائید ہوتی ہے فرمایا ہے بل ہو قرآن مجید فی لوح محفوظ۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور جس مخلوق کو آئندہ پیدا کرنا چاہتا تھا اس کو لکھ دینے کا قلم کو حکم دیا اس کے بعد آپ نے پڑھا۔ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ۔

لَدَيْنَا ہمارے پاس۔ اللہ کے پاس ہونا بے کیف اور تصور مکانیت سے پاک ہے (قرب الٰہی نہ مکانی ہے نہ کسی جسمانی کیفیت کا حامل) بعض علماء نے لَدَيْنَا سے پہلے "محفوظا" کا لفظ محذوف فرمایا ہے یعنی قرآن ہمارے پاس ہر تغیر سے محفوظ ہے۔

لَعَلِيٌّ بڑے رتبہ والا کسی کا ادراک وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ تمام آسمانی کتابوں میں اس کی شان بلند ہے کیونکہ تمام کتب سماویہ میں یہ ہی معجز ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا نظر کشف سے دکھائی دیتا ہے کہ تمام آسمانی کتابوں کے دائرہ میں قرآن مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح مرکز اصل اور دائرہ کا سمٹا ہوا نقطہ ہوتا ہے بلکہ پورے دائرہ

سے مرکز افضل اور وسیع تر ہوتا ہے اسی طرح نگاہ کشف سے دکھتا ہے کہ قرآن بہت ہی اجمالی مرکز ہے مگر شان سب سے اونچی رکھتا ہے یوں سمجھو کہ جس طرح چاند ہالہ کے اندر دیکھنے والے کو ہالہ سے چھوٹا نظر آتا ہے لیکن واقع میں ہالہ کے دائرے سے کہیں زیادہ وسیع ہوتا ہے قرآن کی بھی یہی حیثیت ہے۔

حکیم حکمت کاملہ سے بھرا ہوا یا محکم جس کو کوئی کتاب منسوخ نہیں کر سکتی۔

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۵ کیا ہم تم سے اس نصیحت نامہ کو اس بات پر ہٹالیں گے کہ تم کفر میں حد سے آگے بڑھنے والے لوگ ہو۔

فنضرب۔ ہمزہ استفہامیہ انکاری ہے۔ ضربت عنہ اور اضربت عنہ میں نے اس کو چھوڑ دیا میں اس سے رک گیا۔

صفحا مفعول مطلق من غیر لفظہ ہے۔ پہلو پھیرنے کا معنی ہے دور ہو جانا رخ گرداں ہو جانا۔ صفح کا لغوی معنی ہے گردن کا ایک پہلو کسی کی طرف کر دینا (یعنی گردن پھیر لینا)۔

اِنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ کافروں کا حد سے تجاوز کرنا حقیقت میں ترک اعراض کا مقتضی ہے۔ لیکن اس جگہ اسراف کفار کو موجب اعراض قرار دے کر اس پر ہمزہ انکاریہ داخل کر دی گئی اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس وجہ سے کہ تم کفر میں بہت آگے بڑھ گئے ہو ہم وحی بھیجنا چھوڑ دیں گے اور قرآن کو نازل کرنا ترک کر دیں گے اور تم کو اچھے کاموں کا حکم نہیں دیں گے اور بری باتوں سے باز داشت نہیں کریں گے۔

بغوی نے قتادہ کا تفسیری بیان نقل کیا ہے کہ ابتداء وحی کے زمانہ کے کافروں نے جب قرآن کو ماننے سے انکار کر دیا تھا اگر اسی زمانہ میں قرآن اٹھالیا جاتا تو سب لوگ ہلاک ہو جاتے لیکن اللہ نے اپنی رحمت و مہربانی سے بیس سال تک یا جب تک اس نے چاہا قرآن کو نازل کیا اور ارسال وحی کو قائم رکھا۔

مجاہد اور سدی نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے، کیا ہم تم سے رخ گرداں جائیں گے اور تم کو بغیر سزائے کفر کے یوں ہی چھوڑ دیں گے۔

وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۶ اور ہم پہلے لوگوں میں بہت سے نبی بھیجتے رہے ہیں۔

یعنی گزشتہ لوگوں میں ہم نے بکثرت انبیاء بھیجے۔

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۷ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۸ اور ان لوگوں کے پاس کبھی کوئی ایسا نبی نہیں آیا جس کا انہوں نے مذاق نہ اڑایا ہو نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے ایسے لوگوں کو غارت کر ڈالا جو ان سے زیادہ زور آور تھے۔ اور پہلے لوگوں کی یہ حالت (یعنی پیغمبروں سے انکار اور ان کے استہزاء کی وجہ سے تباہی) ہو چکی ہے۔

وما یاتیھم گزشتہ حال کا بیان ہے یعنی ان کے پاس کوئی نبی ایسا نہ آتا تھا جس کا انہوں نے مذاق نہ اڑایا ہو۔

من نبی من زائد ہے یعنی کوئی نبی۔

اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ اس میں رسول اللہ ﷺ کے لئے پیام تسکین ہے یعنی صرف آپ ہی کے ساتھ کافر یہ معاملہ نہیں کر رہے ہیں کہ تمام انبیاء کے ساتھ ان کا سلوک یہی ہوتا رہا ہے)۔

فاھلکنا یعنی ان مکہ والوں سے جو پہلے لوگ زیادہ زور آور تھے ہم نے ان کو غارت کر دیا۔

بطشا قوت۔ زور۔ مَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ یعنی ان کا عجیب قصہ گزر چکا ہے قصہ بھی وہ جس کو کہاوت کی طرح پھیلنا چاہئے۔ (یعنی کہاوت بن جانا چاہئے) اس جملہ میں در پردہ رسول اللہ ﷺ کے لئے (آخر کار) کامیابی کا وعدہ اور کافروں کے لئے

جاہی کی وعید ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝۹

اور اگر آپ ان کفار مکہ سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ لامحالہ یہی کہیں گے کہ ان کو ایک غالب دانا ہستی نے پیدا کیا ہے۔

یہ کافروں کا مقولہ اللہ نے نقل کیا ہے یا یہ کہ ان کے قول کو اللہ کا غالب اور علیم ہونا لازم تھا اس لئے اس کو ان کا مقولہ قرار دیا۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝۱۰

جس نے تمہارے آرام کے لئے زمین کو مثل فرش کے بنایا اور اس میں تمہارے لئے راستے بنائے تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ یعنی کفار مکہ سے اگر آپ دریافت کریں۔

مَهْدًا یعنی فرش جیسے بچہ کا بستر ہوتا ہے۔

سُبُلًا یعنی چلنے کے لئے اس نے زمین میں راستے بنا دیئے۔

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ تاکہ ان راستوں پر چل کر تم اپنے مقصد تک پہنچ جاؤ۔ یا یہ مطلب ہے کہ زمین میں پیدا کی ہوئی راہوں پر غور کر کے حکمت صانع کو سمجھنے کی تمہاری ذہنی رسائی ہو جائے۔

وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنْشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا كَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ۝۱۱

اور جس نے آسمان سے پانی ایک اندازہ کے موافق برسایا پھر ہم نے اس سے خشک زمین کو اس کے مناسب زندہ کیا اسی طرح تم بھی اپنی قبروں سے نکالے جاؤ گے۔

بِقَدَرٍ ایک اندازہ کے ساتھ یعنی اتنی مقدار میں جو مفید ہو ضرر رساں نہ ہو۔

فَأَنْشَرْنَا پھر ہم نے زندہ کیا۔ یعنی جس طرح ہم نے پانی سے زمین کو زندہ کیا اسی طرح تم کو بھی قبروں سے نکالا جائے گا یعنی تم کو زندہ کیا جائے گا۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پہلے مرتبہ صور پھونکنے اور دوسری بار صور پھونکنے کے درمیان چالیس کی مدت ہوگی لوگوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے دریافت کیا کیا چالیس دن کی مدت ہوگی حضرت ابوہریرہؓ نے کہا میں اس کا اقرار نہیں کر سکتا لوگوں نے کہا پھر کیا چالیس ماہ مراد ہیں حضرت ابوہریرہؓ نے کہا مجھے اس سے بھی انکار ہے لوگوں نے کہا تو کیا چالیس سال کی مدت ہوگی حضرت ابوہریرہؓ نے اس کا بھی اقرار نہیں کیا (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) پھر اللہ آسمان سے پانی برسائے گا جس سے مردے (زمین سے) ایسے اگیں گے جیسے سبزہ اگتا ہے۔ آدمی کی ہر چیز سواء ایک ہڈی کے فنا ہو جاتی ہے اور وہ ہڈی دم گزے کی ہڈی ہے اسی سے جسمانی بناوٹ جوڑی جائے گی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور ابن جریر نے سعید بن جبیر کے حوالے سے بیان کیا کہ اصل عرش سے ایک وادی بہہ نکلے گی جس سے روئے زمین پر رینگنے والا ہر جاندار سبزے کی طرح اگے گا پھر روحوں کو حکم ہوگا کہ اڑ کر اپنے اپنے جسموں میں داخل ہو جائیں اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ۔

امام احمد اور ابو یعلی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا اور آسمان سے ان پر ہلکی بارش ہوگی۔

وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ۝۱۲

اور جس نے مخلوق کی تمام قسمیں پیدا کیں اور تمہارے لئے کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔

الازماج اصناف خلائق۔ قسم قسم کی مخلوق۔

لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ تاکہ تم ان کی پیٹھ پر جم کر بیٹھو پھر جب اس پر بیٹھ چکو پھر اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو اور یوں کہو پاک ہے وہ جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو ایسے نہ تھے کہ خود ان کو قابو میں کر لیتے۔

علی ظهوره واحد غائب کی ضمیر ما ترکبون کی طرف راجع ہے، جو لفظ کے لحاظ سے مفرد ہے لیکن معنوی لحاظ سے چونکہ کثیر سواریاں مراد ہیں اس لئے ظہور جمع کا صیغہ استعمال کیا۔

ثم تذكروا یعنی پھر دل سے یاد کرو کہ اللہ نے ان سواریوں کو تمہارے بس میں کر دیا جن پر سوار ہو کر خشکی اور سمندر میں پھرتے ہو۔

وتقولوا اور زبانوں سے بطور شکر کہو۔ مقرنین یعنی قابو میں کرنے والے۔ اقرن بس میں کر لیا قابو میں کر لیا۔ اقرن کا اصل لغوی معنی ہے ساتھی بنالیا اور ساتھی اسی کو بنایا جاتا ہے جو سرکش نہ ہو قابو میں آجائے۔ قوی کو کمزور کا ساتھی نہیں بنایا جاسکتا۔

وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ اور بلا شبہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

سوار ہونے کا مقصد ہوتا ہے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اور سب سے بڑا انتقال اور سفر یہ ہے کہ اس دنیا سے اللہ کی طرف جائے اس لئے نعمت سواری کی ادائیگی شکر کے ساتھ رب کی طرف لوٹ جانے کا ذکر کیا۔

ابوداؤد ترمذی نسائی اور بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے جب اپنا قدم رکاب میں رکھا تو فوراً بسم اللہ کہا پھر جب ٹھیک ہو کر بیٹھ گئے تو الحمد للہ کہا پھر فرمایا، سُبْحَانَ اللهِ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اس کے بعد تین بار الحمد للہ اور تین بار اللہ اکبر کہا پھر کہا لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ اس کے بعد مسکرا دیئے عرض کیا گیا امیر المومنین آپ کس وجہ سے مسکرائے فرمایا میں نے بھی عرض کیا یا نبی اللہ حضور کیوں مسکرائے فرمایا بندہ جب لا اله الا الله ظلمت نفسي فاغفرلي انه لايغفر الذنوب الاهو کہتا ہے تو اللہ اس کے اس فعل کو پسند کرتا ہے، (او کما قال) اس موقعہ پر حضور ﷺ مسکرائے تھے تو حضرت علیؓ بھی مسکرائے۔

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ ع ۵

بعض بندوں کو اللہ کا جزء قرار دینے سے یہ مراد ہے کہ ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اولاد باپ کے نطفہ سے بنتی ہے اور نطفہ انسان کا جزء ہوتا ہے اس لئے اولاد کو باپ کا جزء یا ٹکڑا کہا جاتا ہے۔

بخاری نے حضرت مسور بن مخرمہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جس نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

امام احمد اور حاکم کی روایت کے یہ الفاظ ہیں فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جو بات اس کو ناراض کرتی ہے وہ مجھے ناراض کرتی ہے اور جو بات اس کو خوش کرتی ہے وہ مجھ کو خوش کرتی ہے۔

اس کلام کا تعلق آیت وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ الخ سے ہے دونوں آیتوں میں انتہائی تضاد ہے سابق کلام میں جب اقرار کر لیا کہ اللہ زمین کا خالق ہے تو پھر کسی مخلوق کو اس کا جزء کہنا بالکل ممکن نہیں جو قابل تجزیہ ہوتی ہے وہ نہ واجب الوجود ہو سکتی ہے نہ خالق (گویا دونوں آیتوں میں علاقہ تضاد ہے)۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ یعنی انسان بڑا جاہل ہے (مخلوق کو خالق کا جزء کہتا ہے)۔
مبین کھلا ہوا یعنی اس کی جہالت حد سے بڑھی ہوئی ہے اور ناشکری بالکل کھلی ہوئی اس کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ کس صفت کی اللہ کی طرف نسبت کرنی صحیح ہے اور کس صفت کی نسبت غلط ہے۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ کیا اللہ نے اپنی مخلوق میں سے اپنے لئے تو لے لیں بیٹیاں اور تمہارے لئے مخصوص کر دیئے بیٹے۔
ہمزہ مفید زجر و انکار ہے اور مظہر تعجب بھی ہے بلکہ کافروں کے قول اِنَّ لِلّٰهِ وَلَدًا سے اعراض پر دلالت کر رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے خدا کے لئے اجزاء ثابت کرنے پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ مخلوق میں سے ایسی اولاد اس کے لئے پسند کی جو ان کافروں کو اپنے لئے پسند نہیں ہے۔ اگر ایسی اولاد (یعنی بیٹی ہونے کی ان میں سے کسی کو بشارت دی جاتی ہے تو اس پر غم کی اندھیری چھا جاتا ہے۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾ حالانکہ ان میں سے کسی کو اس چیز کے ہونے کی خبر دی جائے جس کو اس نے خدا کا نمونہ بنا رکھا ہے (یعنی بیٹی ہونے کی خبر دی جائے) تو اتنا ناراض ہوتا ہے کہ اس دن اس کا چہرہ بے رونق ہو جاتا ہے اور دل میں گھٹا رہتا ہے
بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا یعنی جب اس جنس کی بشارت دی جاتی ہے جس کو وہ خدا کی مثل قرار دیتا ہے (مطلب یہ کہ ملائکہ کو وہ خدا کی بیٹیاں قرار دیتا ہے اور ان کو خدا کی مثل مانتا ہے) کیونکہ اولاد اپنے باپ کی مثل اور مشابہ ہوتی ہے یا مثل سے مراد ہے صفت۔ یعنی جب اس کو اس وصف کی بشارت دی جاتی ہے جس کو اس نے رحمٰن کا وصف قرار دیا ہے تو انتہائی غم سے اس کا چہرہ سخت کالا ہو جاتا ہے۔
کظیم وہ شخص جس کے دل میں رنج اور اضطراب بھرا ہوا ہو۔

اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾ کیا جو (عادۃً) آرائش میں نشو و نما پائے اور مباحثہ میں قوت بیانیہ بھی نہ رکھے (اس کو خدا کی اولاد قرار دینا درست ہو سکتا ہے)۔
ینشاء (باب تفعیل) یعنی پرورش پاتا ہے۔ اس سے عورتیں مراد ہیں حسن صورت عورت کا طرح امتیاز ہے اسی لئے عورت زیور کی ضرورت مند ہے تاکہ اس کے حسن ظاہری میں اضافہ ہو مردوں کا امتیاز اوصاف باطن اور کمالات ذاتی پر موقوف ہے اور یہ زیور سے حاصل نہیں ہوتا اس لئے مردوں کو زیور کی ضرورت نہیں۔ آیت میں درپردہ ایماء ہے اس طرح کہ ظاہری ٹیپ ٹاپ اور زیور سے آراستگی عیب ہے مردوں کو اس سے پرہیز رکھنا اور لباس تقویٰ سے آراستہ ہونا چاہئے۔
الْخِصَامِ مقابلہ خواہ زبان سے ہو یا اسلحہ سے عورت بہرحال دونوں میں کمزور ہے۔ اس کی سمجھ ناقص بدنی طاقت کمزور اور دل ضعیف ہے۔ قتادہ نے کہا عورت جب اپنے مدعی کو ثابت کرنے کے لئے کوئی دلیل بیان کرتی ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ دلیل اس کے مدعی کے خلاف پڑتی ہے۔
اومن میں ہمزہ انکار کو پختہ کرنے زجر کرنے اور تعجب کو ظاہر کرنے کے لئے ہے اور معطوف کی معطوف علیہ سے مغایرت صفاتی ہے مطلب یہ ہے کہ کیا اللہ نے اپنی مخلوق میں سے لڑکیوں کو اپنی اولاد بنایا ہے جو ان لوگوں کے لئے قابل نفرت ہیں اور جن کی پیدائش کی خبر سن کر ان کے چہرے کالے پڑ جاتے ہیں اور جو زیور اور سجاوٹ میں پرورش پاتی ہیں جن کے دل کمزور اور بدنی ساخت ضعیف اور سمجھ بوجھ ناقص ہوتی ہے۔

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اور انہوں نے فرشتوں کو جو خدا کے بندے ہیں عورتیں قرار دے رکھا ہے۔ یعنی مشرکوں نے نازیبا اوصاف ہی خدا کے لئے ثابت نہیں کئے اور خدا کو صرف صاحب اولاد ہی نہیں قرار دیا اور محض خدا ہی کو توہین نہیں کی بلکہ فرشتوں کی بھی تحقیر کی وہ فرشتے جو اللہ کے

برگزیدہ بندے اور مقرب بارگاہ خداوندی ہیں اور ان کا قرب ناقابل بیان ہے ان کو عورتیں قرار دے رکھا ہے۔

اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ کیا یہ فرشتوں کی پیدائش کے وقت موجود تھے۔ (اور دیکھ رہے تھے کہ فرشتوں کو اللہ نے عورتیں بنایا ہے)

سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ ستکتب شهادتهم الخ یعنی یہ مشرک جو ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں اور اس کی شہادت دیتے ہیں ان کی یہ شہادت لکھی جاتی ہے۔ قیامت کے دن بطور زجر ان سے اس بات کی باز پرس کی جائے گی۔

ابن المنذر نے قتادہ کا قول نقل کیا کہ کچھ منافق اللہ کا رشتہ زوجیت جنات سے جوڑتے تھے اور ملائکہ کو ان سے مانتے تھے ان کی تردید میں نازل ہو۔ اَوَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا۔ بغوی نے بحوالہ کلبی و مقاتل بیان کیا ہے کہ جب مکہ والوں نے یہ بات کہی (یعنی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا) تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تم کو کیسے معلوم کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں انہوں نے کہا ہم نے اپنے بزرگوں سے ایسا ہی سنا ہے اور ہم کو یقین ہے کہ انہوں نے غلط نہیں کہا اس پر آیت سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ نازل ہوئی۔

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ اور انہوں نے کہا اگر رحمٰن چاہتا (کہ ہم ان کو نہ پوجیں) تو ہم ان کو نہ پوجتے۔ ماعبدناهم یعنی ہم کو نہ پوجتے۔ (قتادہ مقاتل کلبی) یا ہم بتوں کو نہ پوجتے۔ مجاہد مشرکوں نے غیر اللہ کی عبادت ممنوع نہ ہونے یا اس کے اچھا ہونے کا استدلال اس طرح کیا کہ اللہ کی مشیت اس بات کی نہیں ہے کہ ہم ان کو نہ پوجیں اس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی عبادت ممنوع نہیں ہے یا اچھی ہے بری نہیں ہے۔

یہ طرز استدلال غلط ہے مشیت خداوندی تو ایسی صفت کو کہتے ہیں جو ممکنات و مقدورات میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتی ہے جس کو ترجیح دی ہے وہ اچھی ہے یا بری ممنوع ہے یا مباح ہے مشیت اس سے وابستہ نہیں اسی لئے آئندہ آیت میں اس استدلال کے قائلوں کو جاہل قرار دیا اور فرمایا۔

مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾ ان لوگوں کو اس کا یعنی ملائکہ کے بنات اللہ ہونے کا یا اس بات کا کہ ملائکہ اپنے معبود ہونے پر راضی ہیں کوئی حسی یا عقلی علم نہیں۔ یہ محض من گھڑت باتیں کرتے ہیں یخرصون یعنی بے بنیاد غلط بات محض اپنے تخیل اور گمان کی بنا پر کرتے ہیں۔ اللہ نے پہلے مشرکوں کے فاسد خیالات کی وجوہ بیان کیں اور ان کے غلط شبہات کو نقل کیا پھر فرمایا کہ ان کے پاس کوئی حسی یا عقلی علم نہیں ہے پھر نقلی علم کی نفی کے لئے آئندہ آیت ام آتینا هم الخ نازل فرمائی۔

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ کیا ہم نے ان کو اس قرآن سے پہلے کوئی کتاب دے رکھی ہے کہ یہ اس کو پکڑے ہوئے ہیں۔

اس آیت کا ربط آیت اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ سے ہے مطلب یہ ہے کہ کیا ان کی پیدائش کے وقت یہ لوگ موجود تھے یا قرآن سے پہلے ہم نے ان کو کوئی آسمانی کتاب عطا کی تھی جس سے وہ استدلال کرتے ہیں۔

من قبله قرآن سے پہلے یا ان کے دعوے سے پہلے یعنی کیا کوئی ایسی سابق آسمانی کتاب ان کے پاس موجود ہے جو ان کے قول کی سچائی پر دلالت کر رہی ہو۔

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ بلکہ وہ کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی ان کے پیچھے پیچھے صحیح راستہ پر چل رہے ہیں۔

یعنی تخلیق کے وقت نہ تو یہ موجود تھے نہ ہم نے ان کو ان مشرکانہ عقائد کی تعلیم دینے والی کوئی کتاب دی بلکہ باپ دادا کی تقلید میں یہ ایسی باتیں کہتے ہیں۔

عَلٰی اُمَّةٍ یعنی ایک دین اور طریقہ پر پایا ملت کو امت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ملت کی طرف قصد کیا جاتا ہے جیسے رحلة اس شخص کو کہتے ہیں جس کی طرف لوگ سفر کر کے جاتے ہیں۔ مجاہد نے امت کا ترجمہ ملت کیا ہے۔

عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ یعنی ان لوگوں کے پاس کوئی عقلی نقلی دلیل تو ہے نہیں۔ صرف اپنے جاہل اسلاف کی کورانہ تقلید کی طرف مائل ہیں اور اس جاہلانہ تقلید کو ہدایت یابی کہتے ہیں۔ اس کو سیدھا راستہ مانتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے جس بستی میں کوئی پیغمبر بھیجا وہاں کے عیش پرست لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی ان کے پیچھے چلے جا رہے ہیں۔

مترفوھا یعنی مالدار عیش پسند لوگ۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کے لئے پیام تسکین ہے کہ ان لوگوں کی گمراہی۔ موروثی چلی آتی ہے ان کے اسلاف کو بھی اپنے مذہب کا کوئی عقلی نقلی علم نہ تھا وہ بھی یہی کہتے تھے جو یہ لوگ کہتے ہیں۔

مُتْرَفُوْهَا کا لفظ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ عیش پرستی اور تنعم، باطل پرستی کی بنیاد ہے۔ بجائے صحیح نظر و فکر کے اسلاف کی تقلید اور حق سے روگرداں ہونے کا یہی قوی سبب ہے۔

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰی مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَیْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۲۵﴾

ع ۸

اس پر ان کے پیغمبر نے کہا کہ (کیا تم لوگ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے رہو گے) خواہ میں اس راستہ سے جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے زیادہ صحیح طریقہ تمہارے سامنے لے آیا ہوں وہ کہنے لگے ہم تو اس دین کو نہیں مانتے جس کو دے کر تم کو بھیجا گیا ہے آخر ہم نے ان سے انتقام لیا سو دیکھ لو تکذیب کرنے والوں کا کیسا برا انجام ہوا۔

قال کا فاعل وہ ضمیر ہے جو نذیر کی طرف راجع ہے یعنی نذیر نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے۔ رفتار کلام سے اول قول کی تائید ہو رہی ہے کیونکہ آگے فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ بعینہ ماضی فرمایا ہے۔

اولو جئتکم ہمزہ استفہامیہ انکاریہ ہے۔ باھدی زیادہ صحیح دین زیادہ سیدھا راستہ (بہر حال موصوف محذوف ہے)۔

قالوا پیغمبروں کے جواب میں کافروں نے کہا۔

ارسلتم بہ یعنی کافروں نے اپنے زمانہ کے پیغمبر سے کہا کہ تم کو اور تم سے پہلے پیغمبروں کو جو دین دے کر بھیجا گیا ہے ہم سب کے منکر ہیں۔ خواہ تمہارا لایا ہوا دین زیادہ صحیح ہی ہو یہ بات کہہ کر کافروں نے پیغمبر کی دعوت پر غور و فکر کرنے سے بھی انکار کر دیا۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ یعنی ہم نے بطور انتقام ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔

فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ الخ یعنی دیکھ لو پیغمبروں کی تکذیب کرنے والوں کا کیسا برا انجام ہوا یہی انجام ان لوگوں کا ہو گا جو آپ کی تکذیب کر رہے ہیں ہم ان سے بھی منکرین انبیاء کی طرح انتقام لیں گے آپ ان کے انکار کی پروانہ کریں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ﴿۲۷﴾

اور وہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے جب ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ میں ان چیزوں سے جن کو تم پوجتے ہو بیزار ہوں مگر ہاں جس نے مجھے پیدا کیا (اس کی عبادت کرتا ہوں) سو وہی میری رہنمائی کرتا ہے۔

براء یہ مصدر ہے اسی لئے نہ اس کی جمع آتی ہے نہ تثنیہ۔ اس جگہ مصدر صیغہ صفت کے معنی میں بطور مبالغہ ذکر کیا گیا

ہے۔

مِمَّا تَعْبُدُوْنَ ما مصدری ہے یعنی تمہاری اس پوجا سے میں بیزار ہوں یا موصولہ ہے یعنی تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ کاذکر کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم سے یہ بات کہی تھی تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ابراہیم نے باپ دادا کی تقلید سے کیسا اظہار بیزاری کیا تھا اور تقلید سے بیزاری کو کس طرح دلیل سے ثابت کیا تھا یہ مطلب ہے کہ اگر ان لوگوں کو تقلید ہی کرنی ہے اور اسلاف کی تقلید کے بغیر کوئی چارہ نہیں تو ان کو ابراہیم کی تقلید کرنی چاہئے وہ ان کے اسلاف میں سب سے زیادہ عالی قدر تھے ان لوگوں کو اس بات کا اعتراف ہے۔

اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ یعنی جس نے مجھے پیدا کیا۔ یہ استثناء منقطع ہے یا متصل ہے کیونکہ ما کا لفظ ما تعبدون میں عام ہے یا ماموصوفہ ہے اور تعبدون اس کی صفت ہے یعنی ما سے مراد کافروں کے معبود ہیں۔

سیہدین یعنی عطا کردہ ہدایت پر مجھے قائم رکھے گا یا معرفت کے درجہ بدرجہ مراتب مجھے عطا کرتا رہے گا۔

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً ۢ بَاقِيَةً فِىْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ اور ابراہیم اس عقیدہ کو اپنی اولاد میں بھی ایک قائم رہنے والی بات کر گئے تاکہ (ہر زمانہ میں مشرک لوگ) شرک سے باز آتے رہیں۔

آیت اِنَّنِىْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِىْ فَطَرَنِىْ سے کلمہ توحید مستفاد ہوتا ہے جعلہا میں ہا ضمیر کلمہ توحید کی طرف راجع ہے یعنی ابراہیمؑ نے کلمہ توحید کو اپنی اولاد کے لئے باقی چھوڑا۔ قتادہ نے کہا حضرت ابراہیم کی نسل میں ہمیشہ توحید کے پرستار باقی رہیں گے قرطبی نے جعل کا فاعل اللہ کو قرار دیا اور کہا اللہ ابراہیمؑ کی نسل میں ہمیشہ وصیت ابراہیمؑ کو قائم رکھے گا۔ ابن زید نے کہا کلمہ سے حضرت ابراہیمؑ کا قول اسلمت لرب العالمین مراد ہے ابن زید نے اس بیان کے وقت آیت سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ کی تلاوت بھی کی۔

لَعَلَّكُمْ يَرْجِعُوْنَ یعنی ابراہیم کا قول اہل مکہ کے سامنے بیان کرو شاید یہ لوگ ابراہیم کے دین اور وصیت کی طرف لوٹ آئیں۔

بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ بلکہ میں نے ان کافروں کو اور ان کے باپ دادوں کو خوب سامان دیا یہاں تک کہ ان کے پاس سچا قرآن اور احکام کو صاف صاف بیان کرنے والا پیغمبر آگیا اور جب ان کے پاس یہ سچا قرآن پہنچا تو کہنے لگے یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو نہیں مانتے۔

بَلْ مَتَّعْتُ یہ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ سے اضراب اور اعراض ہے۔

هٰٓؤُلَآءِ یعنی مکہ کے ان کافروں کو جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے۔

وآبائہم یعنی ان موجود کفار کے اسلاف کو جو ان سے پہلے گزر گئے۔ مطلب یہ کہ میں نے ان کو کفر کی فوری سزا نہیں دی۔

الحق حق سے مراد ہے قرآن مجید مقاتل نے کہا اسلام مراد ہے۔

قالو ھذا سحر یعنی یہ قرآن جادو ہے قرآن کو انہوں نے جادو اس لئے کہا کہ وہ قرآن جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز تھے۔

رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ معجزات کے ذریعہ سے رسالت کو ظاہر کرنے والا یا آیات و براہین کی روشنی میں توحید کو ظاہر کرنے والا یا اللہ کے احکام کو ظاہر کرنے والا۔

ابن جریر نے ضحاک کی حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب اللہ نے اپنے رسولؐ کو مبعوث فرمایا تو عرب نے ماننے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کسی انسان کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجنے سے اللہ کی شان بلند فرمائیں۔ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا

اَنۡ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ مِّنۡهُمۡ اور وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ اِلَّا رِجَالًا جب بار بار آیات کا بکثرت نزول ہونے لگا تو کہنے لگے اگر آدمی کا ہی پیغمبر ہونا ضروری تھا تو محمد ﷺ کے علاوہ دوسرے لوگ رسالت کے لئے زیادہ اہل تھے ان کو پیغمبر ہونا چاہئے تھا۔

وَقَالُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الۡقَرۡیَتَیۡنِ عَظِیۡمٍ ﴿۳۱﴾

اور کہنے لگے یہ قرآن دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا۔

دو بستیوں سے مراد ہیں مکہ اور طائف۔ رجل عظیم سے مراد ہے بڑی عزت والا دنیوی آبرو دار اور بڑا مالدار کافروں نے یہ سمجھا کہ رسالت بہت بامنصب ہے اور بڑا منصب بڑے آدمی کو ہی ملنا چاہئے انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ نبوت ایک روحانی مرتبہ ہے جس کا دنیوی وجاہت و دولت سے کوئی تعلق نہیں یہ مرتبہ چاہتا ہے کہ جس کو اس درجہ پر فائز کیا جائے وہ فضائل اور کمالات قدسیہ کا حامل ہو ذاتی اور صفاتی تجلیات کی جلوہ گاہ بننے کی اس میں صلاحیت ہو۔

ابن المنذر نے بروایت قتادہ بیان کیا کہ ولید بن مغیرہ نے کہا تھا۔ اگر یہ قرآن جس کا نزول محمد پر ہوتا ہے حق (یعنی من جانب اللہ) ہوتا تو مجھ پر یا ابن مسعود ثقفی پر نازل ہوتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد نے کہا کافروں کی مراد یہ تھی کہ مکہ میں عتبہ بن ربیعہ پر اور طائف میں عبد یالیل پر نازل ہوتا۔ بعض نے کہا مکہ میں ولیدہ بن مغیرہ پر اور طائف میں حبیب بن عمرو بن عمید ثقفی پر قرآن کا نزول مراد تھا۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس آخری قول کی نسبت کی گئی ہے۔ اللہ نے کافروں کے مذکورہ قول کی تردید میں فرمایا۔

اَهُمۡ یَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّکَ ؕ نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَیۡنَهُمۡ مَّعِیۡشَتَهُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِیًّا ؕ وَرَحۡمَتُ رَبِّکَ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ ﴿۳۲﴾

کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت یعنی نبوت کو خود بانٹ لینا چاہتے ہیں حالانکہ ہم نے ہی دنیوی زندگی میں ان کو ان کی روزی بانٹی ہے اور آپس میں ایک کو دوسرے پر بہت درجے بڑھا چڑھا رکھا ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے اور آپ کے رب کی رحمت اس مال سے بہتر ہے جس کو یہ جمع کرتے ہیں۔

رحمت رب سے مراد ہے نبوت۔ استفہام انکاری ہے اس کا مقصد ہے کافروں کی جہالت کا اظہار۔ توبیخ اور ان کے قول پر تعجب۔

معیشت یعنی وہ رزق جس سے زندگی وابستہ ہے۔

وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ الخ یعنی دولت اور دنیوی وجاہت میں بعض کو بعض سے اونچا کر دیا۔ کسی کو غنی نادیا اور کسی کو محتاج کسی کو مالک کسی کو غلام۔

لِّیَتَّخِذَ الخ سُخۡرِیًّا یعنی تابع حکم فرماں بردار عملی خادم سخریا میں یاء نسبتی ہے۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا بعض لوگ مال کے ذریعہ سے دوسرے کو اپنا غلام اور مملوک بنالیتے ہیں اور کوئی بھی اپنی معاش میں کمی بیشی نہیں کر سکتا اور اللہ معیشت تنگ کر دے تو کوئی اعتراض کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

وَرَحۡمَتُ رَبِّکَ یعنی نبوت اور لوازم نبوت دنیا کے اس بے مقدار حقیر مال سے بہتر ہے جس کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں خلاصہ بیان یہ کہ دنیا میں جب کوئی بزرگی و برتری خود حاصل کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اور کسی کو اس انتخاب میں دخل نہیں ہے۔ تو نبوت میں جو انسانیت کا اعلیٰ مقام ہے کیسے ان کی مرضی اور مشیت کو دخل ہو سکتا ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں بڑا آدمی اسباب دنیوی کی کثرت سے نہیں بنتا بلکہ نبوت عظمت انسانی کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔ دنیوی متاع تو اللہ کی نظر میں بے قدر حقیر اور قابل نفرت ہے۔

وَلَوۡلَاۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلۡنَا لِمَنۡ یَّکۡفُرُ بِالرَّحۡمٰنِ لِبُیُوۡتِهِمۡ سُقُفًا مِّنۡ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیۡهَا یَظۡهَرُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُیُوۡتِهِمۡ اَبۡوَابًا وَّسُرُرًا عَلَیۡهَا یَتَّکِـُٔوۡنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخۡرُفًا ؕ

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام
آدمی ایک ہی طریقہ کے یعنی کافر ہو جائیں گے تو لوگ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں ہم ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے اور زینے بھی جن پر چڑھ کر چھتوں پر پہنچتے ہیں چاندی کی کر دیتے اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور سامان آرائش بھی سب کچھ چاندی کا کر دیتے۔

الناس یعنی سب لوگ امۃ واحدہ ایک گروہ یعنی آخرت کی طرف سے یہ غفلت اور پیش نظر دنیا کی محبت کی وجہ سے سب لوگوں کے کافر بن جانے کا اگر خیال نہ ہوتا۔

سقفا یہ سقف کی جمع ہے جیسے رہن کی جمع رھن آتی ہے ابو عبیدہ نے کہا کوئی تیسری مثال ایسی نہیں کہ فعل کی جمع فعل آئی ہو، بعض کے نزدیک سقف سقیف کی جمع ہے بعض کے نزدیک سقوف کی جمع الجمع ہے۔

معارج سیڑھیاں۔ زینہ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ یعنی چھتوں پر زینہ سے چڑھ کر پہنچ جاتے۔

وسرر ا اور چاندی کے تخت سرر سریر کی جمع ہے۔

زخرفا زینت سجاوٹ۔ دوسری آیت اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ میں بھی زخرف کا معنی زینت ہے۔

کافروں کے لئے عیش دنیا کو مخصوص کر دینے کی یہ وجہ ہے کہ اللہ کی نظر میں دنیا قابل نفرت چیز ہے اور کافر بھی عند اللہ قابل نفرت ہیں پس قابل نفرت مکروہ چیز کو قابل نفرت لوگوں کے لئے مخصوص کر دیا۔

وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ ع ۳

اور نہیں ہے یہ سب چاندی کی چھتیں اور سیڑھیاں اور دروازے اور تخت اور سامان آرائش مگر دنیوی زندگی کا سر و سامان اور آخرت آپ کے رب کے نزدیک پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

وان ان نافیہ ہے لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ لما استثنائیہ ہے یعنی نہیں ہے مذکورہ بالا سارا سامان مگر اس زندگی کا اسباب عیش ہے جو قریب زوال ہی باقی رہنی والی نہیں ہے اللہ کی نظر میں اس کی کوئی وقعت نہیں۔

الاخرۃ دار آخرت پچھلا مکان۔ عند ربک یعنی اللہ کے علم اور فیصلہ میں۔

للمتقین یعنی ان لوگوں کے لئے دار آخرت ہے جو شرک و معاصی سے پرہیز رکھتے ہیں۔

آیت وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ دلالت کر رہی ہے کہ عظیم وہ ہے جو آخرت میں عظیم ہو دنیوی بڑائی ہیچ ہے۔ در پردہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ آسائش اور آرائش دنیا ساری کی ساری مومنوں ہی کو نہیں دی گئی بلکہ خدا کے دشمنوں کو بھی اس میں حصہ دار بنایا گیا ہے کیونکہ دنیا اللہ کی نظر میں مبغوض ہے اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ سب لوگ کافر ہو جائیں گے تو دنیا پوری کافروں کے لئے مخصوص کر دی جاتی اور اگر دنیا اللہ کے نزدیک اچھی اور پسندیدہ ہوتی تو کافروں کا ادنیٰ حقیر حصہ بھی اس میں نہ رکھا جاتا۔

حضرت سہل بن سعد راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ کے نزدیک دنیا کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتا تو کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی اللہ نہ دیتا دوسری روایت میں گھونٹ کی بجائے بوند کا لفظ آیا ہے (رواہ الترمذی والضیاء)

حضرت مستورد بن شداد فہری کا بیان ہے میں ان سواروں میں شامل تھا جو رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب ایک مردہ بکری کے بچہ پر جمع تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم لوگ دیکھ رہے ہو کہ اس کو بے قدر سمجھ کر گھر والوں نے یہاں پھینک دیا ہے۔ حاضرین نے عرض کیا جی ہاں بے قدر سمجھ کر اس کو پھینکا گیا ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جتنا یہ گھر والوں کی نظر میں بے قدر ہے اس سے زیادہ اللہ کے نزدیک دنیا بے قدر ہے رواہ البغوی۔

ابو نعیم نے لکھا ہے کہ داؤد بن ہلال جنی نے کہا حضرت ابراہیم کے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے اے دنیا تو نیکوں کے سامنے آراستہ ہو کر آتی ہے لیکن تو ان کی نظر میں بہت حقیر ہے میں نے ان کے دلوں میں تیری نفرت اور تیری طرف سے بے رخی

ڈال دی تجھ سے زیادہ ذلیل میں نے اور کوئی مخلوق نہیں پیدا کی تو ہر حالت میں حقیر ہے (تیرا انجام فنا ہے) فنا کی طرف تو جارہی ہے جس روز میں نے تجھے پیدا کیا تھا اسی روز فیصلہ کر دیا تھا کہ نہ تو کسی کے لئے ہمیشہ رہے گی نہ کوئی تیرے لئے ہمیشہ رہے گا خواہ تیرا حامل کتنا ہی تیرا حریص ہو اور کتنا ہی تیرے سلسلہ میں کنجوس ہو خوشی ہو ان نیکوکاروں کے لئے جو میری خوشنودی پر قائم رہ کر اندرون قلب سے مجھے دیکھتے اور صدق واستقامت پر قائم رہ کر اپنے ضمیر سے میری طرف جھانکتے ہیں خوب ہے ان کے لئے وہ ثواب جو میرے پاس ہے جب وہ قبروں سے اٹھ کر میری طرف آئیں گے تو ان کا نور ان کے آگے آگے اور دائیں طرف دوڑتا ہوا آئے گا اور ملائکہ ان کو گھیرے ہوئے ہوں گے اس وقت میں ان کو اپنی اس رحمت تک پہنچادوں گا جس کے وہ امیدوار تھے۔

حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ ملعون ہے سواء اس چیز کے جو اللہ کی طرف سے ہے یعنی ہدایت ایمان اسلام کتب الٰہیہ ملائکہ وغیرہ رواہ الضیاء

ابن ماجۃ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اور طبرانی نے الاوسط میں صحیح سند سے حضرت ابن مسعود کے حوالہ سے بھی یہ حدیث اسی طرح بیان کی ہے صرف اتنا فرق ہے کہ آخری استثنائیہ فقرہ کی بجائے یہ الفاظ ہیں۔ اللہ کا ذکر اور اللہ کے ذکر کے لوازم اور عالم اور طالب علم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ بزار نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے استثنائیہ فقرہ اس طرح نقل کیا ہے سواء بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے یا اللہ کے ذکر کے۔

طبرانی نے الکبیر میں حضرت ابودرداءؓ کی روایت سے آخری فقرہ اس طرح نقل کیا ہے سواء اس عمل و قول کے جس سے اللہ کی خوشنودی کی طلب مقصود ہو۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں بہشت کے اندر کوئی گھر نہیں اور یہ اس کے لئے مال ہے جس کا آخرت میں کوئی مال نہیں اس کو وہی جمع کرتا ہے جس کے اندر عقل نہیں۔ (رواہ احمد و البیہقی) بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے اس کو موقوفاً بھی نقل کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا مومن کا قید خانہ اور اس کا خفیف سا خواب ہے جب وہ دنیا کو چھوڑ جاتا ہے تو قید خانہ سے اور خواب سے چھوٹ جاتا ہے۔ رواہ احمد والطبرانی والحاکم فی المستدرک وابو نعیم فی الحلیۃ۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔ رواہ احمد والترمذی و مسلم فی الصحیح۔

بیہقی اور حاکم نے حضرت سلمان کی روایت سے اور بزار نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔

حدیث کی مراد یہ ہے کہ مومن خواہ کتنے ہی عیش دنیوی میں ہو لیکن آخرت میں جو ثواب اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے اس کے مقابلہ میں یہ عیش دنیا ایک قید خانہ ہے اور کافر اس زندگی میں خواہ کتنے ہی دکھ اور مصیبت میں ہو لیکن آخرت میں جو عذاب اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے اس کے مقابلہ میں یہ دنیوی دکھ اس کے لئے جنت ہے۔ واللہ اعلم۔

ایک سوال

مؤلف مسند الفردوس نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا اہل آخرت کے لئے حرام ہے اور آخرت اہل دنیا کے لئے حرام ہے اور دنیا و آخرت دونوں اہل اللہ کے لئے حرام ہیں اس کا کیا مطلب ہے۔

جواب

میرے نزدیک حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اہل آخرت یعنی مومنوں کے لئے دنیا کی محبت حرام ہے یہ معنی نہیں کہ دنیا

سے بہرہ اندوز ہونا حرام ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ اللہ نے اپنے بندوں کے لئے دنیوی زیبائش اور پاکیزہ رزق حرام نہیں کیا ہاں قیامت کے دن یہ عیش ولذت مومنوں کے لئے مخصوص ہے۔ اب جو دنیا کی محبت میں مبتلا ہوتا ہے وہ اپنی آخرت خراب کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جس نے اپنی دنیا سے محبت کی اس نے اپنی آخرت کا نقصان پہنچایا اور جس نے اپنی آخرت سے پیار کیا اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا۔

تم غیر فانی آخرت کو فانی دنیا پر ترجیح دو۔ یعنی آخرت کو اختیار کرو رواہ احمد والحاکم فی المستدرک عن ابی موسیٰؓ۔

آخرت سے مراد ہیں آخرت کی خوش نصیبیاں، لذتیں، اہل دنیا یعنی کفار جن کا مقصد صرف دنیا کا حصول ہے آخرت کی لذتیں ان کے لئے حرام ہیں آیت مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ میں یہی لوگ مراد ہیں۔

باقی دنیا و آخرت یعنی دونوں کی محبت اہل اللہ کے لئے حرام ہے۔ اہل اللہ کے دلوں میں اللہ کی محبت ایسی رچی ہوتی ہے کہ دوسری طرف وہ گوشۂ چشم سے بھی نہیں دیکھتے ان کے دلوں کی توجہ کسی اور طرف ہوتی ہی نہیں روایت میں آیا ہے کہ رابعہ بصریہ ایک ہاتھ میں پانی سے بھرا کوئی برتن اور دوسرے ہاتھ میں آگ کا ٹکڑا پکڑی جارہی تھیں کسی نے پوچھا آپ کہاں جارہی ہیں فرمایا میں چاہتی ہوں کہ اس پانی سے دوزخ کی آگ کو بجھادوں اور اس آگ سے جنت کو جلادوں تاکہ جنت کے لالچ اور دوزخ کے خوف سے کوئی شخص اللہ کی عبادت نہ کرے بلکہ محض لوجہ اللہ عبادت کرے۔

مجددؒ الف ثانی نے فرمایا رابعہ کا یہ قول شکر پر مبنی تھا سلوک کی دنیا میں تو مومن کا فرض ہے کہ جنت کا خواہش مند ہو صرف اس وجہ سے کہ وہ رحمت خداوندی کا مقام ہے اور دوزخ سے اللہ کی پناہ کا طلب گار ہو کیونکہ دوزخ اللہ کی ناراضگی اور غضب کا محل ہے مومن کو فی نفسہٖ نہ جنت کی تمنا ہوتی ہے نہ دوزخ کا ڈر اس کی خواہش و بیم کی بناء اس بات پر ہوتی ہے کہ ایک مرکز رحمت اور دوسرا مقام غضب ہے (پس حقیقت میں جنت کی طلب رحمت خداوندی کی طلب اور دوزخ کا خوف اللہ کے غضب کا خوف ہوتا ہے۔ مترجم)

ایک سوال

سامان دنیا سے بہرہ اندوز ہونا جائز ہے بشرطیکہ اللہ اور اس کے بندوں کی حق تلفی نہ ہو اور طلب معاش جائز بلکہ فرض ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے حلال روزی کی طلب فرض الٰہی ادا کرنے کے بعد فرض ہے رواہ الطبرانی والبیہقی عن ابن مسعود۔ پھر دنیا اور محبت دنیا کی حرمت کا کیا معنی۔

جواب

دنیا کی محبت کا یہ مطلب ہے کہ آخرت پر دنیا کو ترجیح دینے لگے کمانے اور دنیوی عیش حاصل کرنے میں اتنا انہماک ہو جائے کہ حصول ثواب اور خوف عذاب سے غفلت ہو جائے مال جمع کرنے کی اتنی حرص پیدا ہو جائے کہ لمبی لمبی آرزوؤں میں گرفتار ہو جائے دولت مندوں کو ناداروں سے بہتر سمجھنے لگے اہل ثروت کی تعظیم محض اس وجہ سے کرنے لگے کہ وہ سرمایہ دار ہیں کسی مضرت کو دفع کرنے یا احسان کا بدلہ دینے یا کسی اور جائز شرعی مقصد کے زیر اثر امیروں کی تعظیم نہ ہو محض ان کی دولت کی وجہ سے ہو یا امراء کی تعظیم تکریم کر کے ان کا قرب حاصل کرنے کے بعد اپنا عروج اور بالادستی چاہتا ہو یا تعمیر کو تخریب سے بدلنے کا خواستگار ہو اور ملک میں تباہی پھیلانا چاہتا ہو۔ تو یہ سب صورتیں ناجائز ہیں لیکن جو لوگ تجارت اور خرید و فروخت میں پھنس کر اللہ کی یاد اور ادائے صلوٰۃ و زکوٰۃ سے غافل نہ رہتے ہوں اور روز حشر سے ہر وقت خوف زدہ ہوں ان کے لئے کسب معاش حرام نہیں ہے اگر تحصیل مالی سے ان کا مقصد اپنی اور اپنے اہل و عیال کی پرورش اور ان کے حقوق کی ادائیگی ہو یا عبادت کے لئے جسمانی قوت حاصل کرنا یا اللہ کی راہ میں مستحقوں کو دینا مقصود ہو تو کسب معاش ان کے لئے مکروہ نہیں ہے بلکہ بعض صورتوں

میں واجب اور بعض صورتوں میں مستحب اور بعض صورتوں میں مباح ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی حلال مال کمائے پھر اس میں سے خود کھائے یا پہنے اور اس کے بعد اللہ کی اس مخلوق کو کھلائے پہنائے جو اس سے قریبی تعلق رکھتی ہے تو یہ عمل اس کے لئے گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ہو جائے گا۔ رواہ ابن حبان فی صحیحہ من حدیث ابی سعیدؓ۔

لیکن طلب دنیا میں اعتدال مسنون ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا طلب دنیا میں اعتدال رکھو کیونکہ ہر شخص کو وہ چیز آسانی سے مل جائے گی جو اس کے لئے پیدا کی گئی ہو۔ رواہ احمد ابن ماجۃ والحاکم۔ اور جو شخص اللہ کی

وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيۡنٌ ۝

نصیحت یعنی قرآن کی طرف سے اندھا بن جاتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں سو وہ ہر وقت اس کے ساتھ لگا رہتا ہے۔

یعنی ۱؎ جو قرآن کی طرف سے اعراض کرے گا اور خواہشات نفسانی میں انہماک رکھنے اور دنیوی لذتوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے اللہ کے ذکر کی طرف سے اندھا بنا رہے گا۔

عشوت الیہ میں نے براہ راست اس کا قصد کیا۔ عشوت عنہ میں نے اس سے رخ پھیر لیا۔ اسی طرح عدلت الیہ میں اس کی طرف مائل ہو گیا۔ عدلت عنہ میں اس کی طرف سے مڑ گیا۔

رغبت فیہ میں نے اس کی رغبت کی۔ رغبت عنہ میں نے اس سے اعراض کیا۔ خلیل کا قول ہے کہ عشو (مصدر) کا معنی ہے کمزور نظر سے دیکھنا۔

نُقَيِّضۡ لَهٗ ہم شیطان کو اس پر مسلط کر دیتے ہیں اس کے ساتھ شیطان کو ملا دیتے ہیں جوڑ دیتے ہیں۔

فَهُوَ لَهٗ قَرِيۡنٌ۔ پس شیطان اس کا ساتھی ہو جاتا ہے، اس سے الگ نہیں ہوتا گناہوں اور بدکاریوں کو آراستہ کر کے اس کی نظر کے سامنے لاتا ہے اور یہ خیال اس کے ذہن میں پیوست کر دیتا ہے کہ یہی ہدایت کا راستہ ہے۔ اور حقیقت یہ ہے

وَاِنَّهُمۡ لَيَصُدُّوۡنَهُمۡ عَنِ السَّبِيۡلِ وَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ۝

کہ شیطان ان کو راہ ہدایت سے روکتے ہیں اور وہ بھٹکے ہوئے لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم راہ ہدایت پر ہیں۔

من یعش میں من کا لفظ مفرد ہے لیکن معنی کے لحاظ سے جمع ہے اس لئے یصدونہم میں ہم ضمیر جمع اور یحسبون میں صیغہ جمع ذکر کیا۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيۡتَ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكَ بُعۡدَ الۡمَشۡرِقَيۡنِ فَبِئۡسَ الۡقَرِيۡنُ ۝

یہاں تک کہ جب ایسا شخص ہمارے پاس آئے گا تو اس شیطان سے کہے گا کہ کاش دنیا میں میرے تیرے درمیان اتنا فاصلہ ہوتا جتنا مشرق سے مغرب کا تھا تو برا ساتھی تھا۔

قَالَ یعنی کافر جو قرآن کی طرف سے اندھا ہو گیا تھا اپنے شیطان سے کہے گا۔

یٰلَیۡتَ یا اس جگہ حرف تنبیہ ہے یا حرف ندا ہی ہے اور منادی محذوف ہے یعنی یا قرین۔

۱؎ محمد بن عثمان مخزومی کا بیان ہے کہ قریش نے باہم مشورہ کر کے طے کیا کہ محمد کے ہر ساتھی پر اپنا ایک آدمی مقرر کرو تاکہ وہ جا کر محمد کے رفیق کو دھر پکڑے حسب مشورہ حضرت ابو بکرؓ کے لئے طلحہ بن عبید اللہ کو مقرر کیا گیا طلحہ حضرت ابو بکر کے پاس اس وقت پہنچے جب آپ کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے حضرت ابو بکر نے پوچھا تم مجھے کس بات کو ماننے کی دعوت دے رہے ہو۔ طلحہ نے کہا ہم تم کو لات اور عزیٰ کی پوجا کی طرف بلا رہے ہیں حضرت ابو بکر نے فرمایا لات کیا ہے طلحہ نے کہا ہمارا رب پوچھا عزیٰ کیا ہے۔ طلحہ نے کہا لڑکیاں حضرت ابو بکر نے پوچھا ان کی ماں کون تھی۔

طلحہ لاجواب ہو گئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا جواب دو۔ سب خاموش رہے اس پر طلحہ نے کہا ابو بکر اٹھ کھڑے ہو اشہد ان لا الہ الا اللہ و ان محمد الرسول اللہ اس پر آیت وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا الخ نازل ہوئی۔

بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ مشرقین دو مشرق اس سے مراد ہے مشرق اور مغرب۔ یا دو مشرق سے مراد ہے گرمی اور سردی کے موسم میں سورج کے طلوع ہونے کے جدا جدا مقامات۔

حضرت ابو سعیدؓ خدری کا بیان ہے کہ جب کافر کو قبر سے اٹھایا جائے گا تو اس کے ساتھ اس کے شیطان کو ملا کر جوڑ دیا جائے گا شیطان اس سے الگ نہ ہوگا یہاں تک کہ دونوں دوزخ میں داخل ہوں گے۔

وَلَنْ يَنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ أَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ۝ اور ان سے کہا جائے گا کہ جب دنیا میں تم کفر کر چکے تو آج یہ بات تمہارے کام نہیں آئے گی کہ تم اور شیطان عذاب میں شریک ہو۔

اذ ظلمتم یعنی جب اس روز ظاہر ہو جائے گا کہ دنیا میں تم نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تھا اور سب مشترک تھے تو عذاب میں بھی باہم مشترک ہو گئے یا یہ مطلب ہے کہ عذاب میں تم سب کا باہم مشترک ہونا تمہارے لئے مفید نہ ہوگا یعنی مرگ انبوہ دوزخ کے اندر عذاب کی تکلیف کو ہلکا نہیں کر سکے گی دنیا میں قاعدہ ہے کہ جب سب لوگ کسی سختی میں مبتلا ہو جائیں تو سختی کا احساس ہلکا ہو جاتا ہے عذاب کی شدت چونکہ ہر شیطان پر بدرجہ اتم اور کامل ترین ہوگی اس لئے دوسرے ساتھیوں کا شدائد میں مبتلا ہونا اس کو فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔

أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ کیا آپ ایسے بہروں کو سنا سکتے ہیں ایسے اندھوں کو اور ان لوگوں کو جو صریح گمراہی میں راہ دکھا سکتے ہیں۔

ومن کان کا عطف العمی پر ہے کیونکہ نابینا ہونا اور گمراہ ہونا دونوں صفتیں الگ الگ ہیں۔

افانت میں استفہام تعجبی انکاری ہے یعنی یہ کافر جب کفر کے خوگر ہو گئے اور گمراہی میں ایسے ڈوب گئے کہ ظلمت کفر کا پردہ ان کی آنکھوں پر پڑ گیا اور ان کے کانوں میں ایسی گرانی آگئی کہ وہ آپ کا کلام گوش حق نیوش سے نہیں سنتے اور جو راستہ آپ ان کو دکھا رہے ہیں وہ طریق حق ان کو نہیں سوجھتا تو ایسے بہروں کو آپ کلام حق نہیں سنا سکتے اور نہ ایسے اندھوں کو راہ راست دکھا سکتے ہیں۔

فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُمْ مُنْتَقِمُونَ ۝ أَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِمْ مُقْتَدِرُونَ ۝

پس اگر ہم آپ کو دشمنوں کو تباہ کرنے سے پہلے دنیا سے اٹھالیں تو بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں یا جس عذاب کا ہم نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے آپ کی زندگی ہی میں ہم آپ کو دکھا دیں تو کچھ بعید نہیں ہم کو ان پر ہر طرح سے قدرت حاصل ہے۔

فاما اصل میں فان ما تھا اس میں ان شرطیہ ہے اور ما زائد برائے تاکید۔ اس لئے نذہبن میں نون تاکید ثقیلہ لانا ضروری ہوا مطلب یہ کہ ان کافروں کو عذاب دینے سے پہلے اگر ہم آپ کو وفات دے دیں۔ تو آپ کے بعد بلاشبہ ہم ان کو دنیا میں بھی عذاب میں مبتلا کریں گے اور آخرت میں بھی یعنی آپ کچھ فکر نہ کریں ہم تو ان سے انتقام لینے والے ہی ہیں۔ اور آپ کی زندگی میں ہی ان پر عذاب موعود آجائے تو آپ کو تعجب نہ کرنا چاہئے ہم ان کو عذاب دینے پر بہر حال قدرت رکھتے ہیں یہ ہمارے قبضہ سے باہر نہیں ہیں ہم جب چاہیں گے ان کو عذاب دے سکتے ہیں۔

آیت مندرجہ میں مشرکین مکہ مراد ہیں بدر کی لڑائی میں اللہ نے ان سے انتقام لے لیا۔ اکثر اہل تفسیر کا یہی قول ہے۔

حسن اور قتادہ کا قول ہے کہ امت اسلامیہ مراد ہے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تو امت مسلمہ کے درمیان آپس میں کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو حضور ﷺ کے لئے تکلیف رساں اور رنجدہ ہوتی لیکن حضور ﷺ کی وفات کے امت محمدیہ شدید عذاب باہمی جدال و قتال اور نفاق و شقاق میں مبتلا ہو گئی۔

روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خواب میں وہ حوادث دکھا دیئے گئے جو امت کو آپ ﷺ کے بعد پیش آنے والے تھے اس خواب کے بعد وقت وفات تک آپ کو کبھی خندان و فرحان نہیں دیکھا گیا۔ میں کہتا ہوں شاید امام حسین کا شہید

ہونا اور بنی امیہ کے آئندہ کرتوت حضور ﷺ کو خواب میں دکھادئے گئے تھے۔

عبد الرحمن بن مسعود عبدی کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ نے اس آیت کی تلاوت کے بعد فرمایا کے نبی تو چلے گئے اور اللہ کا عذاب اس کے دشمنوں کے لئے باقی رہ گیا۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ تو آپ اس پر قائم رہئے جو آپ کے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجا گیا ہے کیونکہ بلاشبہ آپ سیدھے راستہ پر ہیں یعنی وحی منطوق قرآن مجید اور غیر منطوق جس کا مضمون وحی سے تعلق رکھتا ہو اور الفاظ رسول اللہ ﷺ کے ہوں کی پابندی کیجئے اور پر عمل کیجئے۔ کیونکہ آپ راہ راست پر ہیں جس میں کہیں کجی نہیں ہے۔

فَاسْتَمْسِكْ میں سببیہ ہے اور جملہ کا ربط آیت اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا سے ہے دونوں کے درمیان تمام جملے معترضہ ہیں۔ اور اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ کلام سابق کی علت ہے۔

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ اور بلاشبہ یہ قرآن آپ کے لئے اور آپ کی قوم یعنی قریش کے لئے عظیم الشان شرف ہے۔[1]

بغوی نے بروایت ضحاک حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جب دریافت کیا جاتا کہ آپ کے بعد آپ کی بجائے کون ہوگا تو حضور کوئی جواب نہیں دیتے تھے لیکن اس آیت کے نزول کے بعد جب آپ ﷺ سے یہ بات دریافت کی تو فرمایا یہ جانشینی قریش کو حاصل ہوگی۔ حضرت علیؓ سے اسی طرح کی حدیث روی ہے حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک دو آدمی بھی باقی ہوں گے یہ امر قریش کے ہاتھ میں ہوگا جب تک دو شخص یعنی مسلمان باقی ہوں یہ امر خلافت قریش کے لئے ہونا چاہئے۔ اول صورت میں جملہ خبریہ ہوگا اور دوسرے ترجمہ پر انشاء بصورت خبر مترجم۔

حضرت معاویہؓ کا بیان ہے میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ یہ امر قریش میں رہے گا جو کوئی ان سے دشمنی کرے گا اللہ اس کو منہ کے بل گرادے گا جب تک وہ دین کو سیدھا رکھیں گے (یعنی دین پر قائم رہیں گے)

مجاہد نے کہا قوم سے مراد ہیں عرب قرآن عرب کی زبان میں نازل ہوا عام عرب کو یہ شرف حاصل ہے پھر درجہ بدرجہ جس جس عرب میں خصوصیت بڑھتی گئی اس کے لئے شرف بھی خاص ہوتا گیا یہاں تک کہ یہ خصوصی شرف سب سے زیادہ قریش کو اور قریش میں بنی ہاشم کو حاصل ہوا۔

آیت کا تفسیری مطلب اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ شرف آپ کو اس وجہ سے حاصل ہوا کہ اللہ نے آپ کو

---

[1] حضرت عدی بن حاتم نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ حضور نے ارشاد فرمایا میرے دل میں جو اپنی قوم کے محبت ہے وہ اللہ کو معلوم تھی اس لئے اس نے مجھے مع قوم کے شرف عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ اللہ نے اپنی کتاب میں اس آیت میں میری قوم کو ذکر اور شرف عنایت فرمایا اس کے بعد فرمایا وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ پس اللہ کا شکر ہے کہ اس نے صدیق کو میری قوم سے بنایا شہید کو میری قوم سے کیا اور اماموں کو میری قوم سے کیا۔ بے شک اللہ بدنوں کو الٹ پلٹ کردیتا ہے اس نے قریش کو تمام عرب سے بہتر کردیا قریش ہی وہ بابرکت درخت ہے جس کے متعلق اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔ مَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاۗءِ سماء سے مراد ہے شرف اسلام جس کی ہدایت اللہ نے قریش کو کی اور ان کو اس شرف کا اہل بنایا۔ اس کے بعد قریش کے حق میں اللہ نے سورت لایلاف نازل فرمائی۔

حضرت عدی بن حاتم کا بیان ہے میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کبھی ذکر خیر آیا ہو اور آپ خوش نہ ہوئے ہوں اتنے خوش کہ چہرہ مبارک پر مسرت کے آثار سب لوگوں کو دکھ جاتے تھے اور آپ اکثر آیت وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ پڑھا کرتے تھے۔ (از مفسر بر واللہ مضجعہ)

حکمت عطا فرمادی اور آپ کی قوم یعنی مومنوں کو یہ شرف اس وجہ سے حاصل ہوا کہ اللہ نے ان کو اسلام کی ہدایت دے دی۔
وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾ اور عنقریب تم سب سے پوچھا جائے گا۔
یعنی قیامت کے دن تم سے قرآن کے متعلق باز پرس ہو گی اور دریافت کیا جائے گا کہ قرآن کی پابندی جو تم پر لازم تھی تم نے کس قدر کی۔
وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ ع ۱۰
اور آپ ان سب پیغمبروں سے یعنی ان کی کتابوں سے اور تعلق سے جن کو آپ سے پہلے ہم نے بھیجا تھا پوچھ لیجئے کہ کیا ہم نے خدا رحمٰن کے سوا اور معبود مقرر کر رکھے تھے کہ ان کی عبادت کی جاتی ہو۔
بغوی نے لکھا ہے اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیت مذکورہ میں کن لوگوں سے دریافت کرنے کا حکم دیا گیا پیغمبروں سے یا پیغمبروں کی امتوں سے عطا کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب معراج میں رسول اللہ ﷺ کو لے جایا گیا تو حضرت آدم اور آپ کی نسل میں جو انبیاء ہوئے سب کو رسول اللہ ﷺ نے ملنے کے لئے بھیجا گیا حضرت جبرئیلؑ نے اذان اور اقامت کہی اور کہا محمد ﷺ آگے بڑھ کر نماز پڑھاؤ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی نماز سے فراغت کے بعد جبرئیل نے کہا محمد سَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا محمد ﷺ آپ سے پہلے جو انبیاء ہم نے بھیجے تھے ان سے دریافت کرو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پوچھنے کی ضرورت نہیں میرے لئے اتنا ہی کافی ہے۔
زہری سعید بن جبیر اور ابن زید کا قول بھی یہی ہے کہ شب معراج میں تمام انبیاء کو اللہ نے جمع کیا اور رسول اللہ ﷺ کو ان سے دریافت کرنے کا حکم دیا۔ لیکن حضور ﷺ کو کوئی شک نہ تھا اس لئے آپ نے کسی سے کچھ سوال نہیں کیا۔
اکثر اہل تفسیر کا خیال ہے کہ مَنْ اَرْسَلْنَا سے پہلے امم کا لفظ محذوف ہے یعنی گزشتہ انبیاء کی امتوں کے عالموں سے دریافت کرلو علماء امم سے مراد ہیں وہ اہل کتاب جو ایمان لے آئے تھے (عطاء کے علاوہ) باقی تمام روایات میں حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی گئی ہے مجاہد قتادہ ضحاک سدی حسن اور مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔
حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کی قرأت میں وَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا اور دریافت کر لیجئے ان لوگوں سے جن کے پاس آپ سے پہلے ہم نے اپنے پیغمبر بھیجے تھے آیا ہے اس قرأت سے بھی حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کی مشہور تفسیر کی تائید ہوتی ہے۔
سوال کا مطلب اپنے شک کا ازالہ نہیں بلکہ مشرکین قریش کو یہ بتانا اور یقین دلانا مقصود ہے کہ ہر پیغمبر جو اللہ کی طرف سے بندوں کے لئے بھیجا گیا اس نے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود قرار دینے کی ممانعت کی۔
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾
فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾
اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں عصا اور ید بیضاء دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا موسیٰ نے پہنچنے کے بعد کہا میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں جب موسیٰ ہماری نشانیاں لے کر ان کے پاس پہنچے تو وہ لوگ ان معجزات کی ہنسی بنانے لگے۔
حضرت موسیٰؑ کا قصہ بیان کرنے سے مقصود ہے رسول اللہ ﷺ کو تسکین خاطر عطا کرنا اور کافروں کے قول لَوْ لَا نُزِّلَ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ کو غلط قرار دینا اور حضرت موسیٰؑ کی دعوت توحید کو شہادت میں پیش کرنا۔
مِنْهَا يَضْحَكُوْنَ شروع میں جب فرعون اور اس کے درباروالوں نے معجزات کو دیکھا تو بغیر سوچے سمجھے ان کا مذاق اڑانے لگے۔
وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾
اور ہم ان کو جو نشانی دکھاتے تھے وہ دوسری نشانی سے بڑھ کر ہوتی تھی اور ہم نے ان کو عذاب میں پکڑا تھا کہ وہ

کرے باز آجائیں۔
من ایۃ یعنی عذاب کی نشانی۔ جیسے کال۔ طوفان ٹڈیاں، مینڈک خون وغیرہ یہ سب حضرت موسیٰؑ کی صداقت کی نشانیاں تھیں۔
من اختہا یعنی اپنی ساتھ والی سابق نشانی سے بڑی۔ مطلب یہ ہے کہ ہر معجزہ اعجاز کی چوٹی پر پہنچا ہوا تھا ہر معجزہ کو دیکھنے والا یہی سمجھتا تھا کہ یہ پہلے معجزہ سے بڑا ہے کیونکہ ہر معجزہ انتہائی بڑا تھا جیسے ایک شاعر کا شعر ہے۔

من تلق منهم فقد لاقيت سيد هم — مثل النجوم التي يسرى بها السارى

ان میں سے جس سے تمہاری ملاقات ہو تم یہی سمجھو گے کہ ان کے سردار سے ملاقات ہوئی یعنی ہر ایک کے اندر سرداری کے اوصاف کامل طور پر موجود ہیں جیسے ستارے جن کی روشنی میں رات کا راہی چلتا ہے۔ اور ہر ستارہ اس کو دوسرے سے بڑھ چڑھ کر روشنی بخش دکھائی دیتا ہے یا یوں کہا جائے کہ ہر معجزہ کی نوعیت اور خصوصیت دوسرے معجزہ سے ممتاز تھی۔
اَخَذْنٰھُمْ یعنی فرعون کو ہم نے پکڑا لعلھم یرجعون تاکہ وہ کفر سے لوٹ آئیں۔

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور انہوں نے کہا اے جادوگر اپنے رب سے وہ بات طلب کر جس کا اس نے تجھ سے عہد کر رکھا ہے ہم ضرور راہ پر آئیں گے۔
فرعونیوں نے حضرت موسیٰؑ سے درخواست کی کہ دعا کر کے عذاب کو ان سے دور کرا دیں اور لالچ یہ دیا کہ ہم آپ کی ہدایت پر چلیں گے اور آپ پر ایمان لے آئیں گے لیکن اس مجبوری کی درخواست کے بعد بھی نبی نہیں کہا بلکہ حسب سابق جادوگر ہی کہا کیونکہ ان کے دلوں میں کفر بھرا ہوا تھا اور انتہائی حماقت ان پر مسلط تھی گویا وہ سمجھے ہوئے تھے کہ موسیٰؑ بڑا جادوگر ہے اور ہم مقابلہ سے عاجز ہیں اگر اس نے عذاب کو ہمارے سروں سے دور کر دیا تو ہم اس کا بڑا جادوگر ہونا مان لیں گے اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلیں گے۔ مترجم۔
بعض اہل علم کا قول ہے کہ تعظیم و توقیر کے لئے انہوں نے حضرت موسیٰؑ کو جادوگر کہا تھا کیونکہ ان کے نزدیک ایک عظیم الشان علم تھا گویا انہوں نے یوں کہا اے عالم کامل اور ماہر علم۔
میرے نزدیک یہ تفسیر صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے انہوں نے معجزات کو سحر قرار دیا تھا اور حضرت موسیٰؑ نے ان کے جواب میں کہا تھا اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ اَسِحْرٌ هٰذَا وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ۔
بعض نے کہا کہ یا ایہا الساحر کہنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ شخص جو جادو کے زور سے ہم پر غالب آگیا ہے۔ یہ مطلب اول مطلب کے قریب ہے۔
اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ یعنی عذاب دور کرنے کی اپنے رب سے دعا کیجئے۔
بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ یعنی تم نے ہم سے کہا ہے کہ تم اگر دعا کرو گے تو تمہارا رب عذاب کو دور کر دے گا اس نے تم سے اس کا وعدہ کر لیا ہے۔
اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ یعنی تمہاری دعا سے اگر عذاب دور ہو گیا تو ہم تمہاری ہدایت پر ضرور چلیں گے حضرت موسیٰؑ نے دعا کی اور عذاب قبطیوں کے سروں سے ٹل گیا۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾

پھر جونہی ہم نے ان سے عذاب دور کر دیا تب ہی انہوں نے (اپنا) عہد توڑ دیا۔
یعنی حضرت موسیٰؑ کی دعا سے جب اللہ نے عذاب دور کر دیا تو یکدم انہوں نے ایمان لانے کا وعدہ توڑ دیا اور کفر پر جمے رہے۔

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۞ اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرائی یہ بات کہی کہ اے میری قوم کیا مصر کی سلطنت اور یہ نہریں جو میرے (محلات کے) نیچے بہہ رہی ہیں میری نہیں ہیں کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔

یعنی عذاب دور ہونے کے بعد فرعون نے قوم کے مجمع میں پکار کر کہا کیونکہ اس کو اندیشہ پیدا ہوا کہ کوئی شخص کہیں ایمان نہ لے آئے۔

وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ نیل سے متعدد نہریں نکلی تھیں جن میں چار بڑی تھیں۔ نہر شاہی نہر طولون نہر دمیاط نہر تینس

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ یعنی میرے محلات کے نیچے جاری ہیں یا میرے زیر حکم بہہ رہی ہیں یا میرے سامنے باغوں میں جاری ہیں۔ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ کیا تم یہ چیزیں نہیں دیکھ رہے ہو۔

اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ۞ بلکہ میں اس شخص سے بہتر ہوں جو حقیر ذلیل ہے اور (اپنا مدعا) واضح طور پر بیان بھی نہیں کر سکتا۔

مھین مہانت سے مشتق ہے مہانت کا معنی ہے قلت اس سے مراد ہے حقیر کمزور ذلیل جو سردار ہونے کا اہل نہیں ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی زبان صاف نہیں تھی تو تلے تھے آپ نے دعا کی تھی اے اللہ میری زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھیں دعا سے زبان کچھ کھل گئی (اتنی کہ لوگ بات سمجھنے لگے) پھر بھی کچھ بندش رہ گئی اسی کو فرعون نے نقص اور عیب قرار دیا ام منقطعہ ہے اس کے اندر ہمزہ استفہام کا معنی ہے اور استفہام تقریری ہے (یعنی میں بہتر ہوں)

بغوی نے لکھا ہے اکثر مفسرین کے نزدیک ام بمعنی بل ہے فراء کے نزدیک ام متصلہ ہے اور اس پر وقف ہے اور کلام کا کچھ حصہ پوشیدہ ہے۔ یعنی کیا تم یہ نہیں دیکھتے ہو یا دیکھتے ہو اس صورت پر ام کے بعد جدید کلام شروع ہوتا ہے مسبب کو سبب کے قائم مقام ذکر کیا ہے آیت کا معنی اس طرح ہوگا تم جانتے ہو کہ میں اس سے بہتر ہوں بہتر ہونے کا علم مسبب ہے اور دیکھنا اس کا سبب ہے گویا یوں فرمایا کیا تم نہیں دیکھتے یا دیکھتے ہو اور دیکھنے کے بعد جانتے ہو کہ میں اس سے بہتر ہوں۔

فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ۞ تو سونے کے کنگن اس پر کیوں نہیں ڈالے گئے یا فرشتے اس کے ساتھ پرا باندھ کر آئے ہوتے۔

مجاہد نے کہا اہل مصر کا دستور تھا کہ جب کسی شخص کو اپنا سردار بناتے تھے تو اس کو سونے کے کنگن اور طوق پہناتے تھے سردار ہونے کی یہ علامت تھی اسی لئے فرعون نے کہا کہ موسیٰؑ کے رب نے جب موسیٰؑ کو واجب الاطاعت سردار بنایا ہے تو اس کو سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنائے۔

اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ مقترنین پے در پے یعنی موسیٰؑ کے ساتھ پے در پے ملائکہ کیوں نہیں آئے جو موسیٰؑ کی تصدیق اور مدد کرتے۔

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۞ غرض اس نے (ایسی باتیں کر کے) اپنی قوم کو مغلوب کر دیا اور وہ اس کے کہنے میں آگئے وہ لوگ کچھ پہلے ہی سے بدکار تھے۔

اِسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ اپنی قوم یعنی قبطیوں کو جاہل پایا ان کو سبک سر اور جاہل ہونے پر آمادہ کیا۔ استخفاف رائے کسی کی رائے کو بے وقوف بنانا اور صحیح راستہ سے ہٹا دینا۔ بعض علماء نے کہا فرعون نے قوم سے اپنی اطاعت میں خفت (اور تیزی) کی خواہش کی چنانچہ موسیٰؑ سے جو لوگوں نے ایمان کا وعدہ کیا تھا فرعون کے حکم کو مان کر اس وعدہ کو توڑ دیا۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا فٰسِقِيْنَ بلاشبہ وہ سب فاسق تھے اس لئے انہوں نے فاسق کی اطاعت کی۔

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۞ پھر جب انہوں نے ہم کو سخت غضب ناک کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کو (نیل میں) ڈبو دیا۔

اٰسَفُوْنَا یعنی جب عناد اور نافرمانی میں وہ حد سے بڑھ گئے تو ان کی اس نافرمانی نے ہم کو غضب ناک کر دیا۔ اسف فلان فلاں شخص سخت غضب ناک ہو گیا۔

ع ۵ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِیْنَ ﴿۵۶﴾ اور ہم نے ان کو آئندہ لوگوں کے لئے خاص طور کے سلف اور نمونہ عبرت بنا دیا۔ ۱۱

سلف مصدر ہے یا سالف کی جمع ہے جیسے خدم خادم کی جمع ہے یعنی ہم نے ان کو متقدم بنا دیا تاکہ پچھلے لوگ ان سے نصیحت اندوز ہوں اور بعد والے لوگوں کے لئے وہ عبرت ہو جائیں۔

بعض اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے ہم نے ان کو اس امت کے کافروں کے لئے دوزخ کی جانب پیش رو بنا دیا اور جو لوگ ان کے بعد باقی رہے ان کے لئے عبرت و نصیحت کر دیا بعض نے کہا مثلاً سے مراد یہ ہے کہ ان کے عجیب واقعہ کو کہاوت بنا دیا کہ کہاوت کی طرح اس کو بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے تمہاری حالت ایسی ہے جیسے قوم فرعون کی۔

امام احمد نے صحیح سند سے اور طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے قریش سے فرمایا تھا اللہ کے سوا جس کسی کی پوجا کی جاتی ہے اس میں کوئی خیر نہیں قریش نے کہا کہ آپ کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ نبی اور عبد صالح تھے اور (یہ ظاہر ہے کہ) ان کی پوجا کی جاتی ہے (تو کیا عیسیٰؑ میں کوئی خیر نہیں تھی) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْیَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ یَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾ اور جب (عیسیٰؑ) ابن مریم کے متعلق ایک عجیب مضمون بیان کیا گیا تو یکایک آپ کی قوم والے اس سے (مارے خوشی کے) چلّانے لگے۔

یعنی جب قریش نے عیسیٰؑ کا بطور مثال ذکر کیا۔ ابن مردویہ نے اور ضیاء نے مختار میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا عبد اللہ بن زبعری نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا محمد آپ کا خیال ہے کہ اللہ نے (آیت) اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ آپ پر نازل کی ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہاں۔ ابن زبعری نے کہا تو چاند سورج ملائکہ اور عُزیر کی پوجا کی جاتی ہے یہ سب بھی ہمارے معبودوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے اس پر آیت اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ اور آیت وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْیَمَ مَثَلًا خَصِمُوْنَ تک نازل ہوئی۔

یصدون بعض لوگوں نے کہا یَصُدُّوْنَ اور یصدون دونوں کا معنی ایک ہے کسائی نے کہا یہ لفظ دونوں طرح مستعمل ہے۔ جیسے یعرشون اور یعرشون۔

کسائی نے یہ بھی کہا یصدون کا معنی ہے وہ چیختے ہیں سعید بن مسیب کا بھی یہی قول ہے ضحاک نے کہا یصدون یعنی تعجب کرتے ہیں قتادہ نے کہا وہ بے صبر ہو جاتے ہیں قرطبی نے کہا وہ دل تنگ ہو جاتے ہیں قتادہ نے کہا یصدون یعنی وہ کہتے ہیں کہ محمد ہم سے صرف یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح عیسائی عیسیٰؑ کی پوجا کرتے ہیں اسی طرح ہم ان کو معبود بنالیں اور ان کی پوجا کریں۔

وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَیْرٌ اَمْ هُوَ اور انہوں نے کہا کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ یعنی محمد ﷺ کو اپنے معبودوں کو ہم چھوڑ دیں اور ان کی عبادت و اطاعت کریں۔

ابن زید اور سدی نے کہا اَم ہُوَ یا عیسیٰؑ (یعنی ہو کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع نہیں بلکہ عیسیٰؑ کی طرف راجع ہے) یعنی کافروں نے کہا محمد کا دعویٰ ہے کہ اللہ کے سوا جس کسی کی پوجا کی جائے گی تو وہ دوزخ میں جائے گا سو ہم راضی ہیں عیسیٰ عزیز اور ملائکہ کے ساتھ ہمارے معبود بھی جہنم میں چلے جائیں۔

مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ان لوگوں نے جو یہ مضمون بیان کیا ہے وہ محض جھگڑے کی وجہ سے۔

یعنی حق کو باطل سے تمیز کرنے کے لئے نہیں بلکہ محض بیکار جھگڑا کرنے کے لئے انہوں نے عیسیٰؑ کی مثال پیش کی کیونکہ حقیقت میں وہ واقف ہیں کہ محمد ہم سے اپنی پوجا کرانا اور معبود بننا نہیں چاہتے۔

یا یہ مطلب ہے کہ یہ لوگ جانتے ہیں کہ آیت مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ میں مراد بت اور بے جان معبود ہیں (عیسیٰؑ عزیرؑ اور ملائکہ مراد ہی نہیں ہیں آیت میں ماتعبدون کا لفظ اگرچہ عام ہے لیکن یہ عام مخصوص البعض ہے۔

بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔

خصمون سخت جھگڑالو۔ لڑ جانے کے حریص۔ جھگڑے کے عادی۔

حضرت ابوامامہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہدایت پر ہونے کے بعد کوئی قوم گمراہ نہیں ہوئی مگر (اس وجہ سے کہ) ان کو جدل (جھگڑا یا جھگڑے کرنے کی طاقت) دے گئی (یعنی جن ہدایت یافتہ لوگوں نے باہم جھگڑے کرنے شروع کئے وہ گمراہ ہو گئے) پھر آپ نے آیت مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ تلاوت فرمائی رواہ البغوی واحمد والترمذی و ابن ماجۃ والحاکم فی المستدرک۔

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ عیسیٰؑ تو محض ایک بندے ہیں جن پر ہم نے فضل کیا تھا اور بنی اسرائیل کے لئے اپنی قدرت کا ایک نمونہ بنایا تھا۔

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ یعنی عیسیٰؑ خدا کے بیٹے نہیں تھے بندے تھے۔

اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ یعنی نبوت اور قرب کی نعمت سے ہم نے ان کو نوازا تھا۔

وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا یعنی ہم نے ان کو عجیب انسان بنایا کہ دوسری کہاوتوں کی طرح ان کا قصہ بھی عجیب ہوا اور بنی اسرائیل کے لئے ان کے واقعہ کو عبرت آفریں کر دیا جس سے اللہ کی قدرت ظاہر ہوتی تھی کہ اللہ بغیر باپ کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾ اور اگر ہم چاہتے تو ہم تم سے فرشتوں کو پیدا کر دیتے کہ وہ زمین پر یکے بعد دیگرے رہا کرتے۔

لجعلنا تم میں سے یعنی انسانوں میں سے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اگر ہم چاہتے تو تم کو ہلاک کر دیتے اور تمہاری جگہ ملائکہ کو مقرر کر دیتے۔

يَخْلُفُوْنَ یعنی تمہارے قائم مقام ہو جاتے زمین پر آباد ہو جاتے اور میری عبادت و اطاعت کرتے۔ یا یہ مطلب ہے کہ بعض بعض کے جانشین ہوتے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ عیسیٰؑ کا واقعہ اگرچہ تعجب آگیں ہے لیکن اس سے بڑھ کر اچنبھا پیدا کرنے والے واقعات پیدا کرنے پر قادر ہیں اور فرشتے تم جیسی مخلوق ہیں ان کی پیدائش بسلسلۂ تولید و تناسل بھی ہو سکتی ہے (ایسا ممکن ہے) اور بطور ایجاد بھی (جیسا کہ اب ہے) ان کو استحقاق الوہیت کس طرح ہو سکتا ہے اور ان کی نسبی نسبت اللہ کی طرف کیسے ہونا ممکن ہے۔

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ اور وہ (عیسیٰؑ) قیامت کے یقین کا ذریعہ ہیں تو تم لوگ اس (کی صحت) میں شک ہرگز نہ کرو اور میرے پیچھے پیچھے چلو۔

یعنی عیسیٰؑ کا نزول قیامت کی علامات میں سے ہے ان کے نزول سے قیامت کا قریب ہونا معلوم ہو جائے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوگی جب ابن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین۔

حضرت حذیفہؓ بن اسید غفاری کا بیان ہے کہ ہم لوگ کچھ باہم گفتگو کر رہے تھے اتنے میں حضور والا برآمد ہوئے اور فرمایا تم لوگ کیا تذکرہ کر رہے تھے صحابہ نے عرض کیا ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے فرمایا قیامت سے پہلے جب تک دس نشانیاں دکھائی نہ دی جائیں گی قیامت نہیں آئے گی اس کے بعد آپ نے (دس چیزوں کا) ذکر کیا نمبر (۱)۔ دھواں۔ (۲) دجال، (۳) دابۃ الارض (۴) مغرب سے آفتاب کا طلوع (۵) عیسیٰؑ ابن مریم کا نزول۔ (۶) یاجوج ماجوج کا خروج۔ (۷) زمین کا تین

جگہ دھنسنا مشرق میں۔ (۸) مغرب میں۔ جزیرہ العرب میں۔ ایک آگ کا یمن سے نکلنا جو لوگوں کو ہنکا کر میدان حشر کی طرف لے جائے گی۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ دسویں علامت ایک ہوا ہو گی جو لوگوں کو سمندر میں جا پھینکے گی۔ رواہ مسلم۔

حضرت نواس بن سمعان کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دجال کا ایک طویل بیان میں ذکر فرمایا دجال کے قصہ میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ مسیح ابن مریم کو بھیجے گا آپ دمشق کے مشرقی جانب منارۂ بیضاء کے قریب دو زرد کپڑے پہنے دو فرشتوں کے بازوؤں کا سہارا لئے اتریں گے جب سر نیچے جھکائیں گے تو پسینے کے قطرے چاندی کے موتیوں کی طرح ٹپکیں گے اور جب سر اوپر اٹھائیں گے تو (بھی) چاندی کے موتی لڑھک کر گریں گے۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے عنقریب تمہارے اندر عیسیٰؑ ابن مریم حاکم عادل ہو کر اتریں گے صلیب کو توڑ دیں گے خنزیر کو قتل کریں گے جزیہ کو ساقط کر دیں گے مال بہائیں گے یہاں تک کہ کوئی مال قبول نہیں کرے گا اس وقت ایک سجدہ دنیا اور تمام سامان دنیا سے بہتر ہو گا (متفق علیہ)

مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابن مریم حاکم عادل بن کر ضرور اتریں گے صلیب کو بلاشبہ توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ کو ساقط کریں گے اور اونٹنیوں کو (یونہی ناکارہ بنا کر) چھوڑ دیں گے ان سے کام نہیں لیا جائے گا۔ آپس کا بغض دور کر دیں گے اور مال لینے کے لئے لوگوں کو بلائیں گے لیکن کوئی مال قبول نہیں کرے گا۔

مسلم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تمہارا امیر (عیسیٰؑ سے) کہے گا آیئے آپ ہم کو نماز پڑھایئے عیسیٰؑ اس امت کی عزت و عظمت کے پیش نظر کہیں گے (آج) تم میں سے ہی بعض بعض کے امیر ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت عیسیٰ بیت المقدس جائیں گے اس وقت لوگ عصر کی نماز میں ہوں گے امام حضرت عیسیٰؑ کی آہٹ پا کر) پیچھے کو ہٹے گا حضرت عیسیٰؑ اسی کو آگے بڑھائیں گے اور شریعت محمدی کے مطابق (خود بھی) نماز پڑھیں گے خنزیر کو قتل کریں گے صلیب کو توڑیں گے یہودیوں اور عیسائیوں کے عبادت خانوں کو منہدم کر دیں گے اور سوا ان لوگوں کے جو آپ پر ایمان لے آئیں گے باقی عیسائیوں کو قتل کریں گے۔

حسن اور اہل تفسیر کی ایک جماعت کا قول ہے کہ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ میں انه کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے یعنی قرآن علم قیامت ہے اس نے قیامت کے احوال اور ہولناکیاں تم کو بتائی ہیں۔

فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا یعنی جب عیسیٰؑ کی پیدائش قیامت برپا ہونے پر دلالت کر رہی ہے تو اب تم کو وجود قیامت میں شک نہ ہونا چاہئے حضرت ابن عباسؓ نے لا تمترن بها کا ترجمہ کیا تم لوگ قیامت کی تکذیب نہ کرو۔ واتبعون (یہ اللہ کے کلام کا ہی حصہ ہے) یعنی میری ہدایت یا میری شریعت پر چلو یا میرے رسول کی اتباع کرو۔ بعض نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے اس صورت میں لفظ قل محذوف ماننا پڑے گا یعنی آپ کہہ دیجئے کہ میرا اتباع کرو۔

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٢﴾

یہ سیدھا راستہ ہے اور شیطان تم کو (اس راستہ سے) نہ روکے (یعنی تم شیطان کے بہکانے سے اس راہ کو مت چھوڑو) بلاشبہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

هذا یہ راستہ جس کی میں تم کو دعوت دے رہا ہوں۔

صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ سیدھا راستہ ہے اس پر چلنے والا کبھی گمراہ نہ ہو گا۔

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ کھلا ہوا دشمن ہے تم کو جنت سے نکلوانے کا سبب بنا اور مصائب کے گھر میں تمہارے آنے کا موجب ہوا اور اب بھی اتباع حق سے تم کو روک رہا ہے اور جنت میں داخل ہونے سے رکاوٹ بنا ہوا ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ

تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۚ
هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ اور جب عیسیٰؑ معجزے لے کر آئے تو انہوں نے (لوگوں سے) کہا میں تمہارے پاس سمجھ کی باتیں لے کر آیا ہوں اور (اس لئے آیا ہوں) کہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کرتے ہو تم سے کھول کر بیان کردوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو بیشک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی تو تم اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

البینات یعنی معجزات یا انجیل کی آیات یا واضح احکام۔

اَلَّذِیْ تَخْتَلِفُوْنَ فِیْہِ حضرت موسیٰ کے بعد میل نفسانی کے زیر اثر یہودیوں کے اکہتر فرقے بن گئے جب حضرت عیسیٰ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کو غلط عقائد سے روکا اور راہ حق پر چلنے کی ہدایت کی۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہودی اکہتر فرقوں میں بٹ گئے اور نصاریٰ کے بہتر فرقے ہوگئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ۔

زجاج نے کہا حضرت عیسیٰؑ جو چیز انجیل میں لے کر آئے وہ یہودیوں کے اختلافی مسائل کا ایک حصہ تھا اور انجیل کے علاوہ جو کچھ آپ نے فرمایا (یعنی مواعظ) وہ وہی تھا جس کی یہودیوں کو ضرورت تھی۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ ف سببیہ ہے حضرت عیسیٰؑ کا پر حکمت تعلیم کا لانا حصول تقویٰ کا سبب ہے۔

واطیعون یعنی اللہ کی طرف سے جو کچھ میں تم کو پہنچا رہا ہوں اس میں میری اطاعت کرو۔ فَاعْبُدُوْهُ اسی کی پوجا کرو کسی اور کی پرستش نہ کرو۔

ھذا یعنی توحید اور شرعی احکام کی پابندی یہ حضرت عیسیٰؑ کے کلام کا تتمہ ہے یا اللہ کا فرمان ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝ سو مختلف گروہوں نے (اس بارے میں) باہم اختلاف ڈال لیا سو ان ظالموں کے لئے ایک دردناک عذاب کی بڑی خرابی ہے۔

لاحزاب مختلف گروہ۔ من بینھم یعنی امت عیسیٰؑ میں سے مندرجہ بالا حدیث میں بیان کر دیا گیا ہے کہ امت عیسیٰؑ بہتر فرقوں میں بٹ گئی یا من بینھم سے یہودیوں اور عیسائیوں کا مجموعہ مراد ہے۔

فَوَيْلٌ پس بڑی ہلاکت (اور خرابی) ہے۔

لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے خواہشات کی پیروی کر کے اور کتاب و سنت کو ترک کر کے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ یعنی آتش جہنم

حضرت عبداللہؓ بن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قدم بقدم میری امت پر وہی بات آئے گی جو بنی اسرائیل پر آئی اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے علی الاعلان اپنی ماں سے زنا کیا تو میری امت میں سے بھی کوئی ایسا کرے گا بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی کہ سواء ایک فرقہ سے سب فرقے دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ (برحق نجات یافتہ) کونسا گروہ ہوگا فرمایا جو اس راستہ پر چلتا ہوگا جس پر میں اور میرے صحابی ہیں۔ رواہ الترمذی

احمد اور ابوداؤد نے بروایت معاویہؓ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہتر فرقے دوزخ اور ایک جنت میں جائے گا یہ فرقہ جماعت (کا) ہوگا۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ
عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ۝ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا

ع ۱۲

مُسْلِمِيْنَ ۝ یہ لوگ بس قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان پر دفعۃً آپڑے اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔
تمام (دنیوی) دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں بجز خدا سے ڈرنے والوں کے (اہل ایمان کو حق تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوگی) اے میرے بندو تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے یعنی وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے تھے اور (ہمارے) فرمانبردار تھے۔

ھل ینظرون یعنی قریش یا وہ لوگ جنہوں نے اپنے اوپر خود ظلم کیا منتظر نہیں ہیں مگر قیامت کے ناگہاں آپڑنے کے مطلب یہ کہ قیامت تو بہر حال یقیناً آئے گی اب گویا یہ لوگ اس کے آنے کے منتظر ہیں۔

الا المتقین مگر وہ دوست جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں بغوی نے اس آیت کے ذیل میں حضرت علیؓ کا ارشاد نقل کیا ہے آپ نے فرمایا دو دوست مومن اور دو دوست کافر ہوتے ہیں ایک مومن مر جاتا ہے وہ عرض کرتا ہے اے میرے رب فلاں شخص مجھے تیری اور تیرے رسول کی اطاعت کرنے کا مشورہ دیتا تھا مجھے نیک کام کرنے کا حکم دیتا تھا اور برے کام سے روکتا تھا وہ مجھ سے کہتا تھا کہ ایک دن مجھے تیرے سامنے آنا پڑے گا اے میرے رب میرے بعد تو اس کو گمراہ نہ کر دینا اور جیسے تو نے مجھے راہ راست پر چلنے کی توفیق دی ایسے ہی اس کو بھی ہدایت پر قائم رکھنا اور جس طرح تو نے میری عزت افزائی کی اسی طرح اس کی بھی عزت افزائی کرنا جب اس کا دوست مر جاتا ہے تو اللہ دونوں کو یکجا کر کے فرماتا ہے تم دونوں ایک دوسرے کی تعریف کرو چنانچہ ہر ایک دوسرے کے متعلق کہتا ہے یہ اچھا بھائی ہے اچھا دوست ہے اچھا ساتھی ہے۔
اور جب دونوں کافر دوستوں میں سے ایک مر جاتا ہے تو وہ عرض کرتا ہے اے میرے رب فلاں شخص مجھے تیری اور تیرے رسول کی طاعت سے منع کرتا تھا برے کام کرنے کا مشورہ دیتا تھا اور اچھے کام سے روکتا تھا اور مجھ سے کہتا تھا کہ مجھے تیرے پاس آنا نہیں ہے۔ وہ برا بھائی برا دوست اور برا ساتھی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ فرمائے گا میری عظمت و بزرگی کے ساتھ باہم دوستی کرنے والے کہاں ہیں آج میں ان کو اپنے سایہ میں لوں گا آج میرے سایہ کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ کے واسطے دو بندے باہم محبت کرنے والے ہوں ایک مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں۔ اللہ قیامت کے دن دونوں کو یکجا کر دے گا اور فرمائے گا یہی وہ شخص ہے جس سے تو میرے لئے محبت کرتا تھا۔ (رواہ البیہقی شعب الایمان)

یاعباد یہ جملہ مستانفہ ہے یقول فعل محذوف ہے یعنی اللہ ان تقویٰ رکھنے والے دوستوں سے فرمائے گا اے میرے بندو آج نہ تم کو کوئی خوف ہے نہ غمگین ہو گے۔
معتمر بن سلیمان نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا۔ معتمر کے باپ نے کہا میں نے سنا ہے کہ جب لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا تو ہر ایک گھبرایا ہوا ہوگا۔ اس وقت (اللہ کی طرف سے) ایک منادی ندا دے گا۔ یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ یہ سنکر لوگوں کو کچھ امید بندھے گی لیکن فوراً ہی منادی اس کے بعد کہے گا اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ یہ سن کر سوا اطاعت گزار مومنوں کے سب مایوس ہو جائیں گے۔

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ۝ تم اور تمہاری (ایماندار) بیویاں خوش خوش جنت میں داخل ہو جاؤ۔

ازواجکم یعنی تمہاری مومن عورتیں۔
تحبرون یعنی اتنی خوشی پاؤ گے کہ اس کا اثر چہروں سے نمودار ہوگا اس مطلب پر تحبون حبار سے مشتق ہو گا اور حبار کا معنی ہے اثر۔ نشان۔ یا تحبرون کا ترجمہ ہے تم آراستہ کئے جاؤ گے سجائے جاؤ گے اس وقت تحبرون کا مادہ حبر ہو گا اور حبر کا معنی ہے

زینت۔ خوبصورتی یہاں کا ترجمہ ہے تمہاری پوری پوری عزت افزائی کی جائے گی۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّأَكْوَابٍ ۚ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ ۚ وَأَنْتُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ أُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَأْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾

ان کے پاس سونے کی رکابیاں اور گلاس لائے جائیں گے اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی جن کو دل چاہے گا اور جن سے آنکھیں لذت یاب ہوں گی اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے اور (ان سے کہا جائے گا) یہ وہ جنت ہے جس کے تم مالک بنا دیئے گئے اپنے (نیک) اعمال کے بدلہ میں اور تمہارے لئے اس میں بہت سے میوے ہیں جن میں سے تم کھا رہے ہو۔

یطاف علیھم یعنی غلمان جو ہمیشہ ہی امرد رہیں گے۔ اہل جنت کے لئے بڑے بڑے پیالوں اور کوزوں کا دور کریں گے۔

صحاف صحفۃ کی جمع ہے صحفۃ بڑے پیالے کو کہتے ہیں۔ اکواب کوب کی جمع ہے۔ کوب کوزہ یعنی ایسا گول برتن جس کا گلا بھی مدوّر ہو اور قبضہ نہ ہو۔

یعنی ہر شخص کو جنت میں وہ چیز ملے گی جس کا وہ خواستگار ہوگا۔ صوفی طلبگار ہے ایسے وصل کا جس کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی اور ایسے دیدار کا جو کبھی غائب نہ ہو چنانچہ یہ نعمت حاصل ہوگی صوفیہ کے علاوہ دوسرے لوگ جو جنت کی نعمتوں کے خواستگار ہوں گے ان کو وہ نعمتیں ملیں گی۔

بغوی نے حضرت عبدالرحمٰن بن سابط کی روایت سے بیان کیا کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے گھوڑے بہت پسند ہیں کیا جنت میں گھوڑے ملیں گے۔ فرمایا اگر اللہ تم کو جنت میں داخل کر دے پھر تم چاہو کہ سرخ یاقوت کے گھوڑے پر سوار ہو کر اڑ کر جنت کے اندر جہاں جانا چاہو پہنچ جاؤ تو ایسا کر سکو گے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اونٹ کو پسند کرتا ہوں کیا جنت میں اونٹ ملیں گے فرمایا اے اعرابی اگر اللہ تجھے جنت میں داخل کر دے گا تو تجھے وہاں ہر وہ چیز ملے گی جس کو تیرا دل چاہے گا اور آنکھوں کو جس سے فرحت حاصل ہوگی۔

ترمذی اور بیہقی نے حضرت بریدہؓ کی روایت سے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔ طبرانی اور بیہقی نے صحیح سند سے حضرت عبدالرحمٰن بن ساعدہ کی وساطت سے اور ترمذی نے حضرت ابوایوب کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی ہے لیکن اس روایت میں صرف گھوڑوں کا (سوال میں) تذکرہ ہے (اونٹوں کا نہیں ہے)

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ أُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ابن ابی حاتم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر دوزخی کو اس کا جنت والا مقام (یعنی وہ مقام کہ اگر وہ مومن ہوتا تو اس کو وہ مقام ملتا) دکھا دیا جائے گا تاکہ اس کو حسرت ہو اس وقت وہ کہے گا۔ لَوْ أَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (اگر اللہ مجھے ہدایت یاب بناتا تو میں متقیوں میں ہو جاتا۔ اور ہر جنتی کو اس کا دوزخ والا مقام (یعنی وہ مقام کہ اگر وہ مومن نہ ہوتا تو اس مقام میں ہوتا) دکھا دیا جائے گا تاکہ وہ شکر کرے۔ جنتی بطور شکر کہے گا۔

وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ یہ بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر شخص کا ایک گھر جنت میں اور ایک گھر دوزخ میں ہے کافر کے جنت والے مکان کا مومن وارث ہوگا۔ یہی مطلب ہے آیت وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ أُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کا۔

لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ بزار اور طبرانی نے بیان کیا کہ حضرت ثوبان نے فرمایا۔ میں نے خود حضور اقدس ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جنتی جس پھل کو توڑے گا اس کی جگہ ویسا ہی دوسرا پھل دوبارہ پیدا کر دیا جائے گا۔

بزار نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے جب آدم کو جنت سے نکالا

تو ان کو بطور توشہ کچھ جنت کے پھل بھی دیدیئے اور ہر ایک کے اوصاف بھی بتادیئے تو یہ تمہارے پھل جنت کے پھلوں سے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ یہ خراب ہو جاتے ہیں اور وہ تغیر پذیر نہیں ہیں۔

ابن ابی الدنیا کا بیان ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ شام میں تھے لوگوں نے جنت کا تذکرہ کیا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا جنت کا ایک خوشہ (اتنا بڑا ہوگا جتنی مسافت) یہاں سے صنعاء (یمن) تک ہے۔

ابن ابی الدنیا نے کہا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جنت کے پھلوں میں سے ایک ایک پھل کی لمبائی بارہ ہاتھ ہوگی اور ان کے اندر گٹھلی نہیں ہوگی۔

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ بے شک نافرمان (یعنی کافر) دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔

المجرمین یعنی پکے مجرم مراد ہیں کافر کیونکہ مومنوں کے مقابل مجرموں کا ذکر کیا گیا ہے اس لئے مجرموں سے کافر مراد ہیں۔

لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۶﴾ ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی اور وہ عذاب میں پڑے ہوں گے (رہائی سے) ناامید ہوں گے اور ہم ان پر ظلم نہیں کریں گے بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں۔

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾ اور پکاریں گے اے مالک تمہارا رب (موت دے کر) ہمارا کام ہی تمام کردے مالک کہے گا تم ہمیشہ اسی حالت میں رہو گے۔

ملک دوزخ کا داروغہ

لیقض تیرا رب ہمارا کام تمام کردے۔ یعنی ہم مرجائیں اور اس عذاب سے راحت پالیں۔

قال اللہ فرمائے گا یا ایک ہزار برس کے بعد مالک کہے گا۔

اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ تم کو عذاب میں گرفتار رہنا ہے موت سے تم کو رہائی نہیں ملے گی (یعنی ہمیشہ عذاب میں رہو گے کبھی موت نہیں آئے گی)

ابن جریر ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ایک ہزار برس تک مالک ان کو جواب نہیں دے گا۔ ہزار برس کے بعد کہے گا۔ انکم مکثون

ہناد، طبرانی، ابن ابی حاتم، حاکم بیہقی اور عبداللہ بن احمد نے زوائد الزہد میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کا قول نقل کیا ہے کہ دوزخی مالک کو پکاریں گے اور کہیں گے يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ مالک چالیس برس تک ان کو کوئی جواب نہیں دے گا۔ یونہی چھوڑے رکھے گا پھر جواب دے گا تو کہے گا اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ اس کے بعد وہ اپنے رب کو پکاریں گے اور کہیں گے رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ اے ہمارے رب ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی اور ہم گمراہ قوم تھے۔ اے ہمارے رب ہم کو اس سے نکال دے (اور دنیا میں بھیج دے) اگر ہم دوبارہ ایسی حرکت کریں تو بیشک مجرم ہیں ان کو دنیا کی (عمر کی) دوگنی مدت کے برابر کوئی جواب نہیں دے گا۔ پھر جواب دے گا تو فرمائے گا اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ چنانچہ وہ لوگ پھر کوئی بات نہیں کریں گے۔

سعید بن منصور اور بیہقی نے محمد بن کعب کی روایت سے بیان کیا کہ دوزخی پانچ بار دعائیں کریں گے۔ چار دعاؤں کا تو اللہ جواب دیدے گا اور پانچویں دعا کے بعد پھر وہ کبھی کوئی کلام نہیں کریں گے۔ چار دعاؤں کا تو اللہ جواب دیدے گا اور پانچویں دعا کے بعد پھر وہ کبھی کوئی کلام نہیں کریں گے۔ دوزخی کہیں گے۔ رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ اس جواب میں اللہ فرمائے گا۔ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ

نُؤْمِنُوا فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ پھر اہل جہنم کہیں گے۔ رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ۔ اللہ جواب میں فرمائے گا۔ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ پھر دوزخی کہیں گے رَبَّنَا اَخِّرْنَا اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ اللہ جواب میں فرمائے گا۔ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ پھر دوزخی کہیں گے رَبَّنَا اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ اللہ جواب میں فرمائے گا۔ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيْرُ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ پھر دوزخی کہیں گے رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّيْنَ اللہ جواب میں فرمائے گا اِخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ اس کے بعد وہ کوئی بات نہیں کریں گے۔

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾ ہم نے سچا دین تمہارے پاس پہنچایا لیکن تم میں سے اکثر آدمی سچے دین سے نفرت کرتے تھے۔

بالحق یعنی پیغمبر بھیج کر اور کتابیں اتار کر دین حق تم کو پہنچایا۔

اگر قال کی ضمیر اللہ کی طرف راجع قرار دی جائے تو یہ آیت اللہ کے مقولہ کا تتمہ ہوگی۔ ورنہ یہ اللہ کی طرف سے دوزخیوں کو جواب ہوگا گویا فرشتوں کے جواب کے بعد اللہ خود یہ فرمائے گا۔

کرھون یعنی سچا دین اور اس کا اتباع تمہارے نفسانی میلان کے خلاف تھا اس لئے تم میں سے اکثر لوگ اس سے نفرت کرتے تھے۔

اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ ہاں کیا انہوں نے کوئی انتظام درست کیا ہے سو ہم نے بھی ایک انتظام درست کیا ہے۔

اَمْ بمعنی بل کے ہے اور منقطعہ ہے۔

اَبْرَمُوْا یعنی رسول اللہ ﷺ کے خلاف کوئی مضبوط خفیہ تدبیر کی ہے یا یہ مطلب ہے کہ حق کی تکذیب و تردید کی کوئی پوشیدہ اسکیم بنا رکھی ہے اور صرف حق سے نفرت پر بس نہیں کیا ہے۔

فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ یعنی ہم نے بھی ان کو سزا دینے کی تدبیر درست کر لی ہے۔

ابن جریر نے محمد بن کعب قرظی کی روایت سے لکھا ہے کہ کعبہ اور اس کے پردوں کے درمیان تین آدمی جمع ہوئے دو قریشی تھے اور ایک ثقفی یا دو ثقفی تھے اور ایک قریشی ایک بولا تم لوگوں کے خیال میں کیا خدا ہمارا کلام سنتا ہے دوسرے نے کہا جب تم چلا کر بات کرو تو سنتا ہے اور چپکے چپکے بات کرو تو نہیں سنتا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾ کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی (دلوں میں) چھپی ہوئی باتیں اور سرگوشیاں نہیں جانتے حالانکہ ہمارے بھیجے ہوئے کارندے ان کے پاس (ہر وقت موجود) ہیں لکھ رہے ہیں۔

اَمْ يَحْسَبُوْنَ ام منقطعہ بمعنی بل ہے انکار اور کلام سابق سے اعراض کو ظاہر کر رہا ہے۔ سِرَّهُمْ یعنی دل کی باتیں۔ نَجْوٰىهُمْ یعنی باہم سرگوشیاں کرنا۔

رُسُلُنَا یعنی ملائکہ جو آدمیوں کے اقوال و اعمال و اسرار کی نگہداشت کرنے پر مامور ہیں۔ لَدَيْهِمْ یعنی ان کے ساتھ لگے رہتے ہیں الگ نہیں ہوتے۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اگر (خدا) رحمٰن کے کوئی اولاد ہو تو سب سے اول اس کی عبادت کرنے والا میں ہوں۔

اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ یعنی تم سے پہلے میں اس کی عبادت کرنے والا ہوں نبی خوب واقف ہے کہ اللہ کے لئے کون سا وصف

زیبا ہے اور کونسی صفت نامناسب ہے اور کس کی تعظیم واجب ہے اس کا علم پیغمبر سے زیادہ کسی کو نہیں ہو سکتا پس اگر خدا کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے پیغمبر اس کی تعظیم کرتا جو شخص والد کی تعظیم کرتا ہے وہ والدہ کی اولاد کی بھی تعظیم ضرور ہی کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

فاطمہؓ میرا ٹکڑا ہے جو چیز اس کو بے چین کرتی ہے مجھے بھی بے چین کر دیتی ہے۔

دوسری روایت میں آیا ہے جس نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ رواہ البخاری عن مسعود۔

آیت میں بلیغ ترین اسلوب ادا کے ساتھ خدا کے صاحب اولاد ہونے اور (مفروضہ) اولاد کے معبود ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ آیت سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا (بلکہ مترشح بھی نہیں ہوتا) کہ خدا کا بیٹا ہونا جائز ہے اور خدا زادے کا معبود ہونا ممکن ہے کیونکہ محال محال کو مستلزم ہو سکتا ہے اس نظریہ کے تحت خدا کا بیٹا ہونا چونکہ محال ہے اس لئے اس کا معبود ہونا بھی ضروری الاستحالہ ہے۔ اسی طرح دوسری آیت میں آیا ہے لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا دونوں آیتوں میں فرق یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ لو ہے جو شرط و جزا دونوں کی نفی کر رہا ہے اور آیت مندرجہ بالا میں لفظ ان ہے جو محض شرط کے لئے ہے اس سے طرفین (یعنی آیت کے جزء اول اور جزء دوئم) کی نہ نفی پر دلالت ہو رہی ہے۔ نہ اس کے خلاف (یعنی ثبوت طرفین) پر۔

آیت کا مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو خدا کے صاحب اولاد ہونے کا انکار کر رہے ہیں تو اس انکار کی بنیاد کوئی ذاتی مخالفت نہیں (کہ خدا کے بیٹے سے آپ کو عناد ہو اس لئے آپ انکار کر رہے ہوں) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی خدا زادہ ہوتا تو آپ اس کا اعتراف سب سے پہلے کرتے۔

سدی نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارے خیال میں اللہ کی اولاد ہے (تو ہوا کرے) میں تو تمام مکہ والوں سے پہلے صرف اللہ کی عبادت کرنے والا اور اس کی توحید کا قائل ہوں یعنی جیسا تم گمان کرتے ہو اس کا میں قائل نہیں ہوں۔

بعض نے کہا عابدین کا معنی ہے آنفین (ناک چڑھانے والے) انکار کرنے والے۔ یعنی میں تمہارے خیال کا سب سے پہلے منکر ہوں۔

بعض نے کہا عبد کا معنی ہے سخت غصہ یعنی (تمہارے عقیدہ اور قول سے) سخت ناراض ہوں مجھے اس بات پر سخت غصہ آتا ہے کہ کسی کو اللہ کا بیٹا قرار دیا جائے۔ قاموس میں ہے عبد سخت غصہ سخت لڑائی ندامت نفس کی ملامت، حرص، انکار، عبد بروزن فرح باب سمع کے بھی یہ تمام معانی آتے ہیں۔ اس مقام کے مناسب معنی ہیں انکار اور سخت غصہ۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا کہ رحمٰن کی کوئی اولاد نہیں ہے میں سب سے پہلے اس کی شہادت دیتا ہوں۔ یعنی ان شرطیہ نہیں ہے بلکہ نافیہ ہے اور عابدین کا معنی ہے گواہی دینے والے۔

سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾

آسمانوں کا اور زمین کا مالک جو عرش کا بھی مالک ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ (مشرک) لوگ بیان کرتے ہیں۔

یعنی یہ بڑے اجسام اپنے طول بقاء کی وجہ سے جب ان کیفیات و لوازم سے خالی ہیں جو دوسرے سریع التغیر چھوٹے اجسام کی خصوصیت ہیں تو وہ خدا جو ان سب کا خالق اور موجد ہے کس طرح ان آلائشوں سے پاک نہ ہوگا۔

فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿۸۳﴾

پس آپ ان کو اسی شغل و تفریح میں رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اپنے اسی دن سے سابقہ پڑ جائے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔

یخوضوا یعنی بیہودگیوں میں گھسے رہیں۔

یلعبوا یعنی دنیوی لہو لعب میں مشغول رہیں۔

یومھم الخ یعنی روز قیامت کو پالیں۔

آیت دلالت کر رہی ہے کہ مشرکوں کا قول جہالت اور نفس پرستی پر مبنی تھا اور ان کے دلوں کی سرشت میں جہالت اور باطل پرستی داخل تھی۔

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿٨٤﴾

اور وہی ذات ہے جو آسمان میں بھی قابل عبادت ہے اور زمین میں بھی قابل عبادت ہے اور وہی بڑی حکمت اور بڑے علم والا ہے۔

یعنی آسمان و زمین میں اسی کی عبادت کی جاتی ہے اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔

لحکیم یعنی انتظام کائنات حکمت کے ساتھ کرنے والا اور مخلوق کی مصلحتوں کو جاننے والا ہے یہ دونوں لفظ ثابت کر رہے ہیں کہ اللہ ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔

وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٥﴾

اور بڑی عالی شان ہے وہ (خدا) جس کی حکومت آسمانوں پر اور زمین پر اور ان دونوں کی درمیانی کائنات پر ہے اور اسی کو قیامت کی بھی خبر ہے اور اسی کے پاس تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

وَعِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ یعنی قیامت برپا ہونے کا وقت اسی کو معلوم ہے۔

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾

اور خدا کے سوا جن معبودوں کو یہ پکارتے ہیں وہ (ان کی) شفاعت کا اختیار نہیں رکھیں گے ہاں جن لوگوں نے (کلمہ) حق (یعنی ایمان) کا اقرار کیا تھا اور تصدیق بھی کرتے تھے (ان کو شفاعت کا اختیار ہوگا۔

الذین یدعون یعنی بت جن کو کافر پکارتے ہیں اور ان کی پوجا کرتے ہیں

ان دونہ اللہ کے سوا یعنی کافر جو خیال کرتے ہیں کہ بت ان کی شفاعت کریں گے ایسا نہیں ہوگا بتوں کو شفاعت کا اختیار نہیں ہوگا۔

الامن شہد بالحق جو لا الہ الا اللہ کا اقرار کرتے ہیں۔ اس مطلب پر استثناء منقطع ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ استثناء متصل ہو اور اَلَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ میں ملائکہ بھی داخل ہوں کیونکہ بعض مشرک ملائکہ کو بھی پوجتے تھے اور ان کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٨٧﴾

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ تم کو کس نے پیدا کیا تو بلاشبہ جواب دیں گے اللہ نے پھر یہ لوگ کدھر الٹے پھرے جاتے ہیں۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ یعنی ان کافروں سے جو اللہ کے علاوہ دوسروں کی پوجا کرتے ہیں اگر آپ دریافت کریں۔

لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ یعنی بت تو خالق ہو نہیں سکتے ایسا کہنا تو ممکن نہیں اس لئے وہ لامحالہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے ہم کو پیدا کیا۔

فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ یعنی جب یہ اقرار ہے کہ اللہ ہی نے ان کو پیدا کیا تو پھر اللہ کی عبادت سے رخ موڑ کر دوسروں کی پوجا کی طرف کیسے جا رہے ہیں۔

وَقِيلِهِ يَا رَبِّ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٨٩﴾

اور اس کو رسول کے اس کہنے کی بھی خبر ہے کہ اے میرے رب یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے تو آپ ان سے پہلو موڑ لیجئے اور کہہ دیجئے تم کو سلام عن قریب یہ جان لیں

گے۔

وَقِيْلِهٖ قیلہ کا عطف الساعۃ پر ہے یعنی اللہ کو قیامت کا اور نبی کے اس قول کا علم ہے کہ اے میرے رب مکہ کے یہ کافر ایمان نہیں لاتے۔

فَاصْفَحْ یعنی ان کے ایمان لانے اور مومن ہو جانے کی آس توڑ دو۔ ان کو ایمان کی دعوت دینے سے رخ پھیر لو۔

وَقُلْ سَلٰمٌ اور کہہ دو ہمارا تم کو سلام یعنی ہمارا تمہارا کوئی رابطہ نہیں ہم نے تم کو چھوڑ دیا تم ہم کو چھوڑ دو۔

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ عن قریب ان کو اپنے غلط اعتقاد اور باطل قول و عمل کی سزا مل جائے گی مقاتل نے کہا آیت جہاد نے اس آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا۔

الحمدللہ سورۃ الزخرف کی تفسیر ۲۴؍ ربیع الاول روز چہار شنبہ ۱۲۰۸ھ کو ختم ہوئی۔

الحمد للہ رب العٰلمین وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وٰالہ واصحابہ اجمعین

سورۃ الدخان

یہ سورۃ مکی ہے اس میں ۵۹ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حٰمٓ ۞ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ قسم ہے کھول کر بیان کرنے والی کتاب (یعنی قرآن) کی۔

المبین حرام حلال کو ظاہر کرنے والی کتاب۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ ہم نے ہی برکت والی رات میں اس کو نازل کیا۔

برکت (خیر کثیر) رات میں اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ اسی رات میں وہ قرآن نازل ہوا جو تمام دینی اور دنیوی منافع کا ضامن ہے اسی رات میں ملائکہ رحمت کا نزول ہوتا ہے اور دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ مبارک رات سے مراد ہے شب قدر۔

قتادہ اور ابن زید کا یہی قول ہے دونوں بزرگوں کا بیان ہے کہ شب قدر میں قرآن مجید لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل ہوا پھر بیس سال میں حضرت جبرئیلؑ کی وساطت سے تھوڑا تھوڑا رسول اللہ ﷺ پر اتار اگیا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نصف شعبان کی رات مراد ہے مگر یہ خیال غلط ہے اللہ نے خود فرمایا ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ اور دوسری آیت میں آیا ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (اس سے معلوم ہوا کہ شب قدر رمضان میں ہے)

قاسم بن محمد نے بوساطت اب عن جد بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نصف شعبان کی رات کو اللہ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے اور ہر شخص کو بخش دیتا ہے سواء اس شخص کے جس کے دل میں کینہ ہو یا وہ مشرک ہو۔ رواہ البغوی اس حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ قرآن کا نزول نصف شعبان کی رات میں ہوا۔

اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۞ بے شک (قرآن میں) ہم (عذاب سے) ڈرانے والے ہیں۔

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۞ اس رات میں ہر پر حکمت یا محکم معاملے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

آیت بتا رہی ہے کہ قرآن شب قدر کی برکات میں بہت بڑی برکت ہے اور شب قدر میں پر حکمت محکم امور کا فیصلہ ہوتا ہے اس لئے قرآن کا نزول بھی اسی رات میں ہوا۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ شب قدر میں آئندہ سال میں ہونے والے تمام واقعات لوح محفوظ سے نقل کر لئے جاتے ہیں خیر و شر، رزق اور معیاد زندگی یعنی موت یہاں تک کہ یہ بھی لکھ لیا جاتا ہے کہ فلاں شخص اس سال حج کرے گا۔

حسن مجاہد اور قتادہ نے کہا اور رمضان کے اندر شب قدر میں ہر (ایک کی) موت عمل، پیدائش رزق اور آئندہ سال کے اندر ہونے والے واقعات کا قطعی فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔

عکرمہ نے کہا نصف شعبان کی رات میں سال بھر کے سارے امور کا فیصلہ قطعی کر دیا جاتا ہے زندوں کو مردوں سے الگ لکھ دیا جاتا ہے پھر زندوں مردوں میں کمی بیشی نہیں کی جاتی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ محمد بن میسرہ اخفش نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شعبان تک کی ساری موتوں کا قطعی

فہرست سے) نکل چکے ہوتے ہیں (یعنی سال کے ختم ہونے تک وہ مر جاتے ہیں)

فیصلہ کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ بعض لوگ نکاح کرتے ہیں ان کے بچے بھی پیدا ہوتے ہیں حالانکہ ان کے نام (زندوں کی

ابوالضحیٰ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ نصف شعبان کی رات میں اللہ سب فیصلے کر دیتا ہے اور شب قدر میں

وہ فیصلے ان کے کارندوں کے سپرد کر دیتا ہے۔

اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ حکم ہو کر ہمارے پاس سے۔

اس امر سے مراد ہے وہ امر جو ہماری حکمت کے مطابق ہماری طرف سے پیدا ہوتا ہے یا امر سے مراد ہے حکم اس صورت

میں یفرق کا یا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہوگا۔

اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝۵ ہم ہی (پیغمبروں کو) بھیجنے والے ہیں۔ یعنی ہمارا ضابطہ ہی یہ ہے کہ ہم بندوں کو

عذاب سے ڈراتے ہیں اور پیغمبروں کو کتابیں دے کر بھیجتے ہیں۔ اسی لئے ہم نے قرآن نازل کیا۔

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ آپ کے رب کی رحمت کے سبب سے

اس جگہ لفظ رب بتا رہا ہے کہ پیغمبروں کو بھیجنا اللہ کی ربوبیت کا تقاضا ہے (بندوں کا خدا پر حق لازم نہیں ہے)

حضرت ابن عباسؓ نے تشریحی مطلب اس طرح بیان کیا ہم پیغمبروں کو بھیجنے والے ہیں اپنی مخلوق پر مہربانی کے زیر اثر

اور کافروں پر عذاب نازل کرنے کے لئے۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶ بلاشبہ وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ یعنی بندوں کے اقوال کو سنتا

اور ان کے احوال کو جانتا ہے یہ جملہ ربوبیت کو ثابت کر رہا ہے رب ہونے کا استحقاق اسی کو ہے جس کے اندر یہ اوصاف ہوں۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ جو آسمانوں کا اور زمین کا اور دونوں کی درمیانی

کائنات کا رب ہے۔

رب السموت رک سے بدل ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝۷ اگر تم یقین کرنے والے ہو۔

جزاء محذوف ہے یعنی اگر تم اہل یقین ہو تو یقین کر و یا یہ مطلب ہے کہ جب تم اللہ کو آسمان و زمین کا خالق کہتے ہو تو دل

سے اس کو مانو اور یقین کرو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۸

اس کے سوا کوئی معبود ہونے کا مستحق نہیں ہے (کیونکہ اس کے سوا کوئی خالق نہیں) وہی زندگی دیتا ہے اور وہی زندگی لیتا

ہے وہی تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا رب ہے (جیسا کہ تم مشاہدہ کر رہے ہو)

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۝۹ (ان کو یقین نہیں) بلکہ وہ شک میں پڑے کھیلے رہے ہیں۔

یعنی یہ یقین نہیں کرتے بلکہ قیامت کے آنے یا قرآن کی صداقت میں ان کو شک ہے قرآن کا مذاق بناتے اور آپ سے

استہزاء کرتے ہیں۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۰ يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۱

سو آپ انتظار کیجئے اس دن کا جب آسمان کی طرف نظر آنے والا دھواں پیدا ہوگا۔ سب

لوگوں پر چھا جائے گا یہ دردناک عذاب ہوگا۔

فارتقب رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے دخان سے کون سا دخان مراد ہے۔ اس سلسلے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، اور حسنؒ کا قول ہے کہ یہ دھواں قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہوگی۔

ابن جریر، ثعلبی اور بغوی نے حضرت حذیفہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے اول

(قیامت کی) نشانی دھواں اور عیسیٰؑ ابن مریم کا نزول اور ایک آگ ہو گی جو عدن کے کسی غار سے نکلے گی اور لوگوں کو میدان حشر کی طرف ہنکا کر لے جائے گی۔ دوپہر کو لوگ جہاں ٹھہریں گے آگ بھی ٹھہر جائے گی۔

حضرت حذیفہؓ کا بیان ہے میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ دھواں کیسا ہو گا۔ حضور ﷺ نے آیت یَوْمَ تَاْتِی السَّمَاۗءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا مشرق سے مغرب تک فضا کو وہ دھواں بھر دے گا اور چالیس شب و روز قائم رہے گا۔ مومن پر اس کا اثر صرف اتنا ہو گا جیسے زکام کا ہوتا ہے اور کافر اس کے اثر سے ایسا ہو جائے گا جیسے نشہ سے مدہوش آدمی ہوتا ہے۔ دھواں اس کی ناک کے دونوں نتھنوں کانوں کے سوراخوں اور مبرز سے نکلے گا۔

طبرانی نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابو مالک اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تمہارے رب نے تم کو تین چیزوں سے ڈرایا ہے ایک دخان جو مومن کو اتنا تاثر کرے گا جیسے زکام اور کافر پر ایسا اثر انداز ہو گا کہ وہ پھول جائے گا اور دھواں اس کے کانوں سے نکلے گا۔ دوسرے دابۃ الارض۔ تیسرے دجال۔

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ (کافر کہیں گے) اے ہمارے رب اس عذاب کو ہماری طرف سے دفع کر دے ہم ایمان لانے والے ہیں، ایمان لانے کو دفع عذاب سے مشروط کریں گے اور دفع عذاب کے ساتھ ایمان کے وعدہ کو وابستہ کریں گے۔

اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ ان کو اس سے کہاں نصیحت ہوتی ہے حالانکہ اس سے پہلے ان کے پاس کھول کر بیان کرنے والا پیغمبر آیا پھر بھی یہ لوگ اس سے سرتابی کرتے رہے اور کہتے رہے یہ (کسی کا) سکھایا ہوا ہے دیوانہ ہے۔

اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى یعنی نصیحت پذیری کا موقع اس روز نہیں رہے گا۔ استفہام انکاری ہے۔ انی ا بمعنی من این کے۔ (ان کو کہاں سے ملے گا)

وَقَدْ جَاۗءَهُمْ یعنی ان جیسے کافروں کے پاس عظیم الشان رسول واضح دلائل کے ساتھ آچکے تھے جنہوں نے کھول کر ایسے معجزات اور آیات کو پیش کر دیا تھا جن سے نصیحت اندوزی لازمی طور پر ہونی چاہئے تھی لیکن انہوں نے رسول عظیم کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ (یعنی اس کی نصیحت کو نہیں مانا)

وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ یعنی بعض نے کہا کہ اس رسول کو بنی ثقیف کا ایک عجمی غلام سکھاتا ہے، بعض نے کہا یہ دیوانہ ہے۔

اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِیْلًا اِنَّكُمْ عَاۗىِٕدُوْنَ ﴿۱۵﴾ ہم چندے اس عذاب کو ہٹا دیں گے (مگر) تم پھر اپنی (اسی حالت پر) لوٹ آؤ گے۔

قَلِیْلًا یعنی کسی قدر یا کچھ وقت کے لئے کچھ وقت سے مراد ہے ان کی عمر کا باقی حصہ یا دنیا کی عمر کا باقی حصہ۔

اِنَّكُمْ عَاۗىِٕدُوْنَ یعنی کفر کی طرف تم ضرور لوٹو گے۔ یہ وقت کشف کی قلت کی علت ہے۔

یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾ جس روز ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے ہم پورا بدلہ لیں گے۔

سخت پکڑنے کے دن سے مراد ہے قیامت کا دن لیکن حضرت ابن مسعودؓ نے اس تفسیر کا انکار کیا اور فرمایا اس سے بدر کا دن مراد ہے۔

بغوی نے ابو الضحیٰ کی روایت سے لکھا ہے کہ مسروق نے کہا ایک شخص بنی کندہ (کے محلہ) میں بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا کہ قیامت کے دن ایک دھواں آئے گا جو منافقوں کی آنکھوں اور کانوں میں گھس کر (ان اعضاء کو بیکار کر دے گا) اور مومنوں پر اس کا اثر اتنا پڑے گا جیسے (معمولی) زکام کا ہوتا ہے یہ بات سن کر ہم (سب) خوف زدہ ہو گئے اور میں نے جیسے (معمولی) زکام کا ہوتا ہے یہ بات سن کر ہم (سب) خوف زدہ ہو گئے اور میں نے حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا آپ اس

وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے سنتے ہی غضبناک ہو کر اٹھ بیٹھے اور فرمایا (کسی بات کا) آدمی کو علم ہو تو کہے۔ علم نہ ہو کہہ دے اللہ جانے۔ عدم علم کی صورت میں اللہ اعلم کہنا ہی علم کی علامت ہے۔ اللہ نے اپنے نبی سے فرمایا ہے۔ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ

بات یہ تھی کہ قریش نے مسلمان ہونے میں ایک (طویل) مدت تک تاخیر کی۔ حضور ﷺ نے (ناامید ہو کر) ان کے لئے بد دعا کی اور کہا اے اللہ یوسف کے زمانہ کے ہفت سالہ قحط کی طرح ان پر ہفتہ سالہ قحط کو مسلط کر دے بد دعا کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش سخت کال میں مبتلا ہو گئے۔ مردار اور ہڈیاں تک کھا گئے (بھوک کی وجہ سے نگاہ اتنی کمزور ہو گئی کہ) آدمی کو آسمان و زمین کے درمیان ایک دھواں سا دکھائی دیتا تھا مجبور ہو کر ابوسفیان حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا محمد تم قرابت داروں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتے ہو لیکن (تمہاری بد دعا سے) تمہاری قوم مری جا رہی ہے تم ان کے لئے اللہ سے دعا کرو اس پر حضور ﷺ نے آیت فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۔ قَلِيْلًا تک پڑھی پھر بارش کی دعا کی لیکن کافر پھر کفر کی طرف لوٹ پڑے۔ جیسے اللہ نے فرمایا ہے انکم عائدون يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكبرى یعنی بدر کے دن ہم ان کی بڑی پکڑ کریں گے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا پانچ چیزیں گزر چکیں۔ لزام (بدر کے دن) روم کی پکڑ، چاند (کا شق ہونا) اور (بھوک کی وجہ سے) دھواں (دکھائی دینا)

بخاری نے صحیح میں حضرت ابن مسعودؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب قریش نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی (حد سے زیادہ) کی تو حضور نے یوسف کے زمانہ کے ہفت سالہ قحط کی طرح قریش کے قحط میں مبتلا ہو جانے کی دعا کی نتیجہ میں ایسا کال پڑا کہ لوگ ہڈیاں کھانے لگے اور فاقوں کی وجہ سے ایک دھواں سا آسمان و زمین کے درمیان لوگوں کو دکھائی دینے لگا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ نازل فرمائی۔

لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (قبائل) مضر (یعنی قریش) کے لئے بارش کی دعا کیجئے لوگ مرے جا رہے ہیں حضور نے بارش کی دعا کی اور خوب بارش ہو گئی۔ اس پر آیت اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ نازل ہوئی۔ چنانچہ جب لوگوں کو سکھ ملا تو پھر اسی کفر کی طرف لوٹ پڑے جس پر پہلے تھے اس وقت آیت يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ نازل ہوئی۔ یوم نبطش سے جنگ بدر کا دن مراد ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾

اور ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کو آزمایا تھا اور ان کے پاس ایک معزز پیغمبر آیا تھا (اور اس نے کہا تھا) کہ اللہ کے بندوں کو (یعنی بنی اسرائیل کو) میرے حوالے کر دو۔ میں تمہارے لئے امانت دار پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

فتنا ہم نے امتحان لیا۔ ہم نے جانچ کی۔

قبلهم کفار مکہ سے پہلے۔

قوم فرعون یعنی قوم فرعون کی جانچ کی مع فرعون کے۔

رسول عظیم الشان رسول (رسول میں تنوین تعظیم کے لئے ہے مترجم)

کریم عزت والا۔ اللہ کے نزدیک یا مومنوں کے نزدیک یا نسب و حسب کے لحاظ سے فی نفسہ معزز اس سے مراد حضرت موسیٰؑ ہیں۔

ان ادوا الی یعنی موسیٰؑ نے کہا بنی اسرائیل کو میرے سپرد کر دو۔ میرے ساتھ جانے کی اجازت دیدو۔ ان کو آزاد کر دو تکلیفیں نہ دو۔

یا عباداللہ سے مراد ہے فرعون اور اس کی قوم اور حرف نداء محذوف ہے یعنی اے اللہ کے بندو میری دعوت قبول کرلو اور اللہ کا حق یعنی ایمان ادا کرو۔

انی لکم رسول یعنی اللہ کی طرف سے میں تمہارے پاس بھیجا گیا ہوں۔

امین اللہ کی وحی کا امین ہوں۔ معجزات میری سچائی پر دلالت کر رہے ہیں جھوٹا ہونے کی تہمت مجھ پر نہیں لگائی جاسکتی۔

وَاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّیْۤ اٰتِیْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۹﴾ وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾

اور تم خدا سے سرکشی مت کرو میں تمہارے سامنے ایک واضح دلیل (اپنی نبوت کی) پیش کرتا ہوں اور میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لیتا ہوں اس امر سے کہ تم مجھے قتل کرسکو اور اگر تم میری بات کا یقین نہیں کرتے تو مجھ سے تعلق نہ رکھو۔ وان لا تعلوا یعنی مجھے حقیر سمجھ کر میری اطاعت ترک نہ کرو (حضرت موسیٰؑ کو حقیر سمجھنا اور ان سے اپنے کو برتر جاننا حقیقت میں اللہ کے مقابلے میں غرور تھا اس لئے اللہ سے اونچا اٹھنے سے مراد ہے موسیٰؑ کو حقیر سمجھنا اور آپ کی اطاعت نہ کرنا۔ مترجم)

بسلطان مبین کھلی ہوئی دلیل جو صداقت پر دلالت کر رہی ہے اواء کے ساتھ امانت اور سلطان کے ساتھ تعلّی کی ایک خاص مناسبت ہے اسی لئے اوواکے بعد رسول امین اور لَا تَعْلُوْا کے ساتھ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ فرمایا۔

حضرت موسیٰؑ نے جب فرعون اور اس کے ساتھیوں سے مندرجہ بالا درخواست کی تو وہ دھمکیاں دینے لگے اور پتھر مار مار کر ہلاک کردینے کا انہوں نے خوف دلایا اس پر حضرت موسیٰؑ نے فرمایا وانی عذت الخ

ان ترجمون قتادہ نے کہا رجم سے مراد ہے پتھر مار مار کر ہلاک کردینا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا گالیاں دینی اور جادوگر کہنا مراد ہے اول تفسیر زیادہ مناسب ہے کیونکہ حضرت موسیٰؑ نے کافروں کی گالیوں سے محفوظ رہنے سے اللہ کی پناہ مانگی ہوتی تو پھر کافر آپ کو گالیاں نہ دیتے اور جادوگر نہ کہتے حالانکہ انہوں نے ہٰذا سحر مبین کہا تھا۔

وان لم تو منوا یعنی اگر تم مجھے سچا نہیں جانتے تو مجھ سے کنارہ کش ہو جاؤ میرے آزار کے درپے نہ ہو میرا تم سے تعلق نہیں اور تمہارا مجھ سے کوئی سروکار نہیں۔ جب کفار حضرت موسیٰؑ کو دکھ پہنچانے سے باز نہ آئے اور برابر تکذیب کرتے رہے تو حضرت موسیٰؑ نے اپنے رب سے دعا کی۔

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾

تب موسیٰؑ نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ بڑے سخت مجرم لوگ ہیں تو (اللہ نے فرمایا) میرے بندوں کو رات ہی رات میں تم لے کر چلے جاؤ تمہارا پیچھا یہ لوگ ضرور کریں گے اور تم اس دریا کو سکون کی حالت میں چھوڑ دینا۔ ان کا سارا لشکر ڈبو دیا جائے گا۔

مُجْرِمُوْنَ یعنی مشرک ہیں در پردہ یہ بددعا ہے۔ جس کی علت اور وجہ بھی بیان کردی گئی ہے۔ (یعنی یہ لوگ چونکہ مشرک ہیں اس لئے بددعا کے لائق ہیں)

فَاَسْرِ یعنی اللہ نے حضرت موسیٰؑ کی درخواست قبول کرلی اور فرمایا جب یہ بات ہے تو میرے مومن بندوں یعنی بنی اسرائیل کو یہاں سے راتوں رات نکال کرلے جاؤ۔

اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ یعنی فرعون اور اس کی قوم کو جب تمہارے نکل جانے کی اطلاع ملے گی تو وہ تم لوگ کا تعاقب کریگے

وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا یعنی جب تم اور تمہارے ساتھی دریا پار کرلیں تو دریا کو یونہی رہنے دیں کہ اس میں کشادہ راستے کھلے رہیں یار ہوا کا معنی ہے۔ ساکن یعنی سمندر کو یونہی اس کی موجودہ ہیئت پر ساکن رہنے دیں مطلب یہ کہ لاٹھی مار کر اس کے پانی کو ہموار اور ایک سانہ کردو۔ قتادہ نے کہا جب حضرت موسیٰؑ دریا پار پہنچ گئے تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ فرعون اور اس کے ساتھی

بھی انہی راستوں سے جو اللہ نے دریا میں حضرت موسیٰ کی لاٹھی کی ضرب سے بنادیے تھے پار نکل آئیں گے (اور بنی اسرائیل پر حملہ کردیں گے) اس لئے آپ نے چاہا کہ پانی میں لاٹھی مار کر دریا میں بنے ہوئے راستوں کو ہموار کردیں اور پانی کو ایک جیسا کردیں اس پر یہ حکم ہوا کہ دریا کو یوں ہی چھوڑ دو۔

كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۲۸﴾ وہ لوگ کتنے ہی گھنے باغ اور چشمے (یعنی نہریں) اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات اور آرام کے سامان جن میں وہ مزے اڑاتے تھے چھوڑ گئے۔ اسی طرح ہوا اور دوسری قوم کو ہم نے ان کا وارث بنادیا۔

كَمْ تَرَكُوا یعنی بکثرت وہ باغ چشمے کھیتیاں چھوڑ گئے۔

مَقَامٍ كَرِيْمٍ یعنی آراستہ محفلیں خوبصورت مکان

فٰكِهِيْنَ وہ مزے میں تھے سکھ میں تھے۔

كَذٰلِكَ کلبی نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ جو میری نافرمانی کرتا ہے میں اس کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہوں۔ بعض لوگوں نے کذلک کا ترجمہ کیا واقعہ یوں ہی ہوا بات یہی ہے۔

وَاَوْرَثْنٰهَا یعنی ان سے یہ ساری چیزیں چھین کر ہم نے دوسروں کو ان کا وارث بنادیا۔

قَوْمًا اٰخَرِيْنَ یعنی بنی اسرائیل کو۔

۱
ع۲۹
۱۴

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿۲۹﴾ پس ان پر نہ تو آسمان و زمین کو رونا آیا اور نہ ان کو مہلت دی گئی۔

فما بکت یعنی کافروں کو ہلاک کردیا پھر ان پر نہ آسمان رویا نہ زمین۔ آسمان و زمین کے نہ رونے سے مجازاً یہ مراد ہے کہ نہ ان کی زندگی کوئی اہمیت رکھتی تھی نہ ان کے مرنے کی کسی کو پرواہ تھی۔ کوئی فائدہ رساں اہم شخص مرجاتا ہے تو کہتے ہیں اس پر آسمان رو پڑا اور سورج گرہن ہو گیا۔ پس آیت میں فرعون اور فرعونیوں کی موت و زندگی کا غیر اہم ہونا بیان کیا گیا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے کہا کہ نہ رونے سے مراد حقیقی معنی ہے کیونکہ حدیث مبارک میں آیا ہے کہ جب مومن مرتا ہے تو اس پر آسمان و زمین روتے ہیں۔

ترمذی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر بندے کے لئے آسمان میں دو دروازے ہیں ایک دروازے سے اس کے اعمال چڑھتے ہیں اور دوسرے دروازے سے اس کا رزق اترتا ہے جب آدمی مرجاتا ہے تو دونوں دروازے اس پر روتے ہیں (اس حدیث میں بندے سے مراد ہے مومن بندہ۔ مترجم)

بیہقی نے شعب الایمان میں نیز ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے آیت فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ کا مطلب دریافت کیا گیا۔ آپ نے فرمایا ہاں ہر شخص کے لئے آسمان میں ایک دروازہ ہے جس سے اس کا رزق اترتا ہے اور اعمال اوپر چڑھتے ہیں پھر جب مومن مرجاتا ہے تو وہ آسمانی دروازہ بند کردیا جاتا ہے اور وہ دروازہ اس پر روتا ہے اور جس مقام پر وہ نماز پڑھتا اور اللہ کا ذکر کرتا تھا جب زمین اس مقام پر اس کو نہیں پاتی تو روتی ہے۔ بغوی ابو یعلی اور ابن ابی حاتم نے حضرت انسؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی مرفوع حدیث بیان کی ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ترمذی نے نقل کی ہے جس کے آخر میں ہے کہ پھر حضرت ابن عباسؓ نے آیت فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ پڑھی۔

ابن جریر نے حضرت شریح بن عبید حضرمی کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مومن سفر کی حالت میں مرجاتا ہے کہ اس کے متعلقین اس کے پاس نہیں ہوتے تو آسمان و زمین اس پر توجہ کرتے ہیں۔ پھر حضور ﷺ نے آیت فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کافر پر آسمان زمین نہیں روتے۔

مُنظَرِیْنَ مہلت یافتہ یعنی ان کو کسی دوسرے وقت تک مہلت نہیں دی گئی۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝ مِنْ فِرْعَوْنَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت کے عذاب یعنی فرعون (کے ظلم و ستم) سے نجات دی واقعی وہ بڑا سرکش اور حد (عبدیت) سے نکل جانے والوں میں سے تھا۔

الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ذلیل کرنے والا عذاب۔ اس سے مراد ہے لڑکوں کو قتل کردینا لڑکیوں کو باقی رکھنا مردوں کو غلام بنانا اور ان سے سخت محنت مشقت کے کام لینا۔

كَانَ عَالِيًا مغرور متکبر تھا۔ یا اونچے طبقہ والا تھا۔

الْمُسْرِفِيْنَ سرکشی اور شرارت میں حد سے بڑھا ہوا تھا۔

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰي عِلْمٍ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓـؤٌا مُّبِيْنٌ ۝ اور (اس کے علاوہ) ہم نے بنی اسرائیل کو اپنے علم کی رو سے (بعض امور میں) تمام دنیا جہان والوں پر فوقیت دی (ترجمہ از مولانا تھانوی) اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح انعام تھا۔

اِخْتَرْنٰهُمْ یعنی موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کو ہم نے برتری دی۔

عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ان کے زمانہ کے لوگوں پر۔

عَلٰي عِلْمٍ یعنی ہم کو علم تھا کہ وہ اس کے مستحق ہیں یا ہم جانتے تھے کہ بعض احوال میں وہ کجرو ہو جائیں گے۔

وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ (المعجزات) جیسے دریا کے پانی کو ان کے لئے پھاڑ دیا (اور اس میں الگ الگ بارہ راستے بنادیے) اور (میدان تیہ میں) ان پر ابر کا سایہ کردیا اور من وسلویٰ نازل کیا وغیرہ۔

بلوٰء مبین کھلی ہوئی نعمت (قتادہ) ابن زید نے کہا راحت و مصیبت دے کر جانچ کرنا مقصود ہے۔ یہ کہنے کے بعد ابن زید نے آیت وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً تلاوت کی۔

اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَيَقُوْلُوْنَ ۝ اِنْ هِىَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ۝ یہ لوگ بلاشبہ کہتے ہیں کہ ہماری موت تو بس یہ ہی پہلی موت ہے (آگے کبھی) ہم کو زندہ کرکے نہیں اٹھایا جائے گا۔

ھولاء یعنی کفار قریش سلسلہ کلام کا تعلق کفار قریش سے ہی ہے فرعونوں اور فرعونیوں کا تذکرہ تو صرف یہ بتانے کے لئے کیا گیا ہے کہ کفار قریش کی حالت بھی فرعون اور اس کی قوم کی طرح ہے دونوں گمراہی پر قائم ہیں ان پر بھی عذاب نازل کیا گیا ہے ان کو بھی اسی جیسے عذاب سے ڈرایا جارہا ہے۔

اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى یعنی روز آخرت کوئی نہیں ہوگا بس اسی موت پر زندگی کا خاتمہ ہے۔ اس جملہ کا یہ مطلب نہیں کہ بس ایک ہی مرتبہ موت آئے گی اور دوبارہ جب ہم زندہ کئے جائیں گے تو پھر کبھی دوبارہ موت نہیں آئے گی۔ جیسے محاورہ میں کہتے ہیں۔ زید نے پہلا حج کیا اور مرگیا۔

بعض علماء نے تشریح مطلب اس طرح کی کہ جب کفار قریش سے کہا گیا کہ تم مرجاؤ گے اور پھر دوسری زندگی دی جائے گی جیسے پیدائش سے پہلے مردہ تھے یعنی بے جان تھے۔ پھر یہ موجودہ زندگی عطا کی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ جس موت کے بعد زندگی ملی وہ تو پہلی موت ہی تھی۔ دوسری موت کے بعد زندگی نہیں ہوگی۔

بمنشرین یعنی مرنے کے بعد ہم کو زندہ کرکے نہیں اٹھایا جائے گا۔

فَأْتُوا بِآبَائِنَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۶﴾ اگر تم سچے ہو (کہ دوبارہ زندگی ہوگی) تو
ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے لے آؤ۔
یہ خطاب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کو ہے۔
أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿۳۷﴾
کیا یہ لوگ (قوت و شوکت میں) زیادہ بڑھے ہوئے ہیں یا تبع کی قوم (ساکنان یمن) اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے ہم نے ان کو بھی تباہ کر ڈالا حقیقت یہ ہے کہ وہ نافرمان تھے۔

اھم خیر یعنی قوت شوکت اور کثرت میں یہ لوگ تبع کی قوم سے بہتر ہیں یا قوم تبع ان سے بہتر تھی۔ استفہام انکاری تقریری ہے یعنی یہ لوگ قوم تبع سے بہتر نہیں ہیں قوم تبع ان سے بہتر تھی۔

تبع ایک شخص کا نام تھا اس کا اتباع کرنے والے بہت لوگ تھے اس لئے اس کا نام تبع ہو گیا۔ بعض اہل تاریخ کا خیال کہ تبع نام کے بہت لوگ تھے چونکہ ایک کے بعد ایک (حکومت و سیادت پر) آتا رہا۔ (تبع میں خلا نہیں ہوا) اس لئے ان کو تبابعہ کہا جاتا ہے۔

محمد بن اسحاق وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ اور بعض دوسرے اہل علم کی طرف نسبت کرتے ہوئے بیان کیا کہ آخری تبع اسعد ابو کریب بن ملیک کرب تھا۔

بغوی نے اس کا تذکرہ اسی آیت کی تشریح کے ذیل میں کیا ہے اور میں نے سورۃ قاف میں اس کا قصہ بیان کیا ہے۔

تبع مسلم تھا اللہ اس کی مذمت نہیں کی بلکہ اس کی قوم کی مذمت کی جس نے تبع کی تکذیب کی تھی۔

محمد بن اسحاق نے المبتدا میں اور ابن ہشام نے التیجان میں لکھا ہے کہ مدینہ میں تشریف فرما ہونے کے وقت حضرت ابو ایوبؓ کے جس مکان میں رسول اللہ ﷺ نے نزول اجلال فرمایا تھا وہ تبع اول کا بنایا ہوا تھا۔ تبع اول کا نام تبان بن سعد تھا۔ اس کا تذکرہ میں نے سورۂ جمعہ میں کیا ہے۔

وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے جیسے عاد و ثمود وغیرہ۔

إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ بلاشبہ وہ مشرک تھے یہ ہلاک کرنے کے سبب کا اظہار ہے اور اس علت کا بیان ہے جو تباہ کرنے کی مقتضی تھی۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾

اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور دونوں کی درمیانی چیزوں کو عبث کھیل کے طور پر نہیں پیدا کیا ہم نے ان دونوں کو کسی حکمت سے ہی بنایا ہے لیکن یہ لوگ نہیں سمجھتے۔

لَاعِبِينَ کھیل کرتے ہوئے محض بیکار عبث۔

اوپر کے جملہ میں ضمناً انکار قیامت کا انکار تھا۔ یہ جملہ پہلے جملہ کے مضمون کی حالت بیان کر رہا ہے۔ تشریحی مطلب اس طرح ہے کہ یہ لوگ قیامت (یعنی آخرت کی جزا سزا) کا انکار کرتے ہیں حالانکہ ہم نے زمین آسمان اور ان کے درمیان کی چیزیں بیکار محض کھیل کے طور پر نہیں پیدا کیں بلکہ ان کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ ان کے وجود سے ہماری ذات و صفات پر استدلال کیا جائے اور لوگوں کے اعمال کا جانچ کی جائے۔

إِلَّا بِالْحَقِّ حق کے اظہار کے لئے یعنی توحید کو ثابت کرنے اور اطاعت کو واجب کرنے کے لئے تاکہ فرماں بردار کو ثواب اور نافرمان کو عذاب دیا جائے گا۔

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ یعنی اکثر لوگ چونکہ طلب دنیا میں غرق ہیں اور غور نہیں کرتے اس لئے ان کو معلوم نہیں کہ اس

آسمان وزمین اور درمیانی کائنات کی تخلیق اللہ کی ہستی اور توحید کو ثابت کرنے اور انسان کی جانچ کرنے کے لئے کی گئی ہے۔

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٠﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَن مَّوْلًى شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤١﴾ إِلَّا مَن رَّحِمَ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٤٢﴾

بے شک فیصلے کا دن ان سب کا وقت مقرر ہے۔ جس دن کہ کوئی تعلق والا کسی تعلق والے کے ذرا کام نہیں آئے گا اور نہ ان کی کچھ حمایت کی جائے گی۔ ہاں جس پر اللہ رحم فرمادے بلاشبہ وہ زبردست ہے مہربان ہے۔

يَوْمَ الْفَصْلِ یعنی روز قیامت جس میں حق کو باطل سے جدا کیا جائے گا اور اہل حق اور اہل باطل کی سزا جزا میں تفریق کردی جائے گی۔

مِيقَاتُهُمْ یعنی لوگوں کو زندہ کر کے قبروں سے اٹھانے اور بدلہ دینے کا مقرر وقت۔

يَوْمَ لَا يُغْنِي یعنی قیامت کا دن وہ ہوگا کہ کوئی دوست فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔

مَوْلًى دوست خواہ قرابت دار ہو یا غیر ہو۔

شَيْئًا کسی قسم کا فائدہ خواہ عطاء منفعت کی شکل میں ہو یا دفع مضرت کی صورت میں۔

وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ یعنی عذاب سے ان کو بچایا نہیں جاسکے گا۔

إِلَّا مَن رَّحِمَ اللَّهُ ہاں وہ لوگ جن پر اللہ رحم فرمادے اور خود معاف کردے یا شفاعت کی وجہ سے گناہوں سے درگزر کردے۔ من رحم اللہ سے مراد مومن ہیں۔ مومنوں کو شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی اور بعض مومن دوسرے مومنوں کی شفاعت کریں گے۔

العزیز یعنی اللہ ایسا غالب ہے کہ جب وہ کسی کو عذاب دینا چاہے گا تو کوئی عذاب سے بچا نہیں سکے گا۔

سعید بن منصورؒ نے بحوالہ ابو مالک بیان کیا کہ ابو جہل چھوارے اور مکھن لے کر آتا اور (حاضرین) سے کہتا تھا زقوم کھاؤ (زقوم عربی میں چھواروں کے ساتھ مکھن کو ملا کر مرکب کو کہتے تھے) یہی وہ زقوم ہے جس سے محمد تم کو ڈراتے ہیں اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ الْأَثِيمِ ﴿٤٤﴾ كَالْمُهْلِ ۛ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿٤٥﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ﴿٤٦﴾

زقوم کا درخت بلاشبہ بڑے گناہ گار (یعنی کافر) کا کھانا ہوگا (صورت میں ایسا برا ہوگا) جیسے تیل کی تلچھٹ وہ پیٹ میں ایسا کھولے گا جیسے سخت گرم پانی کھولتا ہے۔

لاثیم بڑا گناہ گار یعنی کافر۔ یہاں سے آخر تک حق اور اہل باطل کا نتیجہ کے لحاظ سے فرق بیان کیا گیا ہے۔

المھل پگھلی ہوئی دھات یا تیل کی کالی تلچھٹ (قاموس)۔

فِي الْبُطُونِ یعنی کافروں کے پیٹوں میں۔

بغویؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو اللہ سے ڈرو جتنا ڈرنے کا حق ہے۔ اگر زقوم کی ایک بوند زمین پر ٹپکادی جائے تو دنیا والوں کی زندگی تلخ کردے۔ پھر کیا حال ہوگا ان لوگوں کا جن کا کھانا ہی زقوم ہوگا۔ زقوم کے سوا ان کا کوئی کھانا نہ ہوگا۔

ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن ابی حاتم، ابن حبان، حاکم اور بیہقی وغیرہ نے ایسی ہی حدیث بیان کی ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ﴿٤٨﴾ ذُقْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴿٤٩﴾ إِنَّ هَٰذَا مَا كُنتُم بِهِ تَمْتَرُونَ ﴿٥٠﴾

اس کو پکڑو پھر گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ پھر اس کے سر کے اوپر تکلیف دینے والا گرم پانی چھوڑ دو چکھ تو بڑا معزز مکرم ہے یہ وہی چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔

خُذُوْهُ یعنی دوزخ کے کارندوں سے جیسن کو زبانیہ کہا جاتا ہے کہا جائے گا اس کافر کو پکڑو۔

فَاعْتِلُوْهُ اور زبردستی دھکے دیتے ہوئے اس کو وسط جہنم تک لے جاؤ۔

تل کا معنی ہے کسی چیز کو بھرپور طور پر مضبوطی کے ساتھ پکڑنا اور زبردستی کھینچ کر لے جانا۔

سَوَاءِ الْجَحِيْمِ وسط جہنم۔

صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ عذاب کی اضافت حمیم کی طرف کلام کو پُرزور بنانے کے لئے کی اصل کلام اس طرح تھا۔ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ عَذَابًا هُوَالْحَمِيْمُ ذُقْ یعنی عذاب دینے والے کہیں گے۔ اس عذاب کا مزہ چکھ تو تو اپنے خیال میں بڑی عزت اور بزرگی والا تھا۔ بغوی نے مقاتل کا قول نقل کیا ہے کہ دوزخ کا گماشتہ کافر کے سر پر ایسی ضرب لگائے گا کہ سر پھٹ کر بھیجا دکھنے لگے گا۔ پھر اس کے اندر انتہائی گرم کھولتا ہوا پانی ڈالے گا اور کہے گا۔ ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ابو جہل کہا کرتا تھا میں اس وادی (مکہ) کا سب سے عزت والا اور بزرگ شخص ہوں اور توہین و توبیخ کے طور پر کہتا تھا یہ ہیں دوزخ کے کارندے۔

اموی نے مغازی میں عکرمہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابو جہل سے ملے اور فرمایا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھ سے کہوں۔ اولی لک فاولی (تیرے لئے ہلاکت وہلاکت ہو) ابو جہل نے اپنے ہاتھ سے کپڑا اتار اور کہا تو اور تیرا ساتھی (یعنی خدا) میرا کچھ بھی نہیں کر سکتا تو جانتا ہے کہ میں اس بطحاء کے تمام باشندوں سے زیادہ طاقتور ہوں اور میں ہی سب سے بزرگ اور عزت والا ہوں۔ آخر بدر میں یہ مارا گیا اور اللہ نے اس کو ذلیل کیا اور اس کے زبانی دعوی پر عار دلائی اور فرمایا ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ابن جریر نے قتادہ کی روایت سے بھی یہ قصہ اسی طرح نقل کیا ہے۔

اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ یہ عذاب وہی ہے جس میں تم شک اور جھگڑا کرتے تھے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۲﴾ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۵۳﴾ كَذٰلِكَ

بیشک خدا سے ڈرنے والے امن (چین) کی جگہ میں ہوں گے (یعنی باغوں میں اور (جاری) نہروں (کے مقام) میں وہ لباس پہنیں گے باریک اور دبیز ریشم کا آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے یہ بات اسی طرح ہے۔

امین امن والا مقام جہاں رہنے والے ہر آفت اور نقل مکانی سے محفوظ ہوں۔

فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ یہ مقام سے بدل ہے متقی امن کے مقام میں ہوں گے۔ یعنی گھنے باغوں اور بہتی نہروں میں یہ لفظ بتا رہے ہیں کہ متقیوں کا مقام بڑا پر فرحت ہو گا اور وہاں کھانے پینے کی تمام لذت بخش چیزیں ہوں گی۔

مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ سندس باریک ریشمی کپڑا۔ استبرق۔ دبیز ریشمی کپڑا۔

ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے کعب کی طرف اس بیان یک نسبت کی ہے کہ جنت کے کپڑوں میں سے کوئی کپڑا آج دنیا میں کوئی پہنے تو اس کو دیکھنے والے بیہوش ہو جائیں ان کی آنکھوں کو برداشت نہ ہو سکے۔

صابونی نے مائتین میں عکرمہ کا قول نقل کیا ہے کہ جنتی آدمی جنت کے اندر جو لباس پہنے گا وہ لباس فوراً ستر رنگ بدلے گا۔

مُتَقٰبِلِيْنَ یعنی آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے تاکہ آپس میں خوش طبعی کر سکیں۔

كَذٰلِكَ یعنی بات یونہی ہوگی۔

وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۝ اور ہم ان کا گوری گوری فراخ آنکھوں والیوں سے بیاہ کردیں گے۔

زوجنھم سے نکاح کرانا مراد نہیں ہے بلکہ جوڑا لگا دینا مراد ہے اسی لئے ب حور باء کے ساتھ ذکر کیا۔ نکاح کرانا مراد ہوتا تو حور اعینا بغیر ب کے کہا جاتا عربی میں اگر کسی مرد کا کسی عورت کے ساتھ نکاح کرانے کا ذکر کیا جاتا ہے تو زوجتہ بفلانۃ نہیں کہا جاتا بلکہ زوجتہ فلانۃ کہا جاتا ہے۔

ابو عبیدہ نے جملہ مذکورہ کی تشریح اس طرح کی ہم نے حوروں سے ان کے جوڑے لگا دیئے جیسے ایک جوتی کا جوڑا دوسری جوتی ہوتی ہے۔

حور حوراء کی جمع ہے یعنی صاف گوری عورتیں جن کے رنگ کی صفائی اور گورے پن کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جائیں۔

عین عیناء کی جمع ہے فراخ چشم عورتیں۔

طبرانی نے حضرت ابو امامہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حور عین کو زعفران سے بنایا گیا ہے۔ بیہقی نے حضرت انسؓ کی مرفوع اور حضرت ابن عباسؓ کی موقوف حدیث بھی اسی طرح نقل کی ہے اور مجاہد سے بھی یہ روایت آئی ہے۔

ابن مبارک نے زید بن اسلم کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ نے حوروں کو مٹی سے نہیں بنایا بلکہ ان کا تخلیقی قوام مشک کافور اور زعفران کا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر حور سمندر میں تھوک دے تو اس کے لعاب دہن کی شیرینی سے سمندر میٹھا ہو جائے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے اگر حور اپنی ہتھیلی زمین آسمان کے درمیان برآمد کردے تو اس کے حسن کی وجہ سے دنیا دیوانی ہو جائے اور اگر حور اپنی اوڑھنی نکال دے تو سورج اس کے سامنے ایسا معلوم ہو جیسے سورج کے سامنے ایک بے نور بتی اور اگر حور اپنا چہرہ نمودار کردے تو اس کے حسن سے زمین و آسمان کے درمیان کی ساری فضاء جھلک جائے۔

ہناد نے حبان بن احیلہ کا قول نقل کیا ہے کہ دنیاوالی عورتیں جب جنت میں جائیں گی تو (حسن میں) حور عین سے بڑھ کر ہوں گی۔

يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ۝ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

وہاں وہ اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگواتے ہوں گے (اور) وہاں وہ بجز اس پہلی موت کے (جو دنیا میں آچکی ہوگی) موت کا ذائقہ بھی نہیں چکھیں گے اور اللہ ان کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا یہ سب آپ کے رب کے فضل سے ہوگا یہی بڑی کامیابی ہے۔

بِكُلِّ فَاكِهَةٍ یعنی جس پھل کو پسند کریں گے طلب کریں گے۔

اٰمِنِيْنَ یعنی مطلوب پھلوں کے ختم ہونے کا ان کو اندیشہ نہ کسی مضرت کا خوف ہوگا۔

ابن ابی حاتم اور ابن المنذر نے اپنی تفسیروں میں حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے لکھا ہے کہ دنیا میں کوئی پھل میٹھا ہو یا کڑوا ایسا نہیں جو جنت میں نہ ہو یہاں تک کہ حنظل بھی (جنت میں ہوگا)

ابن ابی حاتم ابن جریر اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جنت میں جو چیزیں ہیں دنیا میں بس ان کے نام ہی نام ہیں۔

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ یعنی جنت میں ہمیشہ زندہ رہیں گے کبھی نہیں مریں گے۔

اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی یہ استثناء منقطع ہے یا متصل ہے اور فیہا کی ضمیر آخرت کی طرف راجع ہے۔ (لیکن آخرت میں تو پہلی موت بھی نہیں آئے گی، اس لئے مجازی معنی مراد ہے کیونکہ) مرتے ہی قیامت کے احوال شروع ہو جاتے ہیں۔ یا جنت کی طرف ضمیر راجع ہے (لیکن جنت میں تو پہلی موت بھی نہیں ہوگی اس لئے اس صورت میں بھی مجازی معنی مراد ہوگا) مرتے ہی متقی فوراً جنت کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔ گویا اس کی موت ہی جنت کے اندر واقع ہوتی ہے۔

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکَ یعنی اہل تقویٰ کو جو کچھ ملے گا اللہ کی مہربانی سے ملے گا۔ اللہ اپنے فضل و رحمت سے ان کو عطا کرے گا حق کسی کا خدا پر نہیں ہوگا۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا اور نہ دوزخ سے پناہ دے گا۔ اور نہ میں (اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں جاؤں گا) بغیر اللہ کی رحمت کے رواہ مسلم۔

ع ۱۷ ۳ ۱۶ ذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ یہی بڑی کامیابی ہے کیونکہ تمام مکروہات سے نجات اور مقصد تک رسائی یہی ہے۔

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِکَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

سو ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان (عربی) میں آسان کر دیا تاکہ یہ لوگ نصیحت قبول کریں (یہ لوگ اگر نہ مانیں) تو آپ انتظار کیجئے یہ بھی منتظر ہیں۔

یَسَّرْنٰهُ یعنی قرآن کو ہم نے آپ کی زبان میں آسانی کے لئے اتارا۔

لَعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ تاکہ لوگ سمجھیں اور نصیحت اندوز ہوں۔

فَارْتَقِبْ یعنی اے محمد آپ اس عذاب کا انتظار کیجئے جو ان پر نازل ہوگا۔

اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ وہ آپ کے مبتلاء مصیبت ہونے کے منتظر ہیں۔ یا آپ انتظار کیجئے اپنی فتح اور نصرت کا وہ اپنے خیال میں آپ کے مغلوب ہونے کے منتظر ہیں۔

ترمذی نے ضعیف سند سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص رات کو حم الدخان پڑھتا ہے صبح ہوتی ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

ضعیف سند سے یہ بھی ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شب جمعہ میں جو شخص حم الدخان پڑھے گا۔ اس کو بخش دیا جائے گا۔ ابن ضریس نے مرسلاً حسن کا بیان نقل کیا ہے کہ شب جمعہ میں جو شخص سورۂ دخان پڑھے گا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ طبرانی نے ضعیف سند سے حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کی رات یا دن میں حم الدخان پڑھے گا اللہ اس کے لئے جنت کے اندر ایک گھر بنا دے گا۔

الحمدللہ سورۂ دخان کی تفسیر یکشنبہ ۲۸؍ ماہ ربیع الاول ۱۲۰۸ھ کو ختم ہوئی اس سے آگے سورۂ جاثیہ کی تفسیر انشاء اللہ آئے گی۔

والحمدللہ رب العٰلمین وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ واصحبہ اجمعین

بتوفیق اللہ ترجمہ ۱۶ رجب ۱۳۹۳ھ کو پورا ہوا۔ فالحمدللہ علی منہ وکرمہ

سورۃ الجاثیۃ

یہ سورۃ مکی ہے اس میں ۳۷ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝۲ غالب اور حکمت والے اللہ کی طرف سے یہ کتاب نازل کردہ ہے۔

العزیز انتقام لینے (یعنی عذاب دینے) میں غالب اور تدبیر و انتظام خلائق حکمت سے کرنے والا۔

اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝۳ بلاشبہ آسمانوں میں اور زمین میں (اللہ کی قدرت و وحدانیت کی) مومنوں کے لئے کثیر نشانیاں ہیں۔

آیت کا یہ ظاہر مطلب بھی مراد ہو سکتا ہے اور لفظ خلق کو محذوف بھی قرار دیا جاتا ہے یعنی آسمانوں کے اور زمین کے پیدا کرنے میں مومنوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوقِنُونَ ۝۴ اور (اسی طرح) تمہاری اور ان جانوروں کی پیدائش میں جن کو (اللہ نے زمین پر) پھیلا رکھا ہے ان لوگوں کے لئے (قدرت و وحدانیت کی) دلائل ہیں جو یقین رکھتے ہیں۔

وَفِي خَلْقِكُمْ یعنی تم میں سے ہر ایک کے پیدا کرنے میں قدرت و وحدانیت کی نشانیاں ہیں ہر انسان کی تخلیق نطفہ سے ہوئی۔ نطفہ جم کر لوتھڑا بنا پھر لوتھڑا بوٹی بنا یہاں تک کہ (تدریجی مراتب طے کر کے) انسان بن گیا۔

وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اس کا عطف (بظاہر) ضمیر مجرور پر ہے لیکن خلقکم پر اس کو معطوف قرار دینا زیادہ اچھا ہے کیونکہ جانوروں کا پھیلانا اور مختلف انواع بنانا اور تکمیل معاشی کے سارے اسباب جانور کو عطا کرنا یہ سب صانع مختار کی ہستی وحدانیت اور کمال پر دلالت کر رہے ہیں۔

لِقَوْمٍ يُّوقِنُونَ ان لوگوں کے لئے جو توحید و قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُونَ ۝۵

اور اسی طرح رات اور دن کے ادلنے بدلنے میں اور اس (مادہ) رزق میں جس کو اللہ نے آسمان سے اتارا پھر اس سے زمین کو خشک ہونے کے بعد سرسبز کیا اور ہواؤں کے چلانے میں دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل (سلیم) رکھتے ہیں۔

اِخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ رات دن کی آمد و رفت اور گرمی سردی کے موسموں میں (گھٹاؤ بڑھاؤ میں)

مِنْ رِّزْقٍ رزق سے مراد ہے بارش کیونکہ بارش پیدائش رزق کا سبب ہے۔

فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ الخ یعنی زمین کے خشک ہو جانے کے بعد اللہ اس کو سرسبز کر دیتا ہے۔

وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ یعنی مختلف جہات میں اور مختلف حالات میں۔

اٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو دلائل کو سمجھتے اور ایمان لاتے ہیں۔ یا قوم تعقلون سے اہل عقل مراد ہیں کیونکہ کافر تو (بے عقل) جانور ہیں بلکہ جانوروں سے بھی زیادہ گم کردہ راہ۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ تینوں آیات میں جو نشانیاں ذکر کی گئی ہیں وہ ظہور اور وقت کے لحاظ سے مختلف ہیں (کوئی بالکل ظاہر ہے کوئی وقت نظر اور غور کی محتاج ہے) اسی لئے تینوں آیتوں کے مقاطع میں تین مختلف لفظ (مومنین قوم یوقنون قوم یعقلون) استعمال کئے۔ صحیح بات یہ ہے کہ مقاطع میں اختلاف محض عبارت کی نیرنگی کی غرض سے کیا گیا (معنی اور مضمون میں کوئی اختلاف نہیں ہے)

کیونکہ ایمان وایقان تو ہم معنی لفظ ہیں اور دونوں سمجھنے کا نتیجہ ہیں۔ عقل سلیم کا تقاضا ہے کہ خالق جہان کو مانا جائے اور اس پر یقین کیا جائے۔

تِلۡكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتۡلُوۡهَا عَلَیۡكَ بِالۡحَقِّ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَ اللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ یُؤۡمِنُوۡنَ ۝۶ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں۔ پھر (اگر یہ اس کو بھی نہیں مانیں گے تو اللہ کے کلام اور اس کی آیتوں کے بعد اور کس بات پر ایمان لائیں گے۔

تلک ایت اللّٰہ یہ نشانیاں اللہ کی قدرت کی نشانیاں (ان سے اللہ کی قدرت کا ثبوت ملتا ہے)۔

بالحق یہ نشانیاں برحق ہیں۔ اب اگر آیات اللہ پر یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو بعد اللّٰہ اللہ کی کتاب کے بعد وایتہ اور اللہ کی آیات کے بعد اور کس بات پر یہ ایمان لائیں گے یعنی کفار مکہ ان آیات کو نہیں مانتے تو اور کس دلیل کو مانیں گے۔

وَیۡلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیۡمٍ ۝۷ یَّسۡمَعُ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُتۡلٰی عَلَیۡهِ ثُمَّ یُصِرُّ مُسۡتَكۡبِرًا كَاَنۡ لَّمۡ یَسۡمَعۡهَا ۚ فَبَشِّرۡهُ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ۝۸

بڑی خرابی ہوگی اس شخص کو جو بڑا جھوٹا اور سخت گناہ گار ہے اللہ کی آیتیں جب اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں پھر بھی وہ تکبر کے ساتھ (کفر پر) جما رہتا ہے گویا اس نے اللہ کی آیتوں کو سنا ہی نہیں آپ اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری دید یجئے۔

اَثِیۡمٍ بہت بڑا گناہ گار اس نے نضر بن حارث مراد ہے ویل سے آخر تک جملہ معترضہ ہے۔

ثُمَّ یُصِرُّ (لفظ ثم عربی میں تراخی کے لئے آتا ہے) سماع آیات کے بعد کفر پر جما رہنا بہت ہی بعید ہے اسی بعد کو ظاہر کرنے کے لئے اس جگہ لفظ ثم استعمال کیا گیا ہے (یعنی بعد زمانی کے قائم مقام بعد مرتبہ کو قرار دیا اور لفظ ثم سے اس کا اظہار کیا)

مُسۡتَكۡبِرًا ایمان کو (ذلیل حرکت سمجھ کر اس سے) تکبر کرنے والا۔

فَبَشِّرۡهُ ف سببیت کے لئے ہے (یعنی ف سے پہلے کا کلام بعد والے کلام کی علت ہے بشارت اس خبر کو کہتے ہیں جس کو سن کر چہرے پر خوشی کے آثار پیدا ہو جائیں (یعنی چہرہ کھل جائے) یہاں چہرے پر آثار غم پیدا کرنے والی خبر کو بطور استہزاء بشارت کہا ہے۔

وَاِذَا عَلِمَ مِنۡ اٰیٰتِنَا شَیۡئَا ۨ اتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِیۡنٌ ۝۹ مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ جَهَنَّمُ ۚ اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پاتا ہے تو اس کا مذاق بناتا ہے ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے ان کے آگے دوزخ آرہی ہے۔

وَاِذَا عَلِمَ مِنۡ اٰیٰتِنَا شَیۡئًا یعنی قرآن کا کچھ حصہ اس کو پہنچ جاتا ہے تو وہ ہماری آیات یا آیت کو ٹھٹول بناتا ہے (مذاق کی چیز) مطلب یہ کہ وہ فوراً اس کا مذاق بنانے لگتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ یعنی ایسے تمام جھوٹوں کے لئے۔

عَذَابٌ مُّهِیۡنٌ یعنی قبروں میں ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ جَهَنَّمُ اس سے آگے جہنم ہے۔ آگے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ان کا رخ جہنم کی طرف ہے۔ وراء کا

ترجمہ وراء بھی ہے اور پرے بھی آگے بھی اور پیچھے بھی۔

وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوا شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَوْلِيَاءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰﴾

اور (اس وقت) نہ تو ان کے وہ چیزیں ذرا کام آئیں گی جو دنیا میں کما گئے تھے اور نہ وہ جن کو اللہ کے سوا انھوں نے کارساز بنا رکھا تھا اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

لَا يُغْنِي دفع نہیں کرے گا۔

مَا كَسَبُوا یعنی مال اور اولاد

شَيْئًا یعنی کچھ بھی اللہ کا عذاب۔

وَلَا مَا اتَّخَذُوا یعنی نہ بت جن کی یہ عبادت کرتے ہیں یا وہ سردار اور پیشوا جن کی یہ پیروی کرتے ہیں۔

هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ أَلِيمٌ ﴿۱۱﴾ ع ۱۱/۱۷

یہ قرآن سراسر ہدایت ہے اور جو لوگ اپنے رب کی ان آیتوں کو نہیں مانتے۔ ان کے لئے سختی کا دردناک عذاب ہے۔

هٰذَا هُدًى یہ قرآن ہدایت ہے یعنی ایسی چیز ہے جس سے ہدایت حاصل ہوتی ہے۔

رِجْزٍ سخت ترین عذاب۔

اللّٰهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۳﴾

اللہ ہی ہے جس نے دریا کو تمہارے لئے مسخر بنایا تا کہ اس کے حکم سے کشتیاں اس میں چلیں اور تم اس کی (عطا کردہ) روزی تلاش کرو اور (اسی طرح) جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جتنی چیزیں زمین میں ہیں ان سب کو اپنی طرف سے مسخر بنالیا ہے بے شک ان چیزوں میں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو غور کرتے ہیں۔

سَخَّرَ یعنی سمندر کی سطح چکنی ہموار بنائی۔ تختہ لکڑی وغیرہ اس کے اندر گھس جائے تو پھر ابھر کر تیرنے لگتی ہے اور اس کے اندر غوطہ لگایا جاسکتا ہے۔

بِأَمْرِهِ اپنے حکم سے یعنی اپنے تسخیری حکم سے۔

مِنْ فَضْلِهِ یعنی تجارت غوطہ زنی اور شکار کے ذریعہ سے خدا داد رزق تم طلب کرو۔

مَا فِي السَّمَاوَاتِ یعنی چاند سورج، ستارے، پانی برف وغیرہ۔

مَا فِي الْأَرْضِ یعنی حیوانات، نباتات، معدنیات، چشمے نہریں دریا وغیرہ۔

مِنْهُ اپنی طرف سے یعنی ان سب چیزوں کو اپنی طرف سے مسخر بنالیا ہے یا یہ مطلب ہے کہ یہ سب چیزیں اس کی طرف سے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے جمیعا منہ کی تشریح میں فرمایا یہ سب چیزیں اللہ کی طرف سے رحمت ہیں زجاج نے کہا یہ سب چیزیں اللہ کی طرف سے مہرانی ہیں۔

لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ یعنی ان لوگوں کے لئے جو عجائب صنعت خداوندی پر غور کرتے اور پھر اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ اور قتادہ کا بیان نقل کیا ہے کہ مکہ میں ایک غفاری شخص نے حضرت عمرؓ کو گالی دی۔ حضرت عمرؓ نے اس کی پکڑ (یعنی اس پر حملہ) کرنے کا ارادہ کیا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

قُلْ لِّلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا

فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاۤءَ فَعَلَيْهَا ۖ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾ آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ ان لوگوں سے در گزر کیا کریں جو خدا کے معاملات کا یقین نہیں رکھتے تاکہ اللہ ایک قوم کو (یعنی مسلمان کو) ان کے عمل کا صلہ دے جو شخص نیک کام کرتا ہے سو اپنے ذاتی نفع کے لئے اور جو شخص برا کام کرتا ہے اس کا وبال اس پر ہی پڑتا ہے پھر تم کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

يَغْفِرُوْا یعنی آپ مسلمانوں سے کہہ دیجئے معاف کر دو اگر آپ ان کو معافی کا حکم دیدیں گے تو وہ معاف کر دیں گے۔

لَا يَرْجُوْنَ جو امید نہیں کرتے اور خوف نہیں کرتے۔

اَيَّامَ اللّٰهِ یعنی ان واقعات سے جو اللہ نے اپنے دشمنوں کے ساتھ کئے۔ مطلب یہ کہ ان اوقات کے آنے کی ان کو امید بھی نہیں جو اللہ نے مومنوں کی نصرت و کامیابی کے لئے مقرر کر رکھے ہیں۔

بغوی نے قرظی اور سدی کا قول نقل کیا ہے کہ حکم جہاد سے پہلے مکہ میں مسلمانوں کو مشرک سخت اذیتیں دیتے تھے۔ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا شکوہ کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی پھر آیت جہاد سے اس آیت کا حکم منسوخ کر دیا گیا۔

لِيَجْزِيَ قَوْمًا تاکہ مومنوں کو صبر کرنے کی جزا عطا فرمائے یا کافروں کو پوری سزا دے دینا میں سزا دے کر آخرت کی سزا میں تخفیف نہ کر دی جائے یا (قوما سے مراد ہیں دونوں فریق) یعنی دونوں فریقوں کو بدلہ دے۔

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ یعنی ان کاموں کا جو وہ کرتے تھے اچھے ہوں یا برے۔

فَلِنَفْسِهٖ یعنی اس کا ثواب اسی کو ملے گا۔

وَمَنْ اَسَاۤءَ فَعَلَيْهَا اور جو بدی کرے گا وہ اپنے لئے برائی کرے گا بدی کا وبال اسی پر پڑے گا۔

تُرْجَعُوْنَ یعنی اپنے اعمال کی وجہ سے جب تم ثواب و عذاب کے مستحق ہو جاؤ گے تو تم کو اللہ کے پاس لوٹا کر لے جایا جائے گا تاکہ عمل کے مطابق تم کو ثواب و عذاب دیا جائے۔ نیکی کا بدلہ اچھا، بدی کا بدلہ برا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْۤ اِسْرَاۤءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۤءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۗ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾ اور ہم نے بنی اسرائیل کو (آسمانی) کتاب اور حکمت (یعنی علم احکام) اور نبوت دی تھی اور ہم نے ان کو نفیس نفیس چیزیں کھانے کو دی تھیں اور دین کے معاملہ میں ہم نے ان کو کھلی کھلی دلیلیں دیں سو انہوں نے علم ہی کے آنے کے بعد آپس کی ضد اضدی کی وجہ سے باہم اختلاف کیا بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن ان کے باہمی اختلافی مسائل کا فیصلہ کر دے گا۔

الْكِتٰبَ یعنی توریت انجیل زبور

الْحُكْمَ خصوصیت کے ساتھ اس جگہ نبوت کا ذکر اس لئے کیا کہ بنی اسرائیل میں اللہ نے بکثرت انبیاء مبعوث فرمائے۔

الطَّيِّبٰتِ لذیذ حلال کھانے کی چیزیں جیسے من و سلویٰ وغیرہ۔

وَفَضَّلْنٰهُمْ اور مراتب قرب عطا کر کے ہم نے ان میں سے بعض لوگوں کو یعنی انبیاء کو ان کے زمانے کے لوگوں پر فوقیت عطا کی۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ان کے زمانے میں اللہ کا محبوب اور اللہ کے نزدیک معزز کوئی بھی ان سے زیادہ نہ تھا (اور نہ ان

جیسا تھا۔ مترجم)

یہ آیت ثابت کر رہی ہے کہ اخص انسان خاص ملائکہ پر فضیلت رکھتے ہیں (العالمین کالفظ ملائکہ کو شامل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ملائکہ پر بھی انبیاء بنی اسرائیل کو اللہ نے برتری عطا فرمادی تھی۔ مترجم)۔

بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ امر دین کی کھلی دلیلیں اللہ نے بنی اسرائیل کو ان تمام امور کا علم عطا فرمادیا تھا جن کو جاننا اور ان پر عقیدہ رکھنا ضروری تھا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور بعثت کی نشانیاں بھی بتادی تھیں وہ رسول اللہ ﷺ کو انتہائی یقینی طور پر جانتے پہچانتے تھے جتنا اپنی اولاد کو پہچانتے تھے۔

فَمَا اخْتَلَفُوْٓا یعنی امور دین میں یا رسول اللہ کے سلسلے میں ان کا باہمی اختلاف اسی وقت ہوا جب ان کو حقیقت کا علم ہو گیا اور یہ اختلاف محض آپس کی عداوت حسد اور نفسانی خواہشات کی وجہ سے ہوا کسی محکم دلیل کی روشنی میں یہ اختلاف نہیں تھا۔ آیت مذکورہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے اکثر بہتر فرقے کسی دلیل کی روشنی میں نہیں بن گئے تھے بلکہ محض آپس کی ضد اضدی سے بنے تھے۔ امت اسلامیہ کے تہتر فرقے بھی کسی محکم دلیل کی بناء پر نہیں ہو گئے بلکہ نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں صرف اتباع وہم کی وجہ سے ہو گئے (اسی وہم کو ہر فرقہ والا فہم و دانش قرار دیتا ہے) جیسے فرقہ معتزلہ نے فلاسفہ کے اتباع میں بہت سے مسائل (دینی) کا فیصلہ کرنے اور حق کو باطل سے ممتاز بنانے کے لئے عقل کو کافی قرار دیا (اور ظاہر نصوص کی مخالفت کی مترجم) یا مجسمہ نے خیال کر لیا کہ ہر موجود کا جسم ہونا ضروری ہے (اس لئے خدا کا بھی جسم ہے) یا محض حسد و عناد سے کچھ فرقے (اجماع امت سے الگ ہو کر) بن گئے۔ جیسے خارجی اور شیعہ۔

يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ یعنی سزا جزا کی شکل میں عملی فیصلہ کر دے گا۔ کسی کو عذاب دے گا اور کسی کو ثواب۔

يَخْتَلِفُوْنَ یعنی دینی مسائل ہیں جو ان کا اختلاف تھا اس کا عملی فیصلہ قیامت کے دن کر دے گا۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾

پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقے پر کر دیا سو آپ اسی طریقے پر چلے جائیں اور ان جاہلوں کی خواہشات پر نہ چلیے۔ یہ لوگ خدا کے مقابلے میں آپ کے ذرا کام نہیں آسکتے اور ظالم لوگ باہم ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ اہل تقویٰ کا دوست ہے۔

شَرِيْعَةٍ حق راستہ صراط مستقیم جس پر چلنے کا انبیاء کو حکم دیا گیا تھا۔

مِّنَ الْاَمْرِ الامر سے مراد ہے امر دین۔

فَاتَّبِعْهَا یعنی اے محمد آپ شریعت حق پر چلیے۔

وَلَا تَتَّبِعْ بظاہر رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے لیکن خطاب کا اصل رخ امت کی طرف ہے (کیونکہ رسول اللہ کے متعلق تو اتباع خواہشات کا احتمال ہی نہیں تھا) یعنی آپ کی امت ان لوگوں کا اتباع نہ کرے جو کتاب اللہ سے ناواقف ہیں خواہ اس طور پر کہ باوجود عدم علم کے مدعی علم ہیں جیسے فلاسفہ یا اس طور پر کہ کسی سے انہوں نے کچھ سیکھا ہی نہیں کسی نے کتاب کی بات ان کو پہلے بتائی نہیں جیسے سرداران قریش تھے (اول گروہ جہل مرکب میں مبتلا ہے اور دوسرا گروہ جہل بسیط کا مریض ہے۔ مترجم) سرداران قریش رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے اپنے باپ دادا کے مذہب کی طرف لوٹ آؤ وہ تم سے افضل تھے۔

یا یہ مطلب ہے کہ علم تو ان کو تھا وہ جانتے تھے لیکن قصداً انہوں نے اللہ کی کتاب پر عمل ترک کر دیا تھا اور آیات کتاب کی غلط تاویلیں کرتے تھے تو گویا وہ علم ہی سے محروم تھے جیسے علماء یہود تھے اسی طرح مسلمانوں میں سے وہ فرقے بھی جو راہ حق سے بھٹکے ہوئے تھے اور اپنی خواہشات کے تابع تھے۔

اِنَّھُمْ یعنی جو لوگ اپنی راہ پر چلانا چاہتے ہیں جو راہ حق نہیں ہے اگر آپ ان کی راہ پر چلے تو وہ اللہ کے عذاب سے تمہاری طرف سے بالکل دفاع نہیں کر سکیں گی۔

وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ الخ یعنی یہ باہم مجانست رکھتے ہیں اور اتحاد جنسی یگانگت و انضمام کی علت ہے اس لئے یہ سب باہم گھلے ملے ہوئے ہیں آپ ان کو دوست نہ بنائیں۔

وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ اور اللہ تقوی والوں کا دوست ہے پس آپ تقوی اختیار کیجئے اور شریعت پر چلئے۔ دونوں جملوں سے در پردہ اس طرف اشارہ ہے کہ یہ کافر آپ کو ضرر نہیں پہنچا سکتے کیونکہ یہ ظالم آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ تقوی والوں کا دوست ہے اور دونوں کی دوستی میں عظیم الشان فرق ہے۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ یہ قرآن عام لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت کا ذریعہ ہے اور یقین (یعنی ایمان) لانے والوں کے لئے بڑی رحمت (کا سبب) ہے۔

هٰذَا یہ یعنی قرآن مجید یا اتباع شریعت۔

بَصَآئِرُ یعنی بصیرت حاصل کرنے کے ذرائع۔

لِلنَّاسِ سب لوگوں کے لئے اس سے دونوں جہاں میں کامیاب ہونے کے طریقے ظاہر ہو جاتے ہیں۔

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ اللہ کی طرف سے راہنمائی اور رحمت ہے۔

لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ان لوگوں کے لئے جو اس کے اللہ کی طرف سے ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع ۱۸
یہ لوگ جو برے برے کام کرتے ہیں کیا خیال رکھتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا کہ ان سب کا جینا اور مرنا یکساں ہو جائے۔ یہ لوگ برا فیصلہ کرتے ہیں۔

اَمْ حَسِبَ ام منقطعہ ہے یعنی بل کے معنی میں ہے اور اس میں ہمزہ (سوالیہ) انکاری اور توبیخی ہے یعنی یہ لوگ یقین کرتے بلکہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ۔

اجْتَرَحُوْا جنہوں نے کمائیں برائیاں۔

اس آیت کا نزول مکہ کے ان مشرکوں کے حق میں ہوا جنہوں نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو یعنی قیامت اگر واقع میں ہوئی بھی تب بھی ہم تم سے آخرت میں برتر رہیں گے جس طرح دنیا میں ہم کو برتری حاصل ہے۔

كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی نیکوکار ایمان والوں کی مثل ہم ان کو کر دیں گے۔

سَوَآءً کالذین سے بدل ہے یعنی جس طرح دنیوی زندگی کے اندر رزق اور صحت میں کافر و مومن برابر ہیں کیا ان کا یہ خیال ہے کہ مرنے کے بعد بھی عزت اور نجات میں یہ لوگ مومنوں کی طرح ہوں گے یا یہ مطلب ہے کہ دنیا اور آخرت میں مومن اللہ کا محبّ ہے اور کافر سے دونوں جہاں میں اللہ کو نفرت ہے دونوں فریق برابر نہیں ہو سکتے۔

سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ یعنی دونوں فریق کے مساوی ہونے کا ان کا یہ فیصلہ برا ہے (غلط ہے)۔

مسروق کا بیان ہے کہ ایک مکی شخص نے مجھ سے کہا یہ آپ کے بھائی تمیم داری کی قیام گاہ ہے ایک رات صبح تک یا جب صبح ہونے والی ہی تھی اس وقت تک وہ آیت اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ پڑھتے رہے اور رکوع اور سجدے کرتے رہے اور روتے رہے۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾
اور اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا اور اس لئے کہ ہر

شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیدیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔
وَخَلَقَ اللّٰهُ الخ یعنی اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا تا کہ اللہ کی ہستی اس کی قدرت اور کامل صفات پر ان کی تخلیق سے استدلال کیا جاسکے مطلب یہ کہ ان کی پیدائش بیکار اور بے سود نہیں کی گئی بلکہ اس کے اندر اللہ کی حکمت پوشیدہ ہے نیک اور بد میں امتیاز اور مظلوم کا ظالم سے انتقام دلوانا مقصود ہے اگر یہ امتیاز اور انتقام اس زندگی میں نہ ہو تو مرنے کے بعد بہر حال ہونا ضروری ہے۔
وَلِتُجْزٰی اللہ کی ہستی اس کی قدرت تامہ انصاف اور صفات کاملہ پر استدلال اس کائنات کا مقصد ہے اور یہ بھی غرض ہے کہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ مل جائے۔ کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ یعنی ناکردہ گناہ کو عذاب یا جرم سے زیادہ عذاب نہ دیا جائے گا نہ کسی کے ثواب میں کمی کی جائے گی۔

ایک نکتہ: اللہ کا کوئی فعل ظلم نہیں بے گناہ کو عذاب اور نیک کو ثواب سے محروم کر دینا بھی اس کے لئے ظلم نہیں لیکن غیر مجرم کو سزا یا نیک کو ثواب سے محروم کر دینا بندوں کے لئے ظلم ہے اور جو مخلوق ایسا کرے وہ ظالم ہے اور چونکہ ظاہری طور پر اللہ اگر یہ فعل کرے تو اس کا فعل ظلم کا ہم شکل ہوگا اس لئے اس کو بھی ظلم کہہ دیا گیا۔

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾

سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی نفسانی خواہش کو بنا رکھا ہے اور اللہ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کانوں پر اور دل پر مہر لگادی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے سوایسے شخص کو اللہ کے گمراہ کر دینے کے بعد کون ہدایت کرے کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔
اَفَرَءَیْتَ ذایت سے پہلے ایک جملہ محذوف ہے پورا کلام اس طرح تھا کیا آپ اس کو ہدایت کرنا چاہتے ہیں اور آپ نے دیکھ بھی لیا ہے کہ اس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے ایسے آدمی کو کون ہدایت کر سکتا ہے یہ اللہ کے اوامر و نواہی کو ترک کر کے اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا ہے گویا اس نے خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا۔
حضرت ابن عباسؓ، حسن اور قتادہ نے آیت کے مطلب کی توضیح اس طرح کی ہے اس کافر نے اپنا دین نفسانی ہوا ہوس کو بنا رکھا ہے پس جس بات کی خواہش ہوتی ہے اس کو اختیار کرتا ہے کیونکہ اللہ پر اس کا ایمان نہیں وہ خدا سے ڈرتا نہیں اور جس کام سے اللہ نے روکا ہے اس سے رکتا نہیں۔
بعض لوگوں نے یہ مطلب بیان کیا ہے اس نے اپنا معبود ہوا و ہوس کو بنا رکھا ہے اپنی نفسانی خواہشات کی پوجا کرتا ہے۔
ابن جریر اور ابن المنذر کا بیان ہے اور بغوی نے سعید بن جبیر کی طرف بھی اس بیان کی نسبت کی ہے کہ عرب پتھروں کی اور سونے چاندی کی پوجا کرتے تھے جب کوئی پتھر پہلے سے اچھا مل جاتا تو پہلے پتھر کو پھینک دیتے توڑ ڈالتے اور دوسرے کو پوجنے لگتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔
شعبی نے کہا ہوی کو ہوا اس لئے کہا جاتا ہے کہ (کہ ہوی کا معنی ہے لڑھکانا، نیچے گرانا اور) خواہشات اپنے پرستار کو دوزخ میں گرا دیتی ہیں۔
عَلٰی عِلْمٍ یعنی اللہ اس کی گمراہی اور (فطری) استعداد کی خرابی کو جانتا تھا اس بناء پر اس کو گمراہ کیا یہ مطلب ہے کہ اس کو پیدا کرنے سے اللہ کو علم تھا کہ یہ گمراہ ہوگا۔ حضرت ابو عبداللہ صحابی کی عیادت کے لئے لوگ گئے تو آپ کو روتا پایا۔ دریافت کیا آپ کیوں روتے ہیں کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمادیا تھا کہ اپنی لبیں لے لو پھر اس پر قائم رہو یہاں تک کہ (مرنے کے بعد) مجھ سے آکر ملو۔ حضرت ابو عبداللہ نے فرمایا ہاں یہ تو ہے لیکن یہ بھی میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ نے اپنی دائیں مٹھی میں کچھ (روحوں کو) لیا اور کچھ (روحوں) کو بائیں ہاتھ کی مٹھی میں لیا اور فرمایا اس کے لئے (یعنی جنت کے

لئے) ہیں اور یہ اس کے لئے (یعنی جہنم کے لئے) ہیں اور میں (سب سے) بے پرواہ ہوں اب مجھے معلوم نہیں کہ میں کس مٹھی میں تھا۔

وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ یعنی اس کے کانوں پر مہر لگادی اس لئے وہ نصیحت سنتے نہیں اور ان کے دلوں پر مہر لگادی اس لئے وہ آیات پر غور نہیں کرتے۔

وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشٰوَةً اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اس لئے وہ بصیرت اندوز عبرت آگیں نظر سے دیکھتے نہیں۔

فَمَنْ يَّهْدِيْهِ الخ یعنی اللہ نے اس کو گمراہ کردیا تو اس کے بعد کوئی اس کو ہدایت نہیں کرسکتا۔ استفہام انکاری ہے۔

ابن جریر اور ابن المنذر نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اہل جاہلیت (یعنی کافر) کہا کرتے تھے رات اور دن (کا چکر) ہم کو ہلاک کرتا ہے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾

اور (قیامت کے منکر) کہتے ہیں کہ بجز ہماری اس دنیوی زندگی کے اور کوئی زندگی (آئندہ) نہیں ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو صرف زمانہ (کی گردش) سے موت آتی ہے اور ان لوگوں کے پاس اس (قول) کی کوئی دلیل نہیں محض اٹکل سے ہانک رہے ہیں۔

مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا یعنی زندگی بس یہی زندگی ہے۔ جس میں ہم ہیں۔

نَمُوْتُ وَنَحْيَا کسی زمانے میں ہم مرجاتے ہیں کسی زمانے میں جیتے ہیں اس جملہ کا یہ مطلب نہیں کہ زندگی موت کے بعد آتی ہے کیونکہ واؤ (نموت ونحیی کے درمیان) صرف عطف کے لئے ہے (ترتیب یا تعقیب کے لئے نہیں ہے) کذا قال الزجاج اس جملہ سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ زندگی بس یہی دنیوی زندگی ہے آئندہ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں۔

اِلَّا الدَّهْرُ یعنی مرور زمانہ ہی موت کا سبب ہے گردش زمانہ سے آدمی بوڑھا ہوجاتا ہے پھر مرجاتا ہے۔ یعنی مرد زمانہ کے علاوہ کوئی اور صانع قادر نہیں ہے۔ دہر اصل میں اس عالم کی پوری عمر کو کہا جاتا ہے یعنی اس جہان کے آغاز آفرینش سے ختم عالم کی درمیانی پوری مدت کا نام دہر ہے اس کے بعد ہر طویل مدت پر لفظ دہر کا اطلاق ہونے لگا۔ لفظ زمانہ کی وضع ہر مدت کے لئے ہے کوتاہ ہو یا طویل۔ (گویا لفظ زمانہ عام ہے اور لفظ دہر خاص۔ مترجم)۔

مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ علم کے حصول کے دو طریقے ہیں۔

(۱) بغیر غور و فکر اور بلا سوچ و بچار کے (اس علم کو بدیہی کہتے ہیں) اور غور و فکر کے بعد ایسے علم کو برہانی اور استدلالی کہتے ہیں۔ اور زمانہ کا مؤثر حقیقی ہونا نہ بداہتہ معلوم ہے نہ کوئی دلیل ایسی ہے جس سے اس کا ثبوت ہوسکتا ہو اس لئے کافروں کو اس کا علم ہی نہیں ہے بلکہ ایک صانع حکیم کی ہستی کا ثبوت مختلف دلائل سے ملتا ہے۔

اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ یعنی بغیر علم و دلیل کے یہ لوگ زمانہ کے مؤثر حقیقی ہونے کا (خیال کررہے ہیں اور) حکم لگا رہے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دہر کو برا نہ کہو کیوں کہ حقیقت میں اللہ ہی دہر ہے۔ رواہ مسلم۔

بغوی کی روایت میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں، اللہ نے فرمایا: اے ابن آدم تو ہائے دہر کی نامرادی نہ کہہ۔ کیونکہ حقیقت میں میں ہی دہر ہوں۔ رات اور دن کو میں نے چلا رکھا ہے۔ اگر چاہوں تو ان کو سمیٹ لوں۔

حدیث کا حاصل مطلب یہ ہے کہ زمانہ کو برا کہنا اسی خیال پر مبنی ہے کہ دہر ہی تمام حوادث و مصائب لاتا ہے (یعنی ہر انقلاب کا حقیقی فاعل دہر ہے) لیکن حقیقت میں حوادث لانے والا اور مصائب نازل کرنے والا تو اللہ ہے، پس دہر کو برا کہنا درحقیقت خدا کو برا کہنا ہوا۔ بعض اہل علم نے فان اللہ ھوا الدھر کا مطلب فان اللہ داھر الدھر بیان کیا ہے، یعنی اللہ ہی

خالق دہر ہے۔ زمانہ کو خالق سمجھ کر برا کہنا شرک ہے اس سے پرہیز کرو۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا ائْتُوا بِآبَائِنَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٥﴾

قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾ ع ۱۹

اور جس وقت (اس بارے میں) ان کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کا بجز اس کے اور کوئی جواب نہیں ہوتا کہ کہتے ہیں اگر سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے ہمارے سامنے) لے آؤ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تم کو زندہ رکھتا ہے پھر (جب چاہے گا) تم کو موت دے گا، پھر قیامت کے دن جس (کے وقوع) میں کوئی شک نہیں تم کو جمع کرے گا لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

بَيِّنَاتٍ یعنی واضح آیات جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر کھلے طور پر دلالت کر رہی ہے۔ اور منکرین کے عقیدے کے خلاف کھلا ثبوت پیش کر رہی ہیں۔ یا بینات سے مراد ہیں کھول کر بیان کرنے والی آیات۔

حُجَّتَهُمْ یعنی کوئی ایسی بات جس سے استدلال کر سکیں۔ مشرکوں اور منکروں کے قول کو حجت صرف ان کے خیال کے اعتبار سے فرمایا ورنہ ان کا یہ قول واقع میں کوئی حجت یعنی انکار قیامت کی دلیل نہیں ہے۔ مترجم)۔

يُحْيِيكُمْ یعنی جس وقت چاہتا ہے تم کو زندہ رکھتا ہے۔

ثُمَّ يُمِيتُكُمْ پھر جب چاہتا ہے تم کو موت دیتا ہے۔

ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ پھر سزا جزا کے لئے تم کو جمع کرے گا۔

إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اس میں الیٰ زائد ہے۔ یا بمعنی لام ہے یعنی لیوم القیمہ۔ قیامت کے دن۔

لَا رَيْبَ فِيهِ یعنی وقوع قیامت میں ذرا شک نہیں کیونکہ اللہ کا وعدہ حق ہے جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ جو ایجاد آغاز آفرینش پر قادر۔ وہ دوبارہ زندہ کرنے کی بھی قدرت رکھتا ہے اور سزا جزا حکمت کا تقاضا ہے (عقل چاہتی ہے کہ اعمال کا بدلہ ضرور ہو)

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ لیکن اکثر لوگ چونکہ کوتاہ نظر ہیں، قلیل الفکر ہیں اس لئے اللہ کی قدرت کو نہیں جانتے۔

وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَخْسَرُ الْمُبْطِلُونَ ﴿٢٧﴾

اور اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ اور جس روز قیامت برپا ہو گی اس روز باطل پرست خسارے میں رہیں گے۔

سابق آیات میں زندہ رکھنے مردہ کرنے اور قیامت کے دن سب کو جمع کرنے پر اللہ کے قادر ہونے کو بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت میں عمومی قدرت کا اظہار فرمایا ہے۔

يَخْسَرُ الْمُبْطِلُونَ یعنی قیامت کے دن اہل باطل کی خسران مالی سامنے آجائے گی سب کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔

وَتَرَىٰ كُلَّ أُمَّةٍ جَاثِيَةً ۚ كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَىٰ إِلَىٰ كِتَابِهَا الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٨﴾ هَٰذَا كِتَابُنَا يَنطِقُ عَلَيْكُم بِالْحَقِّ ۚ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٩﴾

اور (اس روز) آپ ہر فرقہ کو دیکھیں گے کہ (خوف کے مارے) زانو کے بل گر پڑا ہو گا۔ ہر فرقہ اپنے اعمالنامے کے حساب کی طرف بلایا جائے گا آج تم کو تمہارے کئے ہی کا بدلہ ملے گا اور (کہا جائے گا) یہ ہماری کتاب (اندراج نامہ) ہے جو تمہارے مقابلے میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے اور ہم تمہارے اعمال کو فرشتوں کے ذریعہ سے لکھواتے جاتے تھے۔

بغوی نے لکھا ہے جاثیۃ دوزانو بیٹھنے والی، فریق معاملہ جب حاکم کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرتا ہے۔ تو دوزانو بیٹھ کر پیش کرتا اور فیصلہ کرتا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ میں ہی سب سے پہلا شخص ہوں گا جو دوزانو ہو کر اللہ کے روبرو اپنا جھگڑا پیش

کرے گا۔ ہم نے سورۂ حج کی آیت هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ کی تفسیر میں اس کی وضاحت کردی ہے۔
حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا قیامت کے دن ایک ساعت ایسی ہو گی جو دس سال کی ہو گی سب لوگ اس مدت کے دوران دوزانو پڑے ہوں گے۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیمؑ بھی پکار اٹھیں گے نفسی نفسی۔ میں صرف اپنے نفس کے بچاؤ کی تجھ سے درخواست کرتا ہوں۔
بعض اہل علم کا قول ہے کہ کُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً میں جاثیۃ کا معنی ہے مجتمع یہ لفظ جثوۃ سے ماخوذ ہے اور جثوۃ کا معنی ہے جماعت۔
جزری نے نہایہ میں حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ جماعت بن کر اپنے نبی کے پیچھے جائیں گے۔
عبداللہ بن احمد نے زوائد الزہد میں اور بیہقی نے عبد بن ثابتہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، وہ منظر میرے سامنے ہے کہ میں جہنم سے ورے کرم (کے مقام) میں تم کو مجتمع دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد سفیان نے یہ آیت تلاوت کی۔
شیخ ابن حجر نے لکھا ہے کرم سے مراد ہے اونچی جگہ جہاں امت محمدیہ مجتمع ہو گی۔
کِتٰبِهَا یعنی اعمالنامے کی طرف بلایا جائے گا اور کہا جائے گا اپنا اعمالنامہ پڑھ۔ جو خود ہی اپنی حساب فہمی کے لئے کافی ہے۔
حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سارے اعمالنامے عرش کے نیچے جمع ہوں گے، جب (حساب فہمی کے لئے) میدان میں لوگوں کو کھڑا کیا جائے گا تو ایک ہوا آکر اعمالناموں میں ہو گی وہ یہ آیت ہو گی اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ حَسِيْبًا۔ (رواہ البیہقی)۔
اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ یعنی ہر امت سے کہا جائے گا کہ آج تم کو تمہارے کئے کا ہی بدلہ دیا جائے گا۔
هٰذَا كِتٰبُنَا یعنی یہ تمہارے اعمالنامے ہیں جو ہمارے حکم سے لکھنے والے ملائکہ نے لکھے ہیں۔
يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ یعنی تم پر تمہارے اعمال کی شہادت دے رہے ہیں۔
بِالْحَقِّ یعنی ٹھیک ٹھیک، بغیر کمی بیشی کے۔
اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ ہم فرشتوں کے ذریعہ سے لکھوا لیتے تھے۔ بعض علماء نے نستنسخ کا ترجمہ کیا ہم اعمالناموں کی نقل کرا لیتے تھے۔ اعمال لکھنے والے دونوں فرشتے آدمی کے اعمال اوپر لے جاتے ہیں اللہ ان میں سے ایسے اعمال کو قائم رکھتا ہے جن پر ثواب یا عذاب مرتب ہوتا ہے اور جو اعمال بیکار ہوتے ہیں ان کو ساقط کر دیتا ہے جیسے کوئی کسی سے کہتا ہے آجا وغیرہ۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝

سو جو لوگ ایمان لائے تھے اور انہوں نے اچھے کام کئے تھے تو ان کو ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا اور یہ صریح کامیابی ہے اور جو لوگ کافر تھے (ان سے کہا جائے گا) کیا میری آیتیں تم کو پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں سو تم نے ان کو قبول کرنے سے تکبر کیا تھا اور تم اس وجہ سے بڑے مجرم لوگ تھے۔
فی رحمۃ۔ رحمت سے مراد ہے جنت۔ گزشتہ آیت اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ مجمل تھی۔ اس آیت سے سزا جزا کی تفصیل کی گئی ہے۔
اَلْفَوْزُ الْمُبِيْنُ یہ کھلی کامیابی ہے ہر طرح کی آمیزش سے پاک۔
اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ یہ استفہام انکاری یعنی انکار نفی ہے جو مفید اثبات ہے۔
فَاسْتَكْبَرْتُمْ یعنی تم نے ان کو ماننے اور ان پر یقین کرنے سے تکبر کیا۔

وکنتم قوما مجرمین یعنی تم ایسے لوگ تھے جن کی عادت ہی کفر اور جرم کرنے کی تھی تم کفر کے ادی تھے۔ مطلب یہ کہ اللہ کافروں کو اپنے غضب میں مبتلا کرے گا کیونکہ وہ عادی مجرم تھے۔

وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا قُلْتُم مَّا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ إِن نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ ﴿۳۲﴾

اور جب (تم سے) کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے تو تم نے کہا ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے محض ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے اور ہم کو یقین نہیں۔

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ یعنی اللہ کا وعدہ قیامت۔ وعد مصدر ہے یعنی قیامت کا وعدہ کرنا یا بمعنی موعود ہے، یعنی قیامت جس کا اللہ نے وعدہ کیا ہے۔

لَا رَیْبَ فِیْهَا یعنی قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں کیونکہ اس کے آنے کی خبر اللہ نے دی ہے اور اللہ کی دی ہوئی خبر کا غلط ہونا ناممکن ہے۔

مَا السَّاعَةُ یعنی قیامت آنے کی جب تم کو خبر دی گئی تو اس خبر پر تم کو اچنبا ہوا اور تم نے بطور تعجب کہا ہم نہیں جانتے کہ قیامت کون چیز ہے۔

اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا ظناً کی تنوین تحقیر کے لئے ہے یعنی حقیر سا گمان۔ خفیف سا وہم۔ ظن کا اطلاق کبھی مطلق علم پر ہوتا ہے جیسے آیت الْخَاشِعِیْنَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ یعنی وہ جانتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ضرور ملیں گے۔ کبھی ظن کا معنی وہم ہوتا ہے۔ اس آیت میں یہی معنی مراد ہے۔

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۳۳﴾ وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنسَاكُمْ كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿۳۴﴾

اور (اس وقت) ان کو اپنے تمام برے اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہ ان کو آگھیرے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ آج ہم تم کو بھلائے دیتے ہیں جس طرح تم نے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا اور آج تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

وَحَاقَ بِهِمْ اور ان پر نازل ہوگا۔

اَلْیَوْمَ نَنْسٰكُمْ یعنی آج تم کو عذاب میں داخل کر کے چھوڑ رکھیں گے۔ (جیسے کوئی شخص بھولی ہوئی چیز کو چھوڑے رکھتا ہے اللہ نسیان سے پاک ہے اس لئے نسیان سے مراد اس جگہ ترک کر دینا ہے۔ مترجم

كَمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا یعنی جس طرح تم نے آج کی ملاقات کی تیاری ترک کر دی تھی اور اس کی پروا بھی نہیں کی تھی۔ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ میں مصدر کی اضافت ظرف کی طرف ہے۔ یعنی اپنے رب سے ملنے کے دن کی تیاری یا اعمال کا بدلہ پانے کے دن کی تیاری تم نے ترک کر دی تھی۔

وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ اور تمہارا کوئی مددگار نہیں جو تم کو دوزخ سے رہا کرا سکے۔

ذَٰلِكُم بِأَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَغَرَّتْكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۳۵﴾

یہ (تمہاری سزا) اس وجہ سے ہے کہ تم نے اللہ کی آیات کو ٹھٹول بنا رکھا تھا اور تم کو دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ سو آج وہ لوگ نہ تو دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے خدا کی خفگی کا تدارک طلب کیا جائے گا۔

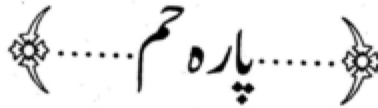
ھزوًا یعنی مذاق کی چیز بنا رکھا تھا۔ یعنی اللہ کی آیات کا مذاق اڑایا تھا اور ان پر غور نہیں کیا تھا
وَغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا یعنی تم نے خیال کر رکھا تھا کہ اس دنیوی زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی نہ ہو گی۔ اور اعمال کی حساب فہمی نہ ہو گی۔
وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ عتبی رضا مندی (قاموس) استعتاب۔ رضا مندی مطلب کرنا۔ یعنی ان سے اس بات کی طلب نہیں کی جائے گی کہ توبہ کر کے اللہ کو راضی کر لو۔ کیونکہ توبہ کا وقت گزر چکا ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ موت کے بعد طلب رضامندی (کی گنجائش) نہ ہو گی۔ کیونکہ رضامندی کا حصول اعمال پر موقوف ہے۔ اور اعمال کا وقت (مرنے کے بعد) گزر چکتا ہے۔ صاحب نہایہ نے لکھا ہے عتبی گناہ اور بدکاری سے لوٹ جانا (توبہ کرنا) بغوی نے اسی معنی کے لحاظ سے لکھا ہے ان سے طلب نہیں کی جائے گی کہ اللہ کی طاعت کی طرف لوٹ آئیں۔
ہم کو يُسْتَعْتَبُوْنَ سے پہلے لانا حصر اور خصوصیت کو بتا رہا ہے یعنی صرف اسے اللہ کی ناراضگی دور کرنے کا تدارک طلب نہیں کیا جائے گا مومنوں کی یہ حالت نہیں ہو گی۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞

سو تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو مالک ہے آسمانوں کا اور مالک ہے زمین کا مالک ہے سارے جہان کا۔ اور اسی کی بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی زبردست ہے حکمت والا۔
فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اللہ ہی کے لئے تعریف ہے کہ اس نے مومنوں اور کافروں سے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کیا۔
رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ اللہ کی ربوبیت اس کی ایک مستقل نعمت ہے جو اس کے کمال قدرت پر دلالت کر رہی ہے اسی لئے لفظ کو مکرر ذکر کیا۔
وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی اللہ کی عظمت و بزرگی کے آثار آسمان و زمین میں ظاہر ہیں۔
العزیز ایسا زبردست جس پر کوئی غالب نہ آسکے۔ اس کے مقابلہ میں بڑا ہونے کا دعویٰ کسی کے لئے جائز نہیں۔
الحکیم اس کا اندازہ اور فیصلہ پر حکمت ہے، حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ فرماتا ہے بڑائی میری چادر ہے اور بزرگی میری لنگی (یعنی عظمت و کبریاء کی وجہ سے میں مخلوق کی نظر سے پوشیدہ ہوں۔ مترجم) ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی اگر مجھ سے کوئی چھیننے کی کوشش کرے گا۔ میں اس کو دوزخ میں داخل کر دوں گا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ اس کو دوزخ میں پھینک دوں گا۔

الحمد للہ سورۃ جاثیہ کی تفسیر ۲۲؍ ربیع الثانی ۱۲۰۸ھ کو ختم ہوئی۔

چھبیسواں پارہ شروع



سورۃ الاحقاف

(یہ سورۃ مکی ہے اس میں ۳۵ آیتیں اور چار رکوع ہیں۔)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۲ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝۳ حم یہ کتاب اللہ کی طرف سے بھیجی گئی ہے جو زبردست (اور) حکمت والا ہے ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور دونوں کی درمیانی کائنات کو حکمت کے ساتھ (ہی) ایک میعاد معین کے لئے پیدا کیا ہے اور جو لوگ کافر ہیں وہ اسی چیز سے لاپرواہی کرتے ہیں جس سے ان کو ڈرایا گیا ہے۔

تَنْزِيْلُ اس کی تفسیر سورۂ جاثیہ میں گزر چکی ہے۔

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ یعنی ہم نے آسمانوں وزمین اور ان کی درمیانی موجودات کو برحق پیدا کیا (بے حقیقت اور بلا حکمت نہیں پیدا کیا۔ مترجم) یہ ساری کائنات بتا رہی ہے کہ ان کا ایک بنانے والا ہے جو قدیم ہے اور حکمت والا ہے۔ یہ سارا جہان، یہ بات بھی بتا رہا ہے کہ حسب تقاضائے حکمت و انصاف سزا جزا دینے کے لئے انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

وَاَجَلٍ مُّسَمًّى یعنی اس کل سنسار کی تخلیق ایک معین مدت کے لئے ہے جب مقرر مدت ختم ہو جائے گی تو ان کی بقاء ختم ہو جائے گی یعنی قیامت کے دن یہ نظام تباہ ہو جائے گا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا عما میں ما مصدریہ ہے یعنی ڈرانا یا موصولہ ہے یعنی روز قیامت کا عذاب، جس سے کافروں کو ڈرایا گیا ہے۔

مُعْرِضُوْنَ اعراض کرتے ہیں، یعنی غور نہیں کرتے کہ روز قیامت کا عذاب عقلاً محال نہیں ہے، اور شرعاً لازم ہے اور قیامت کے آنے کی کوئی تیاری نہیں کرتے اور اللہ کے سوا دوسروں کو بغیر کسی دلیل کے معبود قرار دیتے ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴ آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو بتاؤ کہ علاوہ خدا کے جن چیزوں کی تم پوجا کرتے ہو مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے کون سی زمین پیدا کی ہے یا ان کا آسمانوں (کی تخلیق) میں کچھ ساجھا ہے میرے پاس کوئی

(خدائی) کتاب جو اس سے پہلے کی ہو لاؤ یا کوئی اور علم کی بات جو منقول ہو (لاؤ) اگر تم سچے ہو۔
قُلْ: یعنی اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے۔
اَرَءَیْتُمْ: یہ استفہام تقریری ہے یعنی مخاطب کو اقرار پر آمادہ کرنا مقصود ہے۔
مَّا تَدْعُوْنَ یعنی جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو۔ اس سے بت مراد ہیں۔
ماذا ما استفہامیہ ہے اور ذا موصولہ ہے بمعنی الذی یعنی وہ چیز کیا ہے جس کو انہوں نے پیدا کیا ہے۔
فِی السَّمٰوٰتِ یعنی آسمانوں کو پیدا کرنے میں کیا ان کی شرکت اور دخل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غور کرنے کے بعد مجھے بتاؤ کہ جن معبودوں کو تم پوجتے ہو کیا انہوں نے اس ساری دنیا کی کوئی چیز بھی پیدا کی ہے یا تخلیق عالم میں ان کی شرکت کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے جب ان کی شرکت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے تو پھر ان کو معبود ہونے کا استحقاق کیسے حاصل ہو سکتا ہے اور کس وجہ سے تم ان کو معبود قرار دیتے ہو اور پوجتے ہو۔
ایک گمان کیا جاسکتا ہے کہ عالم سفلی یعنی کائنات عنصری میں جو حوادث وواقعات ہوتے ہیں ان کی تخلیق میں عالم علوی یعنی کائنات سماوی کی شرکت ہے اس گمان کو زائل کرنے کے لئے فرمایا کہ تخلیق سماوات میں کیا تمہارے معبودوں کا کوئی دخل ہے یا ان کی شرکت کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے۔
بِکِتٰبٍ یعنی اللہ کی بھیجی ہوئی کوئی ایسی کتاب پیش کرو جو شرک کی تعلیم دیتی ہو۔
مِّنْ قَبْلِ ھٰذَآ یعنی اس قرآن سے پہلے جو توحید کی تعلیم دے رہا ہے۔
او اثرۃ امام احمد نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا قول نقل کیا ہے کہ اثارہ (سے مراد ہے) تحریر۔ مجاہد اور عکرمہ نے ترجمہ کیا، نقل اقتادہ نے کہا، اثارہ یعنی خاص کلبی نے اس کا ترجمہ کیا بقیہ۔ قاموس میں ہے اثر کسی چیز کا باقی حصہ۔
من علم یعنی سابق انبیاءؑ کا علم جو وحی قطعی سے حاصل ہوا ہو۔
اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ اللہ نے تم کو بت پرستی کا حکم دیا ہے یعنی بتوں کے معبود ہونے کی کوئی دلیل نہیں نہ عقلی نہ نقلی۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآىٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ ۝

اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو خدا کو چھوڑ کر ایسے معبود کو پکارے جو قیامت تک بھی اس کا کہنا نہ کرے اور ان کو اپنے پکارے جانے کی خبر بھی نہ ہو اور جب سب آدمی جمع کئے جائیں تو وہ ان (پوجنے والوں) کے دشمن ہو جائیں اور ان کی عبادت ہی کا انکار کر دیں۔
ومن اضل (سوال انکاری ہے) یعنی اس شخص سے بڑھ کر گمراہ کوئی نہیں جو۔
ممن یدعوا اللہ کو چھوڑ کر ایسوں کی عبادت کرتا اور ان سے مرادیں مانگتا ہے۔
مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗ جو بالفرض اگر پکارنے والوں کی پکار سن بھی لیں تو ان کا مطلب نہ سمجھیں اور نہ مرادیں پوری کرنے کا طریقہ ان کو معلوم ہو۔
اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ روز قیامت تک یعنی جب تک دنیا قائم ہے۔
وَهُمْ عَنْ دُعَآىٕهِمْ غٰفِلُوْنَ اور ان کو پکارنے والوں کی پکار کی خبر بھی نہیں کیونکہ یہ لوگ جن کو پکارتے ہیں وہ یا تو جمادات (یا نباتات یا جانور یا ستارے سیارے مترجم) ہیں جو ان کی پکار کو نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں یا اللہ کے ایسے بندے ہیں جو اللہ کے فرماں بردار ہیں (اپنی اپنی ڈیوٹی پر لگے ہوئے ہیں) اور اپنے احوال میں مشغول ہی جیسے حضرت عیسیٰؑ، حضرت عزیرؑ، اور

فرشتے۔

وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ یعنی جب قیامت کے دن لوگ جمع کیے جائیں گے۔

كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وہ معبود ان پجاریوں کے دشمن ہو جائیں گے فائدہ پہنچانے کی جگہ ضرر پانے کا ذریعہ بن جائیں گے اور ان پجاریوں کی پوجا کی تکذیب کریں گے اور کہیں گے اے اللہ! ہم ان سے بیزار ہیں یہ ہمیں نہیں پوجتے تھے (بلکہ اپنی خواہش کی پرستش کرتے تھے) مطلب یہ کہ ان کے معبود نہ دنیا میں ان کے کام آسکتے ہیں اور نہ آخرت میں بلکہ آخرت میں تو ضرر رساں (ضرر پہنچنے کا ذریعہ) ہو جائیں گے، لہٰذا ایسے معبودوں کی پوجا کرنے والوں اور اللہ سمیع و بصیر، خبیر، قادر، مجیب کی عبادت کو ترک کرنے والوں سے زیادہ اور کون گمراہ ہو سکتا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے آیت وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ معبودان باطل کے یہ پجاری قیامت کے دن باطل معبودوں کی پوجا کرنے سے منکر ہو جائیں گے اور کہیں گے قسم ہے معبود برحق کی جو ہمارا رب ہے، ہم مشرک نہیں تھے۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ ۖ كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝

اور جب ہماری کھلی کھلی آیتیں ان لوگوں کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو یہ منکر لوگ اس سچی بات کو جب کہ وہ ان تک پہنچتی ہے کہتے ہیں، یہ صریح جادو ہے کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اپنی طرف سے اس کو گڑھ لیا ہے آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اگر اس کو میں نے اپنی طرف سے بنالیا ہو گا تو پھر تم لوگ مجھے خدا سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے وہ خوب جانتا ہے قرآن میں تم جو جو باتیں بنا رہے ہو میرے اور تمہارے درمیان وہ کافی گواہ ہے اور وہ ہی بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے۔

لِلْحَقِّ یعنی حق کی بابت حق کو۔ حق سے مراد ہیں آیات۔ کفروا کے ساتھ صراحۃً للحق کہنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ آیات حق اور سچی ہیں یہ لوگ بلاشبہ کافر، گمراہ اور حق کے منکر ہیں۔

لَمَّا جَاءَهُمْ یعنی جونہی آیات ان کو پہنچیں، انہوں نے بغیر سوچ اور غور کیے فوراً کہہ دیا کہ یہ قرآن صریح جادو ہے، اس کا جادو ہونا کھلا ہوا ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ ام استفہامیہ منقطعہ ہے اور استفہام انکار آگیں، تعجب آفریں ہے۔

قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ یعنی آپ کہہ دیجئے کہ بالفرض اگر تم لوگوں کو اپنا تابع بنانے کے لئے میں نے یہ کلام از خود بنالیا ہے اور خدا کی طرف نسبت کردی ہے۔

فَلَا تَمْلِكُونَ تو اللہ کا عذاب جو مجھ پر آئے گا اس کو تم میرے اوپر سے بالکل دفع کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ اللہ کے عذاب کو دفع نہیں کر سکتے پھر کس طرح اللہ کی طرف غلط نسبت کر کے میں اپنے آپ کو عذاب کا مستحق بنا سکتا ہوں۔ تمہاری طرف سے تو مجھے نہ حصول نفع کی امید ہے نہ دفع ضرر کی۔

بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ یعنی اللہ کی آیات کی تکذیب اور اس کے کلام کو جادو اور من گھڑت کہنے میں تم گھس رہے ہو۔ اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

كَفَىٰ بِهِ فاعل کا قائم مقام ہے یعنی اللہ کافی ہے۔

شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ میرے اور تمہارے درمیان شہادت دینے کے لئے۔ یعنی معجزات عطا فرما کر اس نے میری سچائی اور تبلیغ کی شہادت دی اور تمہارے جھوٹے ہونے کی۔ اور اسی کی شہادت کافی ہے یہ کافروں کے لئے وعید ہے کہ تم کو اس

تکذیب کی سزا ملے گی۔
وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ یہ ان لوگوں کے لئے مغفرت اور رحمت کا وعدہ ہے جو توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں۔
آیت میں در پردہ اشارہ ہے کہ اللہ بڑا حلیم ہے کہ باوجود بڑے مجرم ہونے کے کافروں کو فوراً عذاب نہیں دیتا۔
قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ
آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول تو ہوں نہیں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ یہ معلوم کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔
بدع اور بدیع دونوں ہم معنی ہیں جیسے نصف اور نصیف۔ یعنی میں پہلا پیغمبر نہیں ہوں کہ جو دعویٰ مجھ سے پہلے کسی پیغمبر نے نہیں کیا وہ میں کر رہا ہوں مجھ سے پہلے بہت پیغمبر ہو چکے ہیں پھر تم لوگ میری نبوت کا انکار کیوں کرتے ہو جب کہ معجزات بھی میری نبوت کی تصدیق کر رہے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ میں انوکھا پیغمبر نہیں ہوں کہ تمہارے مطالبات اور مطلوبہ فرمائشیں پوری کردوں، جو پہلے پیغمبر نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے۔
وَمَا أَدْرِي الخ بعض اہل تفسیر نے اس آیت کے یہ معنی بیان کئے کہ مجھے نہیں معلوم تمہارے ساتھ قیامت کے دن کیا کیا جائے گا اور میرے ساتھ کیا کیا جائے گا جب یہ آیت نازل ہوئی تو کافر بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے قسم ہے لات اور عزیٰ کی اللہ کے نزدیک ہمارا اور محمد ﷺ کا درجہ ایک ہی ہے ان کو ہم پر کوئی برتری اور مرتبہ حاصل نہیں۔ اگر یہ کلام اس کا خود ساختہ نہ ہوتا (اور خدا کی طرف سے اس کو پیغمبر بنایا گیا ہوتا) تو خدا اس کو اس کی برتری اور مرتبہ سے واقف کر دیتا اس کے بعد آیت لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ نازل ہوئی تو صحابہؓ نے عرض کیا یا نبی اللہ! آپ کو مبارک ہو اللہ جو معاملہ اور سلوک آپ سے کرے گا وہ تو ہم کو معلوم ہو گیا لیکن ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا یہ ہم کو معلوم نہیں ہوا اس پر آیت لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اور آیت وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا نازل ہوئی اور اللہ نے بتا دیا کہ اللہ کے نبی کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور اہل ایمان کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔
بغوی نے لکھا ہے یہ قول حضرت انس اور قتادہ اور حسن اور عکرمہ کا ہے ان حضرات کا بیان ہے کہ یہ آیت حدیبیہ کی صلح سے پہلے نازل ہوئی تھی لیکن جب حدیبیہ کے سال رسول اللہ ﷺ کو آپ کی ساری اگلی پچھلی فرد گزاشتوں کے معاف ہونے کی اطلاع دے دی گئی تو آیت مذکورہ منسوخ ہو گئی۔ میرے نزدیک یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن کی ہر سورت میں مدنی سورہ ہو یا مکی مومنوں کے لئے وعدہ مغفرت اور کافروں کے لئے وعید عذاب مذکورہ ہے۔ سب سے پہلے (حکم تبلیغ کی) آیت وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ نازل ہوئی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر اقربا ایمان نہ لائیں تو ان کو عذاب کی وعید سنا دو۔ اس سورہ میں بھی کافروں کو عذاب کی وعید اور مومنوں کو بشارت دی گئی ہے اور صراحت کی گئی ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کو اپنا رب مان لیا اور اس پر قائم رہے اور سیدھی چال چلتے رہے تو ان کو نہ عذاب کا خوف ہوگا نہ غم اور سب کے سب جنتی ہوں گے فرمایا ہے وَهَٰذَا كِتَابٌ مُصَدِّقٌ لِسَانًا عَرَبِيًّا لِيُنْذِرَ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَبُشْرَىٰ لِلْمُحْسِنِينَ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ۔
یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمانوں کا (اچھا) اور کافروں کا (برا) انجام رسول اللہ ﷺ کو معلوم نہ ہو اور اللہ کی کتاب میں بھی اس کا ذکر نہ کیا گیا ہو اس سے تو کافروں کو اعتراض کرنے اور یہ کہنے کا موقع مل سکتا تھا کہ ہمارا اور محمد کا معاملہ اللہ کے نزدیک ایک ہی ہے، ان کو ہم پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے پھر باپ دادا کے مذہب کو ترک اور پیغمبر کے اتباع کرنے سے کیا فائدہ! اس کے علاوہ ایک خرابی یہ ہو جائے گی کہ اگر آیت لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ اور آیت لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ کا نزول بعثت سے کچھ اوپر دس سال کے بعد مانا جائے گا تو وقت ضرورت سے بیان کی تاخیر لازم آئے گی اور یہ محال ہے۔

ایک شبہ

بغوی نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت خارجہ بن یزید کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت اُمّ علاء انصاریہ نے کہا، جب مہاجر مدینہ میں آئے تو ان کی سکونت (اور میزبانی) کے سلسلہ میں انصار نے قرعہ اندازی کی ہمارے حصہ میں حضرت عثمان بن مظعون آئے اور ہمارے پاس ان کی سکونت ہو گئی پھر وہ بیمار ہو گئے ہم نے ان کی تیمارداری کی، کچھ مدت کے بعد ان کی وفات ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ میں بھی اندر چلی گئی اور میں نے کہا ابو السائب آپ پر اللہ کی رحمت ہو۔ میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ نے آپ کو عزت افزائی فرمادی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تجھے کیا معلوم کہ اللہ نے اس کی عزت افزائی فرمادی ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس کو اس کے رب کی طرف سے موت آگئی اور میں اس کے لئے بھلائی کی امید رکھتا ہوں اور باوجودیکہ میں اللہ کا رسول ہوں لیکن مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ (یہ جانتا ہوں کہ) تم لوگوں کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ حضرت ام علاء نے فرمایا اس واقعہ کے بعد میں کسی کے گناہوں سے پاک ہونے کا اظہار نہیں کرتی۔ کچھ مدت کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ عثمان بن مظعون کا ایک چشمہ جاری ہے، میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ اس کے اعمال (خیر) ہیں۔

یہ حدیث اس تفسیر کی تائید کر رہی ہے جس میں آیت کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ قیامت کے دن میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ یہ جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا اگر یہ مراد نہیں ہے تو پھر حدیث کا مطلب ہی کیا ہو گا۔

جواب

ہم کہتے ہیں، حدیث کا تقاضا ہے کہ کسی معین شخص کی نجات یا ہلاکت کا قطعی فیصلہ کرنا ناجائز ہے کیونکہ یہ علم غیب کا دعویٰ ہو جائے گا اور اللہ کے سوا کوئی بھی باطن اور غیب کا علم نہیں رکھتا لیکن اگر کسی شخص کے ظاہری احوال (اعمال) اچھے ہوں تو اس کے لئے خیر کی امید کی جا سکتی ہے۔ حدیث مبارک کا مطلب یہ ہے کہ میں باوجودیکہ اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ نے مجھے اگلوں اور پچھلوں کے سارے علوم عطا فرما دیئے ہیں پھر بھی میں تفصیلی طور پر نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے خاص خاص اعمال کی جزا کیا ہو گی۔ تجھے معین شخص یعنی ابو السائب کے متعلق کیسے معلوم ہو گیا کہ اللہ نے اس کی عزت افزائی فرمادی۔

آیت مذکورہ کی اس طرح کی تاویل بعض اہل تفسیر نے یہ بھی کی ہے کہ مجھے نہیں معلوم دنیا اور آخرت میں میرے ساتھ (تفصیلی طور پر) کیا کیا جائے گا اور نہ یہ جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ کیونکہ مجھے غیب کا علم نہیں۔

یہ تفسیر رفتار کلام کے اقتضاء کے خلاف ہے۔ آیت کی رفتار یہ بتا رہی ہے کہ کفار رسول اللہ ﷺ کو اپنے مذہب پر لانے کے خواستگار تھے۔ مال کا بھی لالچ دیتے تھے اور بغیر مہر کے حسب پسند عورتوں سے نکاح کرا دینے کا بھی۔ اور بصورت انکار آپ کو تکلیفیں بھی دیتے تھے اور ڈراتے دھمکاتے بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی کسی درخواست کو قبول نہیں کیا اور فرمادیا کہ مجھے نہ تم سے کوئی دنیوی لالچ ہے نہ کسی قسم کا خوف۔ کوئی بات تمہارے اختیار میں نہیں ہے۔ خیر و شر سب اللہ کے اختیار میں ہے وہ جیسا چاہے گا کرے گا۔ رفتار کلام کے اس اقتضاء کو پیش نظر رکھ کر آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ مجھے نہیں معلوم کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ کون کامیاب ہو گا اور کس کو ناکام چھوڑ دیا جائے گا۔ بہر صورت میں تمہارا اتباع نہیں کر سکتا۔

إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ میں تو بس اسی وحی پر چلوں گا جو میرے پاس بھیجی جا رہی ہے۔

یعنی قرآن پر چلوں گا اس کو کبھی ترک نہیں کروں گا۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ کافروں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ غیبی باتیں جن کے متعلق کوئی وحی نہیں آئی تھی دریافت کی تھیں یہ آیت ان کی درخواست کا جواب ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ مسلمانوں نے درخواست کی تھی کہ کافروں کی طرف سے جو اذیتیں ان کو پہنچ رہی ہیں ان سے جلد از جلد رہائی مل جائے۔ اس خواہش کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی بغوی کا یہی قول ہے۔

علماء کی ایک جماعت نے کہا کہ آیت مذکورہ کا مطلب یہ ہے میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ رہا آخرت کا معاملہ تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنت میں اور کافر دوزخ میں ہوں گے۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے جب صحابہؓ پر تکلیفیں حد سے بڑھ گئیں تو ایک روز مکہ میں ہی خواب دیکھا جیسے سوتا آدمی خواب دیکھتا ہے کہ ایک ہموار (غیر مزروعہ) زمین ہے جس میں کھجور کے درخت ہیں اور آپ ترک وطن کر کے اس کی طرف گئے ہیں۔ یہ خواب سن کر صحابہؓ نے عرض کیا آپ ہجرت کر کے وہاں کب جائیں گے۔ حضور ﷺ خاموش رہے اس پر آیت مَا أَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ نازل ہوئی۔ یعنی میں نہیں جانتا کہ میں اسی جگہ رہوں گا یا میں اور تم یہاں سے نکل کر اس سرزمین میں چلے جائیں گے جو میرے سامنے (خواب میں) لائی گئی تھیں۔

بعض مفسّرین نے یہ مطلب بیان کیا ہے مجھے معلوم نہیں کہ اس دنیا میں میرا معاملہ کیا رہے گا۔ کیا جس طرح دوسرے انبیاءؑ، مثلاً حضرت ابراہیمؑ کو وطن سے نکال دیا گیا تھا مجھے بھی اسی طرح نکال دیا جائے گا یا جیسے بعض انبیاء حضرت یحییٰؑ کے قتل کئے گئے ویسے ہی مجھے بھی قتل کر دیا جائے گا اور اے ایمان والو! مجھے تمہارے متعلق بھی معلوم نہیں کہ میرے ساتھ تم کو بھی نکال دیا جائے گا یا میرے ساتھ تم کو قتل کر دیا جائے گا اور اے کافرو! تمہاری بابت بھی مجھے علم نہیں کہ قوم لوطؑ کی طرح تم پر پتھر برسائے جائیں گے یا قارون کی طرح تم کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ یا گزشتہ کافر امتوں کی طرح تمہارے ساتھ کوئی اور سلوک کیا جائے گا۔ اس کے بعد اللہ نے آپ کو اطلاع دے دی کہ آپ کا دین تمام مذاہب پر غالب ہو جائے گا اور فرمایا: هُوَ الَّذِیْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ اور امت کے متعلق فرمایا، مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ یہ سدی کا تفسیری قول ہے۔

وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۹ اور میں صرف صاف ڈرانے والا ہوں۔ یعنی میں علم غیب کا مدعی نہیں ہوں۔ اور نہ مجھے اختیار دیا گیا ہے کہ زبردستی تم کو ایمان پر مجبور کروں بلکہ واضح طور پر ثابت کرنے والے دلائل اور نبوت کی تصدیق کرنے والے معجزات مجھے عطا کئے گئے ہیں کہ میں کافروں کو عذاب سے ڈرا رہا ہوں۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۰ ع ۱

آپ کہہ دیجئے کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ اگر یہ (قرآن) من جانب اللہ ہو اور تم اس کے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں کوئی گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی دے کر اس پر ایمان لے آئے اور تم تکبر ہی میں رہو، بے شک اللہ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔

اَرَءَیْتُمْ مجھے بتاؤ تمہارا کیا حال ہے۔

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ قتادہ اور ضحاک نے کہا، شاہد سے مراد ہیں حضرت ابو یوسف عبداللہ بن سلام بن حارث۔ آپ حضرت یوسفؑ بن حضرت یعقوبؑ بن حضرت اسحاقؑ بن حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں سے تھے۔

بخاری اور بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے اور محمد بن اسحاق نے عبداللہ بن سلام کی اولاد میں سے کسی شخص کی روایت سے نیز بیہقی نے حضرت موسیٰ بن عقبہ اور زہری کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت عبداللہ بن سلام کے حوالہ سے بیان کیا۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا جب میں اے رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ سنا اور آپ کے اوصاف نام اور شکل اور ان باتوں کو جن کی (آنے والے نبی کی بابت) ہم کو توقع تھی پہچان لیا تو میں خاموش رہا اور دل میں اس بات کو چھپائے رہا، پھر جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے اور بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں فروکش ہوئے تو ایک شخص نے آپ کی تشریف آوری کی خبر دی۔ میں اس وقت کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا تھا اور میری پھوپھی خالدہ بنت حارث نیچے بیٹھی ہوئی تھیں۔ جونہی میں نے رسول اللہ ﷺ کی آمد کی خبر سنی (زور سے) اللہ اکبر کہا۔ پھوپھی نے آواز تکبیر سن کر کہا۔ اگر حضرت موسیٰ بن عمران کی آمد کی خبر

تو سنتا تو اس سے بڑھ کر اظہار مسرت نہ کرتا۔ میں نے پھوپھی سے کہا خدا کی قسم یہ موسیٰ بن عمران کے بھائی ہیں اور انہی کے دین کے پیرو ہیں اور جو دین دے کر ان کو بھیجا گیا تھا وہی دین دے کر ان کو بھیجا گیا ہے۔ پھوپھی نے کہا یہ تو سنی ہوئی بات ہے۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ ہو گیا اور چہرہ مبارک کو دیکھتے ہی پہچان گیا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔

حضرت عبداللہ نے جو بات رسول اللہ ﷺ سے سب سے پہلے سنی وہ یہ تھی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: (غریبوں محتاجوں وغیرہ) کو کھانا کھلاؤ، سلام (کا رواج) پھیلاؤ، قرابتداروں کی قرابت کو جوڑے رکھو اور رات میں جب اور لوگ سوتے ہو تو تم نماز پڑھو (یہ عمل کر کے) جنت میں داخل ہو جاؤ۔

حضرت عبداللہ نے عرض کیا، میں آپ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جن کا علم نبی کے علاوہ کسی کو نہیں ہو سکتا۔ قیامت کی سب سے پہلی نشانی کیا ہو گی۔ اہل جنت کو سب سے پہلے کون سا کھانا دیا جائے گا۔ اولاد باپ یا ماں کی طرف کیوں کھنچتی ہے۔ (یعنی باپ یا ماں کے ہم شکل کیوں ہوتی ہے) اور (چوتھی بات ایک یہ ہے کہ) چاند میں یہ سیاہی کیسی ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا، مجھے ابھی جبرئیل نے بتایا ہے، حضرت عبداللہ نے کہا جبرئیل نے بتایا ہے۔ فرمایا ہاں، عبداللہ نے کہا وہ تو یہودیوں کا دشمن فرشتہ ہے حضور ﷺ نے فرمایا قیامت کی اول ترین نشانی ایک آگ ہو گی جو مشرق سے برآمد ہو گی اور لوگوں کو مغرب کی طرف لائے گی۔ اور اہل جنت سب سے پہلے جو کھانا کھائیں گے وہ مچھلی کے جگر کی نوک (ابھار) ہو گی۔ اور مرد کا پانی غالب آتا ہے تو بچے کی اپنی شکل کی طرف کھینچ لیتا ہے اور عورت کا پانی غالب آتا ہے تو بچے کو اپنی جانب کھینچ لیتا ہے۔ اور وہ سیاہی جو چاند میں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں سورج (یعنی چمکدار) تھے، اللہ نے فرمایا وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا اٰيَةَ الَّيْلِ۔ پس یہ سیاہی وہی محو ہے (یعنی اللہ نے اتنی جگہ کی چمک مٹا دی ہے) حضرت عبداللہ یہ سن کر فوراً بول اٹھے اشھد ان لا اله الا الله وانک محمد رسول الله پھر لوٹ کر گھر جا کر سب کو مسلمان ہو جانے کا مشورہ دیا۔ سب گھر والے بھی مسلمان ہو گئے۔ لیکن اس وقت آپ نے اپنا اسلام چھپائے رکھا۔

پھر کچھ وقت کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہودی جانتے ہیں کہ میں ان کا سردار ہوں اور ان کے سردار کا بیٹا ہوں اور ان کا سب سے بڑا عالم ہوں، اور سب سے بڑا عالم کا بیٹا ہوں مگر یہ لوگ ہیں بڑے جھوٹے، آپ پہلے ان سے میرے متعلق دریافت کریں اگر آپ کے دریافت کرنے سے پہلے ان کو میرے مسلمان ہو جانے کا علم ہو جائے گا تو یہ مجھ پر دروغ بافی کریں گے اور میرے اندر وہ عیوب نکالیں گے جو مجھ میں نہیں ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ مجھے آپ اپنے گھر کے اندر کسی کوٹھری میں چلے جانے کی اجازت دے دیجئے (پھر ان کو بلوا کر میرے متعلق دریافت کیجئے)

حضور ﷺ نے عبداللہ کو اپنے گھر کے اندر ایک کوٹھری میں چھپ جانے کی اجازت دے دی پھر یہودیوں کو طلب فرمایا، یہودی آ گئے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے گروہ یہود! اللہ سے ڈرو۔ قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، تم لوگ بلاشبہ جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں، حق دین اور شریعت لے کر آیا ہوں، تم مسلمان ہو جاؤ (مان لو) یہودیوں نے کہا ہم آپ کے دین کو حق نہیں جانتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا عبداللہ تمہارے اندر کیسا آدمی ہے۔ یہودیوں نے کہا وہ ہم سے بہتر ہے اور سب سے افضل آدمی کا بیٹا ہے ہمارا سردار ہے اور ہمارا سردار زادہ ہے۔ ہم میں سب سے بڑا عالم ہے اور سب سے بڑے عالم کا بیٹا ہے حضور ﷺ نے فرمایا، اچھا اگر وہ اسلام لے آیا (تو تم مسلمان ہو جاؤ گے) کہنے لگے اللہ اس کو بچائے۔ حضور ﷺ نے (آواز دے کر) حضرت عبداللہ سے فرمایا باہر آ جاؤ فوراً عبداللہ باہر آ گئے اور بولے میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد، اللہ کے رسول ہیں۔ اے گروہ یہود! اللہ سے ڈرو اور جو دین تمہارے پاس آ گیا ہے اس کو قبول کرو۔ خدا تم بلاشبہ جانتے ہو کہ یہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ تمہارے پاس جو توریت ہے اس میں تم ان کا نام اور ان کے اوصاف لکھے ہوئے پاتے ہو اس لئے میں شہادت دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ میں ان پر ایمان رکھتا ہوں ان کی تصدیق کرتا ہوں اور ان

کو پہچانتا ہوں یہودی بولے: تو جھوٹا ہے تو ہم میں سب سے زیادہ برا اور سب سے زیادہ برے کا بیٹا ہے، غرض یہودیوں نے حضرت عبداللہ کے نقائص بیان کئے (یعنی تہمت تراشی کی) حضرت عبداللہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں نے آپ کو پہلے ہی سے بتا نہیں دیا تھا کہ یہ لوگ بڑے جھوٹے عہد شکن، دروغ گو اور بدکار ہیں۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ نے اپنے اور اپنے گھر والوں کے مسلمان ہوں کا اعلان کر دیا، آپ کی پھوپھی بنت حارث بھی مسلمان ہو گئیں اور اچھی مسلمان ثابت ہوئیں۔

طبرانی نے صحیح اسناد سے بیان کیا کہ حضرت عوف بن اشجعی نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ایک روز (یہودیوں کی طرف) روانہ ہوئے، میں بھی ساتھ تھا۔ آپ یہودیوں کے عبادت خانہ میں تشریف لے گئے۔ یہودیوں کی عید کا دن تھا اس لئے ان کو ہمارا اندر جا پہنچنا برا معلوم ہوا، حضور اقدس ﷺ نے ان سے فرمایا: اے گروہ یہود! اپنے اندر سے مجھے بارہ آدمی ایسے نکال کر بتاؤ جو لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی شہادت دیں (اگر تم نے ایسے بارہ آدمی دے دیئے تو) اللہ اس آسمان کے نیچے رہنے والے ہر اس یہودی سے اپنا غضب اٹھالے گا جو اس پر (اللہ کی طرف سے) مسلط تھا، یہودی یہ سن کر خاموش رہے۔ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا، کچھ وقفہ کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس چل پڑے جونہی واپس ہوئے پیچھے سے ایک آدمی نے کہا، محمد ﷺ جہاں ہو وہیں ٹھہر جاؤ۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا اور کہا اے گروہ یہود! تم مجھے اپنے اندر کیسا آدمی جانتے ہو یہودیوں نے کہا خدا کی قسم تم سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے اور سمجھنے والا اپنے اندر ہم کسی کو نہیں جانتے اور نہ تم سے پہلے تمہارے باپ سے زیادہ اور تمہارے باپ سے پہلے تمہارے دادا سے بڑا عالم ہم کسی کو جانتے ہیں۔ اس پر اس شخص نے کہا تو میں شہادت دیتا ہوں کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا ذکر تم توریت میں پاتے ہو۔ یہودیوں نے اس شخص کی تردید کی اور کہا تو جھوٹا ہے۔ کچھ اور برے الفاظ بھی کہے۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

شیخین نے لکھا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے فرمایا میں نے نہیں سنا کہ سوا عبداللہ بن سلام کے رسول اللہ ﷺ نے روئے زمین پر چلنے والے کسی (زندہ) شخص کے متعلق فرمایا ہو کہ وہ اہل جنت میں سے ہے عبداللہ ہی کے متعلق آیت وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ نازل ہوئی۔

ابن جریر کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا، آیت وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ میرے حق میں نازل ہوئی تھی۔

حضرت عبداللہ بن سلام مدینہ میں مسلمان ہوئے تھے اس لئے اگر نزول آیت حضرت عبداللہ کے متعلق مانا جائے تو یہ آیت مدنی ہوگی۔

علیٰ مثلہ: لفظ مثل زائد ہے اور مثلہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہے کہ ایک گواہ قرآن کے من جانب اللہ ہونے کی شہادت دے یا مثل کا لفظ زائد نہیں ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ میں جو قرآن کو من جانب اللہ کہتا ہوں اسی طرح کی شہادت ایک شاہد دے۔

فَاٰمَنَ پس وہ یعنی عبداللہ بن سلام تو ایمان لے آئے۔

وَاسْتَكْبَرْتُمْ اور تم اپنے تکبر میں پڑے رہو۔ یعنی تکبر کی وجہ سے ایمان نہ لاؤ۔ مسروق کے نزدیک آیت کا نزول حضرت عبداللہ بن سلام کے حق میں نہیں ہوا انہوں نے اپنے انکار کی دلیل یہ بیان کی کہ حم مکی سورہ ہے اور حضرت عبداللہ (ہجرت کے بعد) مدینہ میں اسلام لائے تھے۔ حقیقت میں آیت کا نزول اس مباحثہ کے سلسلہ میں ہوا جو رسول اللہ ﷺ نے قریش سے کیا تھا۔ اس صورت میں شاہد سے مراد ہوں گے حضرت موسیٰ اور مثلہ سے مراد ہوگی توریت اور شہادت سے مراد ہوگی توریت کی وہ صراحت جو رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے متعلق اللہ نے کر دی تھی۔ توریت کے اندر وہ مضامین ہیں جو قرآن کی تصدیق کر رہے ہیں اور حضرت موسیٰ نے ان کے حق ہونے کی شہادت دی۔

ان کان جملہ شرطیہ ہے۔ جزاء شرط محذوف ہے یعنی اگر قرآن من جانب اللہ ہے اور تم نے اس کو ماننے سے غرور کیا تو تم سے زیادہ گمراہ کون ہوگا یا کیا تم بے انصاف نہیں ہوگے۔

ایک شبہ

لفظ ان شک کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے اور اس جگہ شک کا کوئی امکان نہیں کیونکہ قرآن کا من جانب اللہ ہونا اور کافروں کا اس کو ماننے سے انکار کرنا اور اسرائیلی شاہد کا شہادت دینا سب کچھ ہو چکا، اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں پھر کلمہ شک کیوں استعمال کیا۔

ازالہ

مذکورہ جملوں کے درمیان واؤ صرف عطف کے لئے ہے اور ان کا استعمال تنبیہ و توبیخ کو ظاہر کر رہا ہے اور قطعی یقینی بات کو مشکوک کی جگہ ذکر کرنے سے ساطرف اشارہ ہے کہ قرآن جب من عبداللہ ہے تو عقل سلیم کے نزدیک اس کا انکار اور اس سے تکبر کرنا جائز نہیں جب کہ اہل علم کی شہادت بھی موجود ہے کہ یہ قرآن سچا ہے پھر تم جو انکار کر رہے ہو تو یہ بڑی بے انصافی اور گمراہی ہے (گویا) آیت مذکورہ میں ان کا استعمال ایسا ہی ہے جیسا آیت اِنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ میں کیا گیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۗ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ۝ اور کافر ایمان والوں کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ اگر یہ قرآن کوئی اچھی چیز ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ لے جاتے اور جب ان لوگوں کو قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو اب یہ کہیں گے کہ یہ قدیمی جھوٹ ہے۔

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی اہل ایمان کی بابت کافروں نے کہا۔

لَوْ كَانَ یعنی اگر محمد ﷺ کا دین اچھا ہوتا۔

ابن جریر نے قتادہ کا بیان نقل کیا ہے کہ کچھ مشرکوں نے کہا تھا۔ ہم بڑی عزت والے ہیں ہم (ان مسلمانوں سے) افضل ہیں اگر یہ مذہب بہتر ہوتا تو فلاں فلاں شخص ہم سے سبقت نہ لے جاتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن المنذر نے بروایت عون بن ابی شداد بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی ایک باندی جس کو زنیرہ کہا جاتا تھا آپ سے پہلے ایمان لے آئی تھی حضرت عمرؓ مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کو اتنا مارتے تھے کہ اس کے اوسان خطا ہو جاتے تھے، اور کفار قریش کہا کرتے تھے کہ اگر اسلام کوئی اچھی چیز ہوتا تو زنیرہ ہم سے سبقت نہیں لے جا سکتی۔ اس پر زنیرہ کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا۔ ابن سعد نے ضحاک اور حسن کی روایت سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے اگر آیت سابقہ کا نزول حضرت عبداللہ بن سلام کے متعلق مانا جائے تو آیت موجودہ کا مطلب یہ ہوگا کہ کفار یہود نے مومن یہودیوں کی بابت کہا کہ اگر محمد ﷺ کا دین بہتر ہوگا تو یہ (عبداللہ بن سلام وغیرہ) ہم سے آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔

اِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ یعنی اہل ایمان تو قرآن سے ہدایت یاب ہو گئے اور ان کو قرآن سے جب ہدایت نصیب نہ ہوئی تو ان کا عناد ظاہر ہو گیا یا یہ گمراہ ہو گئے۔

فَسَيَقُوْلُوْنَ ف سببیت کے لئے ہے۔ (یعنی پہلا کلام اس کلام کا سبب ہے اور یہ کلام ہدایت یاب نہ ہونے کا نتیجہ ہے) ظہور عناد اور گمراہی اس بات کے کہنے کا سبب ہے۔

هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ یہ پرانا جھوٹ ہے گزشتہ زمانہ والوں نے اس کو از خود گڑھ لیا تھا، پھر محمد ﷺ نے ان سے لے لیا۔ (اور جو بات سابق لوگوں نے کہی تھی وہی محمد ﷺ کہنے لگے)

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۗ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى

لِلْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲﴾

اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب ہے جو رہنما اور رحمت تھی اور ایک کتاب ہے جو اس کو سچا کرتی ہے عربی زبان میں، ظالموں کو ڈرانے کے لئے اور نیک لوگوں کو بشارت دینے کے لئے۔

وَمِنْ قَبْلِهٖ اور قرآن سے پہلے۔

كِتٰبُ مُوْسٰٓى یعنی توریت اِمَامًا رہنما، پیشوا

وَّرَحْمَةً اور اللہ کی طرف سے لوگوں پر رحمت تاکہ لوگ دونوں جہان میں فلاح حاصل کرلیں، وھذا کتب اور یہ بھی اللہ کی طرف سے ایک کتاب ہے۔

مُّصَدِّقٌ یعنی موسیٰ کی کتاب کو سچا جتاتی ہے یا معجزہ ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی سچائی کو ثابت کر رہی ہے۔

لِّسَانًا عَرَبِيًّا یعنی مصدق توریت ہونا جس طرح اس کتاب کی حقانیت و صداقت کو ثابت کر رہا ہے اسی طرح اس کے وحی ہونے پر دلالت کر رہا ہے۔

لِّيُنْذِرَ یعنی کتاب یا اللہ یا رسول ان لوگوں کو ڈرائے جنہوں نے کفر کر کے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔ وبشری یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے اور تاکہ وہ نیکیوں کو خوش خبری دے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر مستقیم رہے تو ان لوگوں کو کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے یہ لوگ جنتی ہیں ہمیشہ جنت میں رہیں گے بعوض ان کاموں کے جو کہ وہ کرتے تھے۔

ثُمَّ اسْتَقَامُوْا استقامت کی تشریح حم السجدہ کی تفسیر میں کردی گئی ہے۔

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ یعنی مرنے کے بعد ان کو کوئی خوف نہ ہوگا۔

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ اور نہ کسی مرغوب چیز کے فوت ہونے کا ان کو غم ہوگا۔

جزاء یعنی ان کو یہ بدلہ دیا جائے گا ان علمی اور عملی فضائل کا جن کو انہوں نے حاصل کیا تھا۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۵﴾

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اس کو جنا اور اس کو پیٹ میں رکھنا اور دودھ چھڑانا تیس مہینوں میں پورا ہوتا ہے یہاں تک کہ جب وہ اپنی جوانی کو پہنچ جاتا ہے اور چالیس برس (کی عمر) میں پہنچتا ہے تو کہتا ہے اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور (اس بات کی) کہ میں نیک کام کروں جو تجھے پسند ہوں اور میری اولاد میں بھی میرے لئے صلاحیت پیدا کردے میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرماں بردار ہوں۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ الانسان میں الف لام عہدی ہے۔ اس سے مراد ہے خاص انسان یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکرؓ کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت علیؓ نے یہ آیت ابو بکرؓ کے متعلق نازل ہوئی آپ کے ماں باپ بھی مسلمان ہوگئے آپ کے سوا کوئی ایسا مہاجر نہیں ہوا جس کے ماں باپ دونوں اسلام میں داخل ہوگئے ہوں۔

سدی اور ضحاک کا بیان ہے کہ یہ آیت حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے حق میں نازل ہوئی۔ سورۂ عنکبوت کی تفسیر میں ہم نے حضرت سعدؓ کا واقعہ ذکر کر دیا ہے۔

بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ الانسان میں الف لام جنسی ہے خواہ آیت کا نزول حضرت ابو بکرؓ یا حضرت سعدؓ کے حق میں ہوا ہو پھر بھی عام انسان مراد ہے۔ یہ قول رفتار آیت کے اقتضاء کے خلاف ہے۔

بِوَالِدَیْہِ کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ حضرت ابو بکرؓ کے والد حضرت ابو قحافہ عثمان بن عمر تھے اور والدہ کا نام ام الخیرؓ بنت الخیر بن صخر بن عمر تھا۔

کُرْھًا یہ اچھا سلوک کرنے کی وجہ بتائی ہے۔ کرہ کا معنی ہے مشقت یعنی مشقت والا بوجھ کرہ اور کرہ دونوں ہم معنی ہیں اور لغت میں دونوں لفظ آئے ہیں۔ بعض نے کہا بضم کاف اسم مصدر ہے اور بفتح کاف مصدر ہے۔

آیت میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ ماں حسن سلوک کی زیادہ مستحق ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے ماں سے حسن سلوک کر پھر اپنی ماں سے پھر اپنے باپ سے پھر درجہ بدرجہ اپنے قرابتداروں سے حدیث سورۂ عنکبوت میں گزر چکی ہے۔

وَفِصٰلُہٗ: فصال بمعنی فطام دودھ چھڑانا، مراد دودھ پلانا۔ ملزوم کو لازم کے نام سے موسوم کیا گیا اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ کم سے کم حمل کی مدت چھ ماہ ہے کیونکہ دوسری آیت میں آیا ہے کہ وَفِصٰلُہٗ فِیْ عَامَیْنِ اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے اور اس جگہ حمل و فصال کی مجموعی مدت ۳۰ ماہ بیان کی گئی ہے جب دو سال فصال کے مجرا کر دیئے گئے تو حمل کی مدت چھ ماہ رہ گئی۔ ائمہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ کم سے کم حمل کی مدت چھ ماہ ہے لیکن زیادہ سے زیادہ حمل کی مدت کتنی ہے اس مسئلہ میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ نے دو سال تک حمل رہنے کی صراحت کی ہے۔ امام مالکؒ نے چار سال پانچ سال سات سال انتہائی مدت حمل بتائی ہے امام سے یہ تینوں روایات آئی ہیں امام شافعیؒ نے چار سال کی صراحت کی ہے امام احمدؒ سے دو روایتیں آئی ہیں: مشہور قول امام شافعیؒ کے قول کے مطابق ہے اور دوسرا قول امام ابو حنیفہؒ کے قول کے موافق ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے قول کی دلیل حضرت عائشہؓ کا یہ قول ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ نہیں ٹھہرتا خواہ وہ تکلے کے گھر برابر ہو دوسری روایات میں آیا ہے خواہ وہ تکلے کے سایہ کے بقدر ہو۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے مسائل میں اپنی رائے سے

قتادہ نے بروایت ابو الحرب بن اسود دئلی بیان کیا کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک عورت کو پیش کیا گیا جس کے ششماہہ بچہ ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے اس کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، اس پر رجم نہ ہوگا دیکھئے اللہ نے فرمایا ہے وَحَمْلُہٗ وَفِصٰلُہٗ ثَلٰثُوْنَ شَھْرًا اور دوسری آیت میں آیا ہے: وَفِصٰلُہٗ فِیْ عَامَیْنِ (حمل اور فصال کی مجموعی مدت تیس ماہ فرمائی اور صرف دودھ چھڑانے کی مدت دو سال دو سال مجرا کرنے کے بعد) حمل کی مدت چھ ماہ باقی رہی حضرت عمرؓ نے یہ استدلال سننے کے بعد عورت کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد ہمیں اطلاع ملی کہ چھ ماہ کے بعد اس عورت کے ایک بچہ اور ہوا۔ نافع بن جبیر نے کہا، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا میں اس عورت کے ساتھ تھا جس کے ششماہہ بچہ پیدا ہوا تھا اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا لوگوں پر اس ششماہی ولادت کا برا اثر ہوا (یعنی انہوں نے عورت کو زنا کا مجرم سمجھا) میں نے حضرت عمرؓ سے کہا آپ ظلم کیسے کر سکتے ہیں۔ فرمایا ظلم کیسا، میں نے کہا پڑھئے وَحَمْلُہٗ وَفِصٰلُہٗ ثَلٰثُوْنَ شَھْرًا۔ وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ فرمایئے سال کے کتنے مہینے ہوتے ہیں فرمایا بارہ میں نے کہا چوبیس مہینے کے دو سال پورے ہو گئے (اب چھ ماہ باقی رہے) اور اللہ حمل کو جتنا چاہتا ہے موخر مقدم کر دیتا ہے یہ سن کر حضرت عمرؓ کا تردد جاتا رہا۔

ابو عبیدہ مولی عبد الرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ ایک عورت کو حضرت عثمانؓ کی خدمت میں لایا گیا جس کے چھ ماہ میں بچہ پیدا ہوا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا جو عورت میرے پاس لائی گئی ہے میرے خیال میں یہ برائی کی مرتکب ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مدت رضاعت پوری ہو جائے تو حمل کے چھ ماہ باقی رہتے ہیں پڑھئے وَحَمْلُہٗ وَفِصٰلُہٗ ثَلٰثُوْنَ شَھْرًا حضرت عثمانؓ نے اس عورت کو چھوڑ دیا۔

کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہی ہوگا۔ میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا قول جس طرح تجربہ پر مبنی ہے اسی طرح حضرت عائشہؓ کے قول کی بناء بھی تجربہ پر ہو اور عام طور پر آپ نے یہی دیکھا ہو اس لئے انتہائی دو سال کے استقرار کی صراحت فرمادی۔ آیت مذکورہ سے جو کم ترین مدت حمل پر استدلال کیا گیا ہے یہ اس صورت میں صحیح ہوگا جب الانسان میں الف لام کو جنسی مانا جائے اگر عہدی کہا جائے گا تو عمومی استدلال صحیح نہ ہوگا بلکہ ایک واقعہ کا بیان ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ نے جو دودھ پلانے کی انتہائی مدت ۳۰ مہینے قرار دی ہے اس قول پر اس آیت سے استدلال درست نہیں ہے۔ سورت نساء کی آیت وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ کی تفسیر میں رضاعت کے مسائل ہم نے مفصل بیان کر دیئے ہیں اس آیت کی تشریح کے ذیل میں عکرمہؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب مدت حمل پوری نو مہینے ہو جائے تو عورت بچہ کو دودھ ۲۱ مہینے پلائے گی (یعنی مدت رضاعت نو ماہ ہوگی) اور اگر چھ ماہ میں بچہ پیدا ہو جائے تو ۲۴ مہینے دودھ پلائے گی (مدت رضاعت دو سال ہوگی)۔

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ اس جملہ کا تعلق ایک محذوف فعل سے ہے کلام اس طرح تھا اور ماں باپ نے اس کو پرورش کیا یہاں تک کہ جب وہ جوانی کی عمر کو پہنچ گیا اور چالیس برس کی عمر کو پہنچا یعنی عقل پوری پوری ہو گئی۔ حضرت ابو بکرؓ کی عمر ۱۸ سال تھی یہ جوانی تک پہنچنے کا وقت تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی عمر اس وقت ۲۰ سال تھی ملک شام کو تجارتی سفر میں دونوں کا ساتھ ہو گیا (اور اس وقت سے برابر ساتھ رہا) پھر چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو ایمان لے آئے (شاید یہ راوی کا سہو بیان یا فروگذاشت ہے۔ راوی نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کی عمر کا جو تفاوت بتایا ہے اس کے حساب سے ایمان لانے کے وقت حضرت ابو بکرؓ کی عمر کا جو تفاوت بتایا ہے اس کے حساب سے ایمان لانے کے وقت حضرت ابو بکرؓ کی عمر ۳۸ سال یا چھ ماہ زائد ہونی چاہئے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت ۴۰ سال چھ ماہ کی عمر میں ہوئی نا قابل اختلاف تاریخی روایت ہے۔

أَوْزِعْنِي میرے دل میں پیدا کر دے (ایزاع بمعنی الہام) بعض علماء نے کہا وزع کا معنی ہے رد کر دینا یعنی مجھے ایسا کر دے کہ میں اپنے نفس کو ناشکری سے روک دوں۔

نِعْمَتَكَ نعمت سے مراد ہے ہدایت اسلام یا عام نعمت مراد ہے جس میں ہدایت اسلام کی نعمت بھی داخل ہے۔

صَالِحًا تنوین تعظیم ہے، بڑے نیک کام یا ایک خاص نوع مراد ہے یعنی وہ عمل جس سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہو۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے ابو بکرؓ کی دعا قبول فرمائی، اللہ نے ایسی توفیق دی کہ آپ نے نو مسلمان (باندی غلاموں) کو جو اللہ کی راہ میں طرح طرح سے ستائے جارہے تھے خرید کر آزاد کیا اور جس کار خیر کو کرنے کا آپ نے ارادہ کیا اللہ نے اس کو پورا کرنے میں مدد فرمائی۔ دوسری دعا اولاد کے صالح ہونے کی آپ نے کی تھی وہ بھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ اور آپ کی سب اولاد اسلام کی حلقہ بگوش ہوئی اس طرح ماں باپ اولاد سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ حضرت ابو قحافہ، حضرت ابو بکرؓ عبدالرحمٰن بن ابو بکر صدیق اور ابو عتیق بن عبدالرحمٰنؓ سب صحابی ہوئے یہ شرف آپ کے سوا کسی صحابی کو حاصل نہ ہوا۔

إِنِّي تُبْتُ یعنی میں نے کفر سے یا تیری ناراضگی کے ہر عمل سے یا ان اعمال سے جو تیری طرف سے غافل بنانے والے ہیں، توبہ کی۔

وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ یعنی میں خلوص کے ساتھ توبہ کرنے والوں میں سے ہوں۔

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ یہ پورا کلام ثابت کر رہا ہے کہ الانسان میں الف لام عہدیہ اور انسان سے معین انسان مراد ہے کیوں کہ الف لام کو جنسی قرار دے کر انسان سے عام انسان مراد لیا جائے گا تو مطلب یہ ہوگا کہ جو نعمت اللہ نے شروع جوانی میں عطا کی تھی اس کے شکر ادا کرنے کی توفیق کی دعا چالیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد اور یہ کسی طرح جائز نہیں اس لئے الانسان سے خاص انسان یعنی حضرت ابو بکرؓ مراد ہیں اور آیت میں ایک واقعہ کا بیان کیا گیا ہے کیوں کہ چالیس سال کی عمر میں آپ ایمان لائے

تھے اور ایمان لانے کے بعد شکر ادا کیا اور ایمان کے بعد ہی ادائیگی شکر معتبر ہے۔
ایک شبہ: روایات میں آیا ہے کہ فتح مکہ کے دن ابو قحافہؓ مسلمان ہوئے تھے حضرت ابو بکرؓ کی عمر اس وقت ساٹھ برس کی تھی اور یہ آیت ہجرت سے پہلے نازل ہوئی کیوں کہ پوری سورت مکی ہے جب حضرت ابو بکرؓ کی عمر چالیس برس کی تھی اس وقت ابو قحافہ کافر تھے پھر کس طرح کافر باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا اللہ نے حکم دیا اور ابو بکر کا یہ کہنا کس طرح صحیح قرار پائے گا کہ تو نے مجھے نعمت دی اور میرے ماں باپ کو (حضرت ابو بکرؓ کے چہل سالہ ہونے کے زمانہ میں ابو قحافہ نعمت اسلام سے محروم تھے۔

ازالہ

ہم کہتے ہیں بعض روایات میں آیا ہے کہ ۳۸ سال کی عمر میں حضرت ابو بکرؓ مسلمان ہوئے اور دو سال بعد جب کہ آپ کی عمر چالیس سال ہوئی آپ کے والدین بھی اسلام لے آئے۔ غالباً یہی روایت صحیح ہے لیکن اگر پہلی روایت کو صحیح مانا جائے اور تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت ابو بکرؓ چالیس برس کی عمر میں مسلمان ہوئے اور ابو قحافہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تب بھی مطلب میں کوئی نقص نہیں آتا کافر ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا جائز ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (عنکبوت) اس تقدیر پر بِنِعْمَتِكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ سے مراد ہو گی عام نعمت دینی ہو یا دنیوی۔ لیکن اگر الف لام کے جنسی مان کر عام انسان مراد ہو تب بھی مطلب صحیح ہو گا اشد سے مراد ہو گا کمال جسمانی یعنی جسم کا پورا نمو پا جانا اور بلوغ چہل سالہ سے مراد ہو گا عقل کا پختہ ہو جانا۔ مطلب یہ کہ کہ انسان کی جسمانی طاقت اور نمو کی جب تکمیل ہو گئی تب اس نے اس نعمت کا شکر ادا کیا اور جب 40 سال کی عمر کو پہنچ کر عقل پختہ ہو گئی تب بھی اس نے شکر ادا کیا واللہ اعلم۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿١٦﴾

یہ وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے اچھے اعمال کو قبول کر لیں گے اور ان کے برے اعمال سے درگزر کریں گے۔ یہ لوگ اہل جنت میں سے ہوں گے اس سچے وعدہ کی وجہ سے جو ان سے (دنیا میں) کیا جاتا تھا۔

أُولَٰئِكَ اگر الانسان سے عام انسان مراد ہوں گے تو اولئک سے اشارہ ان تمام انسانوں کی طرف ہو گا جو صفات مذکورہ کے حامل ہوں اور اگر حضرت ابو بکرؓ یا حضرت سعدؓ مراد ہوں تو اشارہ ان لوگوں کی طرف عموماً ہو گا جو حضرت ابو بکرؓ حضرت سعدؓ جیسی صفات رکھتے ہوں اس عموم میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت سعدؓ بطور کنایہ آ جائیں گے اور کلام نہایت بلیغ ہو جائے گا کنایہ میں صراحت سے زیادہ بلاغت ہوتی ہے۔ کسی بات کو بطور کنایہ بیان کر دینے کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ دعویٰ کے ساتھ دلیل بھی بیان کر دی۔

أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا فعل مباح حسن (اچھا) تو ضرور ہوتا ہے لیکن اس سے ثواب نہیں ملتا اور آیت میں وہ اعمال مراد ہیں جن کا ثواب دیا جائے گا اس لئے ان اعمال کو احسان (بہت اچھے) فرمایا یا دوسروں کے اعمال سے ان کے اعمال کو بہتر قرار دے کر قبول کرنے کا وعدہ فرمایا اس وقت صفت کی اضافت موصوف کی جانب ہو گی یعنی ہم ان کے وہ اعمال قبول کرتے ہیں جو دوسروں کے کئے ہوئے اعمال سے بہتر ہوتے ہیں۔

وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ ہم ان کی برائیوں سے درگزر کرتے ہیں یعنی ان کو کسی برائی کی سزا نہیں دیں گے (سب معاف کر دیں گے)۔

فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ یعنی اہل جنت میں ان کا شمار ہو گا یا جنتیوں کے ان کو بھی ثواب دیا جائے گا۔

وَعْدَ الصِّدْقِ یہ مفعول مطلق ہے تاکید کے لئے یعنی اللہ نے سچا وعدہ کیا ہے۔

اَلَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ یعنی دنیا میں جو ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖۗ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚۖ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۷﴾

اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا، افسوس تم پر تم مجھ سے کہہ رہے ہو (قیامت کے دن زندہ کر کے قبر سے) نکالا جاؤں گا۔ حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گزر گئیں اور کوئی بھی دوبارہ زندہ ہو کر نہیں آیا اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کر رہے ہیں (اور بیٹے سے کہہ رہے ہیں تیرا ناس ہو مان لے بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو وہ کہتا ہے یہ بے سند باتیں اگلوں سے منقول ہوتی چلی آرہی ہیں (ان کی کوئی حقیقت نہیں)

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ یعنی وہ شخص جس کو ماں باپ نے ایمان کی جب دعوت دی تو اس نے ماں باپ سے کہا۔

اف کلمہ نفرت و کراہت ہے۔

اَتَعِدٰنِنِیْۤ استفہام (سوالیہ نہیں بلکہ) انکاریہ توبیخیہ ہے اف کہنے کی وجہ کو ظاہر کر رہا ہے۔

وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ یعنی اقوام و امم مجھ سے پہلے بکثرت گزر گئیں اور کوئی بھی زندہ ہو کر دوبارہ نہیں آیا۔ یہ آخرت جملہ محذوف ہے۔

یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ اللہ سے فریاد کرتے ہیں یا دونوں اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ مدد کرے اور ان کے بیٹے کو توفیق ایمان کی عطا فرماوے۔

وَیْلَكَ (اور کہتے ہیں) تو ہلاک ہو گیا۔

ویل فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔

اٰمِنْ و مان لے اللہ کو اور قیامت کے دن جی اٹھنے کو۔

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ یعنی اللہ نے دوبارہ زندہ کرنے کا جو وعدہ کیا ہے وہ حق ہے۔

مَا هٰذَاۤ یہ وعدہ نہیں ہے۔

اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ مگر گزرے ہوئے لوگوں کی جھوٹی (لکھی) ہوئی باتیں۔

بخاری نے یوسف بن مالک کے سلسلہ سے بیان کیا کہ مروان حجاز کا حاکم تھا۔ معاویہؓ نے اس کو گورنر بنادیا تھا۔ ایک روز مروان نے تقریر کی اور معاویہؓ کے بعد یزید بن معاویہ کے خلیفہ ہونے کے لئے لوگوں سے بیعت لینے کا ذکر کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ صدیق نے اس کو کچھ (ناگوار) بات کہہ دی۔ مروان نے کہا اس کو پکڑ لو۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ حضرت عائشہ کے گھر کے اندر چلے گئے۔ آپ کو کوئی پکڑ نہ سکا۔ مروان بولا یہی ہے وہ شخص جس کے بارے میں اللہ نے آیت والذی قال لوالدیہ اف لکما تعدننی نازل کی ہے حضرت عائشہؓ نے پردے کے پیچھے سے فرمایا، اللہ نے ہمارے متعلق کچھ نازل نہیں کیا صرف میری صفائی کی آیت نازل فرمائی ہے۔ یہ بھی ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کو مروان کی بات پر غصہ آگیا اور فرمایا یہ دستور شاہیت ہے کہ بیٹے باپ کی حکومت کے وارث ہوتے ہیں ابن ابی حاتم نے بروایت سدی حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی وہی نقل کیا ہے جو مروان نے کہا تھا لیکن اتنا مزید فرمایا کہ آیت عبدالرحمٰن کے حق میں ان کے مسلمان ہونے سے پہلے نازل ہوئی تھی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور سدی اور مجاہد کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت عبداللہ کے حق میں ہوا بعض روایات میں عبداللہ کی جگہ عبدالرحمٰن کا نام آیا ہے حضرت عبدالرحمٰن کو جب ان کے والدین نے اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا میرے لئے عبداللہ بن جدعان کو، عامر بن کعب کو اور مشائخ قریش کو زندہ کر دو ان سے میں آپ کی بات کے

متعلق پوچھوں گا (کہ یہ صحیح کہتے ہیں یا غلط)

میں کہتا ہوں کہ آیت مذکورہ کا عبدالرحمٰن کے حق میں نازل ہونے کا خیال مروان کے قول سے پیدا ہوا اور آپ نے سن لیا کہ مروان کا قول محض دشمنی پر مبنی تھا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے مروان کے قول کی تردید کر دی اور ایک شخص کا نام لے کر فرمایا یہ آیت فلاں شخص کے حق میں اتری تھی۔ حافظ ابن حجر نے کہا حضرت عائشہؓ نے جو مروان کے قول کی تردید اور حضرت عبدالرحمٰن کے حق میں نزول آیت سے انکار کیا۔ یہ روایت زیادہ صحیح الاسناد اور قابل قبول ہے۔ بغوی نے لکھا ہے زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ ایک کافر کے لئے نازل ہوئی باپ کا نافرمان تھا حسن اور قتادہ کا یہی قول ہے۔

زجاج نے کہا جو شخص کہتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن کے مسلمان ہونے سے پہلے یہ آیت ان کے متعلق نازل ہوئی اس قول کی تردید آئندہ کی آیت کر رہی ہے، آگے فرمایا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ⑱

یہ وہی لوگ ہیں کہ ان کے حق میں بھی وہی قول پورا ہو کر رہا ہے جو گزشتہ اقوام جن وانس کے بارے میں تھا بے شک یہ خسارہ پانے والے ہیں۔

حق او اجب ہو گیا ثابت ہو کر رہا۔

فِيٓ أُمَمٍ گزشتہ کافر امتوں کے بارے میں۔

مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ یہ امم کا بیان ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کو جن کا ذکر اوپر کی آیت میں آیا ہے اللہ نے دوزخی ہونا ظاہر فرمایا اور ظاہر ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ اکابر اہل اسلام میں تھے۔ اس لئے آپ کے متعلق آیت کا نزول نہیں ہو سکتا۔

وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ۖ وَلِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ⑲

اور ہر ایک کے لئے انکے اعمال کی وجہ سے الگ الگ درجے ملیں گے اور تاکہ اللہ تعالیٰ سب کو ان کے اعمال پورے کر دے اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا یعنی جس نے جو عمل خیر کیا ہے اس کے لئے اس عمل کی جزاء کے مختلف درجات ہیں یا عمل کی وجہ سے اس کے لئے درجات خیر ہیں بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مراد یہ ہے کہ جو پہلے اسلام لایا وہ بعد کو مسلمان ہونے والے سے افضل ہے۔ خواہ یہ تقدیم تاخیر ایک ساعت کی ہو۔

مقاتل نے یہ مطلب بیان کیا کہ ہر شخص کیلئے اعمال کے مطابق فضائل ہیں پس اللہ اعمال کی پوری جزا عطا فرمائے گا۔

بعض علماء کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ مومن ہو یا کافر قیامت کے دن ہر فریق کا ایک مقام اور ایک درجہ اللہ کے نزدیک مطابق عمل ہوگا اور اللہ اعمال کے موافق بدلہ دے گا۔ ابن زید نے اس آیت کی تشریح میں کہا دوزخیوں کے لئے درجات (زینے سیڑھیاں) ان کو نیچے کی طرف لے جائیں گے اور اہل جنت کے درجات ان کو اوپر چڑھائیں گے۔

وَلِيُوَفِّيَهُمْ یعنی اللہ نے یہ درجہ بندی حکمت اور مصلحت کے ماتحت کی ہے اور اس لئے کی ہے کہ ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دے دے۔ نیکی کے ثواب میں کمی یا جرم کے عذاب میں زیادتی نہیں کی جائے گی۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُم بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَفْسُقُونَ ⑳

اور جس روز کافر آگ کے سامنے لائے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیاوی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان کو خوب برت چکے سو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی اس وجہ سے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور تم

نافرمانیاں کرتے تھے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ یعنی جس دن کافروں کو آگ کا عذاب دیا جائے گا بطور مبالغہ جملہ کی ساخت الٹ دی گئی ہے۔ کافروں کی آگ پر پیشی ہوگی یعنی کافروں کے سامنے آگ لائی جائے گی۔

طَيِّبٰتِكُمْ یعنی تم نے اپنی لذت کی چیزیں دنیوی زندگی میں لے لیں مطلب یہ کہ جو عیش و لذت کا حصہ تمہارے لئے اللہ نے لکھ دیا تھا وہ تم نے دنیا میں حاصل کر لیا۔ وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا اور دنیاوی زندگی میں ان بہرہ اندوز ہو گئے مزے اڑالئے اور تمہارے کوئی حصہ عیش باقی نہیں رہا۔

عَذَابَ الْهُوْنِ یعنی وہ عذاب جس میں تمہاری ذلت اور تحقیر ہے۔

بِمَا كُنْتُمْ ما مصدری ہے یعنی باطل طور پر بڑا بننے اور اللہ کی اطاعت سے خارج ہونے کی وجہ سے۔

بغوی نے لکھا ہے اللہ نے دنیوی لذت اندوزی اور عیش کوشی پر تنبیہ و زجر کی اس لئے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے دنیوی لذتوں سے اجتناب کیا اور ثواب آخرت کے امیدوار رہے۔ بخاری و مسلم نے صحیحین میں بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ننگی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے چٹائی پر کوئی فرش نہ تھا۔ حضور ﷺ کے پہلوئے مبارک پر چٹائی کے نشان پڑ گئے، سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ تھا جس کے اندر کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے یہ حالت دیکھ کر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دعا فرمائیے کہ اللہ آپ کی امت کو کشائش عطا فرمادے فارس اور روم والے باوجودیکہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے لیکن اللہ نے ان کو (دنیوی) کشائش عطا کی ہے فرمایا اے ابن خطاب! کیا تم اس خیال میں ہو ان قوموں کو تو دنیاوی زندگی میں ہی لذت و عیش کی چیزیں دے دی گئی ہیں۔ دوسری روایت میں ہے (کیا تم کو یہ بات پسند نہیں کہ ان کے لئے صرف دنیا ہے اور ہمارے لئے آخرت۔ صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ محمد ﷺ کے گھر والوں نے آپ ﷺ کی وفات تک کبھی دو روز متواتر جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

بخاری نے بروایت ابو سعید مقبری بیان کیا کہ کچھ لوگوں کے سامنے بھونا ہوا بکری کا گوشت رکھا تھا۔ ادھر سے حضرت ابو ہریرہؓ گزرے ان لوگوں نے آپ کو بھی کھانے کے لئے بلایا آپ نے کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا، رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور جو کی روٹی بھی کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے ہم پر ایک ایک مہینہ گزر جاتا تھا کہ (ہمارے گھر میں) آگ نہیں جلتی تھی صرف پانی اور چھوارے ہوتے تھے (جس پر بسر اوقات ہوتی تھی) ہاں۔ اللہ جزاء خیر دے انصار کی عورتوں کو وہ کبھی بطور ہدیہ ہم کو دودھ بھیج دیا کرتی تھیں۔

امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ مسلسل راتیں ایسی گزر جاتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ بھوکے رہتے تھے (کچھ کھانے کو نہیں ہوتا تھا) گھر والوں کو بھی شام کا کھانا نہیں ملتا تھا رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں کی روٹی اکثر جو کی ہوتی تھی۔

ترمذی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اللہ کی راہ میں ڈرایا گیا جب کہ اور کسی کو نہیں ڈرایا جاتا تھا اور مجھے ایذائیں دی گئیں۔ جب کہ اور کسی کو نہیں ستایا جاتا تھا، مجھ پر تیس دن رات ایسے گزرے کہ نہ میرے پاس نہ بلالؓ کے پاس ایسا کھانا تھا جو کوئی زندہ شخص کھاتا ہے ہاں بلالؓ نے اپنی بغل میں کچھ چھپا لیا تھا (وہی ہم کھایا کرتے تھے) ترمذی نے کہا یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب رسول اللہ ﷺ بلالؓ کو ساتھ لے کر مکہ سے بھاگ کر چلے گئے تھے بلال کے پاس بس اتنا کھانا تھا کہ انہوں نے بغل کے اندر چھپا لیا تھا۔

بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا، میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا جن میں کسی ایک کے بدن پر بھی چادر نہ تھی یا لنگی (تہبند) تھی یا کمبلی ہے جس کو گلے میں انہوں نے باندھ رکھا تھا۔ کسی کے آدھی پنڈلیوں تک تھی کسی کے ٹخنوں

تک۔ اپنے ہاتھ سے وہ اس کو سمیٹے رہتا تھا تاکہ ستر صورت نہ کھل جائے۔

بخاری نے بیان کیا کہ حضرت انسؓ جو کی روٹی حضورؐ کے پاس لائے اور حضور ﷺ نے مدینہ میں ایک یہودی کے پاس زرہ رہن رکھوا کر گھر والوں کے لئے جو لئے تھے اور میں نے خود یہ فرماتے سنا کہ محمد ﷺ کے گھر والوں کے پاس ایک صاع گیہوں رات کو بھی نہ رہے اور نہ ایک صاع دانے (یعنی اناج) اور (اس زمانے میں) آپ کی نو عورتیں (یعنی بیبیاں) تھیں

ترمذی کی روایت سے ہے کہ حضرت ابو طلحہؓ نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ کھول کر دکھائے کہ ہر ایک کے پیٹ پر ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا حضور ﷺ نے اپنا پیٹ کھول کر دکھایا جس پر دو پتھر بندھے تھے۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

مسلم نے بروایت عبدالرحمٰن بیان کیا عبدالرحمٰن نے کہا میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ تین آدمی آپ کے پاس آئے اور عرض کیا ابو محمد! اللہ ہم بالکل بے طاقت ہیں نہ ہمارے پاس کھانے پینے کو ہے نہ سواری ہے نہ کوئی سامان ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا تم کیا چاہتے ہو اگر تم چاہتے ہو تو ہمارے پاس آؤ، اللہ نے جس چیز کی آپ لوگوں کے لئے ہم کو توفیق دی وہ دے دیں گے۔ اور اگر تم چاہو گے تو ہم تمہارے واقعہ کا سلطان سے ذکر کر دیں اور اگر چاہو تو صبر کرو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ قیامت کے دن فقراء مہاجرین دولت مندوں سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے۔ ان لوگوں نے کہا تو اب ہم صبر کریں گے کوئی چیز نہیں مانگتے۔

امام احمد نے حضرت معاذؓ بن جبل کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو فرمایا عیش پرستی سے بچنا اللہ کے بندے عیش پرست نہیں ہوتے بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت علیؓ کی روایت میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص تھوڑے سے رزق پر اللہ سے راضی ہوگا اللہ اس کے تھوڑے عمل سے راضی ہوگا۔

بغوی کا بیان ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا روزہ تھا (شام کو آپ کے سامنے کھانا لایا گیا فرمایا مصعبؓ بن عمیر شہید ہوئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے تو ان کو ایک چادر کا کفن دیا گیا (چادر اتنی چھوٹی تھی کہ) سر ڈھانکا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں چھپائے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔

راوی نے کہا میرا خیال ہے کہ (حضرت عبدالرحمٰن نے یہ بھی فرمایا) اور حضرت حمزہؓ شہید ہوگئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے پھر ہمارے لئے دنیا پھیلا دی گئی جتنی پھیلائی گئی یا یہ فرمایا پھر ہم کو دنیا دے دی گئی ہم کو ڈر ہے کہ کہیں ہماری ساری نیکیوں کا بدلہ ہمیں جلد ہم کو نہ دے دیا گیا ہو یہ کہہ کر رونے لگے اور کھانا موقوف کر دیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے میرے ہاتھوں میں گوشت لٹکا ہوا دیکھا تو فرمایا جابرؓ یہ کیا ہے میں نے عرض کیا گوشت ہے گوشت کو میرا دل چاہا تھا اس لئے خرید کر لایا ہوں، فرمایا جو بھی تمہارا دل چاہے گا خرید لوگے کیا تم کو آیت اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا کا کوئی خوف نہیں۔ ایک روایت میں حضرت جابرؓ کی حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ (حضرت عمرؓ نے فرمایا) کیا تم میں کوئی شخص اس بات کی کوشش نہیں کرتا کہ اپنے ہمسایے اور اپنے چچا کے بیٹے کے لئے خود بھوکا رہے۔ پورا قصہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت کردہ حدیث میں آیا ہے۔

رزین نے زید بن اسلم کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ نے پینے کے لئے پانی طلب کیا۔ پانی پیش کیا گیا مگر اس میں شہد ملا ہوا تھا (یعنی شہد کا شربت تھا) فرمایا بے شک یہ پاکیزہ ہے لیکن میں سن رہا ہوں کہ اللہ نے ان لوگوں سے (جنہوں نے اپنی خواہشات کو پورا کیا) طیبات کی نفی کر دی اور فرمایا اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا مجھے ڈر ہے کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ فوراً نہ دے دیا گیا ہو۔ یہ بیان فرمانے کے بعد حضرت عمرؓ نے وہ شربت نہیں پیا۔[1]

---

[1] سالم بن عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے لذات زندگی سے ہماری مراد صرف یہ ہی نہیں ہے کہ ہم اپنے حکم سے بکری کے چھوٹے بچوں کا گوشت بریان کرائیں، میدے کی روٹیاں پکوائیں تھلوں میں خشک انگور (کشمش منقی) (باقی اگلے صفحے پر)

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۲۱﴾

اور ذکر کیجئے عاد کے بھائی (ہودؑ) کا جب کہ انہوں نے اپنی قوم والوں کو جو احقاف میں رہتی تھی ڈرایا ان سے پہلے بھی (اپنی اپنی امتوں کو) ڈرانے والے گزر گئے تھے اور انکے بعد بھی گزرے (انہوں نے اس طرح ڈرایا) کہ اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہ کرو مجھے ایک بڑے دن کا تمہارے متعلق خوف ہے۔

اَخَا عَادٍ یعنی حضرت ہود علیہ السلام

قَوْمَهٗ اپنی قوم کو یعنی عاد کو۔

بِالْاَحْقَافِ احقاف میں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا احقاف کا مقام عمان اور مہرہ کے درمیان تھا۔ مقاتل نے کہا۔ قوم عاد کی بستیاں حضر موت علاقہ یمن میں بمقام مہرہ واقع تھیں مہرہ وہی مقام ہے جس کی طرف مہری اونٹوں کی نسبت کی جاتی ہے یہ لوگ قبیلہ ارم کے تھے۔

قتادہ نے کہا ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ عاد یمن میں ایک قبیلہ تھا جو سمندر کے ساحل پر ریگستان میں اس سرزمین میں رہتا

(گذشتہ سے پیوستہ) اتنی دیر بھگوئیں کہ چاند چکور کی آنکھ کی طرح ہو جائے پھر ہم ان چیزوں کو کھائیں پئیں بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ اپنی لذتوں کو (آخرت کے لئے) باقی رکھیں کیوں کہ ہم نے سن لیا ہے کہ اللہ فرماتا ہے: اذھبتم طیبٰتکم فی حیاتکم الدنیا۔

قتادہ نے کہا ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے، اگر میں چاہتا تو تم سب سے زیادہ لذیذ کھانے کھاتا اور سب سے اعلیٰ نرم لباس پہنتا لیکن میں اپنی لذتیں (آخرت کے لئے باقی رکھنا چاہتا ہوں)۔

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ جب شام میں تشریف لائے تو آپ کے لئے ایسا کھانا تیار کیا گیا جیسا آپ نے کبھی نہیں دیکھا تھا آپ نے فرمایا یہ (لذیذ کھانے ہمارے لئے تیار کئے گئے ہیں) ان محتاج مسلمانوں کے لئے کیا ہے جن کو مرتے دم تک پیٹ بھر کر جو کی روٹی بھی نہیں ملی، حضرت خالدؓ بن ولید نے عرض کیا (ان کے لئے) جنت ہے۔ حضرت عمرؓ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور فرمایا اگر ہمارا حصہ یہ حقیر بے قدر چیز ہے اور وہ جنت کے مالک ہیں تو وہ ہم سے بہت دور (بہت آگے) ہو گئے۔ حمید بن ہلال کا بیان ہے کہ حفصؓ اکثر شام کو حضرت عمرؓ کے پاس رہتے تھے لیکن جب کھانا سامنے لایا جاتا تو آپ کھانے سے انکار کر دیتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا بات ہے کہ تم ہمارا کھانا نہیں کھاتے۔ حفصؓ نے جواب دیا امیر المومنین میرے گھر والے جو کھانا تیار کرتے ہیں وہ آپ کے کھانے سے زیادہ نرم (زیادہ لذیذ) ہوتا ہے میں آپ کے کھانے کے مقابلے میں اس کو پسند کرتا ہوں فرمایا تیری ماں تجھے روئے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر میں چاہوں تو ایک موٹا تازہ بکری کا بچہ (ذبح کرا کے اس کی) کھال بالوں سے صاف کرا کے بریان کرا لوں پھر کپڑے میں چھنے ہوئے آٹے کی چپاتیاں بنوالوں اور ایک صاع کشمش (یا منقیٰ) لے کر کشتی (کٹھلا) میں بھگونے کا حکم دوں اور اتنی دیر بھگار کھوں کہ اس کا پانی ہرن کے خون کی طرح سرخ ہو جائے۔ حفص نے کہا میں جانتا ہوں کہ آپ لذیذ کھانے سے واقف ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا تجھے تیری ماں روئے کی قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر قیامت کے دن مجھے اپنی نیکیاں کم ہو جانا ناپسند نہ ہوتا تو میں تم لوگوں کو لذیذ کھانے میں شریک کر لیا کرتا (یعنی خود بھی لذیذ کھانا کھاتا اور تم کو بھی کھلاتا)

حسن کی روایت ہے کہ اہل بصرہ کا وفد حضرت ابو موسیٰؓ کے ساتھ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ کی روٹی روزانہ کسی چیز سے آلودہ ہوتی تھی کبھی ہم دودھ کے سالن سے اس کو آلودہ پاتے کبھی خشک گوشت کا بلا ہوا قیمہ ہوتا کبھی تازہ گوشت کا سالن ہوتا لیکن ایسا کم ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ہم سے فرمایا خدا کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کو میرا کھانا ناپسند ہے اور تم اس سے نفرت کرتے ہو لیکن بخدا اگر میں چاہتا تو تم سب سے زیادہ لذیذ کھانا کھاتا اور بڑے مزے کی زندگی گزارتا خدا کی قسم میں مرغ آبیوں اور بٹیروں سے ناواقف نہیں ہوں لیکن اللہ نے عار دلائی ہے (لذت کوش) لوگوں کو اور فرمایا ہے: أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُم بِهَا۔ (منہ برد اللہ مضجعہ)

تھا جس کو شجر کہا جاتا ہے۔
احقاف حقف کی جمع ہے اور حقف اس ریگستان کو کہتے ہیں جو مستطیل اور خم در خم ہو۔ ابن زید نے کہا حقف وہ مستطیل ریگستان ہے جو پہاڑی نما (اونچا) ہو لیکن پہاڑ کی حد تک نہ پہنچا ہو کسائی نے کہا مستدیر ریگستان کو احقاف کہا جاتا ہے۔
النذر ڈرانے والے یعنی پیغمبر یہ جملہ معترضہ ہے۔
مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ ہود سے پہلے جیسے حضرت نوحؑ وغیرہ۔
وَ مِنْ خَلْفِهٖ اور ہود کے بعد جیسے حضرت صالحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ وغیرہ۔
الا تعبدوا ان مفسرہ ہے انذار کے معنی کی تشریح ہے یعنی ہود نے اپنی قوم کو یہ ڈرایا کہ اللہ کے سوا کسی اور کی پوجا نہ کرو کسی چیز کی ممانعت کرنے اور اس سے روکنے کا معنی ہی یہ ہے کہ اس کی نصرت سے ڈرایا جاتا ہے۔
اَخَافُ عَلَیْكُمْ یعنی اگر اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرو گے تو مجھے تمہارے متعلق یوم عظیم کے عذاب کا ڈر ہے۔
یَوْمٍ عَظِیْمٍ یعنی وہ دن جس کی مصیبت بہت بڑی ہو گی۔

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۲﴾

وہ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس ارادہ سے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو پس اگر تم سچے ہو تو جس عذاب کا تم ہم پر لانے کا وعدہ کر رہے ہو اس کو ہم پر لے آؤ۔
اَجِئْتَنَا استفہام (سوالیہ نہیں) تقریری ہے۔
عَنْ اٰلِهَتِنَا ہمارے معبودوں سے پھیر دینے کے لئے۔
بِمَا تَعِدُنَا یعنی شرک پر جس عذاب آنے کا تم ہم سے وعدہ کر رہے ہو۔
(اور ڈرا رہے ہو)۔
اِنْ كُنْتَ کلام سابق مضمون جزا پر دلالت کر رہا ہے اس لئے اس جگہ ان کنت کے جواب کی محذوف ماننے کی ضرورت نہیں۔

قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ٘ وَ اُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَ لٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

حضرت ہودؑ نے کہا کہ (پورا) علم تو خدا ہی کو ہے اور مجھ کو جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے میں وہ تم کو پہنچا رہا ہوں لیکن تم کو میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ (نری) جہالت کی باتیں کرتے ہو۔
اَلْعِلْمُ یعنی وقت عذاب کا علم۔
عِنْدَ اللّٰهِ یعنی عذاب کا مقرر وقت پر آئے گا اگر اس وقت تک نہیں آیا تو اس سے یہ لازم نہیں کہ میں جھوٹا ہوں ہاں مجھے عذاب لانے میں کوئی دخل نہیں کہ جلد لانے کا طلب گار بنوں۔
وَاُبَلِّغُكُمْ مَّا اُرْسِلْتُ بِهٖ یعنی پیام توحید، احکام اور تمہارے ایمان نہ لانے کی صورت میں نزول عذاب کی اطلاع دے کر جو مجھے تمہارے پاس بھیجا گیا ہے میں وہ تم کو پہنچا رہا ہوں۔
قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ یعنی تم نہیں جانتے کہ علیم و قدیر اللہ ہے پیغمبروں کو صرف تبلیغ توحید و احکام اور ڈرانے کے لئے بھیجا گیا ہے پیغمبر نہ خود عذاب دینے والے ہوتے ہیں نہ نزول عذاب کی (بغیر وحی کے) تلاش و طلب کرنے والے۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِیْحٌ فِیْهَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا یُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۲۵﴾

سو ان لوگوں نے جب اس بادل کو اپنی وادیوں کے مقابل آتا دیکھا تو کہنے لگے یہ بادل ہے جو ہم پر برسے گا (اللہ نے فرمایا نہیں

نہیں) بلکہ یہ وہی عذاب ہے جس کے جلد آجانے کے تم خواستگار تھے ایک آندھی ہے جس میں دکھ پہنچانے والا عذاب ہے وہ ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے تباہ کردے گی چنانچہ وہ ایسے ہوگئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ (جانور آدمی کھیت سامان) دکھائی نہیں دیتا تھا ہم مجرموں کو یوں ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا ضمیر مَاتَعِدُنَا کی طرف راجع ہے یا ضمیر مبہم ہے، عارضًا اس کی تفسیر ہے۔ عارض وہ بادل جو فضاء کے عرض میں (پھیلتا) اور نمایاں ہوتا ہے۔ قوم عاد پر دو سال سے بارش نہیں ہوئی تھی۔ ان کا قصہ سورۂ اعراف وغیرہ میں گزر چکا ہے جب بادل کو سامنے سے آتے دیکھا تو بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے، یہ جو ہم کو نظر آرہا ہے بادل ہے جو برسے گا پانی برسائے گا۔ اللہ نے یا حضرت ہودؑ نے فرمایا یہ ابر باراں نہیں ہے بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے۔ یہ ایک آندھی ہے جس کے اندر عذاب الیم ہے۔

تُدَمِّرُ تباہ کردے گی۔

كُلَّ شَيْءٍ ہر چیز کو جس کی طرف سے گزرے گی یعنی جان مال ہر چیز کو تباہ اور ہلاک کردے گی۔ چنانچہ سخت طوفان آیا ڈیرے خیمے سواریاں سب اڑا کرلے گیا اور سب چیزیں ٹڈی دل کی طرح اڑنے لگیں۔

سب سے پہلے عذاب ہونے کی شناخت ان کو اس وقت ہوئی جب بستی کے باہر کی چیزیں انہوں نے ہوا میں اڑتی ہوئی دیکھیں یہ سماں دیکھ کر وہ اپنے گھروں میں گھس گئے اور دروازے بند کر لئے لیکن طوفان نے ان کے دروازے توڑ دیئے اور سب لوگوں کو زمین پر دے پٹکا پھر بحکم خدا طوفانی ریت ان پر آپڑی اور سب ریت کے نیچے دب گئے۔ یہ آندھی ساری رات اور آٹھ دن چلتی رہی، ایک ہفتہ کے بعد طوفانی ریت اڑ گئی اور ان کی لاشوں کو اڑا کر سمندر میں پھینک دیا۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت ہودؑ کو جب طوفان کا احساس ہوا تو فوراً مومنوں کو لے کر ایک حصار میں داخل ہوگئے۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا، میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کبھی ایسے بھرپور ہنسے ہوں کہ آپ کے حلق کا کوا مجھے نظر آگیا ہو، آپ صرف مسکرا دیا کرتے تھے (یہی حضور ﷺ کی ہنسی تھی) جب آپ کوئی بادل یا تیز ہوا دیکھ لیتے تو اس کا اثر آپ کے چہرہ سے ظاہر ہوجاتا تھا اور پہچان لیا جاتا تھا۔ متفق علیہ۔

بغوی کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ لوگ بادل کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور بارش کی امید رکھتے ہیں لیکن آپ بادل کو دیکھتے ہیں تو (آپ متفکر ہوجاتے ہیں اور) اس کی ناگواری آپ کے چہرے سے پہچان لی جاتی ہے فرمایا عائشہ! مجھے اس کا خطرہ ہوتا ہے کہ (شاید) اس میں عذاب ہو، ایک قوم پر طوفان کا عذاب آیا تھا لیکن انہوں نے بادل (یعنی طوفانی عذاب) کو دیکھ کر یہی کہا تھا کہ یہ بادل ہے اس سے بارش ہوگی۔ یہ بھی حضرت عائشہؓ ہی کا بیان ہے کہ جب ہوا تیز چلتی (یعنی آندھی آتی) تھی تو رسول اللہ ﷺ کہتے تھے اے اللہ میں تجھ سے خواستگار ہوں اس کی خیر کا اور اس کے اندر جو کچھ ہے اس کی خیر کا اور جس چیز کا حامل بنا کر اس کو بھیجا گیا ہے اس کی خیر کا اور میں تیری پناہ لیتا ہوں اس کے شر سے اور اس کے اندر جو کچھ ہے اس کے شر سے اور جس چیز کا حامل بنا کر اس کو بھیجا گیا ہے اس کے شر سے۔ اور جب آسمان پر بادل آتا (جس سے عام طور پر بارش کی امید کی جاتی) تو حضور ﷺ کا رنگ بدل جاتا باہر جاتے اندر آتے، یوں ہی آتے جاتے رہتے پھر جب بارش ہونے لگتی تو حضور ﷺ کی یہ کیفیت دور ہوجاتی۔ میں نے یہ حالت پہچان کر وجہ دریافت کی فرمایا عائشہؓ! ہوسکتا ہے کہ یہ ایسا ہی ہو جیسے عاد نے کہا تھا (اور اللہ نے اس کو بیان کیا ہے) فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بارش کو دیکھ کر فرماتے، میں رحمت کا خواستگار ہوں متفق علیہ۔

ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور شافعی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب آسمان پر کوئی چیز بادل آندھی اٹھتی ہوئی دیکھتے تو اپنا کام چھوڑ کر اس کی طرف رخ کرکے کہتے، میں تیری پناہ لیتا ہوں اس چیز کی شر سے جو اس کے اندر ہے۔ الحدیث۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب کبھی آندھی چلتی رسول اللہ ﷺ دو زانو ہو جاتے اور کہتے اے اللہ! اس کو رحمت کر دے اس کو عذاب نہ بنا۔ رواہ الشافعی والبیہقی۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

اور ہم نے ان باتوں میں قدرت دی تھی کہ تم کو ان باتوں میں قدرت نہیں دی اور ہم نے ان کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے تھے لیکن نہ ان کے کان ذرا ان کے کام آئے نہ آنکھیں نہ دل کیوں کہ وہ آیات خدا کا انکار کرتے تھے اور جس عذاب کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے اسی نے ان کو آگھیرا۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ ہم نے قوم عاد کو وہ قدرت دی تھی یعنی قوت اور مال۔

اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ ان نافیہ ہے۔ تم کو وہ قدرت نہیں دی۔ یا شرطیہ ہے اور جزا محذوف ہے یعنی اگر ہم تم کو ان چیزوں میں ان جیسی قدرت دے دیتے تو تمہاری سرکشی ان سے بھی زیادہ ہوتی۔ یا ان زائد ہے یعنی ہم نے ان باتوں کی قدرت دی جن کی تم کو قدرت دی ہے ان کو نافیہ قرار دینا زیادہ بہتر ہے کیوں کہ دوسری آیت میں قوم عاد کے بڑے مالدار اور زیادہ طاقتور ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اور فرمایا ہے اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّكَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا۔

وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا یعنی ہم نے کان آنکھیں اور دل اس لئے عطا کئے تھے کہ وہ ان کے بنانے والے کی قدرت پر ان سے استدلال کریں اور ان نعمتوں کی قدر جان کر منعم کا ہمیشہ شکر ادا کرتے رہیں۔

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ یعنی کان آنکھ اور دل نے ان کو کسی طرح کا کچھ فائدہ نہیں دیا (کہ وہ ان اعضاء سے صحیح کام لیتے اور نشان ہائے قدرت کو پہچانتے) کیوں کہ اللہ کی آیات کا انکار ہی کرتے رہے۔

وَحَاقَ اور ان پر وہ عذاب نازل ہوا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

اور ہم نے دوسرے آس پاس کی اور بستیاں بھی تباہ کر دیں اور ہم نے بار بار اپنی نشانیاں بتا دی تھیں تاکہ وہ باز آجائیں سو خدا کے سوا جن جن چیزوں کو انہوں نے خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اپنا معبود بنا رکھا تھا انہوں نے ان کی مدد کیوں نہیں کی بلکہ وہ ان سے غائب ہو گئے وہ محض ان کی من گھڑت اور تراشی ہوئی بات تھی۔

ماحولکم یعنی اے اہل مکہ تمہارے آس پاس کی بستیاں جیسے قوم ثمود کی بستی حجر اور قوم لوط کی بستی سدوم وغیرہ۔ بستیوں کو ہلاک کرنے سے مراد ہے اہل بستی کو ہلاک کرنا۔

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ یعنی اللہ کے عذاب سے کیوں نہیں بچایا۔

وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ یعنی بار بار دلائل اور نشانہائے قدرت ہم نے پیش کئے۔

قُرْبَانًا اٰلِهَةً یعنی اللہ کے سوا دوسروں کو انہوں نے معبود بنا رکھا تاکہ ان کے ذریعہ سے اللہ کا قرب حاصل کر لیں کیوں کہ انہوں نے کہا تھا هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔

بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ یعنی غائب ہو گئے (کھو گئے) مطلب یہ کہ عذاب نازل ہونے کے وقت غائب ہو گئے اور جس طرح کسی غائب سے طلب مدد نا ممکن ہے اسی طرح ان معبودوں سے مدد طلب کرنی بھی محال تھی۔

وَذٰلِكَ یعنی اللہ کے سوا دوسروں کو معبود قرار دینا۔

اِفْكُهُمْ ان کا جھوٹ ہے اور حق سے روگردانی ہے۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ ذلک سے اشارہ عدم امداد کی طرف ہے یعنی امداد نہ ہونا ان کے جھوٹ یعنی افتراء کا نتیجہ ہے۔

وَمَا كَانُوْا ما مصدری ہے یعنی ان کا افترا۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعودؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بطن نخلہ میں قرآن پڑھ رہے تھے اس وقت کچھ جن اوپر جا رہے تھے قرآن سن کر نیچے اتر آئے اور جب قرآن سنا تو بولے خاموش ہو کر توجہ کے ساتھ سنو یہ جن نو تھے جن میں سے ایک (کا نام) زوبعہ تھا اس پر اللہ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ اور جب ہم نے جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف موڑ دیا جو قرآن سننے لگے تھے سو جب وہ لوگ قرآن سننے آپہنچے تو کہنے لگے خاموش رہ کر کان لگا کر سنو پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس خبر پہنچانے کے لئے واپس چلے گئے۔

وَاِذْ صَرَفْنَا اور جب ہم نے موڑ دیا یہ جملہ آخرت تک معترضہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے۔

نَفَرًا نفر دس سے کم تعداد کی جماعت کو کہتے ہیں اس کی جمع انفار آتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا نصیبین کے ساتھ جن تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے قاصد بنا کر ان کو ان کی قوم کے پاس بھیجا تھا۔ دوسرے اہل روایات نے کہا نو تھے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ عاصم نے حضرت زر بن حبیش سے بیان کیا کہ حضرت زوبعہ بھی ان میں سے تھے۔ جنہوں نے قرآن سنا تھا۔

فَلَمَّا حَضَرُوْهُ پھر جب قرآن سننے رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو گئے تو ایک نے دوسرے سے کہا، خاموش رہو ہم سن لیں۔

فَلَمَّا قُضِيَ پھر جب قرآن کی قرأت ختم ہو گئی۔

وَلَّوْا اپنی قوم کے پاس یعنی جنات کے پاس واپس چلے گئے۔

مُّنْذِرِيْنَ یعنی رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قوم کو اسلام کی دعوت دینے اور بصورت مخالفت عذاب سے ڈرانے کے لئے ہم نے پورا واقعہ سورۂ جن میں ذکر کر دیا ہے۔

قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ کہنے لگے اے ہماری قوم ہم ایک کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰؑ کے بعد نازل کی گئی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے حق اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى عطاء نے کہا وہ جنات یہودی مذہب پر تھے۔ میں کہتا ہوں شاید کتبا انزل من بعد موسیٰ کا یہ مطلب ہے کہ وہ کتاب شریعت موسیٰ کو منسوخ کرنے والی ہے۔ انجیل اور زبور، توریت کے بیشتر احکام کو ناسخ نہیں تھی۔ اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق فرمایا وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ اللہ نے حضرت عیسیٰ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ یعنی اپنے سے پہلی کتابوں توریت، انجیل وغیرہ کی تصدیق کرتی ہے۔

يهدي الى الحق الحق سے مراد ہیں صحیح عقائد۔ اور طریق مستقیم سے مراد ہیں عملی احکام۔

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

اے بھائیو اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا مانو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو دردناک عذاب سے محفوظ رکھے گا اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہ مانے گا تو وہ زمین میں ہرا نہیں سکتا اور خدا کے سوا کوئی اس کا حامی بھی نہ ہوگا ایسے لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

دَاعِیَ اللّٰہِ یعنی محمد ﷺ جو اسلام کی طرف بلانے والے ہیں۔

یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ اللہ تمہارے گناہ معاف کردے گا یعنی وہ گناہ معاف کردے گا جن کا تعلق حق اللہ سے ہوگا۔ حقوق العباد ایمان لانے سے معاف نہیں ہوتے۔ جنات کی اس تبلیغ سے ستر جن مسلمان ہوگئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ اس وقت بطحاء میں تھے آپ نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا۔ فرائض ادا کرنے کا حکم دیا اور ممنوعات سے باز داشت کی اس واقعہ میں اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جن و انس دونوں کے لئے بھیجا گیا تھا۔ سورۂ جن میں ہم نے مومن جن کے متعلق علماء کے اختلاف پر روشنی ڈالی ہے۔

فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ یعنی زمین پر اللہ کو مغلوب نہیں کرسکتا اگر اللہ اس کو عذاب دینا چاہے تو وہ اللہ کی دسترس سے چھوٹ نہیں سکتا۔

وَلَیْسَ لَهُمْ یعنی اللہ کے عذاب سے محفوظ رکھنے والا اس کا کوئی حامی نہیں ہوگا۔

اُولٰٓئِکَ یعنی جو لوگ اللہ کے داعی کہنے کو نہیں مانیں گے وہ کھلی گمراہی میں ہوں گے کیوں کہ ہدایت کا انحصار صرف اتباع رسول ﷺ میں ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی بَلٰٓی اِنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۳﴾

کیا ان لوگوں نے یہ نہ جانا کہ جس خدا نے انسانوں کو زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے تھک نہیں گیا وہ مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ کیوں نہ ہو بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اولم یروا استفہام انکاری ہے اور محذوف جملہ پر اس کا عطف ہے پورا کلام اس طرح تھا کیا یہ کفار دوبارہ جی اٹھنے کا انکار کرتے ہیں اور اس بات کا یقین نہیں کرتے کہ جس اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے۔

وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ اور ان کو پیدا کرنے سے نہیں تھکا اور نہ عاجز ہوگیا کیوں کہ اس کی قدرت ذاتی ہے۔ پیدا کرنے اور ایجاد کرنے سے اس میں نقص نہیں آسکتا۔

وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَلَی النَّارِ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اور جس روز کافروں کو دوزخ کے سامنے لایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کیا یہ دوزخ امر واقعی نہیں ہے وہ کہیں گے قسم ہے اپنے رب کی امر واقعی کیوں نہیں (ضرور ہے) تو ارشاد ہوگا، تو اب اپنے کئے ہوئے کفر کے عذاب کا مزہ چکھو۔

اَلَیْسَ ھذا عذاب دوزخ کی طرف اشارہ ہوگا جس کا وہ دنیا میں انکار کرتے تھے۔

وَرَبِّنَا قسم ہے اپنے رب کی اس وقت وہ قسم کھائیں گے اور اعتراف کریں گے لیکن بے سود ہوگا۔

فَذُوْقُوْا ف سببی ہے (یعنی ف سے پہلے کا مضمون ف کے بعد والے مضمون کا سبب ہے) دوزخ کا حق ہونا باوجودیکہ وہ دنیا میں اس کا انکار کرتے تھے عذاب کا مزہ چکھنے کا سبب ہوگا۔ فذوقوا امر کا صیغہ ہے جو اہانت و توبیخ کو ظاہر کر رہا ہے۔

فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ پس آپ صبر کیجئے جیسے ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا تھا۔

فَاصْبِرْ یعنی اے محمد ﷺ آپ کافروں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کیجئے۔ مطلب یہ کہ جب آپ کو معلوم ہو

کیا کہ کافروں دوزخ کے عذاب کا مزہ چکھنا ہوگا تو آپ صبر کیجئے۔ انتقام کا ارادہ نہ کیجئے۔

اُولُو الْعَزْمِ صبوشات اور کوشش کرنے والے پیغمبر جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ ان کی طرح آپ بھی صبر کیجئے۔ اولو العزم کون سے پیغمبر تھے علماء کے اقوال اس مسئلہ میں مختلف ہیں۔

ابن زید نے کہا ہر پیغمبر صاحب عزم تھا۔ کوئی نبی اللہ نے ایسا پیدا نہیں کیا جو عزم و دانش اور عقل کامل نہ رکھتا ہو اس صورت میں من الرسل میں من بیانیہ ہوگا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ سواء حضرت یونس کے تمام پیغمبر صاحب عزم تھے حضرت یونس بن متی (وحی کا انتظار کئے بغیر) عجلت کر بیٹھے تھے اسی وجہ سے اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ آپ یونس کی طرح (عجلت پسند) نہ ہو جانا۔ بعض لوگوں نے حضرت آدم کو بھی اولو العزم پیغمبروں کی فہرست سے خارج مانا ہے۔ اللہ نے حضرت آدم کے متعلق فرمایا ہے۔ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ہم نے ان کے لئے عزم نہیں پایا بعض نے کہا اولو العزم وہ منتخب پیغمبر تھے جن کا ذکر سورت الانعام میں آیا ہے یہ سب اٹھارہ تھے۔ ابراہیم، اسحاق، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس، اسماعیل، الیسع، یونس، لوط علیہم السلام اللہ نے ان سب کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔

کلبی نے کہا اولوالعزم وہ ہیں جن کو جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ بعض نے کہا صاحبان عزم چھ پیغمبر ہیں۔ نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ، شعیبؑ، موسیٰؑ، اسی ترتیب سے ان کا ذکر سورۂ اعراف و شعراء میں کیا گیا ہے۔

مقاتل نے کہا۔ اولوالعزم یہ چھ پیغمبر ہیں۔ نوحؑ آپ نے قوم کی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں پر صبر کیا۔ ابراہیمؑ آپ نے (نمرود کی) آگ پر صبر قائم رکھا۔ اسحاقؑ آپ نے ذبح کئے جانے کے حکم پر صبر قائم رکھا (مقاتل کے نزدیک اس روایت کے بموجب ذبیح اللہ اسحاق تھے۔ اسماعیلؑ نہیں تھے۔ یہ قول جمہور کے قول کے خلاف ہے) یعقوبؑ آپ نے اپنے بیٹے کے گم ہو جانے اور اپنے نابینا ہو جانے پر صبر کیا۔ یوسفؑ آپ نے کنوئیں کے اندر اور قید خانہ میں صبر کیا۔ ایوبؑ آپ نے جسمانی دکھوں پر صبر کیا۔

حضرت ابن عباسؓ اور قتادہ کا قول ہے کہ اولوالعزم پانچ تھے جن میں سے ہر ایک کو (الگ الگ) شریعت دی گئی تھی نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، اور محمد ﷺ۔ محی السنۃ بغوی نے لکھا ہے اللہ نے ان کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس آیت میں کیا ہے: وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ان پانچوں کا ذکر مخصوص طور پر آیت ذیل میں بھی آیا ہے فرمایا ہے: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى۔

شیخ احمد مجدد الف ثانی نے فرمایا، عزم والے چھ تھے آدم، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰ عیسیٰ اور محمد ﷺ مؤخر الذکر پانچ کا ذکر تو خصوصیت کے ساتھ آیت میثاق (مذکورہ بالا) میں کر دیا گیا ہے یہ حضرات الگ الگ شریعتوں کے حامل بھی تھے ان کے بعد جو پیغمبر ہوئے وہ انہیں کی شریعتوں کے پابند تھے رہے۔ حضرت آدمؑ تو ظاہر ہے کہ وہ سب سے پہلے تھے ان کی شریعت سب سے اول تھی (جس پر وہ عامل تھے)

بغوی نے لکھا ہے مسروق نے کہا مجھ سے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا عائشہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے لئے دنیا مناسب نہیں عائشہ اللہ نے اہل عزم کے لئے دنیا کے مکروہات پر صبر رکھنے اور مرغوبات سے صبر (اعراض گریز) کرنے ہی کو پسند فرمایا اور مجھے بھی اس امر کا مکلف کیا جس کا مکلف دوسرے اولوالعزم کو کیا تھا میرے لئے اسی بات کو اس نے پسند کیا اور فرمایا: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ اور واللہ میرے لئے بھی طاعت خداوندی کے سوا کوئی چارہ نہیں جیسے انہوں نے صبر کیا میں بھی صبر کروں گا اور جیسے انہوں نے محنتیں برداشت کیں میں بھی ویسی ہی محنت کروں گا۔ ولا قوۃ الا باللہ

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا گویا وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے رسول اللہ ﷺ ایک نبی کا واقعہ بیان فرما رہے تھے

جن کو ان کی قوم نے مار مار کر لہولہان کر دیا لیکن وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے اے اللہ میری قوم کو معاف کر دے یہ لوگ نادان ہے متفق علیہ (غالباً نبی سے مراد حضور ﷺ کی اپنی ذات مبارک تھی آپ ﷺ نے اپنی ذات کو مبہم الفاظ میں فرمایا)

وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۚ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوٓا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ ۚ بَلَٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَٰسِقُونَ ﴿٣٥﴾

اور ان لوگوں پر عذاب الٰہی آنے کی جلدی نہ کیجئے جس روز یہ لوگ اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے (ان کو ایسا معلوم ہوگا کہ) گویا دن بھر میں صرف ایک گھڑی (دنیا میں) رہے تھے (یہ پیام) پہنچا دینا ہے سو وہی تباہ ہوں گے جو نافرمانی کریں گے۔

وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ یعنی کفار قریش پر جلد عذاب نازل ہونے کی آپ دعا نہ کریں عذاب اپنے مقررہ وقت پر ضرور آئے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ قوم کی زیادہ مخالفتوں سے رسول اللہ ﷺ اکتا گئے تھے اور دل تنگ ہو کر آپ کی خواہش ہو گئی تھی کہ جو انکار کرنے والے ہیں ان پر عذاب آ ہی جائے اللہ نے آپ کو صبر کرنے کا حکم دیا اور نزول عذاب میں عجلت پسندی سے باز داشت فرمادی اور اگلی آیت میں قرب عذاب کی اطلاع دے دی۔

لَمْ يَلْبَثُوٓا یعنی دنیا میں نہیں ٹھیرے مگر گھڑی بھر روز قیامت اور عذاب کی ہولناکی کی وجہ سے دنیوی زندگی ان کو بہت ہی تھوڑی محسوس ہوگی کیونکہ جو مدت گزر گئی وہ کتنی ہی طویل ہو لیکن جب گزر چکی تو گویا تھی ہی نہیں۔

بَلَٰغٌ یعنی یہ نصیحت جو کی گئی یا یہ سورت یا یہ قرآن اور جو بیان اس کے اندر ہے اللہ کی طرف سے تم کو پہنچانا ہے یعنی اس کا پہنچا دینا ہی کافی ہے یا بذا سے تبلیغ رسول کی طرف اشارہ ہے۔ بلاغ کی تنوین اظہار عظمت کے لئے یعنی یہ بلاغ عظیم ہے۔

فَهَلْ يُهْلَكُ سوال انکاری ہے یعنی سوا نافرمان لوگوں کے عذاب سے کوئی ہلاک نہیں کیا جائے گا۔

الْفَٰسِقُونَ یعنی نصیحت پذیری یا طاعت سے خارج ہو جانے والے۔ زجاج نے اس کی تشریح میں کہا کہ اللہ کی رحمت اور کرم کی موجودگی میں عذاب سے ہلاک ہونے والے صرف نافرمان لوگ ہوں گے (باقی لوگوں پر اللہ کی رحمت ہوگی) اسی لئے کچھ لوگوں نے کہا کہ رحمت خداوندی سے امید رکھنے کے سلسلہ میں جو کچھ آیا ہے وہ اس آیت سے زیادہ قوی ہے۔

الحمد للہ رب العٰلمین وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ و اصحابہ اجمعین۔

الحمد للہ ۱۳ رجمادی الاول ۱۲۰۸ھ کو تفسیر سورۃ احقاف ختم ہوئی اس کے بعد انشاء اللہ سورۃ محمد کی تفسیر آئے گی۔ فالشکر لہ من قبلہ و من بعد۔

سورۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اس سورۃ کو قتال بھی کہا جاتا ہے اس میں ۳۸ آیات اور چار رکوع ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعْمَالَھُمْ ۱ جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کی راہ سے (دوسروں) کو روکا اللہ نے ان کے عمل کالعدم کر دیئے۔

وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یعنی لوگوں کو مسلمانوں نے سے روکا جس کی وجہ سے لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہونے اور راہ اسلام پر چلنے سے باز رہے۔

اَضَلَّ اَعْمَالَھُمْ یعنی اللہ نے ان کیا عمال کو اکارت اور نابود کر دیا۔ اعمال سے مراد ہیں وہ اعمال جو بظاہر بہت اچھے دکھائی دیتے ہیں۔ جیسے غریبوں کو کھانا کھلانا، قرابت داروں کے رشتہ قرابت کو جوڑے رکھنا۔ اور ان سے حسن سلوک کرنا اور قیدیوں کو رہا کرانا اور ہمسایہ کے حقوق کی نگہداشت کرنا۔ چونکہ کافروں کے اچھے اعمال کا مقصود خوشنودی خدا کا حصول نہیں ہوتا اس لئے آخرت میں اللہ ان کا کوئی ثواب نہیں دے گا۔ اللہ کی مہربانی سے دنیا میں ان کا اچھا بدلہ مل سکتا ہے۔ ضحاک نے اضل اعمالہم کا ترجمہ کیا اللہ نے ان کی خفیہ تدبیروں کو اکارت کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف ان کی سیہ کاریوں کو نابود کر دیا اور ان کی مکاریوں کو چکر انہیں پر الٹ دیا۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّھُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ کَفَّرَ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَاَصْلَحَ بَالَھُمْ ۲ ذٰلِکَ بِاَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّھِمْ ؕ کَذٰلِکَ یَضْرِبُ اللّٰہُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَھُمْ ۳

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور اس سب پر ایمان لائے جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا اور ان کی حالت درست رکھے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر غلط راستے پر چلے اور اہل ایمان صحیح راستہ پر چلے جو ان کے رب کی طرف سے ہے اللہ تعالیٰ اسی طرح لوگوں کے لئے ان کے حالات بیان فرماتا ہے: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں تو تمام وہ امور داخل ہیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں سے خاص طور پر اس شریعت پر جو محمد پر نازل کی گئی ایمان لانا لازم قرار دیا اس سے شریعت محمدیہ پر ایمان لانے کی عظمت کا اظہار اور اس امر کی صراحت کرنی مقصود ہے کہ اس شریعت پر ایمان لائے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی اور اصل ایمان یہی ہے۔ تمام ایمانیات اس میں داخل ہیں۔

وَھُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ یہ جملہ معترضہ ہے اور کلام مفید حصر ہے۔ بعض اہل علم نے اس کی حقانیت یہ ہے کہ یہ سب کا ناسخ ہے منسوخ نہیں ہے۔

کَفَّرَ ایمان اور اچھے اعمال کی وجہ سے اللہ ان کے گناہوں کو چھپا دے گا اور ان کے گناہوں پر پردہ ڈال دے گا۔

وَاَصْلَحَ بَالَھُمْ اور دنیا میں ان کے حالات درست رکھے گا دشمنوں پر فتح عنایت کرے گا گناہوں سے بچنے اور شیطان کے تسلط سے محفوظ رہنے کی اور طاعت الٰہیہ کی توفیق عطا فرمائے گا پھر آخرت میں دوامی راحت اور خوشنودی خدا مرحمت کرے

گا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یعنی زندگی بھر ان کی حفاظت رکھے گا۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ سے مراد مکہ کے مشرک ہیں۔ اور اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے مراد انصار ہیں۔ میں کہتا ہوں لفظ عام ہے (اس میں ہر کافر اور ہر مومن صالح داخل ہے)

ذٰلِکَ یہ یعنی گمراہی اور تکفیر واصلاح بال۔

الْبَاطِلَ یعنی شیطان۔

الْحَقَّ یعنی قرآن۔

یَضْرِبُ اللّٰهُ یعنی اللہ بیان کرتا ہے۔

اَمْثَالَهُمْ ان کے حالات یعنی ان لوگوں کے حالات یا مذکورہ بالا دونوں فریقوں کے حالات یعنی لوگوں کو نصیحت پذیر بنانے کے لئے اللہ نے دونوں فریقوں کی مثال بیان کر دی۔ کفار کے اعمال کو اتباع شیطانی اور کافروں کے نامراد رہنے کو اعمال کا نابود ہونا اور مومنوں کے عمل کو اتباع حق اور ان کی کامیابی کو اسقاط معاصی فرمایا۔

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ۬ سو تمہارا جب کافروں سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خون ریزی کر چکو تو خوب مضبوط باندھ لو پھر یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا یا معاوضہ لے کر جب تک کہ لڑنے والے اپنے ہتھیار نہ رکھ دیں۔ مع

فَاِذَا لَقِیْتُمْ لقیتم لقاء سے مشتق ہے اور لقاء (کا معنی ہے مقابلہ اس) سے مراد ہے لڑائی۔

فَضَرْبَ الرِّقَابِ اصل جملہ تھا فاضربوا الرّقاب ضربا۔ خوب گردنیں مارو۔ گردن مارنے سے مراد ہے قتل کر دینا، دوسرے اعضاء کو زخمی کر دینے سے کبھی ہلاکت ہو جاتی ہے کبھی نہیں ہوتی اور گردن کاٹنے سے عام طور پر موت ہو ہی جاتی ہے اس لئے گردنیں کاٹنے کا حکم دیا یعنی قتل کر دو۔

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ یہاں تک کہ جب تم خوب قتل کر چکو۔

اَثْخَنْتُمْ ثخین سے ماخوذ ہے ثخین کا معنی ہے دبیز موٹا، قتل کر چکو یعنی کثرت سے خون ریزی کر چکو۔

فَشُدُّوا الْوَثَاقَ یعنی قتل سے رک جاؤ اور گرفتار کر لو اور مضبوطی کے ساتھ باندھ لو تاکہ بھاگ نہ جائیں وثاق اور وثاق بندھن جس سے کسی چیز کو باندھا جاتا ہے۔

فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ یعنی گرفتار کرنے کے بعد ان پر احسان رکھ کے بغیر معاوضہ لئے چھوڑ دو۔

وَ اِمَّا فِدَآءً اور زیادہ فدیہ وہ رہائی کے لئے معاوضہ ادا کریں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کے حکم کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں یہ آیت منسوخ ہو چکی۔ آیت اُقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ اور آیت فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ اس کی ناسخ ہے۔ قتادہ، ضحاک، سدی اور ابن جریج کا قول ہے اوزاعی بھی اسی کے قائل ہیں اور ایک روایت میں امام ابو حنیفہؒ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔

میں کہتا ہوں آیت فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ آیت مذکورہ کے حکم کی ناسخ نہیں ہو سکتی (دونوں کے احکام میں تضاد نہیں ہے) اور آیت اُقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ کا حکم (عام) مخصوص البعض ہے کیوں کہ قیدیوں کو باندی غلام بنانا باتفاق علماء جائز ہے اور ان کو بطور ذمی باقی رکھنا امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور جب حکم مخصوص البعض ہو گیا تو قطعی نہ رہا باقی میں بھی ظنی ہو گیا اور آیت فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً قطعی اور ظنی حکم قطعی حکم کو منسوخ

نہیں کر سکتا۔

دوسرے علماء کے نزدیک آیت محکم ہے اگر قیدی کافر ہوں مرد ہوں دیوانے نہ ہوں تو خلیفہ کو اختیار ہے چاہے قتل کرا دے یا غلام بنالے یا ان پر احسان کر کے بغیر معاوضہ لئے آزاد کر دے یا مالی معاوضہ لے کر چھوڑ دے یا مسلمان قیدیوں سے ان کا مبادلہ کر لے۔ حضرت ابن عمرؓ اور اکثر صحابہ کا یہی قول ہے۔ حسن، عطاء، ثوری، شافعی، احمد بن حنبل اسحاق اور اکثر علماء کا مختار قول یہی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ اور ان کی حکومت مضبوط ہو گئی تو اللہ نے آیت فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً نازل فرمادی۔ زیادہ صحیح قول یہی ہے امام کو اختیار حاصل ہونے کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس پر عمل کیا اور آپ کے بعد خلفاء نے بھی۔

میں کہتا ہوں اس صورت میں آیت مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ منسوخ قرار دی جائے گی اور آیت فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً ناسخ مان لی جائے گی کیوں کہ اول الذکر آیت غزوۂ بدر ۲ھ میں نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر 6ھ میں کچھ قیدیوں کو بلا معاوضہ ادا کر دیا تھا حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ اسی مسلح شخص کوہ تنعیم سے اتر کر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ پر اچانک حملہ کر دینا چاہتے تھے جب نیچے اتر کر آگئے تو حضور ﷺ نے ان کو پکڑوالیا یعنی بغیر لڑائی کے وہ گرفتار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو زندہ چھوڑ دیا۔ دوسری روایت میں آیا ہے ان کو آزاد کر دیا اسی سلسلہ میں اللہ نے آیت وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ نازل فرمائی۔ رواہ مسلم۔

قیدیوں کے مسائل کے متعلق علماء کا اختلاف اور اس سلسلہ کی حدیث کا ذکر ہم نے سورہ انفال کی آیت مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ کی تفسیر کے ذیل میں کر دیا ہے۔

حتی تضع الحرب حرب سے مراد ہیں اہل حرب، لڑنے والے۔

اوزارھا اپنے بوجھ یعنی اسلحہ، مراد یہ ہے کہ لڑائی ختم ہو جائے اور سوائے مسلم کے یا صلح کرنے والوں کے اور کوئی باقی نہ رہے بعض نے کہا اوزار سے مراد ہیں گناہ یعنی جنگی مشرک اپنے گناہوں کا بار اپنے اوپر سے اتار دیں مطلب یہ کہ کفر سے توبہ کر لیں مسلمان ہو جائیں۔ بعض اہل علم نے کہا (حرب سے مراد ہے تمہاری حرب اور اوزار سے مراد ہیں مشرکوں کے گناہ اور اعمال بد) مطلب یہ ہے کہ تمہاری لڑائی اور تمہارا جہاد مشرکوں کے گناہوں اور بد کرداریوں کا بار اتار دیں، وہ مسلمان ہو جائیں یعنی مشرکوں کو خوب قتل اور قید کرو تا کہ تمام ملتوں والے ملت اسلام میں داخل ہو جائیں۔

اللہ نے ضرب یا قید یا بلا معاوضہ رہائی اور معاوضہ لے کر آزادی یا ان تمام احکام کے مجموعہ کا نتیجہ انقطاع جنگ کو قرار دیا یعنی یہ احکام اس لئے جاری کئے گئے کہ لڑائی کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے اور مشرکوں کا زور ٹوٹ جائے تو جنگ ہی کا خاتمہ ہو جائے اور ایسا حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے وقت ہو جائے گا حضرت عمران بن حصین راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر جنگ کرتا رہے گا اپنے مقابلوں پر غالب رہے گا یہاں تک کہ ان کا آخری شخص دجال مسیح سے جنگ کرے گا۔ رواہ ابوداؤد و بغوی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے جب سے اللہ نے مجھے بھیجا ہے جہاد جاری ہے یہاں تک کہ میری امت کا آخری شخص دجال سے لڑے گا۔

ذَٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِنْ لِيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝

یہ (حکم جو مذکور ہوا) بجالانا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے انتقام لیتا لیکن تم میں سے بعض کی بعض کے ذریعے سے جانچ کرنے کے لئے اس نے یہ حکم دیا ہے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا ان کو منزل مقصود تک پہنچائے گا اور ان کی حالت

درست رکھے گا۔
ذٰلِکَ مبتداء محذوف ہے یعنی ان کے متعلق حکم یہی ہے۔ یا فعل محذوف ہے یعنی مشرکوں کے ساتھ ایسا ہی کرو۔
وَلَوْ یَشَاءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ یعنی اگر اللہ چاہتا تو کافروں سے انتقام لے لیتا تمہارے جہاد کے بغیر ان کو ہلاک کر دیتا۔
وَلٰكِنْ لیکن اس نے تم کو جنگ اور قتال کرنے کا حکم دیا۔
لِیَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ تاکہ کافروں سے جنگ کرا کے مومنوں کی جانچ کر لے اور جہاد کر کے وہ ثواب کے مستحق ہو جائیں اور مومنوں سے جنگ کرا کے کافروں کی جانچ کر لے اور مسلمانوں کے ہاتھوں کافروں کو سزا دے دے تاکہ کچھ لوگ کفر سے باز آجائیں اور بعض لوگ کفر پر قائم رہ کر دوزخ کے مستحق قرار پائیں۔
حاصل یہ ہے کہ اللہ اگرچہ کافروں کو بیخ بن سے اکھاڑ پھینکنے کی قدرت رکھتا ہے لیکن اس نے جو جہاد کا حکم دیا ہے یہ حکم بر حکمت اور مبنی بر مصلحت ہے اور مصلحت یہ ہے کہ مومنوں اور کافروں کی جانچ ہو جائے۔
وَالَّذِیْنَ قُتِلُوْا یعنی مجاہدین جو راہ خدا میں مارے جائیں۔
فَلَنْ یُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ یعنی گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ان کے اچھے اعمال کو اللہ ضائع نہیں کر دے گا بلکہ گناہوں کو ساقط کر دے گا اور نیکیوں کا ثواب دے گا۔

اصفہانی نے ترغیب میں اور بزار و بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شہید تین ہیں۔ ایک شخص وہ ہے جو اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال کے ساتھ بامید ثواب لڑنے کے لئے اور مسلمانوں کے گروہ کی تعداد بڑھانے کے لئے نکلتا ہے اور چاہتا ہے کہ راہ خدا میں مارا جائے، یہ شخص اگر مر جائے گا یا مارا جائے گا تو اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھا جائے گا اور (قیامت کے دن) بڑی گھبراہٹ سے مامون رہے گا بڑی آنکھوں والی حوروں سے اس کا جوڑا لگایا جائے گا عزت کا لباس اس کو پہنایا جائیگا اور اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے گا۔ دوسرا وہ شخص (شہید) ہے جو بامید ثواب اپنی جان و مال کے ساتھ (راہ خدا میں) نکلتا ہے اور قتل کرنا چاہتا ہے لیکن مارا جانا نہیں چاہتا یہ شخص اگر مر جائے گا یا مارا جائے گا تو وہ ابراہیم خلیل اللہ کے ساتھ اللہ کے سامنے اپنے باقتدار بادشاہ کی مجلس صدق میں ہو گا۔ تیسرا وہ شخص ہے جو اپنی جان و مال کے ساتھ بامید ثواب نکلا وہ چاہتا ہے کہ (دشمنوں کو) قتل کرے اور خود بھی مارا جائے یہ شخص اگر مر جائے گا یہ مارا جائے گا تو قیامت کے دن تلوار سونتے ہوئے کندھے پر رکھے ہوئے آئیگا سب لوگ دوزانو بیٹھے ہوں گے اور یہ شدا کہیں گے ہم نے راہ خدا میں اپنے خون اور مال خرچ کئے ہیں ہمارے لئے جگہ کشادہ چھوڑ دو چنانچہ یہ سب عرش نیچے پہنچ کر نور کے ممبروں پر بیٹھ جائیں گے اور لوگوں کے فیصلہ ہوتے ہوئے دیکھیں گے نہ ان کے مرنے کا غم ہو گا نہ برزخی فتنہ میں مبتلا ہوں گے نہ (صور اسرافیل سے) ان کو گھبراہٹ ہو گی نہ حساب اور پل صراط کی فکر ہو گی جو کچھ مانگیں گے ان کو دیا جائے گا جس معاملہ میں سفارش کریں گے ان کی سفارش مانی جائے گی جنت کا جو حصہ پسند کریں گے ان کو دیا جائے گا جنت میں جہاں چاہیں گے رہیں گے۔ واللہ اعلم۔
ابن ابی حاتم نے لکھا ہے کہ قتادہ نے کہا ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ آیت اَلَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُحد کے دن نازل ہوئی مسلمانوں میں زخمی اور شہداء پھیلے ہوئے تھے اور مشرکوں نے پکار کر کہا اعل ہبل (ہبل سر بلند یا ہبل کی جے) اس کے جواب میں مسلمانوں نے نعرہ بلند کیا اَللّٰهُ اعلی واجل سب سے اونچا اور سب سے زیادہ بزرگی والا ہے) مشرکوں نے کہا ان لنا العزی ولا عزیٰ لکم (عزیٰ دیوی ہماری ہے تمہاری کوئی عزیٰ نہیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کہو اللّٰه مولینا ولا مولی لکم (اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی کارساز نہیں)
سَیَهْدِیْهِمْ یعنی اللہ دنیا میں ان کو ہدایت کے راستہ پر چلائے گا اور آخرت میں اونچے درجات کی رہنمائی کرے گا۔
وَیُصْلِحُ بَالَهُمْ یعنی دونوں جہان میں ان کے حالات کو درست رکھے گا۔ دنیا میں تو ان کے حالات کی درستی یہ ہو گی کہ

جو مجاہد شہید نہیں ہوئے ان کو بھی شہداء کی فہرست میں شامل کر دیا جائے گا اور شہداء کا ثواب ان کو عطا کیا جائے گا کیوں کہ وہ بھی لڑنے اور شہید ہونے کے لئے گھروں سے نکلے تھے اور آخرت میں ان کی اصلاح احوال یہ ہوگی کہ جو شہید ہوئے یا شہید نہ ہو سکے سب کے گناہ اللہ معاف کر دے گا اور نیکیاں قبول فرمائے گا اور جن لوگوں کے حقوق ان کے ذمے ہوں گے اللہ (ثواب اور بدلہ دے کر) ان کو راضی کر دے گا۔

ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت سہل بن سعد کی روایت سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں نیز بزار نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین (قسم کے) آدمیوں کی طرف سے قیامت کے دن اللہ (ان کا قرضہ) ادا کرے گا۔ وہ شخص جس کو اندیشہ ہو کہ دشمن مسلمانوں کے ممالک محروسہ پر حملہ کر دے گا اور اس کے پاس قوت نہ ہو اس لئے قرض لے کر ہتھیار خرید کر قوت حاصل کر لے اور قرض ادا کرنے سے پہلے مر جائے تو اللہ اس کی طرف سے اس کا قرض ادا کر دے گا۔ دوسرا وہ شخص جس کا مسلمان بھائی مر جائے اور اس کے پاس کفن دینے کو نہ ہو اس لئے قرض لے کر کفن خرید لے اور ادائے قرض کی قدرت حاصل نہ ہو پائے اور اسی حالت میں مر جائے اس کا قرض بھی اللہ ادا کر دے گا۔ تیسرا وہ شخص جس کو (نفسانی خواہش سے مغلوب ہو کر) ارتکاب زنا کا اندیشہ ہو اس لئے (کچھ قرض لے کر) کسی عورت سے نکاح کر لے اور اس طرح پاک دامن رہے اور ادائیگی قرض (پر قدرت حاصل ہونے) سے پہلے مر جائے تو اس کا قرض بھی اللہ ادا کر دے گا۔

طبرانی نے الاوسط میں اچھی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن جب مخلوق جمع ہو گی اور جنتیوں کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں داخل (کرنے کا فیصلہ) ہو چکے گا تو ایک منادی پکارے گا اے اہل جماعت آپس کے حقوق سے دست بردار ہو جاؤ اس کا ثواب (تمہارے لئے) اللہ کے ذمہ ہے۔

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝ اور ان کو جنت میں داخل کر دے گا جس کو ان کو پہچان کرا دے گا۔

یعنی جنت کے اندر ان کو ان کے مکان جتا دے گا کہ بغیر کسی راہ نما کے سیدھے وہ اپنے مکانوں میں پہنچ جائیں گے ایسا معلوم ہو گا کہ روز پیدائش سے وہ ان مکانوں میں رہتے چلے آئے ہیں۔ جس طرح لوگ دنیا میں اپنے مکانوں اور بیبیوں کے خادموں اور گھر والوں تک براہ راست بغیر کسی کی راہ نمائی کے پہنچ جاتے ہیں اس سے بھی زیادہ شناخت جنتیوں کو جنت کے اندر اپنے مکان اور درجہ کی ہوگی۔ اور وہ براہ راست اپنے مکانوں اور گھر والوں تک پہنچ جائیں گے۔ اکثر اہل تفسیر نے آیت کی یہی تشریح کی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے قسم ہے اس کی جس نے مجھے دین حق دے کر بھیجا ہے تم لوگ دنیا میں اپنی بیبیوں اور اپنے گھروں کو اس سے زیادہ شناخت نہیں کرتے جتنی شناخت اہل جنت اپنی بیبیوں اور اپنے گھروں کی رکھتے ہوں گے۔ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں اس کو بیان کیا ہے بیہقی نے البعث میں اور طبرانی نیز ابو یعلی وغیرہ نے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝

اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے (دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لئے تباہی ہے اور اللہ ان کے اعمال کو کالعدم کر دے گا یہ اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ کے اتارے ہوئے احکام کو ناپسند کیا سو اللہ نے ان کے اعمال کو اکارت کر دیا۔

إِن تَنصُرُوا اللَّهَ یعنی اگر تم اللہ کے دین اور اس کے رسول کی مدد کرو گے۔

يَنصُرْكُمْ تو اللہ تم کو تمہارے دشمن پر فتح یاب کرے گا۔

وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ یعنی کافروں سے جہاد کرنے اور حقوق اسلام ادا کرنے میں تم کو ثابت قدم رکھے گا۔

فَتَعْسًا لَّهُمْ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یعنی ان کے لئے (اللہ کی رحمت سے) دوری ہے ابو العالیہ نے تعسا کا ترجمہ کیا

سقوط یعنی مغلوبیت گرلوٹ۔ ضحاک نے کہا ناکامی۔ ابن زید نے کہا پراگندگی (یعنی شکست) فراء نے کہا تعسا مصدر ہے اور یہ جملہ دعائیہ ہے بعض علماء نے کہا اس کا معنی ہے دنیا میں ٹھوکر کھانا اور آخرت میں دوزخ میں گرنا۔ اگر کوئی شخص ٹھوکر کھا کر گرے اور لوگ اس کو اٹھانا نہ چاہیں تو کہتے ہیں تعسا۔ قاموس میں ہے تعس (کا معنی ہے) ہلاکت ٹھوکر کھانا۔ گر پڑنا۔ شر۔ دوری۔ انحطاط۔

وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ اور اللہ نے ان کے اعمال کالعدم کردیے کیونکہ وہ شیطان کی اطاعت کے زیر اثر تھے۔

ذلک یہ ہلاکت اور تباہی مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ یعنی قرآن کو انہوں نے پسند نہیں کیا تھا کیونکہ قرآن کے اندر جو توحید کی تعلیم اور ان کی مرغوبات و نفسانی خواہشات کے مخالف اوامر و نواہی ہیں وہ ان کو ناپسند ہیں۔

فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ اس کو دوبارہ ذکر کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حبط عمل کفر کے لئے لازم ہے۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ٘ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ اَمْثَالُهَا ۱۰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ الْكٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۱۱ ع ۵

کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے والے (کافروں) کا انجام کیسا ہوا اللہ نے ان پر کیسی تباہی ڈالی اور ان کافروں کے لئے بھی اسی طرح کے معاملات ہونے کو ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ مسلمانوں کا کارساز ہے اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا یعنی اہل مکہ کیا ملک میں چلے پھرے نہیں۔ استفہام انکاری اور اس کا عطف ایک محذوف جملہ پر ہے۔ پورا کلام اس طرح تھا کیا یہ (گھروں) سے باہر نہیں گئے اور ملک میں چلے پھرے نہیں۔

اَلَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی گزشتہ پیغمبروں کی کافر امتیں۔

دَمَّرَ اللّٰهُ اللہ نے ان کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا۔

عَلَیْهِمْ یعنی ان کو اور ان کے اہل و عیال و مال کو۔

وَلِلْكٰفِرِیْنَ یعنی مکہ کے کافروں کے لئے۔

اَمْثَالُهَا اس سابق انجام سے یا اس عذاب سے یا اس ہلاکت سے چند گونہ بدانجامی یا عذاب یا ہلاکت ہونے والی ہے۔

ذٰلِكَ یہ یعنی مومنوں کی مدد اور کافروں پر قہر۔

بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی اللہ مومنین کا کارساز ہے، مددگار ہے، ان کی مدد کرے گا، ان کو توفیق دے گا ان کے کاموں کو درست کردے گا شیطانی خطرات کو ان سے دفع کردے گا دوسری آیت میں فرمایا ہے اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (تیرا تسلط میرے بندوں پر نہ ہوگا)

وَاَنَّ الْكٰفِرِیْنَ یعنی جن لوگوں کے لئے کفر اور شیطان کا تسلط مقرر کردیا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُؕ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَ یَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَ النَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۱۲

بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے (درختوں اور محلوں کے) نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ کافر ہیں وہ (دنیا میں عیش کر رہے ہیں) اور جانوروں کی طرح کھا رہے ہیں اور (آخرت میں) دوزخ ان کا ٹھکانہ ہوگا۔

یَتَمَتَّعُوْنَ یعنی کچھ دنوں دنیا کے مزے اڑاتے ہیں۔

كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ یعنی جانوروں کی طرح کھانے کی حرص کرتے ہیں منعم سے غافل ہیں اس کا شکر نہیں کرتے اور انجام بد سے نہیں ڈرتے۔

مَثْوًى فرودگاہ، جائے قیام (ٹھکانہ)

وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ ۚ أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾

اور بہت سی بستیاں ایسی تھیں جو قوت میں آپ کی اس بستی سے جس کے رہنے والوں نے آپ کو (وطن سے) نکال باہر کیا بڑھی ہوئی تھیں ہم نے ان کو تباہ کر دیا سو کوئی ان کا مددگار نہ ہوا۔

وکاین اور بہت سی۔

من قریۃ قریۃ سے مراد ہیں اہل قریہ۔ مضاف کو حذف کر دیا گیا اور مضاف الیہ پر مضاف کے احکام جاری کر دیئے گئے۔

اَلَّتِیْ اَخْرَجَتْکَ یعنی جس بستی کے رہنے والوں نے آپ کو وطن سے نکال دیا۔ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو طرح طرح کی اذیتیں دیں جن سے مجبور ہو کر آپ ﷺ کو ہجرت کرنی پڑی ترک وطن کے باعث اہل مکہ ہوئے اس لئے نکال دینے کی نسبت ان کی طرف کر دی گئی۔

ابویعلیٰ کی روایت ہے اور بغوی نے اس کو ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے نکل کر غار ثور کی طرف جانے لگے تو مکہ کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ اللہ کے تمام شہروں میں تو اللہ کو زیادہ پیارا ہے اور مجھے بھی سب سے بڑھ کر محبوب ہے۔ اگر مشرک مجھے یہاں سے نہ نکالتے (یعنی نکلنے پر مجبور نہ کر دیتے) تو میں نہ نکلتا اس پر آیت نازل ہوئی۔

فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ پس ان کا کوئی مددگار نہیں ہوا۔ گزشتہ واقعہ کا بیان ہے۔

أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ كَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُم ﴿۱۴﴾

تو جو لوگ اپنے رب کے واضح راستہ پر ہوں کیا وہ ان شخصوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کو اپنی بد اعمالی خوب صورت معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں۔

افمن کان استفہام انکاری ہے یعنی دونوں فریق ایک جیسے نہیں ہو سکتے مومن کا کارساز اللہ ہے اور کافر کا کوئی کارساز نہیں مومن کا یقین (یعنی ایمان) دلیل یعنی قرآن پر مبنی ہے جو اس کے رب کی طرف سے آیا ہے بینہ سے ہر دلیل بھی مراد ہو سکتی ہے خواہ وہ عقلی ہو یا نقلی اور کافر کی نظر کے سامنے شرک اور بد اعمالی خوبصورت شکل میں شیطان لے آتا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہشات پر چلتا اور بتوں کی پوجا کرتا ہے یہ دونوں فریق برابر نہیں ہو سکتے۔ اول فریق کو دوسرے فریق پر بلاشبہ عقلاً برتری حاصل ہے۔

مَّثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۖ

جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے

اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں جس میں کبھی بگاڑ نہ ہوگا اور بہت سی نہریں ایسے دودھ کی ہیں جس کا مزہ ذرا بھی بدلا ہوا نہ ہوگا اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کے لئے سراسر لذت ہی ہوں گی اور بہت سی نہریں نہایت صاف شہد کی ہیں۔

مثل الجنۃ یعنی جنت کی عجیب کیفیت۔ یہ جملہ مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے پورا کلام اس طرح ہے جنت موعود کی عجیب کیفیت تمہارے سامنے بیان کی جائے گی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگلی آیت کَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ اس کی خبر ہے پورا کلام اس طرح ہوگا کیا جنت والوں کی حالت ان لوگوں کی حالت کی طرح ہوگی۔ جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے حرف استفہام کو غیر ضروری قرار دے کر بالکل حذف کر دیا گیا۔ اس صورت میں یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جو لوگ رب کے کھلے ہوئے راستہ پر چلنے والوں کو پرستاران ہوا و ہوس کی طرح قرار دیتے ہیں وہ گویا جنت اور دوزخ کو برابر سمجھتے ہیں۔ آسن اور اسن وہ چیز جس کا نہ مزہ خراب ہو نہ بو۔ دنیا کا پانی اگر کچھ مدت ٹھہرا رہے تو اس کا مزہ بھی خراب ہو جاتا ہے۔ اور بدبودار بھی ہو جاتا ہے مگر جنت کی نہروں

کا پانی ایسا نہیں ہو گا اسی طرح دنیا میں جو معمولاً دودھ ہوتا ہے اس کا مختلف اسباب کے زیر اثر مزہ خراب ہو جاتا ہے ترشی پیدا ہو جاتی ہے مگر جنت کی نہروں کا دودھ ہر بگاڑ سے پاک ہو گا۔

لذة صفت مشبہ کا صیغہ ہے یعنی لذیذ۔ اس کا مذکر لذ آتا ہے یا مصدر ہے اور مضاف محذوف ہے یعنی لذت والی۔ یا بطور مبالغہ لذیذ کو لذت فرمادیا یعنی سراسر لذت ہی لذت۔ نہ اس کی بو ناگوار ہو جیسی دنیوی شراب کی ہوتی ہے نہ نشہ اور خمار ہو گا (نہ دردسر نہ پینے کے بعد بکواس۔ مترجم)

عسل مصفی نہایت صاف شہد جس کے اندر نہ موم کی آمیزش ہو گی۔ نہ مکھیوں کے فضلہ کی۔

حضرت معاویہ بن حیدہ نے بیان کیا میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے، جنت کے اندر پانی کا دریا ہے اور شہد کا دریا ہے اور دودھ کا دریا ہے اور شراب کا دریا ہے پھر ہر ایک سے نہریں نکالی گئی ہیں۔ رواہ البیہقی والترمذی۔ ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کی نہریں مشک کے پہاڑ سے پھوٹ کر نکلتی ہیں۔ رواہ ابن حبان والحاکم والبیہقی والطبرانی وابن ابی حاتم۔

مسروق کا بیان ہے کہ جنت کی نہریں بغیر گڑھے (کے ہموار سطح پر) بہتی ہیں۔ رواہ ابن المبارک و البیہقی

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شاید تم خیال کرتے ہو کہ جنت کی نہریں زمین کے گڑھے (میں بہتی) ہوں گی۔ نہیں خدا کی قسم۔ وہ روئے زمین پر رواں ہوں گی اس کے دونوں کنارے موتیوں کے خیمے ہوں گے اور اس کی مٹی خالص مشک کی ہو گی۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سیحون اور جیحون اور فرات اور نیل سب جنت کی نہروں سے ہیں۔ رواہ مسلم۔ حضرت عمروؓ بن عوف راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار (دریا) جنت کی نہریں (دریا) ہیں نیل، فرات، سیحون اور جیحون اور چار پہاڑ جنت کے پہاڑ ہیں احد، طور، لبنان، اور ورقان کعب احبار نے کہا جنت کے اندر دریائے نیل شہد کا دریا ہے اور دریا دجلہ دودھ کا دریا ہے اور دریائے فرات شراب کا دریا اور دریائے سیحون پانی کا دریا ہے (یعنی جنت کے اندر جن دریاؤں کے یہ دنیوی نام ہیں ان کی حقیقت شہد دودھ شراب اور پانی ہے) رواہ البیہقی۔

بغوی نے کعب احبار کا قول اس طرح بیان کیا ہے دریا دجلہ (جو جنت میں ہے) جنتیوں کے پانی کا دریا ہے اور فرات نام کا دریا ہے ان کے دودھ کا دریا ہے اور مصر کا دریا (یعنی نیل مراد جنتی نیل) جنتیوں کی شراب کا دریا ہے اور دریا سیحون ان کے شہد کا دریا ہے اور یہ چاروں جنتی دریا دریاء کوثر سے نکلتے ہیں۔

وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے بخشش ہو گی۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا دنیا میں کوئی پھل ایسا نہیں جو جنت میں نہ ہو میٹھا ہو یا کڑوا یہاں تک کہ حنظل بھی۔ رواہ ابن ابی حاتم وابن المنذر فی تفسیر یہما۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ جنت میں جو پھل ہیں دنیا میں ان کے صرف نام ہیں۔ (جنت کے پھل حقیقت، لذت ، کیفیت دنیا کے پھلوں میں نہیں ہے) رواہ ابن جریر وابن ابی حاتم وسمد فی مسندہ وھنا (فی الزہد) والبیہقی۔

حضرت ثوبان کا بیان ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جنتی آدمی جوں ہی جنت کا کوئی پھل (درخت) توڑے گا فوراً اس کی جگہ ویسا ہی دوسرا پھل لگ جائے گا۔

ومغفرة من ربھم اور ان کے لئے ان کے رب کی طرف سے معافی ہو جائے گی یعنی ان کا رب کبھی ان سے ناراض نہیں ہو گا۔ دنیوی آقاؤں کی طرح معاملہ نہ ہو گا کبھی وہ اپنے غلام سے راضی ہوتے ہیں کبھی ناراض۔

كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ⑮ کیا ایسے لوگ ان

جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی ان کو پلایا جائے گا سو وہ ان کی انتڑیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔
كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ یہ جملہ مبتدا محذوف کی خبر ہے پورا کلام اس طرح تھا کیا وہ شخص جو اس جنت میں ہمیشہ رہے گا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔
كَمَنْ هُوَ میں لفظ کے لحاظ سے مَن مفرد ہے اس لئے ھو ضمیر مفرد راجع کر دی گئی لیکن معنی کے اعتبار سے من جمع ہے اس لئے سقوا کی ضمیر جمع لوٹائی گئی۔
فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ یعنی کھولتے پانی کی انتہائی حرارت کی وجہ سے انتڑیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دبر سے نکل جائیں گی۔
ابن المنذر نے بحوالہ ابن جریج بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مومن اور منافق سب ہی جمع ہوتے تھے۔ حضور ﷺ جو کچھ فرماتے تو ان کو کان لگا کر سنتے اور یاد رکھتے تھے اور منافق سنتے تھے مگر یاد نہیں رکھتے تھے (دل میں جگہ نہیں دیتے تھے) پھر جب حضور ﷺ کے پاس سے منافق نکل کر آتے تو مومنوں سے پوچھتے رسول اللہ ﷺ نے ابھی کیا فرمایا تھا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۚ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ﴿١٦﴾

اور ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو آپ ﷺ کی بات کی طرف کان لگاتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم سے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ابھی کیا فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے چھاپ لگا دی ہے اور یہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں۔
وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ یہ لوگ منافق تھے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو سنتے تو تھے لیکن لاپرواہی اور تغافل برتتے تھے اسی لئے نہ یاد رکھتے تھے نہ سمجھتے تھے یا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے خیال میں اس کلام کو حق جانتے ہی نہ تھے۔
مَاذَا قَالَ یعنی محمد ﷺ نے کیا کہا۔
آنِفًا ابھی انف الشیء کسی چیز کا اگلا حصہ۔ اسی لئے ناک کو انف کہا جاتا ہے اور اسی سے (مشتق) استانف اور ائتنف منافقوں کا یہ کلام یا واقعی حصول علم کے لئے ہوتا تھا یا بطور استہزاء۔

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ﴿١٧﴾　　اور جو لوگ راہ پر ہیں اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور ان کو ان کے تقویٰ کی توفیق دیتا ہے۔

زادھم ھدی یعنی اللہ اپنے رسول کے ہر کلام کی وجہ سے ان کے اندر علم بصیرت اور شرح صدر بڑھاتا ہے۔
واتھم تقوھم یعنی حکم کے موافق عمل کرنے کی ان کو توفیق عطا کرتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ دوزخ سے محفوظ رہنے کے طریقے ان پر واضح کر دیتا ہے سعید بن جبیر نے یہ مطلب بیان کیا کہ اللہ ان کو ان کی پرہیزگاری کا ثواب عنایت فرمائے گا۔

فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۖ فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۚ فَأَنَّىٰ لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ ذِكْرَاهُمْ ﴿١٨﴾

سو یہ لوگ بس قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ ان پر دفعتہً آپڑے سو اس کی علامتیں تو آچکی ہیں تو جب قیامت ان کے سامنے آکھڑی ہوگی اس وقت ان کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا۔
فَهَلْ يَنْظُرُونَ یعنی مکہ کے کافر انتظار کر رہے ہیں مگر اس بات کا کہ قیامت کی گھڑی ان پر ناگہاں آجائے سوال انکاری ہے یعنی قیامت لامحالہ اچانک آئے گی اور یہ لوگ کیا اسی گھڑی کے منتظر ہیں۔ خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جو توبہ نہیں کرتے اور اطاعت کی طرف تیزی سے نہیں بڑھتے تو معلوم ہوتا ہے توبہ کے لئے یہ ساعت قیامت آنے کے منتظر ہیں لیکن اس وقت تو توبہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور اطاعت کرنے کی استطاعت ہی نہ ہوگی۔
حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کچھ لوگ (توبہ کرنے کے لئے) بس انتظار کرتے

رہتے ہیں ایسے دولت مند ہو جانے کا جو سرکش بنادے یا ایسی ناداری کا جو تمام فرائض کو فراموش کرادے یا ایسی بیماری کا (جو ساری صحت کو) تباہ کردے یا ایسے بوڑھاپے کا جو خبطی بنادے یا ایسی موت کا جو (ہر ایک کے لئے) تیار کردی گئی ہے یا دجال کے سامنے آجانے کا اور دجال ایک ایسی شر ہے جو غائب ہے اور جب تک وہ غائب رہے بہتر ہی ہے یا قیامت کا اور قیامت بہت سخت مصیبت اور بڑی تلخ حقیقت ہے۔

فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا یعنی قیامت کی نشانیاں اور علامات آچکی ہیں۔ چاند پھٹ چکا اللہ نے فرمایا ہے۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔ دوسرا دھواں۔ تیسرا رسول اللہ ﷺ کی مبارک بعثت ہو گئی۔ مسلم اور ابن ماجہ نے حضرت سہل کی بن سعد کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے درمیانی انگلی اور اس کے برابر کی انگلی کو جو انگوٹھے سے متصل ہے جوڑ کر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا میں قیامت کے ساتھ ان دونوں (انگلیوں) کی طرح متصل بھیجا گیا ہوں۔ احمد، ابن ماجہ اور ترمذی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بھی اسی طرح حدیث نقل کی ہے حضرت انسؓ نے فرمایا میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کرتا ہوں جو میرے سوا کوئی اور تم سے نہیں بیان کرے گا۔ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے قیامت کی علامات یہ ہیں کہ علم اٹھالیا جائے گا جہالت کی کثرت ہو جائے گی زنا بڑھ جائے گی، شراب خواری کثیر ہو جائے گی، مرد کم ہو جائیں گے، عورتیں اتنی زیادہ ہو جائیں گی کہ پچاس پچاس عورتوں کا ایک سر دھرا ہو گا دوسری روایت میں آیا ہے علم کم ہو جائے گا اور جہالت کا غلبہ ہو جائے گا (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ نے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دوران گفتگو میں ایک بدوی آیا اور عرض کیا قیامت کب ہو گی حضور ﷺ نے فرمایا جب امانت ضائع کردی جائے تو اس وقت قیامت کا انتظار رکھ۔ اس نے عرض امانت کے ضائع کرنے کا کیا مطلب ہے فرمایا جب معاملات (حکومت) ایسے لوگوں کے سپرد کردیے جائیں جو اہل نہیں ہیں تو قیامت ہونے کا منتظر رہ۔ بخاری۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مال فے کو دولت اور امانت کو مال غنیمت اور زکوٰۃ کو تاوان قرار دے دیا جائے اور تحصیل علم کی غرض دین کے علاوہ (کچھ اور) ہو اور مرد اپنی بی بی کے کہے پر چلے اور ماں کی نافرمانی کرے، دوست کو اپنا مقرب بنالے اور باپ کو دور کردے اور مسجدوں میں آوازیں اٹھنے لگیں (یعنی جھگڑے ہونے لگیں) اور فاسق قوم کے سردار ہو جائیں اور قوم کا کرتا دھرتا وہ ہو جو سب سے زیادہ رذیل ہو اور آدمی کی عزت اور غرض سے کی جائے کہ دوسرے لوگ اس کے شر محفوظ رہیں اور گانے والی عورتیں اور باجے کثیر ہو جائیں اور شرابیں (بکثرت پی جائیں اور اس امت کے پچھلے لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کرنے لگیں تو ایسے وقت انتظار کرو سرخ آندھیوں کا، زلزلوں کا، زمین کے اندر بستیوں کے (دھنس جانے کا، صورتیں مسخ ہو جانے کا اور پتھر برسنے کا، بہ کثرت پے در پے نشانیوں کا جو اس طرح آئیں گی جسے کسی ہار کا دھاگا کاٹ دیا جائے (اور اس کے دانے بکھر جائیں) رواہ الترمذی۔

حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میری امت پندرہ کام کرنے لگے گی تو ان پر مصیبت کا نزول ہو گا۔ حضور ﷺ نے ان کی گنتی بتائی اور فرمایا دین کے علاوہ کسی اور غرض سے علم حاصل کیا جائے اور دوست سے حسن سلوک کیا جائے گا اور باپ پر ظلم کیا جائے گا اور شراب پی جائے گی اور ریشمی لباس پہنا جائے گا۔ (ترمذی)

فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا گویا قیامت کے اچانک آجانے کی علت ہے۔

فَأَنَّىٰ لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ ذِكْرَاهُمْ یعنی جب قیامت اچانک آجائے گی تو اس وقت نصیحت پذیری کا موقع ان کے لئے کہاں ہو گا اس وقت تو نصیحت پذیری بے سود ہو گی۔

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ تو آپ یقین رکھیے کہ بجز اللہ کے اور کوئی قابل عبادت نہیں ہے۔

فاعلم میں ف سببیہ ہے یعنی جب آپ کو مومنوں کا خوش نصیب ہونا اور کافروں کا بد نصیب ہونا معلوم ہو گیا تو آپ کو

اے محمد ﷺ آپ کو اللہ کی وحدانیت اور نفس کے اصلاح احوال واعمال کا جو علم حاصل ہو گیا ہے اس پر جمے رہئے قیامت کے دن یہی علم آپ کے لئے مفید ہوگا۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ اور اللہ سے اپنے گناہ کے معافی کی درخواست کیجئے۔ رسول اللہ ﷺ اگرچہ ہر گناہ سے معصوم تھے کسی گناہ کا ارتکاب آپ سے ممکن ہی نہ تھا لیکن بندہ کی عبادت اللہ کی عظمت کے مقابلے میں بہر حال قاصر ہے (عبادت کا حق کون ادا کر سکتا ہے) اسی لئے حکم دیا کہ اپنے کو حق عبادت ادا کرنے سے قاصر سمجھتے ہوئے استغفار کیجئے اور آپ کی امت کو بھی آپ کی پیروی کرنی چاہئے۔ ے رسول اللہ ﷺ نے خود بھی اس حکم کی تکمیل کی اور فرمایا میرے دل پر (بعض اوقات) کچھ زنگ آجاتا ہے اور روزانہ سو مرتبہ میں اللہ سے معافی کا طلب گار ہوتا ہوں۔ رواہ مسلم واحمد وابوداؤد والنسائی من حدیث الاغر المازنی۔

میں کہتا ہوں دل پر زنگ (میل) آنے سے شاید وہ کیفیت مراد ہے جو امکان تاریکیوں کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے اور پھر صوفی اپنے تمام (وجود اور اس کے تابع) کمالات کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتا ہے (اور اس طرح امکان کی تاریکی مغلوب ہو کر دل سے دور ہو جاتی ہے۔

مجدد الف ثانی نے ایک بار فرمایا جو شخص اپنے نفس کو فرنگی کافر سے بھی برا نہیں جانتا اللہ کی معرفت اس کے لئے حرام ہے سوال کیا گیا یہ کیسے ممکن ہے صوفی تو اپنے آپ کو کم سے کم پکا سچا مومن جانتا اور کافر کو لا محالہ کافر سمجھتا ہے اور کفر پر ایمان کی فضیلت دین کی ضروریات میں سے ہے۔ حضرت مجدد نے جواب دیا ہر ممکن موجود ہے ظلمت امکان سے کوئی ممکن خالی نہیں۔ وجود اور اس کے تابع کمالات کا نور تو بارہ گاہ منان سے بطور مستعار ملا ہوا ہے وجود اور دوسرے وجدی کمالات کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب صوفی جر کرتا ہے وہ آیت اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا کے حکم کی تعمیل میں کرتا ہے صوفی جانتا ہے کو جو وجود مستفاد من الرحمٰن ہے اس کا پہلو غالب ہے اور وہ اس کا نفس (ممکن بالذات ہونے کی وجہ سے) ہر ماسوا سے زیادہ برا ہے چوں کہ حیثیت اور لحاظ کا اختلاف ہے اور علم و اور اک کے درجات کا تفاوت ہے اس لئے اپنے نفس کو فرنگی کافر سے بھی بدتر جاننا فضیلت ایمان علی الکفر کے عقیدہ سے نہیں ٹکراتا ہاں جو لوگ غافل ہیں وہ اپنے وجود کمالات کو اپنے نفس کی جانب منسوب کرتے ہیں اور پکارتے ہیں انا خیر منہ (میں کافر سے بہتر ہوں) خیر ہونے کا یہ قول صحیح ہے لیکن انانیت حرام ہے اپنے نفس کی طرف بہتر ہونے کی نسبت ایمان و توحید کے خلاف ہے۔ مترجم)

وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ اور (معافی طلب کیجئے) مومن مردوں اور مومن عورتوں کے (گناہوں کے لئے) بھی۔ یعنی ان کے لئے دعا مغفرت کیجئے اور ان کو ایسے عمل پر آمادہ کیجئے جو باعث مغفرت ہے۔

حضرت ابو بکرؓ صدیق کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لا الہ الا اللہ اور استغفار کی کثرت لوگوں پر لازم ہے کیوں کہ ابلیس کا مقولہ ہے، میں نے گناہوں کا ارتکاب کرا کے لوگوں کو تباہ کر دیا لیکن انہوں نے لا الہ الا اللہ اور استغفار کی کثرت سے مجھے تباہ کر دیا جب میں نے یہ دیکھا تو (ان کے دلوں میں) نفسانی خواہشات (پیدا کر کے اس ذریعہ) سے انکو ہلاک کر دیا اور وہ اپنے آپ کو ہدایت یافتہ ہی سمجھتے رہے۔ حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ کے بیٹے یحیٰی کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت طلحہؓ کو غمگین دیکھ کر دریافت کیا کیوں کیا بات ہے حضرت طلحہؓ نے فرمایا میں نے اللہ کے رسول سے سنا تھا آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ مجھے ایک ایسی بات معلوم ہے کہ اگر مرتے وقت کوئی اس کو کہے گا تو اللہ موت کی سختی اس سے دور کر دے گا، اس کا رنگ چمک جائے گا (یعنی چہرہ نورانی ہو جائے گا) اور وہ کیفیات (اس پر وارد ہوں گی جو اس کے لئے مسرت بخش ہوں گی۔ حضور ﷺ سے وہ بات میں نے صرف اس لئے دریافت نہیں کی کہ مجھے (دریافت کرنے پر) قدرت حاصل تھی لیکن اسی حالت میں حضور ﷺ کی وفات ہو گئی حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے وہ بات معلوم ہے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کوئی بات اس جملہ سے بڑھ کر نہیں ہے جو چچا (ابو طالب) کے مرنے سے پہلے حضور ﷺ نے ان سے کہی تھی یعنی لا الہ الا اللہ (کا اقرار) حضرت طلحہؓ نے فرمایا (واللہ یہی بات تھی یہی تھی۔ حضرت عثمانؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ایسی حالت میں مرے کہ لا الہ الا اللہ پر اس کا یقین ہو جائے وہ جنت میں (ابتداً یا انتہاً) جائے گا (از مفسرؒ)

بغوی نے لکھا ہے، اللہ کا اس امت پر بڑا کرم ہے کہ اس نے امت کی مغفرت کے لئے دعا کرنے کا حکم اپنے کو دیا۔ اور آپ شفیع مستجاب الدعاء تھے (اس لئے انشاء اللہ آپ کی دعا قبول ہو گی)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ۝۱۹ اور اللہ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کو جانتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا متقلب یعنی مشاغل دنیوی میں گھومنا پھرنا اور پھیلنا اور مثوی سے مراد ہے آخرت میں جنت یا دوزخ کی طرف جانا۔ مقاتل اور ابن جریر نے کہا، متقلبکم سے مراد ہے دن میں کاروبار میں مصروف رہنا اور مثواکم سے مراد ہے رات کو خواب گاہوں میں بستروں پر چلا جانا۔ عکرمہ نے کہا متقلبکم یعنی پشت پدر سے رحم مادر میں آنا اور مثواکم سے مراد ہے زمین پر ٹھہرنا، قیام کرنا۔ ابن کیسان نے کہا متقلبکم یعنی پشت سے شکم میں آنا اور مثواکم یعنی قبروں میں قیام کرنا۔ بہر حال مطلب یہ ہے کہ اللہ تمہارے تمام احوال کو جانتا ہے اس سے تمہاری کوئی حالت پوشیدہ نہیں اس لئے اس سے ڈرتے رہو۔

خطاب تمام انسانوں کو ہے مومن ہوں یا کافر۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۝۲۰ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ کہتے رہتے کہ کوئی (نئی) سورت کیوں نہیں نازل ہوئی سو جس وقت کوئی (صاف صاف مضمون کی) کوئی سورت نازل ہوتی ہے اور اس میں جہاد کا بھی ذکر ہوتا ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے (یعنی نفاق) آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو رہی ہے سو (اصل بات یہ ہے کہ (عنقریب ان کی کم بختی آنے والی ہے ان کی اطاعت اور بات چیت معلوم ہے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی جہاد کی انتہائی خواہش کی وجہ سے مسلمان کہتے ہیں۔

لَوْ لَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ یعنی کوئی ایسی سورت کیوں نہیں نازل کی گئی جس میں جہاد کا حکم ہوتا۔

فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ یعنی جس میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے سورہ محکمۃ کا معنی بعض علماء کے نزدیک یہ ہے کہ سوا جہاد کی فرضیت کے کسی اور معنی کا اس میں احتمال ہی نہیں ہے (کسی صحیح توجیہ و تاویل سے سوا جہاد کے کوئی اور معنی مراد نہیں لئے جا سکتے۔)

قتادہ نے کہا جس صورت میں جہاد کا حکم دیا گیا ہو سب کو حکم جہاد منسوخ کرنے والا ہے۔ حکم جہاں قیامت تک جاری رہے گا جہاد کا حکم جس صورت میں نازل ہوا منافقوں پر اس سورت کا نزول سارے قرآن سے زیاد شاق اور دشوار ہوا۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مرض مرض سے مراد بزدلی اور ضعف۔ ایسے ڈرپوک لوگ۔

فَاَوْلٰى لَهُمْ پس ان کے لئے بہتر ہے۔

طَاعَةٌ یعنی اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم جہاد کی اطاعت۔

وَقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ یعنی بسرو چشم کہنا۔

فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۝۲۱ پس جب سارا کام تیار ہو جاتا ہے تو یہ لوگ اگر اللہ سے سچے رہتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔

عَزَمَ الْاَمْرُ الامر سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی اصحاب الامر یعنی جن کو قتال کا حکم دیا وہ لوگ جب جہاد پر سنجیدگی سے مستعد ہو گئے یا عزم کا معنی لازم ہو گیا فرض ہو گیا یعنی جب جہاد فرض ہو گیا۔ (اس مطلب پر مضاف محذوف ماننے کی ضرورت نہیں ہو گی اور الامر کی طرف عزم کی نسبت مجازی نہیں ہو گی) فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ یعنی جہاد کی انتہائی رغبت کا جو انہوں نے اظہار کیا اگر وہ اس میں سچے ثابت ہوتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔

لکان خیر الھم یہ لو صد قوا کی جزا ہے بعض اہل تفسیر کے نزدیک شرط کی جزا محذوف اور یہ جملہ علیحدہ ہے پورا کلام اس طرح تھا جب جہاد لازم ہو گیا تو انہوں نے اپنے قول کو سچ نہ کر دکھایا (اور حکم جہاد کو ناگوار سمجھا اور وہ اپنی رغبت جہاد کو سچ کر دکھاتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾

سو اگر تم کنارہ کش رہو تو کیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ تم دنیا میں فساد مچادو اور آپس میں قطع قرابت کردو، یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا پھر ان کو بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا یعنی اے بزدلو اور ڈرپوک لوگو اگر تم نے رسول کے اتباع سے روگردانی کی تو کیا تم سے یہ توقع کی جائے کہ تم کفر اور معاصی کی وجہ سے ملک میں تباہی پھیلاؤ گے۔

وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ اور اپنی قرابت داریاں منقطع کر دو گے یعنی اپنے مومن مجاہد رشتہ داروں کی مخالفت کرو گے۔ استفہام انکاری ہے یعنی ایسا نہ ہونا چاہئے کہ تم سے ملک میں فساد پھیلانے اور رشتہ داریاں منقطع کرنے کی توقع کی جانے لگی۔

اُولٰٓئِكَ یعنی یہی زمین میں تباہی پھیلنے والے اور قرابت داریاں منقطع کرنے والے۔

الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ خارج کر دیا ہے۔

فَاَصَمَّهُمْ اور کلام حق سننے سے بہرا کر دیا ہے اور تصویر حق دیکھنے سے اندھا بنادیا ہے۔ (اس لئے گوش حق نیوش سے وہ بہرے ہیں اور چشم حقیقت میں سے محروم ہیں)۔

بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ الذین فی قلوبہم مرض سے منافق مراد ہیں اور مرض سے مراد ہیں شک و نفاق۔ اور اولیٰ کا معنی ہے سخت ویل (ہلاکت۔ خرابی) اولیٰ بروزن افعل اسم تفضیل کا صیغہ ہے اس کا مادہ ویل (بمعنی ہلاکت) یا ولی بمعنی قرب ہے یا اس کا وزن فعلی ہے اس کا ماضی آل رجع آتا ہے اور طاعۃ و قول معروف مبتداء ہے جس کی خبر خیر لہم محذوف ہے یا یوں کہا جائے کہ منافق کہتے تھے طاعۃ و قول معروف اللہ نے انکے قول کو نقل کر دیا اور فرمایا اگر یہ بات یہ لوگ سچ کہتے اور سچ کر دکھاتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا لیکن انہوں نے جھوٹ کہا ایسی حالت میں اگر تم لوگوں کے حاکم بن جاؤ اور ان کے امور کے متولی بنادیئے جاؤ تو تم سے بعید نہیں کہ ظلم کر کے ملک میں تباہی پیدا کر دو گے (اس مطلب پر تولیتم کا معنی ہوگا تو تم متولی ہو جاؤ حاکم ہو جاؤ) یہ آیت بنی امیہ اور بنی ہاشم کے حق میں نازل ہوئی اس بات کی تاکید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت علیؓ کی قرأت تولیتم بصیغہ مجہول آیا ہے۔ (گویا اس جگہ باب تفعل بمعنی تفعیل ہے اور تولیتم بہ معنی ولیتم ہے) مطلب اس طرح ہوگا کہ اگر تم ظالم حاکم مقرر کر دو گے تو ملک میں تباہی پھیلاؤ گے اور فتنہ انگیزی میں ان کے ساتھ ہو جاؤ گے۔

حضرت بریدہ کا بیان ہے میں حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ نے کسی کی چیخ کی آواز سنی فرمایا یرفا! دیکھ تو یہ آواز کیسی ہے یرفا نے کہا ایک لڑکی ہے جس کی ماں کو فروخت کیا جا رہا ہے فرمایا مہاجرین اور انصار کو بلا کر لا۔ تھوڑی ہی دیر میں (سب آگئے اور) حجرہ بھر گیا حضرت عمرؓ نے اول اللہ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ جو (شریعت) رسول اللہ ﷺ لائے تھے اس میں رشتہ داریاں منقطع کرنے کا حکم ہے حاضرین نے کہا نہیں ہے فرمایا تو تمہارے اندر یہ قطع قرابت پیدا ہو گیا ہے پھر آپ نے آیت فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ تلاوت فرمائی قطع قرابت اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ تمہارے اندر کسی شخص کی ماں فروخت کی جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے (اس فروخت کے علاوہ دوسری) گنجائش عطا فرما دی ہے حاضری نے کہا پھر آپ کی جو رائے ہو کیجئے اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اطراف ملک میں لکھ بھیجا کہ کسی آزاد شخص کی ماں نہ فروخت کی جائے یہ قطع رحم ہے جائز نہیں ہے۔

ابن جوزی نے لکھا ہے کہ قاضی ابو یعلی نے اپنی کتاب المعتمد میں صالح بن احمد بن حنبل کا بیان نقل کیا ہے۔ صالح کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد سے کہا لوگ کہتے ہیں کہ ہم یزید بن معاویہ سے محبت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بیٹے جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے کیا اس کے لئے یزید بن معاویہ سے محبت رکھنے کا کوئی جواز ہو سکتا ہے اس شخص پر کسی طرح لعنت نہ کی جائے جس پر اللہ نے لعنت کی ہو میں نے عرض کیا اللہ نے اپنی کتاب میں کس جگہ یزید پر لعنت کی ہے امام احمد نے فرمایا اللہ نے فرمایا ہے: فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾ کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ یعنی کیا قرآن میں غور نہیں کرتے قرآن کے اندر جو نصیحتیں اور تنبیہات ہیں انکو تلاش نہیں کرتے اگر تفحص اور تلاش سے کام لیتے تو حق ان پر واضح ہو جاتا استفہام انکاری توبیخی ہے۔

اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا یہ استعارہ بالکنایہ ہے۔ قلوب کو خزانہ سے تشبیہ دی اور ہر خزانہ کا مقفل ہونا لازم نہیں تو مناسب ضرور ہے۔ مشبہ بہ کی مناسبات کو مشبہ کے لئے ثابت کیا ہے پھر اقفال کی قلوب کی طرف وضاحت کی گئی ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ دلوں پر جو قفل پڑے ہیں وہ یہ مستعمل معمولی قفل نہیں ہیں بلکہ غیر معمولی تالے ہیں جو قلوب کے مناسب ہیں۔ (یعنی غفلت کے تالے ہیں لوہے پیتل وغیرہ کے نہیں ہیں) گویا بصورت کنایہ یہ بات جتائی کہ ان کے اندر استعداد ہی نہیں ہے ان کے دل نصیحت پذیری کی قابلیت ہی نہیں رکھتے اگر بالفرض یہ قرآن پر غور بھی کریں تب بھی نہیں سمجھ پائیں گے۔

قلوب کی تنوین بعضیت کو ظاہر کر رہی ہے یعنی کچھ دل ایسے ہیں یا تنوین تنکیر۔ جو ابہام پر دلالت کر رہی ہے یعنی ان کی قساوت اور سنگدلی کے درجات مبہم ہیں۔

بغوی نے بروایت ہشام بن عروہ عروہ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا تلاوت فرمائی ایک یمنی جوان نے یہ آیت سن کر کہا کیوں نہیں بلاشبہ دلوں پر تالے پڑے ہیں۔ (اللہ ہی ان کو کھولنے والا ہے جب تک اللہ ہی ان کو دور نہ کردے یہ تالے دلوں پر پڑے رہیں گے حضرت عمرؓ کو جوانکی یہ بات کھب گئی اور آپ کے دل میں جم گئی جب آپ خلیفہ ہوئے تو اس کو اپنا مددگار مقرر کیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۗ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿٢٥﴾ بے شک جو لوگ پشت کے بل (دین سے) لوٹ گئے بعد اس کے کہ سیدھا راستہ ان کو صاف معلوم ہو گیا شیطان نے ان کو چکمہ دیا ہے اور ان کو دور دور کی سوجھائی ہے۔

ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ یعنی سابق کفر کی طرف لوٹ گئے۔ حضرت عروہؓ نے کہا ان لوگوں سے مراد ہیں کفار اہل کتاب۔ توریت میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اوصاف پڑھے تھے اسلئے بعثت سے پہلے ہی وہ حضور ﷺ کو جانتے تھے لیکن جب آپ مبعوث ہوئے تو انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابن عباسؓ، ضحاک اور سدی کے نزدیک منافق مراد ہیں۔

الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ سول سوال سے مشتق ہے اور سوال کا معنی ہے استرخاء یعنی شیطان نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کر کے ان کے لئے آسان بنا دیا بعض کے نزدیک سول سول سے مشتق ہے یعنی انکو خواہشات پر آمادہ کیا۔ سول کا معنی ہے آرزو۔

حضرت سہل بن سعد راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا تلاوت فرمائی۔ ایک جوان بولا کیوں نہیں بلاشبہ دلوں پر تالے پڑے ہیں اللہ ہی ان کو دور کرنے والا ہے۔ حضرت عمرؓ جب خلیفہ ہوئے تو کوئی ملازمت دینے کے لئے اس جوان کی بابت دریافت کیا لیکن اطلاع ملی کہ اس کا انتقال ہو چکا۔

اَمْلٰى لَهُمْ یعنی شیطان نے ان کی امیدیں اور آرزوئیں بہت لمبی بڑھا دیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾

یہ اس سبب سے ہے کہ لوگوں نے ان اشخاص سے جو اللہ کے اتارے ہوئے احکام کو ناپسند کرتے ہیں یہ کہا کہ ہم بعض باتوں میں تمہارا کہنا مان لیں گے اور اللہ ان کے خفیہ باتیں کرنے کو جانتا ہے۔

ذٰلِکَ یعنی شیطان کی طرف سے یہ فریب دہی اور طویل ترین ہوا و ہوس کی ترغیب اس سبب سے ہے کہ۔

بِاَنَّہُمْ قَالُوْا یعنی یہودی کافروں نے منافقوں سے یا منافقوں نے یہودی کافروں سے یا ایک فریق نے مشرکوں سے کہا۔

سَنُطِیْعُکُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ۔ یعنی بعض امور میں ہم تمہارے کہے پر چلیں گے یا تمہارے بعض مشوروں پر عمل کریں گے جیسے تمہارے کہنے کے مطابق ہم جہاد میں (مسلمانوں کے ساتھ) شریک نہیں ہوں گے یا تمہارے کہنے سے تمہارے ساتھ مل کر ہم بھی نکلیں گے یا محمد ﷺ کی دشمنی میں ہم تمہارے ساتھ شریک ہوں گے۔

وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِسْرَارَہُمْ یہودیوں یا منافقوں کی پوشیدہ باتوں میں سے ایک بات یہ بھی تھی جو اللہ نے ظاہر کر دی۔

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾

سو ان کا کیا حال ہو گا جب فرشتے ان کی جانیں قبض کرتے ہوں گے اور ان کے چہروں پر اور پشتوں پر مارتے جاتے ہوں گے یہ اس وجہ سے ہو گا کہ جو طریقہ خدا کی ناراضگی کا تھا یہ اسی پر چلے اور اس کی رضامندی سے نفرت کی سو اللہ نے ان کے سب اعمال اکارت کر دیئے۔

فَکَیْفَ استفہام تعجبی ہے (پس تعجب ہے بچنے کی یہ کیا تدبیر کریں گے جب کہ) ملائکہ ان کی روحیں قبض کریں گے (لوہے کے ہتھوڑوں اور گرزوں سے) ان کے چہروں اور پیٹھوں پر چوٹیں لگاتے ہوئے۔

ذٰلِکَ ایسا اس وجہ سے ہو گا کہ یہ اس بات پر چلے جو اللہ کی ناراضگی اور غضبناکی کی موجب تھی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یعنی توریت کی صراحتوں کو انہوں نے چھپایا اور محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کیا۔

وَکَرِہُوْا اور ایسے کاموں سے نفرت کی جو اللہ کی خوشنودی کے موجب ہیں۔ یعنی ایمان، جہاد اور دوسری طاعتوں سے نفرت کی اسی وجہ سے اللہ نے ان کے اعمال کو اکارت کر دیا۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۚ

کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ کبھی ان کی دلی عداوتوں کو ظاہر نہیں کرے گا اور اگر ہم چاہتے تو آپ کو ان کا پورا پتہ بتا دیتے سو آپ ان کو حلیہ سے پہچان لیتے اور آپ ان کو طرز کلام سے ضرور پہچان لیں گے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِہِمْ ام منقطعہ ہے کلام سابق سے اعراض پر دلالت کر رہا ہے اور استفہام انکاری ہے۔

مرض سے مراد ہے نفاق۔ یعنی منافق خیال کرتے ہیں۔

اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰہُ اَضْغَانَہُمْ کہ اللہ اپنے رسول اور مسلمانوں پر ان (منافقوں) کے دلوں کے اندر چھپے ہوئے کینے ظاہر نہیں کر دے گا۔

لَاَرَیْنٰکَہُمْ یعنی اگر ہم چاہیں تو آپ کو آگاہ کر دیں واقف بنا دیں۔

فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ پھر علامات اور نشانات سے آپ ﷺ ان کو پہچان لیں بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا اس آیت کے اترنے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے منافقوں کی کوئی حرکت پوشیدہ نہیں رہی آپ ﷺ منافقوں کو ان کی خصوصی علامات دیکھ کر پہچان لیتے تھے۔

لَحْنِ الْقَوْلِ کلام کو اس کے اصلی رخ سے ہٹا کر تعریض اور توریہ کی طرف موڑ دینے کو لحن القول کہتے ہیں۔ منافق ایسا ہی کرتے تھے بصورت تعریض رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی عیب چینی کرتے تھے ان کا مذاق اڑاتے تھے اور مذمت بہ لباس مدح کرتے تھے۔

بغوی نے لکھا ہے، اس کے بعد جو منافق رسول اللہ ﷺ کے سامنے بات کرتا تھا آپ ﷺ اس کی اصلی غرض کو پہچان جاتے تھے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٠﴾ اور اللہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے یعنی اللہ تمہارے اچھے برے اعمال سے واقف ہے کیوں کہ کفر اور زنا اور ان ہی کی طرح کے دوسرے اعمال جن کی برائی فی نفسہ اور ذاتی ہے ان کی خرابی کو تو سب ہی پہچانتے لیکن اس کے علاوہ دوسرے اعمال کی خرابی نیت سے وابستہ ہے اور نیت سے سوا خدا کے کوئی واقف نہیں، وہی ارادے اور نیت کے مطابق بدلہ دے گا۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴿٣١﴾

اور ہم ضرور تم سب کی آزمائش کریں گے تاکہ تم میں سے ہم ان لوگوں کو معلوم کرلیں جو تم میں جہاد کرنے والے ہیں اور جو ثابت قدم رہنے والے ہیں اور تاکہ تمہاری حالتوں کی جانچ کرلیں۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ یعنی جہاد کا حکم دیکر ہم تمہاری جانچ ضرور کریں گے۔

حَتّٰى نَعْلَمَ یعنی جس طرح وجود سے پہلے ہم کو معلوم تھا کہ آئندہ ایسا ہوگا اسی طرح امتحان کے بعد ہم علم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یا نعلم کا معنی ہے نمیز یعنی ہم چھانٹ دیں الگ الگ کردیں گے (علم سبب ہے اور تمیز یعنی الگ الگ کردینا اس کا نتیجہ سبب بول کر اس کی جگہ مسبب یعنی نتیجہ مراد ہے مترجم) یا نعلم سے مراد ہے ہمارے دوست جان لیں۔

الصّٰبِرِيْنَ یعنی جہاد کی مشقتوں پر صبر رکھنے والے۔

وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ یعنی ان باتوں کو جانچ لیں جو تمہارے اعمال کی خبر دے رہی ہیں تاکہ اعمال کا حسن وقبح ظاہر ہوجائے یا یہ مطلب ہے کہ تم جو اپنے ایمان دار ہونے اور مسلمانوں کے دوست ہونے کی خبریں دے رہے ہو ہم ان کے جھوٹ سچ ہونے کی جانچ کرلیں۔ [1]

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَاۗقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾ بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے اللہ کے راستہ سے روکا اور رسول کی مخالفت کی بعد اس کے کہ ان کو راستہ نظر آچکا تھا وہ لوگ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور آئندہ اللہ ان کی کوششوں کو مٹا دے گا۔

صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی ایمان لانے سے اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے سے روکا۔

---

[1] امتحان اور جانچ وہ شخص کرتا ہے جس کو امتحان لینے سے پہلے علم نہ ہو لیکن اللہ کو تو پہلے ہی تمام آئندہ واقعات کا علم ہے اس کو امتحان لینے کی کیا ضرورت ہے اس کے جواب کے لئے مفسر نے علم بعد الوجود کی مرادی قید کا اضافہ کیا۔ اللہ کو ہر چیز کا علم قبل از وجود ایسا ہی ہے جیسے وجود کے بعد بھی جو علم قبل الوجود ہے اس پر احکام مرتب نہیں ہوتے اور امتحان کے بعد جو علم ہوتا ہے وہ حادث بھی ہے اور اس پر احکام کا ترتب بھی ہوتا ہے۔

وَشَاقُّوا الرَّسُوْلَ اور اللہ کے رسول کی مخالفت کی۔ اس جگہ الذین کفروا سے بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودی اور وہ مکی کافر مراد ہیں جنہوں نے بدر کی لڑائی میں کافروں کے لشکر کو باری باری سے کھانا کھلایا تھا یہ بارہ سردار تھے ہر سردار نے اپنے باری کے دن پورے لشکر کو کھانا دیا تھا۔

لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ یعنی اپنے کفر سے وہ اپنے آپ کو ہی ضرر پہنچائیں گے اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ اور یقیناً اللہ ان کے اعمال کو اکارت کر دے گا ان کو آخرت میں ثواب نہیں دے گا نہ دنیا میں ان کو کوئی فائدہ حاصل ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا آیت میں وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے بدر کے زمانے میں (کافروں کے لشکر کو) کھانا دیا تھا اسی کی نظیر دوسری۔

آیت بھی ہے (وہ بھی ان لوگوں کے متعلق ہے جنہوں نے بدری کافروں کو کھانا دیا تھا) ارشاد فرمایا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾

اے اہل ایمان! اللہ کے فرمان پر چلو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اچھے اعمال اکارت مت کرو۔

حضرت ابن عباسؓ اور عطاء نے کہا یعنی شک اور نفاق یا غرور سے اپنے اعمال کو رائیگاں نہ کرو۔ کلبی نے کہا ریا اور دکھاوٹ سے اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔ حسن نے کہا کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کر کے اپنی نیکیاں برباد مت کرو۔

رسول اللہ ﷺ کے صحابی خیال کرتے تھے کہ جس طرح شرک کی موجودگی میں کوئی اچھا عمل مفید نہیں۔ اسی طرح لا الہ الا اللہ کے قائل کو کوئی گناہ ضرر نہیں پہنچائے گا۔ اس خیال کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ آیت کا یہ سبب نزول ابن ابی حاتم اور محمد بن نصر مروزی نے کتاب الصلوٰۃ میں بحوالہ ابو العالیہ بیان کیا ہے۔ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہؓ کو اندیشہ ہوا (اور وہ جان گئے) کہ گناہ سے نیک عمل باطل ہو جاتا ہے بغوی نے بھی ابو العالیہ کی یہ روایت نقل کی ہے۔

مقاتل نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ (اپنے ایمان اور خدمت اسلام کا) رسول پر احسان نہ رکھو ورنہ تمہارے اعمال کارت ہو جائیں گے۔

مسئلہ: ظاہر روایت میں امام ابو حنیفہ کا قول آیا ہے کہ نماز روزہ حج عمرہ یا کوئی دوسری عبادت اگر شروع کر لی گئی ہو تو اس کو پورا کرنا واجب ہے بلا عذر شرعی بیچ میں سے منقطع کر دینا جائز نہیں۔ کذاب ذکر صاحب الهدایة والقدوری وغیرهما۔

کیا ضیافت بھی ایسا عذر ہے جس میں شریک ہونے کے لئے نفلی روزہ توڑا جا سکتا ہے کسی نے اس کو عذر تسلیم کیا ہے کسی نے نہیں تسلیم کیا بعض کا قول ہے کہ زوال سے پہلے اس کو روزہ توڑنے کا عذر مانا جائے گا۔ زوال کے بعد نہیں مانا جائے گا ہاں اگر زوال کے بعد نفلی روزہ نہ توڑنے میں والدین کی نافرمانی ہو رہی ہو تو اس کو عذر تسلیم کیا جائے گا۔ اگر نفل روزہ یا نفل نماز شروع کرنے کے بعد توڑ دی تو امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک قضا واجب ہے۔

منتقی کی روایت میں آیا ہے کہ نفل روزہ بغیر عذر کو توڑ دینا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے مگر اس کا بدل بطور قضا ادا کرنا (یعنی روزہ رکھنا) ہوگا۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک (نفل) عمرہ اور حج (شروع کرنے کے بعد) پورا کرنا واجب ہے اور توڑ دیا تو قضا واجب ہو گی نفل نماز روزہ اور دوسرے نوافل کا یہ حکم نہیں ہے شروع کرنے کے بعد ان کو پورا کرنا مستحب ہے اور توڑ دینا جائز ہے توڑنے کے بعد کوئی قضا واجب نہیں ہے۔

ہماری دلیل۔ بے شک آیت کا مطلب یہ ہے کہ شک نفاق ریا دکھاوٹ طلب شہرت اور دوسرے گناہوں سے اپنے اعمال خیر کو باطل مت کرو لیکن لاتبطلوا کا صیغہ (باعتبار لغت کے) عام ہے تمام اعمال خیر کو پورا کرنے سے پہلے توڑ دینا اور بگاڑ دینا

بھی اس ممانعت میں داخل ہے کیوں کہ نفل نماز روزہ وغیرہ کا وہ حصہ جو ادا کیا جا چکا ہو قربت عبادت اور (خیر کا) عمل ہے اور باقی جو رہ گیا وہ بھی قربت اور عبادت ہے اب اگر کسی کبیرہ گناہ سے یا ریا اور غرور اور طلب شہوت کے زیر اثر اس کو توڑ دیا تو وہ عمل خیر اکارت ہو جائے گا۔

ہمارے مسلک کی تائید متعدد احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے عروہ نے اس کو نقل کیا ہے کہ حفصہؓ کے پاس بطور ہدیہ بکری کا کچھ گوشت آیا ہم دونوں کا روزہ تھا ہم نے روزہ توڑ دیا اور جب رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لائے تو ہم نے اس بات کا تذکرہ آپ سے کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم دونوں اس روزہ کے عوض دوسرا روزہ رکھنا۔ رواہ احمد من طریق سفیان بن حسین عن عروہ۔ ورواہ الترمذی من طریق جعفر بن یرقان عن عروہ۔ ترمذی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے میں اور حفصہ دونوں روزہ دار تھیں کچھ کھانا ہمارے سامنے لایا گیا ہم کو خواہش ہوئی ہم نے اس میں سے کچھ کھا لیا پھر (جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو مجھ سے پہلے حفصہ نے آگے بڑھ کر کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم (دونوں) روزہ دار تھیں کھانا سامنے آیا ہم کو اشتہا تھی ہم نے اس میں سے کچھ کھا لیا فرمایا اس کی جگہ کسی اور دن قضا رکھ لینا۔

ابو داؤد اور نسائی نے یہ حدیث زمیل بن عروہ کی روایت سے نقل کی ہے لیکن بخاری نے اس روایت کو معلل قرار دیا ہے کیوں کہ نہ زمیل کا عروہ سے سماع ثابت ہے نہ یزید کا زمیل ہے۔

ترمذی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صالح بن ابی الاخضر اور محمد بن علی بن ابی حفصہ نے بروایت زہری بحوالہ عروہ از ام المومنین عائشہؓ بیان کی ہے اور مالک بن انس اور عبید اللہ بن عمر اور زیاد بن سعد اور دوسرے حافظ حدیث نے بروایت زہری از ام المومنین مرسلاً نقل کی ہے اس روایت میں عروہ کا نام نہیں آتا یہی زیادہ صحیح ہے کیوں کہ ابن جریج کا بیان ہے کہ میں نے زہری سے پوچھا کیا یہ حدیث آپ نے عروہ سے بحوالہ ام المومنین عائشہؓ بیان کی تھی زہری نے کہا اس بابت میں نے عروہ سے کچھ نہیں سنا ہاں سلیمان بن عبد الملک کے دور خلافت میں کچھ لوگوں نے بعض ایسے اشخاص کی طرف اس حدیث کی نسبت کی جنہوں نے حضرت عائشہؓ سے اس کے متعلق دریافت کیا تھا۔

ابن ہمام نے کہا بخاری کی یہ تنقید اس شرط پر مبنی ہے کہ راوی کا مروی عنہ سے (ملنا اور) سننا بخاری کے نزدیک ضروری ہے لیکن قول مختار یہ ہے کہ دونوں کا ہم عصر ہونا حوالہ روایت کے لئے کافی ہے (دونوں کی ملاقات ضروری نہیں) اگر بخاری اور ترمذی کا اس روایت کو معلل قرار دینا تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ جرح صرف اس طریق روایت پر ہو سکے گی۔ دوسرے طریق روایت پر نہ ہو گی ابن حبان نے اس حدیث اپنی صحیح میں جریر بن حازم کی روایت سے بیان کیا ہے جریر نے بروایت یحییٰ بن سعید از عروہ از ام المومنین اس کو نقل کیا ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں اور حفصہؓ صبح کو نفلی روزے سے تھیں۔ الحدیث۔

ابن ابی شیبہ نے ایک اور طریق سے بروایت خصیف از سعید بن جبیر بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا (الحدیث) طبرانی نے معجم میں خصیف کی روایت از عکرمہؒ از ابن عباسؓ بیان کی ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہ ﷺ روزے سے تھیں۔ الحدیث۔ بزار نے ایک اور طریق سے بروایت حماد بن ولید از عبید اللہ بن عمر اور از نافع از عبد اللہ بن عمر بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ روزے سے تھیں۔ الحدیث۔ اس اسناد میں حماد بن ولید ضعیف ہے۔

طبرانی نے سب طریقوں سے جدا الاوسط میں اس طرح بیان کیا ہے۔ موسیٰ بن ہارون از محمد بن مہران جمال از محمد بن ابی سلمہ مکی از محمد بن عمرو یہ از ابو سلمہ از ابو ہریرہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے پاس کوئی ہدیہ آیا دونوں روزے دار تھیں لیکن دونوں نے اس میں سے کچھ کھا لیا اور پھر رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کر دیا حضور ﷺ نے فرمایا اس کی بجائے اور ایک دن روزہ رکھ لینا اور دوبارہ ایسا نہ کرنا۔

ابن ہمام نے کہا اس حدیث کا ثبوت نا قابل تردید ہے خواہ ہر طریق روایت ضعیف ہو لیکن طرق روایت کی کثرت اس کو

ناقابل تردید بنا رہی ہے پھر ہر طریق ضعیف بھی نہیں ہے بعض طرق جو قابل اعتبار ہیں استدلال میں ان کو پیش کیا جاسکتا ہے۔
میں کہتا ہوں حدیث مرسل ہمارے نزدیک احتجاج میں پیش کی جاسکتی ہے۔
ابن جوزی نے کہا کہ حدیث میں جو افطار کردہ روزے کے بدلے میں کسی ایک دن روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے یہ حکم استحبابی ہے (وجوبی اور لزومی نہیں ہے)
حقیقت میں ابن جوزی کی یہ تاویل تقاضاء لفظ کے خلاف ہے (اور بلا کسی موجب کے مقتضاء حکم کی خلاف ورزی ہے) امر کا اصل مقتضی وجوب ہے اگر کہیں وجوب کا معنی نہ بن سکتا ہو تو استحباب، ندب، مساوات وغیرہ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے اور وجوب کے علاوہ تمام معانی مجازی ہیں اور حقیقت کو چھوڑ کر بغیر کسی مانع اور موجب کے مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں۔ مترجم) بلکہ آیت وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ تو وجوب کی (جو صیغہ امر کا اصل تقاضا ہے) تائید و تاکید کر رہی ہے۔
ایک شبہ: آیت مذکورہ سے تعلیم حدیث کی تاکید و تائید نہیں ہوتی بلکہ آیت اور حدیث میں باہم اختلاف ہے آیت سے تو شروع کرنے کے بعد افطار کی ممانعت ظاہر ہو رہی ہے افطار کے بعد قضا واجب ہونے پر آیت دلالت نہیں کرتی اور حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ افطار جائز ہے جب کہ اس کے عوض ایک دن کا روزہ رکھ لیا جائے۔
ازالہ: ہم کہتے ہیں آیت میں افطار کی ممانعت کی گئی ہے اور یہی چیز وجوب قضاء پر دلالت کر رہی ہے کیوں کہ افطار و ابطال کی ممانعت کا معنی ہی یہ ہے کہ اس عمل کو پورا کیا جائے (بیچ میں نہ توڑا جائے) اور کسی بات کے واجب ہونے کا اقتضاء یہ ہے کہ اگر اس بات کی پوری تکمیل نہ کی گئی ہو تو اس کے عوض وہ عمل کیا جائے جس کو شرعاً مثل معقول کہا جاتا ہے بشرطیکہ مثل معقول موجود ہو سکے۔ رہی حدیث تو اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو افطار کے جواز پر دلالت کر رہا ہو صرف وجوب قضا (بر تقدیر افطار) پر حدیث دلالت کر رہی ہے اور وجوب قضا اسی وقت ہو گا جب پہلے اس عمل کی تکمیل واجب ہو اور افطار حرام ہو۔ بلکہ حدیث میں لفظ لا تعود صراحۃً حرمت افطار پر دلالت کر رہا ہے ظاہر روایت میں امام ابو حنیفہ کا یہی قول آیا ہے۔
اسی مضمون کی کچھ حدیثیں اور بھی آئی ہیں۔ دار قطنی نے لکھا ہے کہ طلحہ بن یحییٰ نے اپنی پھوپھی کی روایت سے حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا۔ ام المومنین نے فرمایا رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس اندر تشریف لائے اور فرمایا آج میں روزہ رکھنا چاہتا ہوں۔ (یعنی حضور ﷺ نے روزہ کی نیت کر لی آپ کی خدمت میں کچھ حلوا بطور ہدیہ پیش کیا گیا تو فرمایا (اب) میں کھا لوں اور آج کے روزہ کے بجائے اور کسی دن روزہ رکھ لوں گا۔ دار قطنی نے کہا یہ آخری جملہ محمد بن عمرو ابو العباس بالی کے سوا اور کسی نے ابن عینیہ کی روایت میں ذکر کیا جانا نہیں بیان کیا شاید محمد بن عمرو کو اشتباہ ہو گیا حافظ ابن حجر نے کہا نسائی نے بحوالہ محمد بن منصور ابن عینیہ کی روایت اس زائد لفظ کے ساتھ بیان کی ہے امام شافعی نے ابن عینیہ سے اسی (زائد لفظ کے ساتھ) یہ حدیث روایت کی ہے۔ اور ذکر کیا کہ ابن عینیہ نے حدیث میں اس لفظ کا اضافہ اپنی وفات سے ایک سال پہلے کیا تھا۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے آخر عمر میں ابن عینیہ کے دماغ میں کچھ تغیر ہو گیا تھا۔
دار قطنی نے اپنی سند سے بوساطت محمد بن ابی حمید ابراہیم بن عبید کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابو سعیدؓ خدری نے کچھ کھانا بنوایا اور رسول اللہ ﷺ کی مع صحابہؓ کے دعوت کی ایک شخص بولا میرا تو آج روزہ ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیرے بھائی نے تیرے لئے (کھانا) بنوایا ہے روزہ توڑ لے اور اس کی جگہ کسی اور دن روزہ رکھ لینا۔ دار قطنی نے کہا یہ حدیث مرسل ہے ابن جوزی نے لکھا ہے محمد بن حمید کچھ نہیں ہے نسائی نے کہا یہ قابل اعتبار نہیں ہے۔ ابن حبان نے کہا اس کو حجت میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔
دار قطنی نے لکھا ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ راوی ہیں، ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ کے لئے کھانا بنوایا اور رسول اللہ ﷺ کی مع صحابہؓ کے دعوت کی جب کھانا لایا گیا تو ایک شخص کھانے سے الگ ہٹ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیرے بھائی نے تو تکلیف اٹھا کر تیرے لئے کھانا بنوایا اور تو کہہ رہا ہے میں روزہ دار ہوں۔ کھا اور اس کی بجائے کسی دن روزہ رکھ

لینا۔ اس روایت کی اسناد میں ایک راوی عمر بن حلیف ہے ابن عدی اور ابن حبان نے کہا، اس شخص کو احادیث وضع کر لینے کا ملزم کہا جاتا ہے دار قطنی نے حضرت ثوبان کی روایت سے بیان کیا کہ رمضان کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا کسی اور دن روزہ تھا۔ کچھ اندرونی احتباس کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہونے لگی اور قے آنے لگی آپ نے قے کردی اور پانی منگوا کر وضو کیا پھر روزہ توڑ دیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا قے ہونے سے وضو فرض ہو جاتا ہے فرمایا اگر فرض ہوتا تو تم کو قرآن میں اس کا حکم ملتا پھر دوسرے روز حضور ﷺ نے روزہ رکھا اور فرمایا یہ (روزہ) کل توڑنے کی بجائے ہے میں نے یہ خود حضور ﷺ کو فرماتے سنا تھا۔ اس کی سند میں ایک راوی عتبہ بن سکن ہے دار قطنی نے اس کو متروک الحدیث کہا ہے۔

دار قطنی نے اپنی سند سے بیان کیا کہ محمد بن ابی حمید نے بحوالہ ضحاک بن حمزہ منصور کی روایت سے نقل کی کہ حضرت ام سلمہؓ نے ایک روزہ نفل رکھا پھر توڑ دیا حضور ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ اس کی بجائے ایک دن روزہ رکھنا۔

یحییٰ نے کہا ضحاک کچھ نہیں ہے ابو زرعہ نے کہا محمد بن ابی حمید بڑا جھوٹا ہے۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے مندرجہ ذیل احادیث سے اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے۔

حضرت جویریہؓ کی حدیث ہے کہ جمعہ کے روز میں روزے سے تھی رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لائے اور فرمایا کیا تم نے کل روزہ رکھا تھا۔ میں نے جواب دیا نہیں۔ فرمایا کیا کل کو روزہ رکھوگی میں نے عرض کیا نہیں فرمایا تو روزہ توڑ دو۔ رواہ البخاری۔

امام احمدؒ نے ابو عمر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جویریہؓ کے پاس اندر تشریف لے گئے۔ الحدیث۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کو ان کے پاس تشریف لاتے اور فرماتے تھے کیا تمہارے پاس میرے کھانے کے لئے کچھ موجود ہے حضرت عائشہؓ جواب دیتیں کچھ نہیں ہے حضور ﷺ فرماتے تو آج میرا روزہ ہے اس کے بعد کسی وقت تشریف لاتے اور کہیں سے بطور ہدیہ آئی ہوئی کوئی چیز حضرت عائشہؓ کے پاس ہوتی تو ام المومنین عرض کرتیں ہمارے پاس کچھ ہدیہ کے طور پر آیا ہے اور ہم نے آپ کے لئے اس کو چھپا کر رکھ لیا ہے حضور ﷺ فرماتے کیا ہے حضرت عائشہؓ کہتیں حیس (ایک خاص قسم کا حلوا) ہے فرماتے صبح میرا روزہ تھا پھر حضور ﷺ کھا لیتے۔ رواہ مسلم۔ دار قطنی اور بیہقی کی روایت میں حدیث ان الفاظ کے ساتھ ہے رسول اللہ ﷺ میرے پاس اندر تشریف لائے اور فرمایا کیا کچھ (کھانے کو) تمہارے پاس ہے میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو اب میں صائم ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے اس کے بعد فرمایا ایک اور دن میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ ہے میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا اگرچہ میں نے روزہ لازم کر لیا تھا۔ (یعنی روزہ کی نیت کر لی تھی) لیکن اب میں افطار کئے لیتا ہوں۔

حضرت ام سلیم کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کو ہمارے پاس تشریف لاتے اور (رات سے روزہ کی نیت کر چکے ہوتے اور فرماتے کیا تمہارے پاس کچھ ہے کیا تمہارے پاس کچھ آیا ہے ہم کہتے کیا صبح سے آپ کا روزہ نہ تھا فرماتے کیوں نہیں لیکن جب نذر اور قضاء رمضان کا روزہ نہ ہو تو توڑ دینے میں کوئی حرج نہیں۔ دار قطنی کی اس روایت میں محمد بن عبید اللہ عزری ضعیف راوی ہے۔

حضرت ابو جحیفہ کا بیان ہے کہ حضرت سلمانؓ کا حضرت ابو درداء سے رسول اللہ ﷺ نے بھائی چارا کرا دیا (ایک روز) حضرت سلمانؓ حضرت ابو درداءؓ کی ملاقات کو گئے (اندر جا کر) حضرت ابو درداءؓ کی بیوی کو میلی کچیلی حالت میں دیکھا پوچھا کیا بات ہے ام درداءؓ نے کہا آپ کے بھائی ابو درداء کو دنیا کی کوئی رغبت نہیں (پھر میں کس کے لئے سنگھار کروں) اتنے میں حضرت ابو درداءؓ بھی آ گئے اور حضرت سلمانؓ کے لئے کھانا بنوایا (کھانا آ گیا تو) حضرت ابو درداءؓ نے حضرت سلمانؓ سے کہا میرا تو روزہ ہے آپ کھائیے حضرت سلمانؓ نے کہا جب تک آپ نہیں کھائیں گے میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ چنانچہ حضرت ابو درداء نے بھی کھایا جب رات ہوئی تو ابو درداءؓ نماز کے لئے کھڑے ہونے لگے حضرت سلمانؓ نے کہا سو جائیے جب آخر رات ہوئی تو حضرت سلمانؓ نے کہا اب اٹھ جائیے۔ چنانچہ دونوں اٹھ کر نماز پڑھنے لگے حضرت سلمانؓ نے حضرت ابو درداءؓ سے کہا تم پر اپنے رب کا

بھی حق ہے اور اپنی جان کا بھی حق ہے اور تم پر تمہاری بیوی کا بھی حق ہے ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرو۔ حضرت ابودرداءؓ نے (صبح کو) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کا تذکرہ کیا حضور ﷺ نے فرمایا سلمانؓ نے سچ کہا۔

میں کہتا ہوں ان احادیث سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ نفل روزہ توڑ دینا جائز ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ توڑے ہوئے روزے کی قضا واجب نہیں ہے اور حضرت جویریہؓ کی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تنہا جمعہ کا روزہ رکھنا (جب کہ جمعرات یا سنیچر کا روزہ اس کے ساتھ نہ ملایا جائے) مکروہ ہے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (تنہا) جمعہ کا روزہ نہ رکھو مگر اس صورت میں کہ جمعہ سے پہلے (جمعرات کے) دن کا روزہ رکھا ہو یا جمعہ کے بعد (سنیچر) کے دن کا رکھو۔ متفق علیہ۔ دوسرے الفاظ میں حدیث اس طرح آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اکیلے جمعہ کا روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی۔ رواہ مسلم۔ امام شافعیؒ کے مسلک کے ثبوت میں کچھ اور ضعیف حدیثیں بھی پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت ام ہانیؓ کی حدیث مختلف طریقوں سے اور مختلف الفاظ میں آئی ہے۔ نسائی نے بحوالہ حماد بن سلمہ بروایت سماک بن حرب از ہارون بن ام ہانی بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ شربت نوش فرمایا اور حضرت ام ہانیؓ کو بھی عنایت کیا حضرت ام ہانیؓ نے کہا میرا روزہ ہے لیکن میں آپ کے پس خوردہ کو رد کرنا بھی گوارا نہیں کرتی حضور ﷺ نے فرمایا اگر (تمہارا یہ روزہ) قضاء رمضان کا ہے تو اس کی جگہ کسی اور دن رکھ لینا اور اگر نفل روزہ ہے تو دل چاہے اس کی قضا رکھ لینا دل نہ چاہے تو نہ رکھنا۔

امام احمد اور ترمذی وغیرہ نے بروایت سماک از ہارون یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے۔ حضرت ام ہانی نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی خدمت گرامی میں شربت پیش کیا گیا آپ نے کچھ پیا پھر مجھے عنایت کر دیا اور میں نے پی لیا پھر میں نے کہا مجھ سے گناہ ہو گیا حضور ﷺ نے فرمایا کیا گناہ ہو گیا میں نے عرض کیا میں روزے سے تھی روزہ توڑ دیا۔ فرمایا کیا تم نے کسی روزہ کے بدلہ میں روزہ رکھا تھا میں نے عرض کیا نہیں تو۔ فرمایا تو پھر تمہیں روزہ توڑنے سے کوئی ضرر نہ ہو گا (یعنی گناہ نہ ہو گا) سماک بن حرب اگر روایت میں منفرد ہوتا تو ناقابل اعتبار ہے۔ کذا قال النسائی۔

بیہقی نے کہا اس کی اسناد میں کلام ہے ابن القطان نے کہا ہارون مجہول ہے۔ معروف الاحوال نہیں۔ میں کہتا ہوں ہارون کو کسی نے ام ہانی کا بیٹا کسی نے پوتا اور کسی نے نواسہ کہا ہے۔

امام احمد اور ترمذی نے بروایت جریر از یزید بن زیاد از عبداللہ بن حارث بیان کیا کہ حضرت ام ہانی نے فرمایا جب فتح یعنی فتح مکہ کا دن ہوا تو فاطمہؓ آ کر رسول اللہ ﷺ کے بائیں طرف بیٹھ گئیں۔ میں دائیں طرف بیٹھی تھی ایک خادمہ ایک برتن میں کچھ شربت لائی میں نے لے کر کچھ اس میں سے پیا پھر روزہ دار ہونے کا خیال آیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا تو روزہ تھا میں نے روزہ توڑ دیا فرمایا کیا تم نے قضا کا روزہ رکھا تھا میں نے عرض کیا نہیں فرمایا اگر نفلی تھا تو (توڑنے میں) کوئی حرج نہیں۔

امام احمد کی روایت اس طرح ہے ہم سے محمد بن جعفر نے محمد سے شعبہ نے شعبہ سے جعدہ نے جعدہ سے ام ہانی نے بیان کیا ام ہانی جعدہ کی دادی تھیں کہ فتح کے دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے ایک برتن پیش کیا گیا آپ نے شربت پیا پھر مجھے دے دیا میں نے عرض کیا میرا تو روزہ ہے فرمایا نفلی روزہ رکھنے والا اپنے نفس کا مختار ہوتا ہے اگر تم چاہو تو روزہ (قائم) رکھو چاہو تو توڑ دو۔

ابو داؤد و طیالسی کی روایت بواسطہ جعدہ از ابو صالح از ام ہانی اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام ہانی کے پاس تشریف لائے اور کچھ پیا پھر ام ہانی کو دے دیا انہوں نے بھی پی لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں تو روزہ دار تھیں حضور ﷺ نے فرمایا نفل روزہ رکھنے میں اپنا مختار خود ہے اگر چاہے روزہ قائم رکھے چاہے توڑ لے۔ ذہبی نے کہا جعدہ از ابو صالح مجہول ہے بخاری نے کہا یہ محتاج نظر ہے۔ پھر یہ واقعہ یوم الفتح کا قرار دینا اور بھی مجروح ہے کیوں کہ فتح مکہ رمضان میں ہوئی تھی رمضان حاضر میں گزشتہ رمضان کے فوت شدہ روزہ کی قضا ناقابل فہم ہے۔ نہ رمضان میں نفلی روزہ ہوتا ہے۔

ابن ہمام نے منتقی والی روایت کو مختار مانا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نفل روزہ رکھنے والے کو بلا عذر روزہ توڑ دینا جائز ہے۔ اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس سے امام شافعی نے استدلال کیا ہے۔ اور پھر توڑے ہوئے روزہ کی قضاء واجب ہے۔ اور اس کا ثبوت ان احادیث سے ملتا ہے جو امام ابو حنیفہؒ نے استدلال میں پیش کیا ہیں اس طرح مختلف احادیث میں توفیق کی صورت نکل آئے گی۔

ابن ہمام نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیت ولا تبطلوا اعمالکم میں ابطال سے مراد یہ ہے کہ ایسے اعمال اکارت جائیں گے ان کا کوئی فائدہ نہ ہوگا ان کا وجود و عدم برابر ہوگا لیکن ابطال اگر بارادہ قضا کیا جائے تو اس کی ممانعت پر آیت دلالت نہیں کرتی۔

میں کہتا ہوں لا تبطلوا کا مصدر ابطال ہے (اور لا تبطلوا کسی خاص ابطال پر دلالت نہیں کر رہا ہے بلکہ اس سے عام ابطال سمجھا جاتا ہے) اور یہ ابطال فکرہ ہے جو نفی لا کے بعد آیا ہے اس لئے ہر ابطال کی ممانعت اس سے معلوم ہوتی ہے اب جو شخص شروع کرنے کے بعد نفل نماز کو توڑ دے یا نفل روزے کو بہر حال وہ عمل خیر کا ناقص ہو گا رہا قضا کا مسئلہ تو یہ الگ عمل ہے جس سے پہلے عمل (یعنی نقص عمل) کا تدارک کیا جاتا ہے لہٰذا بلا عذر نفل نماز روزہ وغیرہ کو توڑنا اس آیت سے ہی ممنوع قرار پاتا ہے ہاں احادیث سے ضرور ابطال کا جواز ثابت ہوتا ہے لیکن تعارض کے وقت احادیث آحاد پر آیت کی تقدیم لازم ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں یہ آیت نقص عمل کی حرمت پر دلالت کر رہی ہے اور احادیث حلت پر اور تحریم کو احتیاطاً تحلیل پر مقدم رکھنا واجب ہے اس لئے قیاس بھی تحریم ہی کو چاہتا ہے کیوں کہ نفل حج اور عمرہ کو توڑنا کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے اگر توڑ دیا تو قضا واجب ہے (پس نفل نماز روزہ کا توڑنا بھی جائز نہیں ہوگا اگر توڑ دیا تو قضا واجب ہو گی)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ﴿٣٤﴾

بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے اللہ کے راستہ سے روکا پھر وہ کفر کی حالت ہی میں مر گئے اللہ ان کو کبھی نہیں بخشے گا۔

اس آیت کا تعلق سابق الذکر آیت ان الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللّٰہ سے ہے اور ان کافروں سے مراد وہ کافر ہیں جو جنگ بدر میں مارے گئے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی نعشوں کو ایک گڑھے میں جمع کرا دیا تھا۔ لیکن (الفاظ میں عموم ہے اس لئے) آیت کا حکم ان تمام کافروں کے لئے عام ہے جو کفر پر مرے ہوں۔

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَن يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٥﴾

سو تم ہمت نہ ہارو اور صلح کی طرف مت بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال میں ہرگز کمی نہیں کرے گا۔

فَلَا تَهِنُوا یعنی جہاد میں کمزوری نہ کرو۔

وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ یعنی اول کافروں کو صلح کی طرف نہ بلاؤ۔ اس مطلب پر تدعوا کا عطف تھنوا پر ہوگا اور دونوں فعل نہی کے ذیل میں آجائیں گے۔ آیت میں کافروں سے صلح کی درخواست کرنے کی ممانعت فرما دی کیوں کہ اس سے اپنی کمزوری اور بزدلی کا اظہار ہوتا ہے۔

وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ یعنی اللہ کی مدد سے تم غالب ہو گے اللہ نے نیک مومنوں کی مدد کا وعدہ فرمالیا ہے۔

وَاللَّهُ مَعَكُمْ اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اللہ کی معیت بے کیف ہے (نہ زمانی نہ مکانی) اللہ تمہارے ساتھ اس وجہ سے ہے کہ تم مومن ہو اور ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ سے محبت ہو اور جس سے محبت ہوتی ہے آدمی اسی کے ساتھ ہوتا ہے۔

وَلَن يَتِرَكُمْ یعنی اللہ تمہارے اعمال کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔

ترہ اس کا حق کم ادا کیا۔

حضرت ابن عباسؓ مقاتل، قتادہ اور ضحاک نے تفسیری ترجمہ اس طرح کیا اللہ تمہارے نیک اعمال کی حق تلفی نہیں

کرے گا ان کو اکارت نہیں کردے گا۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۚ دنیوی زندگی تو بس لہو ولعب ہے یعنی دنیوی زندگی باطل ہے، بے سود ہے، بیکار ہے اگر اس میں اللہ کی یاد نہ ہو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، دنیا ملعون ہے اس میں جو کچھ ہے سوا ذکر خدا کے ہر چیز ملعون ہے۔

لھو یعنی ان امور سے غافل بنانے والی ہے جو آخرت میں مفید ہوں گے۔

وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۞ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۞ اور اگر تم ایمان لے آؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تم کو اجر عطا کرے گا اور تم سے تمہارے مال طلب نہیں کرے گا اگر وہ تم سے تمہارے مال طلب کرے اور انتہاور جہ تک طلب کرتا رہے تو تم بخل کرنے لگو اور اللہ تمہاری چھپی ہوئی ناگواری ظاہر کردے گا۔

وان تومنوا یعنی اگر تم اللہ اور رسول پر ایمان لاؤ گے۔

وتتقوا اور اللہ کے احکام کی تعمیل کرو گے اور ممنوعات سے پرہیز رکھو گے۔

یوتکم اجودکم یعنی اللہ تمہارے ایمان اور تقویٰ کا ثواب آخرت میں عطا فرمائے گا اس صورت میں تمہاری یہ دنیوی زندگی آخرت کی کھیتی ہو جائے گی (جس کا حاصل آخرت میں ملے گا) اور لہو ولعب نہیں رہے گی۔

وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ اور تمہارے مال تم سے طلب نہیں کرے گا یعنی وہ تمہارے مال کا محتاج نہیں ہے تم کو ایمان وطاعت کا حکم اس لئے دے رہا ہے کہ اس کے بدلہ میں تم کو جنت عطا فرمادے۔ یہ مضمون دوسری آیت میں آیا ہے، فرمایا ہے۔ مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ

بعض اہل تفسیر نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا کہ اللہ صدقات وخیرات کی شکل میں تم سے تمہارا سارا مال نہیں طلب کرے گا بلکہ ایک حقیر قلیل حصہ یعنی چالیسواں حصہ بلکہ اس سے بھی کم طلب کرے گا۔ جیسے ۱۲۰ بکریوں میں ایک بکری لہٰذا تم کو غم نہ کرنا چاہئے۔ ابن عیینہ نے یہ تفسیر کی ہے۔ رفتار آیت بھی اسی مطلب کی مؤید ہے کیوں کہ ایمان و تقویٰ کی ترغیب اور دنیوی زندگی کی مذمت سے (بے وقوفوں کے دماغ میں) یہ وہم پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید اللہ اپنے راستہ میں ہمارا سارا مال صرف کرانا چاہتا ہے اس خیال کو دور کرنے کے لئے فرمایا اللہ تمہارا سارا مال طلب نہیں فرمائے گا۔

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ یعنی اگر وہ تم سے تمہارا سارا مال طلب کرتا اور تم کو دشواری میں ڈال دیتا۔ احفاء کسی کام کو آخری حد تک پہنچانا مبالغہ کرنا، حدیث میں آیا ہے احفوا الشوارب یعنی لبوں کو جڑ سے کاٹو تبخلوا تو تم بخل کرو اور مال نہ دیتے۔

ویخرج اضغانکم اور اللہ تمہارے سینوں میں چھپے ہوئے کینوں کو برآمد کر دیتا ہے یا تمہارا بخل تمہارے کینوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ قتادہ نے کہا اللہ کو معلوم تھا کہ مال طلب کرنے سے کینہ سامنے آجائے گا۔

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ

ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے تم کو بلایا جاتا ہے سو بعض تم میں سے وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے وہ خود اپنے سے بخل کرتا ہے اور اللہ تو کسی کا محتاج نہیں اور تم سب محتاج ہو۔

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ ھا حرف تنبیہ ہے انتم مبتدا ہے ہولاء اس کی خبر ہے یا ہولاء منادی حروف ندا محذوف ہے اور تدعون خبر ہے یا ہولاء اسم موصول ہے۔ تدعون صلہ ہے اور موصول صلہ مل کر انتم کی خبر ہے۔

تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا تم کو بلایا جارہا ہے کہ اتنا مال راہ خدا میں صرف کرو جتنا اللہ نے تم پر فرض کر دیا ہے زکوٰۃ ہو، جہاد کے مصارف ہوں یا کچھ ہو اور ہو بہر حال تمام فرض مصارف اس میں داخل ہیں۔

فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ یعنی تم میں سے کچھ لوگ فرض کردہ مصارف میں بھی بخل کرتے ہیں۔

عَنْ نَّفْسِهٖ راہ خدا میں خرچ کرنے کا فائدہ اور بخل کرنے کا ضرر خود خرچ کرنے والے یا بخل کرنے والے کی طرف ہی لوٹے گا۔ حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کون شخص ایسا ہے جس کو اپنے مملوکہ مقبوضہ مال سے زیادہ وارثوں (کی ملک اور قبضہ میں پہنچے ہوئے) مال سے زیادہ محبت ہو صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم میں سے تو ہر ایک کو اپنے (کام میں آنے والے) مال سے زیادہ محبت ہوتی ہے فرمایا تو اپنا مال وہی ہے جو اس نے پہلے بھیج دیا اور وارثوں کا مال وہ ہے جو (مرنے کے بعد) پیچھے چھوڑ گیا رواہ البخاری والنسائی۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر روز صبح کو دو فرشتے اترتے ہیں اور ایک کہتا ہے اے اللہ راہ حق میں خرچ کرنے والے کو بدل عنایت فرما دوسرا کہتا ہے اے اللہ روک کر رکھنے والے بخیل کے مال کو تلف کر دے متفق علیہ۔

حضرت اسماءؓ راوی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خرچ کرو اور گنتی نہ کرو ورنہ اللہ بھی گن گن کر دے گا اور بھر کر (یعنی جمع کر کے) نہ رکھو ورنہ اللہ بھی تجھ سے بند کر لے گا۔ اور تھوڑا تھوڑا دیتی رہ جہاں تک ہو سکے۔ متفق علیہ۔ حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ فرماتا ہے اے آدم زاد خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا (یعنی تجھے دوں گا) متفق علیہ۔

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ یعنی اللہ کو تمہارے عبادات و صدقات کی ضرورت نہیں۔

وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اور تم دنیا و آخرت میں اس کے محتاج ہو اس لئے اس نے جو چاہا تم کو حکم دیا۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ اور اے عرب! اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روگردانی کرو گے تو اللہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہیں ہوں گے بلکہ تم سے زیادہ اللہ کے فرماں بردار ہوں گے۔

کلبی نے کہا ان سے مراد بنی کندہ اور بنی نخع ہیں حسن نے کہا، عجمی مراد ہیں عکرمہؓ نے کہا، اہل فارس اور رومی مراد ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون لوگ ہوں گے کہ اگر ہم روگردانی کریں گے تو اللہ انکو ہماری جگہ لے آئے گا اور وہ ہماری طرح نہ ہوں گے حضور ﷺ نے سلمان فارسی کی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا، یہ اور اس کی قوم والے۔ اگر دین ثریا کے پاس چلا جائے تب بھی فارس کے کچھ لوگ اس کو لے لیں گے۔ رواہ البغوی والترمذی والحاکم وابن حبان۔ ترمذی اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[1]

سورۂ محمد ﷺ کی تفسیر مظہری بروز سہ شنبہ ۷ / جمادی ۱۲۰۸ھ کو ختم ہوئی۔

اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ میرا خاتمہ اس خیر پر ہو جس پر حضور ختم المرسلین ﷺ کے برگزیدہ لوگوں کا ہوا اے اللہ اس تفسیر کے ختم ہونے کا ثواب اپنے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ اور اولاد اور ازواج مطہرات کی پاک روحوں کو اور اولیاء امت محمدیہ خصوصاً شیخ شمس الدین حبیب اللہ مظہر اور آپ کے تمام مشائخ کو پہنچاوے۔ آمین۔

---

[1] صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے مذکور ہے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایمان اگر ثریا کے پاس پہنچا ہوا ہو گا تب بھی اولاد فارس کے کچھ لوگ اس کو پالیں گے۔ شیرازی نے الالقاب میں قیس بن سعد بن عبادہ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ حدیث قیس میں طبرانی نے یہ الفاظ مزید بیان کئے ہیں کہ (ایمان اگر ثریا کے پاس ہو) عرب اس کو نہیں پائیں گے اور اولاد فارس کے کچھ لوگ اس کو پالیں گے۔ شیخ محمد بن یوسف صالحی شافعی نے کہا شیخ شافعی یعنی جلال الدین سیوطی کے قول کے بموجب اس حدیث میں ابو حنیفہؒ اور آپ کے ساتھی مراد ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ علم کی جس چوٹی پر امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھی پہنچ گئے کوئی فارسی اس چوٹی تک نہیں پہنچا، امام ابو حنیفہؒ کے دادا اہل فارس میں سے ہی تھے۔ ابو حنیفہؒ کی اولاد دین کی بڑی اونچی سطح پر فائز ہوئی آپ ہی کی اولاد میں ابو علی شرف الدین قلندر پانی پتی اور قطب جمال اور قطب ہانسوی اور قطب عبد القدوس گنگوہی تھے۔ (از مفسر قدس سرہ)

سورۃ الفتح

یہ سورۃ مدنی ہے اس میں ۲۹ آیات اور چار رکوع ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝١ بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی۔

امام احمد، بخاری، ترمذی، نسائی، ابن حبان اور ابن مردویہ نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے فرمایا، ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تھے میں نے ایک بات کے متعلق تین بار رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا لیکن حضور ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا میں نے (اپنے دل میں) کہا عمر! تیری ماں تجھے روئے تو نے تین بار رسول اللہ ﷺ سے پوچھا لیکن حضور ﷺ نے کسی بار جواب نہیں دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر میں نے اپنے اونٹ کو بڑھایا اور دوسرے لوگوں سے آگے بڑھ گیا مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ میرے بارے میں قرآن کی کوئی آیت نازل ہو گی (جس میں شاید مجھ پر عتاب ہو) کچھ دیر گزری تھی کہ میں نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی جو مجھے پکار رہا تھا۔ میں فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا حضور ﷺ نے فرمایا آج رات مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے۔ جو ہر اس شے سے مجھے پیاری ہے۔ جس پر سورج نکلتا ہے پھر آپ نے إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا کی تلاوت فرمائی۔

حاکم وغیرہ نے حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم کی روایت سے بیان کیا کہ سورت فتح اول سے آخر تک مکہ اور مدینہ منورہ کے درمیان حدیبیہ کے واقعہ کے متعلق نازل ہوئی۔ فتح سے مراد کون سی فتح ہے اس بارے میں اقوال مختلف ہیں ابو جعفر رازی نے بوساطت قتادہ حضرت انسؓ کا قول بیان کیا ہے کہ اس سے مراد فتح مکہ ہے یعنی فتح مکہ کا وعدہ کیا گیا ہے چوں کہ مکہ کی فتح یقینی تھی اس لئے بہ لفظ ماضی اس کو بیان کیا گیا گویا اللہ فتح مکہ عطا کر چکا اس قول پر آیت میں بطور معجزہ ایک پیشن گوئی ہے۔

صحیح قول یہ ہے کہ فتح مبین سے مراد صلح حدیبیہ ہے امام احمد اور ابن سعد اور ابو داؤد اور حاکم اور ابن المنذر اور ابن مردویہ اور بیہقی نے (دلائل میں) حضرت مجمع بن جاریہ انصاری کی روایت سے بیان کیا۔ حضرت مجمع نے فرمایا ہم حدیبیہ سے کراع الغمیم کی طرف کو مڑے تو کراع الغمیم کے پاس ہم نے رسول اللہ ﷺ کو پایا (حضور ﷺ وہاں پہلے پہنچ گئے تھے) لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے آپ نے إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا پڑھ کر سنائی۔

ایک صحابی نے عرض کیا کیا یہ فتح ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بلاشبہ یہ فتح مبین ہے۔ ہم حضرت ابوبکر صدیق کا قول بیان کریں گے صدیق اکبرؓ نے فرمایا تھا اسلام میں کوئی فتح حدیبیہ کی صلح سے بڑھ کر نہیں ہوئی۔ بغوی نے حضرت براءؓ کی روایت سے بھی یہی بیان کیا ہے۔

صلح حدیبیہ کو کھلی فتح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ فتح کی تمہید ہوئی یا یوں کہا جائے کہ فتح کا معنی ہے کسی بندش کو دور کر دینا۔ بند چیز کو کھول دینا اور صلح حدیبیہ سے ہی وہ بندش کھل گئی جو مشرکوں کے ساتھ ملنے میں مانع تھی۔

بعض نے کہا کہ اس جگہ فتح کا معنی ہے فیصلہ کر دینا یعنی ہم نے فیصلہ کر دیا کہ آپ آئندہ سال مکہ میں داخل ہوں گے۔

شعبی نے لکھا ہے یہ فتح حدیبیہ ہی تو تھی جس میں اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو سب اگلی پچھلی لغزشیں معاف کر دیں اور مسلمانوں کو خیبر کے نخلستان کے پھل کھانے کو ملے (یعنی خیبر کی فتح ہو گیا) اور قربانیاں اپنے ذبح ہونے کے مقام تک پہنچ سکیں اور آئندہ سال رومی، ایرانیوں پر غالب آگئے اور مسلمانوں کو بھی غلبہ ملا کیوں کہ اہل کتاب رومی مجوسیوں پر فتح یاب ہو گئے۔

زہری نے کہا صلح حدیبیہ سے بڑی کوئی اور فتح نہیں ہوئی اس کی وجہ سے مشرکوں کو مسلمانوں سے اختلاط کرنے کا موقع ملا۔ کافروں نے مسلمانوں کا کلام سنا اور اس طرح مشرکوں کے دلوں میں مسلمانوں کی باتیں بیٹھ گئیں اور تین سال میں بکثرت مشرک مسلمان ہو گئے اور ان کے مسلمان ہونے سے مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔

ضحاک نے کہا بغیر لڑے فتح مبین ہو گئی۔ یہ صلح بھی فتح ہی کا ایک حصہ تھی۔ بیضاوی نے لکھا ہے اس صلح کو فتح اس لئے فرمایا کہ یہ صلح ہی اس وقت ہوئی تھی جب رسول اللہ ﷺ مشرکوں پر غالب آچکے تھے یہی وجہ تھی کہ صلح کی درخواست مشرکوں کی طرف سے کی گئی تھی اور یہ ہی صلح فتح مکہ کا ذریعہ بن گئی اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو باقی عرب کی طرف متوجہ ہونے کی فراغت مل گئی آپ نے ادھر سے فارغ ہو کر بہت سے مقامات فتح کئے اور بکثرت مخلوق حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔

لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ تاکہ اللہ آپ کی سب اگلی پچھلی فروگزاشتیں معاف فرما دے۔

لیغفر یہ فتح کی علت غائی (یعنی نتیجہ اور مقصد) ہے کافروں سے جہاد شرک کو مٹانے اور دین کو سر بلند کرنے کی کوشش۔ ناقص نفوس کو شروع میں زور اور قوت کے ساتھ کامل بنانا (یعنی کافروں پر بزور مسلمانوں کا غالب آنا) تاکہ آئندہ آہستہ آہستہ اختیار کے ساتھ درجہ کمال تک پہنچ سکیں اور کمزور مسلمانوں کو ظالموں کے ہاتھوں سے رہا کرانا ان تمام امور کا نتیجہ اور غایت مغفرت ہی ہے۔ بعض علماء کے نزدیک لیغفر کا لام (غایت کے لئے نہیں بلکہ) لام کئے ہے (جس کا ترجمہ ہے تاکہ) مطلب یہ ہو گا کہ آپکے لئے مغفرت کے ساتھ تکمیل نعمت اور فتح ہو جائے۔

حسین بن فضل نے کہا اس لام کا تعلق آیت وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ سے ہے جیسے لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ کے لام کا تعلق فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ سے ہے۔ حسین بن فضل کی یہ تفسیر بعید از عقل ہے۔

بعض کے نزدیک فاشکر فعل محذوف ہے اور لیغفر کا اسی سے تعلق ہے یا فاستغفر محذوف ہے اور لام کا اسی سے تعلق ہے۔

یہ قول محمد بن جریر کا ہے ابن جریر نے لکھا ہے اس جگہ لیغفر کا رجوع اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کی جانب ہے نصر اور فتح حاصل ہو جانے کے بعد اللہ نے (واستغفرہ فرمایا ہے) طلب مغفرت کا حکم دیا ہے اسی طرح یہاں بھی استغفر محذوف ہے۔

مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ یعنی وہ تمام فروگزاشتیں جو رسالت سے پہلے جاہلیت کے زمانہ میں آپ سے ہو گئی ہوں اور وہ تمام زلات (لغزشیں) جو رسالت کے بعد یعنی اس سورت کے نزول کے بعد آپ سے ہو جائیں اور ان پر عتاب ہو سکتا ہو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی معصیت کا ارتکاب کیا ہو۔ ابرار (صلحاء) کی نیکیاں بھی اہل قرب کے لئے برائیاں (لغزشیں فروگزاشتیں۔ غلطیاں) ہوتی ہیں۔

سفیان ثوری نے کہا ما تقدم سے مراد وہ فروگذاشتیں جو اسلام سے پہلے آپ ﷺ سے ہو چکیں اور ما تاخر سے نہ کی ہوئی غلطیاں مراد ہیں اس سے مراد ہے پختہ معافی یہ ایک محاورہ ہے۔ عرب کہتے ہیں زید نے اس شخص کو بھی دیا جس کو اس نے دیکھا اور اس کو بھی دیا جس کو کبھی نہیں دیکھا۔ اس کو بھی مارا جس کو پایا اور اس کو بھی جس کو نہیں پایا۔

عطاء خراسانی نے کہا ما تقدم سے مراد ہیں حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کی غلطیاں اور ما تاخر سے مراد ہیں امت کے گناہ یعنی آپ ﷺ کی برکت سے اللہ آدمؑ و حواؑ کی غلطیاں اور آپ ﷺ کی دعا سے آپ ﷺ کے امت کے گناہ معاف کر دے۔

وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ اور آپ ﷺ پر اپنے احسانات کی تکمیل کر دے۔
اس آیت میں اتمام نعمت، تکمیل دین، کلمہ اسلام کی سربلندی اور جاہلیت کے قلعہ کو مسمار کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے کہ مسلمان سکون واطمینان کے ساتھ حج اور عمرہ کریں گے۔ مشرکوں کا کوئی دخل نہیں رہے گا۔ مسلمانوں کے لئے کوئی رکاوٹ نہ رہے گی۔ اس وعدہ کے ایفا کا ذکر سورۂ مائدہ کی آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ کیا گیا ان ساری نعمتوں کی تکمیل نتیجہ ہے فتح مکہ اور صلح حدیبیہ کا۔
وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۟ اور آپ کو سیدھے راستہ پر لے چلے۔
صراط مستقیم سے مراد ہے تبلیغ رسالت، اصول اور ضوابط حکومت دریاست اور نبوت۔ بعض علماء کے نزدیک یہدیک مراد ہے یہدی بک (آپ کے ذریعہ سے اللہ بتادے گا سیدھا راستہ)
بعض نے کہا یہدیک سے مراد ہے آپ کو صراط مستقیم پر قائم رکھے گا یا یہ مطلب ہے کہ فتح کے ساتھ۔ مغفرت کی اور کمال دین کی ہدایت بھی کر دے گا کہ آپ کے بعد دین کے منسوخ ہونے کا جواز بھی ممکن نہ ہو۔
وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ اور اللہ آپ ﷺ کو (ایسا) غلبہ دے۔
ایک شبہ: ینصر کا عطف لیغفر پر ہے۔ اور مغفرت فتح پر مرتب ہے (یعنی فتح پہلے اور مغفرت اس کے بعد ہے) خواہ جہاد اور کوشش کا نتیجہ قرار دیا جائے یا شکر اور استغفار کا سبب۔ بہر حال مغفرت کا ترتب فتح پر ہوگا اور چونکہ ینصر کا عطف یغفر پر ہے اس لئے ضروری ہے کہ نصرت کا ترتب بھی فتح پر ہو (یعنی فتح کے بعد نصرت کا وقوع ہو) مگر معاملہ برعکس ہے نصرت فتح پر مقدم ہے کیوں کہ سبب فتح نصرت ہے۔
ازالہ: اگر فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہو تو ظاہر ہے کہ صلح تکمیل حکم خداوندی ہوئی اور تعمیل حکم خداوندی نزول نصرت کا سبب ہے اور اگر فتح سے مراد فتح مکہ ہو تو آیت کا فتح کا وعدہ ہوگا اور وعدہ نصرت کا سبب ہے اور نصرت فتح پر مقدم ہے۔
نَصْرًا عَزِيْزًا ۟ جس میں عزت ہی عزت ہے۔ یعنی جس کی وجہ سے وہ شخص عزت یاب ہو جائے جس کی نصرت کی گئی ہو۔ (اصل میں عزت پانے والا وہ شخص ہوتا ہے جس کی مدد کی جائے) نصرت کو عزت والا قرار دینا بطور مبالغہ ہے یا عزیز سے مراد ہے ایسی نصرت جس میں غلبہ اور قوت ہو۔
شیخین نے صحیحین میں اور ترمذی وحاکم نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حدیبیہ سے واپسی میں صحابہؓ بہت کبیدہ خاطر اور غمگین تھے اس وقت آیت اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھ پر (آج) ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو ساری دنیا سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔ جب حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی تو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مبارک ہو اللہ نے وہ بات آپ پر ظاہر کر دی جو ہمارے ساتھ اللہ کرنے والا ہے۔ اس وقت آیت ذیل فَوْزًا عَظِيْمًا تک نازل ہوئی۔
هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۟
وہ (خدا) وہی تو ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں تحمل پیدا کیا ہے تاکہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو جائے اور آسمان وزمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے اور اللہ بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔
سکینہ سے مراد ہے اللہ کے حکم کی تعمیل پر ثبات اور اطمینان۔ یعنی مسلمانوں کے دلوں کو اس مقام پر ثبات واطمینان عطا کیا جہاں دلوں میں تردد پیدا ہو جاتا ہے اور قدم ڈگمگانے لگتے ہیں جب کہ کافروں کے دلوں میں حمیت جاہلیت پیدا کر دی۔
اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ضحاک نے کہا (پہلے) یقین کے ساتھ تازہ یقین یعنی عقیدہ کا جماؤ اور دل کا اطمینان۔ کلبی نے کہا یہ حدیبیہ میں ہوا تھا جب کہ اللہ نے اپنے رسول کے خواب کو سچ کر دکھایا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے اپنے رسول کو لا الہ الا اللہ کی شہادت (دینے) اور لوگوں کو اس کی تعلیم (دینے) کے لئے بھیجا جب لوگوں نے اس کی تصدیق کر دی اور ایمان لے آئے تو پھر نماز (کی فرضیت کا اضافہ کر دیا پھر زکوٰۃ پھر روزہ پھر حج پھر جہاد کا مزید حکم دیا پھر ان کے دین کو پورے احکام دے کر مکمل کر دیا اس طرح جو حکم مزید آتا تھا اور لوگ اس کی تصدیق کرتے تھے تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو تا جاتا تھا۔

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ یعنی حدیبیہ میں صلح کرنے کا حکم مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے نہیں دیا گیا بلکہ اللہ کے علم و حکمت کا تقاضا یہی تھا اللہ کی مصلحت اس کی مقتضی تھی۔

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۗ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝

تاکہ اللہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایسی بہشتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور تاکہ ان کے گناہ دور کرے اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔

لیدخل اور یکفر کا تعلق لِيَزْدَادُوْٓا سے ہے یا لیزدادوا سے بدل اشتمال ہے یا حرف عطف محذوف ہے اور انزل سے متعلق ہے۔ یا لیغفر سے بدل اشتمال ہے اور فتحنا سے متعلق ہے اور جملہ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ معترضہ ہے۔

وَكَانَ ذٰلِكَ یعنی یہ جنت کا داخلہ اور گناہوں کا کفارہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے کیوں کہ حصول منافع اور دفع ضرر کی یہ ہی انتہا ہے۔

وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝

اور تاکہ عذاب دے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو کہ اللہ کے بارے میں بڑے برے گمان رکھتے ہیں ان پر برا بر اوقت پڑنے والا ہے (آخرت میں) اللہ ان پر غضب ناک ہوگا اور ان کو رحمت سے دور کر دے گا اور ان کے لئے اس نے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

یعذب کا عطف ید خل پر ہے۔ یہ بھی عطاء سکینہ کی علت کا جزو ہے جب مومنوں نے صلح حدیبیہ اور دوسرے امور میں اللہ کے حکم کی تعمیل کی تو منافقوں اور مشرکوں نے اہل ایمان کے دین پر طنز کیا اور مسلمانوں کو غضب آلود کر دیا اور اللہ کے متعلق بدگمانی کی اور یہی سبب ہو گیا ان پر اللہ کے عذاب نازل ہونے کا۔

الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ یعنی وہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ اپنے رسول اور اہل ایمان کی مدد نہیں کرے گا اور رسول اللہ ﷺ مدینے کو صحیح سلامت نہیں لوٹیں گے۔ یا بدگمانی کا یہ مطلب ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ دوسروں کے شریک ہونے کا گمان رکھتے ہیں۔

ظَنَّ السَّوْءِ یعنی ظن الامر السوء، سوء کا معنی ہے کسی چیز کی خرابی، بگاڑ فعل سوء، برا خراب قابل نفرت فعل۔

عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ جملہ دعائیہ ہے یعنی اللہ انہیں پر ہلاکت تباہی اور عذاب کا چکر ڈالے گا یا یہ مطلب ہے کہ مسلمانوں کے متعلق جو ان کا گمان ہے اور مسلمانوں کی تباہی کے وہ منتظر ہیں اس بدگمانی اور امید ہلاکت کا چکر انہیں پر پڑے گا۔

وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ یہ عذاب آخرت کی تفصیل ہے جس کے مستحق وہ دنیا میں (اپنی بدگمانی و بد عملی کی وجہ سے) ہوئے تھے۔

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ اور اللہ ہی کے ہیں آسمانوں کے اور زمین کے لشکر اور اللہ غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ یعنی اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں سارے جہان کے لشکر پس وہ اپنے نبی اور مومنوں کے دشمنوں کی سازشوں کو جس طرح چاہے دفع کردے گا اور وہی سب پر غالب ہے اس لئے اس کے عذاب کو کافروں سے کوئی دور نہیں کر سکتا۔ اور وہی حکمت والا ہے۔ جس طرح چاہتا ہے انتظام و تدبیر کرتا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۹﴾ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا کر کے بھیجا ہے تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو اور صبح شام اس کی پاکی بیان کرتے رہو۔

تعزروہ اس کی مدد کرو۔

توقروہ اس کی تعظیم کرو۔

تسبحوہ تاز یا صفات سے اس کی پاکی کا اظہار کرو۔ یا تسبیح سے مراد ہے نماز پڑھنا۔

تینوں جگہ ضمیریں اللہ کی طرف راجع ہیں اور اللہ کی مدد کرنے سے مراد ہے اللہ کے نازل کردہ دین اور اللہ کے رسول کی مدد کرنا، اللہ کی مدد کرنے کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ کی طرف ہر طرح کی طاقت کی نسبت کرو کسی دوسرے کی طرف طاقت کو منسوب نہ کرو۔ اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہو۔

بغوی نے لکھا ہے کہ تعزروہ اور توقروہ کی (مفعولی) ضمیریں رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہیں۔ اور تسبحوہ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے اس تفسیر پر ضمیروں میں انتشار ہو جائے گا اس لئے زمخشری نے اس تفسیر کو بعید (از سیاق) قرار دیا ہے۔ ہم کہتے ہیں جب قرینہ موجود ہو اور مطلب میں اشتباہ نہ ہو تو انتشار ضمائر میں کوئی ہرج نہیں۔

بکرۃ و اصیلا یعنی ہمہ اوقات اس کی پاکی بیان کرو یا صبح شام اس کی نماز پڑھو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ در حقیقت اللہ سے بیعت کرتے رہے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ یعنی اے محمد ﷺ! حدیبیہ میں جو آپ کے ہاتھ پر یہ بیعت (معاہدہ) کر رہے ہیں کہ میدان جنگ سے فرار نہیں کریں گے اور اس وقت تک لڑتے رہیں گے کہ فتح یاب ہوں یا مارے جائیں۔

اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ وہ حقیقت میں اللہ سے بیعت کر رہے ہیں کیوں کہ رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے کا اصل مقصد اللہ ہی سے معاہدہ کرنا ہے۔

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ یہ جملہ استینافیہ ہے اور کلام کی بناء استعارہ تخییلیہ پر ہے اوپر کی آیت میں جب رسول اللہ ﷺ کی بیعت کو اللہ کی بیعت قرار دیا اور بیعت کا مشہور معنی ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا ہی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی لوگوں سے اس طرح بیعت لی تھی تو گویا اللہ کے ہاتھ کا (بوقت بیعت) ان کے ہاتھ پر ہونے کا تخیل پیدا ہو گیا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، اللہ نے جو ان سے خیر کا وعدہ کیا تھا اس کو پورا کرنے والا اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر تھا۔ میں کہتا ہوں، جب ید اللہ سے (بقول حضرت ابن عباسؓ ایفائے وعدہ کا ہاتھ مراد ہو گا تو اس وقت ید اللہ اللہ کی ایک خاص صفت قرار پائے گی جس کی کیفیت ناقابل تصور ہے۔

کلبی نے کہا ید اللہ یعنی اللہ کی طرف سے ہدایت کی نعمت۔ فوق ایدیہم یعنی انہوں نے جو بیعت کی تھی مطلب یہ کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی اس سے بالاتر اللہ نے ہدایت کی نعمت ان کو عطا کی۔

عبد بن حمید اور ابن جریر نے بروایت مجاہد قتادہ اور بیہقی نے صرف مجاہد کی روایت سے اور ابن جریر نے ابن یزید اور محمد بن عمرو کے حوالہ سے بیان کیا کہ حدیبیہ کو روانگی سے پہلے مدینہ میں رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے

صحابہ امن کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ کچھ لوگوں کے سر منڈے ہوئے ہیں لو کچھ نے بال کتروائے ہیں اسی حالت
آپ ﷺ نے کعبہ کی کنجی لے لی اور بیت اللہ میں داخل ہوگئے۔ کذاقال البغوی و محمد بن یوسف الصالحی
سبیل الرشاد بعض اقوال میں بروایت مجاہد آیا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ خواب اس وقت دیکھا تھا جب آپ ﷺ حدیبیہ
تھے۔ اول روایت صحیح ہے۔

ابن سعد اور محمد بن عمر وغیرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آس پاس کے صحرا نشین لوگوں کو اور (دوسر) عرب
اپنے ساتھ نکل چلنے کی ترغیب دی لیکن آپ کو اندیشہ لگا ہوا تھا کہ قریش ضرور تعرض کریں گے اور کعبہ تک پہنچنے میں (کاو
ڈالیں گے (آپ کی طلب کے باوجود) بکثرت بادیہ نشین لوگ نہیں آئے۔

امام احمد، بخاری، عبد بن حمید، ابوداؤد اور نسائی وغیرہ نے بروایت زہری بیان کیا اور محمد بن اسحاق نے بروایت زہری از ع
از مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکیم بیان کیا کہ (حدیبیہ کو روانہ ہونے سے پہلے) رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر کے اندر جا
غسل کیا، پھر صحابہؓ کے بنے ہوئے دو کپڑے (چادر اور لنگی) پہنے پھر دروازے کے پاس سے ہی قصویٰ ملی اونٹنی پر سوار ہو۔
حضرت ام سلمہؓ کو ساتھ لیا ام منیع اسماء بنت عمرو اور ام عمارہ اشہلیہ بھی آپ کے ساتھ تھیں مہاجرین، انصار اور دوسرے عر
بھی آپ ﷺ کے ساتھ آکر مل گئے رسول اللہ ﷺ کے خواب کی وجہ سے کسی کو فتح میں شک بھی نہیں تھا۔ ان حضرات کے پا
تلواروں کے علاوہ اور اسلحہ بھی نہیں تھے اور تلواریں بھی نیاموں کے اندر تھیں۔ حضور ﷺ نے قربانی کے جانور پہلے سے بھیج
دیئے تھے یکم ذیقعدہ ۶ھ بروز دوشنبہ مدینہ سے روانہ ہوئے دوپہر کو ذوالحلیفہ میں پہنچ کر ظہر کی نماز پڑھی۔ قربانی کے لئے
اونٹ تھے سب کو جھولیں پہنائی گئیں اور ان میں سے چند کو قبلہ رخ کھڑا کر کے دائیں پہلو پر خود زخم لگائے (اشعار کیا) اور با
اونٹوں کو اشعار کرنے کا حکم ناجیہؓ بن جندب کو دیا اور ایک ایک جوتہ (قربانی کے) ہر اونٹ کی گردن میں ڈال دیا مسلمانوں نے ا
اپنی قربانی کے اونٹوں کو اشعار کیا اور ان کی گردنوں میں ایک ایک جوتہ لٹکا دیا۔ مسلمانوں کے ساتھ دو سو گھوڑے بھی تھے رسو
اللہ ﷺ نے بشر بن سفیان کو قریش کی خبریں معلوم کرنے کے لئے بطور جاسوس پہلے بھیج دیا اور عباد بن بشر کو بیس سواروں کے
ساتھ بطور ہراول آگے روانہ کر دیا کہا جاتا ہے کہ ہراول دستہ کا کمانڈر سعد بن زید اشہلی کو مقرر کیا تھا۔ پھر آپ نے دو رکعت نما
پڑھی اور ذوالحلیفہ کی مسجد کے دروازہ سے اونٹنی پر سوار ہوگئے اونٹنی قبلہ رخ تھی جب اونٹنی اٹھی تو آپ ﷺ نے عمرہ کا احرا
باندھ لیا تاکہ لوگوں کو یہ خطرہ نہ ہو کہ آپ لڑائی کے ارادہ سے روانہ ہوئے ہیں بلکہ سب کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ ﷺ کا ارادہ
کعبہ کی زیارت کا ہے۔

حضورؐ نے لبیک کہی آپ کے احرام کے ساتھ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ اور اکثر صحابہؓ نے بھی احرام باندھ لیا بعض
صحابہؓ نے جحفہ پہنچ کر احرام باندھا آپ ﷺ بیداء کے راستے سے چلے مکہ اور مدینہ کے درمیان قبائل بنی بکر، مزینہ اور جہینہ
کی آبادیاں تھیں آپ کا گزر ان کی طرف سے ہوا تو آپ نے ان کو بھی چلنے کی ترغیب دی لیکن وہ اپنے مالی مشاغل میں مشغول رہے
اور آپس میں ایک نے دوسرے سے کہا محمد ﷺ ہم کو ایسے لوگوں سے لڑنے کے لئے جا رہے ہیں جو گھوڑوں اور ہتھیاروں کے
لحاظ سے بالکل تیار ہیں۔ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی سب لقمہ بن جائیں گے نہ کبھی محمد ﷺ لوٹ کر آئیں گے نہ ان کے ساتھی۔
یہ نہتے لوگ ہیں نہ ان کے پاس اسلحہ ہیں نہ ان کی کوئی معقول تعداد ہے نہ سروسامان۔ اسی سفر میں ایک واقعہ یہ ہوا کہ حضرت
قتادہؓ نے جو احرام میں نہ تھے اور گور خر شکار کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس کا کچھ حصہ پیش کیا۔ یہ واقعہ مقام ابواء کا ہے
سورۂ مائدہ کی تفسیر میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

رسول اللہ ﷺ جب جحفہ میں پہنچے تو ایک درخت کے نیچے پڑاؤ کا حکم دیا اور فروکش ہونے کے بعد لوگوں کو خطاب کیا اور
فرمایا میں تمہارا پیش خیمہ (ہراول) بننے والا ہوں اور تمہارے لئے دو چیزیں چھوڑ جاؤں گا اللہ کی کتاب اور اللہ کے نبی کی سنت اگر
تم ان کو پکڑے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

(مکہ کے) مشرکوں کو جب رسول اللہ ﷺ کی روانگی کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے جمع ہو کر باہم مشورہ کیا اور کہا محمد ﷺ زبردستی عمرہ کرنے کے لئے اپنے لشکر کو لے کر ہم پر آنا چاہتے ہیں عرب سنیں گے کہ محمد ﷺ زبردستی ہم پر چڑھ آئے جب کہ ہمارے اور ان کے درمیان جو لڑائی ہے وہ سب کو معلوم ہے (تو ہماری کمزوری ظاہر ہو گی) ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ اس کے بعد دو سو سواروں کا کمانڈر بنا کر خالد بن ولید کو انہوں نے کراع الغمیم کو بھیجا خالد بن ولید مختلف قبائل کی ٹولیوں کو بھی ساتھ لے کر روانہ ہو گئے اور بنی ثقیف بھی ان کے ساتھ کھنچ کر آ گئے اس طرح سب لوگ بلدح کے مقام پر پہنچ گئے اور وہاں ڈیرے خیمے نصب کر دیئے عورتوں اور بچے بھی ان کے ساتھ تھے بلدح میں فوجی اجتماع ہو گیا سب نے اتفاق کر لیا کہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کریں گے اور مکہ میں ان کو گھسنے نہیں دیں گے دس آدمیوں کو جاسوسی کے لئے پہاڑیوں پر مقرر کر دیا پہلا جاسوس دوسرے کو بطور اشارہ آواز سے کہتا تھا کہ محمد ﷺ اب یہ کر رہے ہیں دوسرا تیسرے سے اور تیسرا چوتھے سے یہی کہتا تھا اس طرح رسول اللہ ﷺ کی ہر نقل و حرکت کی قریش تک اطلاع پہنچ جاتی تھی بشر بن سفیان جن کو رسول اللہ ﷺ نے جاسوس مقرر کر کے بھیجا تھا مکہ سے لوٹ آئے اور عسفان کے عقب میں غدیر الاشطاط کے مقام پر رسول اللہ ﷺ سے ملے اور عرض کیا قریش کو آپ کی روانگی کی اطلاع مل گئی ہے وہ مکہ سے نکل آئے ہیں ان کے ساتھ نوزائیدہ بچے بھی ہیں (اس وقت) وہ مقام ذی طویٰ میں فروکش ہیں اور سب نے خدا کی قسمیں کھا کر معاہدہ کر لیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی اندر گھسنے نہیں دیں گے خالد بن ولید کو انہوں نے کراع الغمیم کو پہلے بھیج دیا ہے یہ خبر سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افسوس قریش کے حال پر۔ ان کو لڑائیاں کھا گئیں مجھے اگر عرب کے لئے یہ لوگ آزاد چھوڑ دیتے اور میرے اور عرب کے معاملے میں دخل نہ دیتے تو ان کا کیا نقصان ہو جاتا اگر عرب مجھ پر غالب آ جاتے تو ان کی مراد پوری ہو جاتی اور اگر اللہ مجھے عرب پر غالب کر دیتا تو یہ بھی ہماری جماعت میں) داخل ہو جاتے اور تعداد کو بڑھاتے اور اگر وہ ایسا نہ بھی کرتے (مسلمانوں کی جماعت میں داخل نہ ہوتے) تب بھی ان میں طاقت ہوتی اور وہ دشمنوں سے لڑ سکتے۔ قریش کا کیا خیال ہے خدا کی قسم میں ان سے اس دین کی بنیاد پر برابر جہاد کرتا رہوں گا جو مجھے اللہ نے عطا فرما کر بھیجا ہے یہاں تک کہ اللہ اس کو غالب کر دے یا یہ گردن تمہارہ جائے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں (کے حلقہ) میں کھڑے ہو کر اول خدا کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا بعد! اے گروہ اہل اسلام! مجھے مشورہ دو تمہاری کیا رائے ہے کیا میں ان لوگوں کے بال بچوں کی طرف اپنا رخ موڑ دوں اور ہم ان کو پکڑ لیں اس پر اگر چپ ہو کر یہ لوگ بیٹھ رہے تو بغیر انتقام لئے بیٹھ رہیں گے اور اگر ہمارے مقابلہ پر آئیں گے تو اللہ ان میں سے کچھ لوگوں کی گردن کاٹ دے گا یعنی ان میں کی ایک جماعت ماری جائے گی اور یا تمہاری یہ رائے ہے کہ ہم کعبہ کی زیارت کے ارادے سے چلیں پھر جو لوگ ہم کو کعبہ سے روکیں ہم ان سے لڑیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ کعبہ کے ارادہ سے چلے ہیں آپ کا ارادہ نہ کسی سے قتال کرنے کا تھا نہ لڑنے کا لہٰذا آپ کعبہ کا رخ کیجئے اگر کسی نے ہم کو راستہ میں روکا تو ہم اس سے جنگ کریں گے۔ حضرت اسیدؓ بن حضیر نے حضرت ابو بکرؓ کے قول کی تائید کی۔

ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے کلام کے بعد حضرت مقداد بن اسود نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر سے کہی تھی کہ تم جاؤ اور تمہارا رب جائے۔ دونوں جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے بلکہ ہم آپ سے یہ کہیں گے کہ آپ (بھی) جائیں آپ کا رب بھی جائے اور دونوں جا کر (مشرکوں سے) لڑیں ہم بھی آپ کی معیت میں لڑیں گے حضور ﷺ نے فرمایا تو پھر بسم اللہ کہہ کر چل پڑو۔ خالد بن ولید اپنے سواروں کے ساتھ اتنے قریب آ گئے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ان کو دکھائی دینے لگے چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور قبلہ کے درمیان صف بندی کر دی رسول اللہ ﷺ نے بھی عباد بن بشر کو آگے بڑھ کر صف بندی کرنے کا حکم دے دیا عباد نے بھی آگے بڑھ کر خالد کے مقابل اپنے سواروں کو صف بند کر دیا اتنے میں ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا بلال نے اذان دی اور اقامت کہی رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی نماز پڑھائی خالد نے کہا یہ لوگ غفلت کی حالت میں تھے اگر نماز میں ہم ان پر حملہ کر دیتے تو کامیاب ہو جاتے خیر ابھی ان کی دوسری نماز کا وقت آئے گا جو ان کو جان و اولاد سے زیادہ پیاری ہے (اس وقت حملہ کریں گے) حضرت جبرائیل ظہر اور عصر کے درمیان

آیت وَاِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ لے کر آگئے عصر کی نماز کا وقت ہو گیا رسول اللہ ﷺ نے (حسب مضمون آیت) صلوٰۃ خوف پڑھی اس کی تفصیل سورت نساء میں گزر چکی ہے محمد بن عمر اور بزار نے معتبر قابل اعتماد راویوں کی سند سے حضرت ابو سعیدؓ خدری کا بیان نقل کیا ہے کہ شام ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دائیں طرف حمص کے سامنے کے راستے پر چلو کیوں کہ خالد بن ولید سواروں سمیت قریش کے ہراول کے طور پر کراع الغمیم میں موجود ہیں رسول اللہ ﷺ صحابہ پر بڑے مہربان تھے آپ خالد سے تصادم نہیں چاہتے تھے حضور ﷺ نے فرمایا تم میں سے حنظل والی گھاٹی سے کون واقف ہے بریدہ بن حصیب نے جواب دیا میں واقف ہوں۔

مسلم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے اور ابو نعیم نے حضرت ابو سعیدؓ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ حدیبیہ کے سال ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے جب عسفان میں پہنچے تو پچھلی رات میں چل کر حنظل والی گھاٹی کے سامنے پہنچ گئے حضور ﷺ نے فرمایا آج رات اس گھاٹی کی مثال اس دروازہ کی سی ہے جس میں داخل ہونے کا حکم اللہ نے بنی اسرائیل کو دیا تھا اور فرمایا تھا اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ آج رات اس گھاٹی کو جو شخص عبور کرے گا اللہ اس کی مغفرت فرما دے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم کو اندیشہ ہے کہ قریش ہماری جلائی ہوئی آگ دیکھ لیں گے (یعنی جب گھاٹی میں ہم آگ جلائیں گے تو قریش ہم کو دیکھ لیں گے) فرمایا وہ تم کو ہرگز نہیں دیکھ سکیں گے پھر فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمام سواروں کو (یا سارے قافلے کو) سوا اس ایک شخص کے جو سرخ اونٹ پر سوار ہے بخش دیا گیا (لوگوں نے جستجو کی وہ بد قسمت کون ہے جس کی مغفرت نہیں ہوئی ہے تو معلوم ہوا کہ) وہ بنی ضمرہ کا ایک شخص ہے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ ہم نے اس شخص سے کہا چل ہم رسول اللہ ﷺ سے درخواست کریں کہ تیرے لئے حضور ﷺ دعا مغفرت کر دیں کہنے لگا اگر میری گمشدہ اونٹنی مجھے مل جائے تو آپ لوگوں کے ساتھی کی دعا سے مجھے زیادہ پسند ہے اسی اثناء میں جب ہم سراوع کے سامنے پہنچ گئے تو اس کی اونٹنی کا پاؤں پھسلا اور وہ گر کر مر گیا اور کسی کو معلوم بھی نہ ہوا جب تک درندوں نے اس کو کھا نہ لیا۔

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے قریب پہنچے تو آپ کی اونٹنی کا اگلا پاؤں زمین میں پڑ گیا (یعنی بیٹھ گئی) لوگوں نے کہا حل حل لیکن اونٹنی نے اٹھنے سے انکار کر دیا اور جمی بیٹھی رہی مسلمانوں نے کہا قصویٰ اڑ گئی حضور ﷺ نے کہا قصویٰ اڑی نہیں ہے اور نہ یہ (اڑ کر بیٹھنا) اس کی عادت ہے بلکہ اس کو اسی نے روک رکھا ہے جس نے مکہ سے ہاتھیوں کو روکا تھا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آج قریش جس بات کا مجھ سے مطالبہ کریں گے بشرطیکہ اس میں حرمات خداوندی کی تعظیم ہو میں منظور کر لوں گا پھر حضور ﷺ نے اونٹنی کو ڈانٹا اونٹنی فوراً اچھل کر کھڑی ہو گئی اس کے بعد حضور ﷺ رخ موڑ کر چلے اور حدیبیہ کے آخری کنارہ پر جہاں تھوڑا سا پانی تھا ایسا ہی ہوا لوگوں نے تھوڑی ہی دیر میں سارا پانی اس تالاب یا کنویں کا کھینچ کر ختم کر دیا کچھ لوگوں نے حضور ﷺ سے پانی کی قلت کی شکایت کی آپ نے فوراً ترکش میں سے ایک تیر نکال کر حکم دیا کہ اس تیر کو اس جگہ گاڑ دو جہاں گڑھے میں پانی جمع ہو۔ (حکم کی تعمیل کی گئی) پھر تو سیراب ہو ہو کر لوگ اس سے باہر نکلنے لگے حضرت مسور کا بیان ہے کہ پانی اتنا زیادہ ہوا کہ لوگ کنارے پر بیٹھے بیٹھے اپنے برتن بھرنے لگے اور تیر لے کر پانی کے اندر اترنے والے ناجیہ بن جندب تھے جو رسول اللہ ﷺ کے اونٹوں کو ہنکانے والے تھے۔ محمد بن عمر کی روایت ہے کہ ابو مروان نے کہا مجھ سے چودہ صحابیوں نے بیان کیا کہ تیر لے کر پانی میں اترنے والے ناجیہ بن عجم تھے ناجیہ کا بیان ہے کہ لوگوں نے جب پانی کی کمی کی شکایت کی تو حضور ﷺ نے مجھے طلب فرما کر ترکش سے ایک تیر کھینچ کر مجھے دیا اور کم پانی والے اس کنویں سے ایک ڈول پانی لانے کا حکم دیا میں ڈول بھر کر لایا حضور ﷺ نے وضو کیا اور منہ میں کلی لے کر ڈول میں تھوک دیا سخت گرمی پڑ رہی تھی اور وہ کنواں ایک ہی تھا مشرک پہلے ہی بلدح میں پہنچ گئے تھے اور وہاں کے تمام پانیوں پر انہوں نے قبضہ کر لیا تھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ڈول کو لے کر نیچے اتر جانا اور کنویں میں اس کو الٹ دینا اور تیر کو اس میں گاڑ دینا میں نے حکم کی تعمیل کی قسم ہے اس کی جس نے حضور ﷺ کو نبی برحق بنا کر بھیجا میں نکلنے بھی نہ پایا تھا کہ پانی میرے اوپر آ گیا اور ہانڈی

کے ابال کی طرح ابلنے لگا یہاں تک کہ اچھل کر کناروں کے برابر آگیا لوگ اس کے کنارے ہی سے چلو بھر بھر کر لینے لگے۔
امام احمد اور بخاری وغیرہ نے حضرت براء کی روایت سے اور مسلم نے حضرت سلمہؓ بن اکوع کی روایت سے اور ابو نعیم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور بیہقی نے عروہؒ وغیرہ کی روایت سے بھی اسی طرح ڈول الٹنے کا واقعہ بیان کیا ہے لیکن ان روایات میں تیر کا تذکرہ نہیں ہے۔

بخاری نے حضرت جابرؓ کی روایت سے اور مسلم نے حضرت سلمہؓ بن اکوع کی روایت سے بیان کیا کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کو پیاس لگی اس وقت رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک چھوٹی سی چھاگل (یا پانی پینے کا چمڑے کا پیالہ) رکھی ہوئی تھی لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس پانی نہیں کہ وضو کریں نہ پینے کے لئے پانی ہے بس اتنا ہی پانی ہے جو آپ کے کٹورے میں ہے حضور ﷺ کے سامنے ایک بڑا پیالہ رکھا ہوا تھا (حسب الحکم) ہم نے وہ پانی اس پیالے میں الٹ دیا اور حضور ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اس میں ڈال دیئے فوراً آپ کی انگلیوں کے بیچ میں سے پانی جوش مار کر چشموں کی طرح ابلنے لگا ہم نے وہ پانی (خوب پیا) اور وضو کیا حضرت جابرؓ سے دریافت کیا گیا آپ لوگ اس روز کتنے تھے حضرت جابرؓ نے فرمایا ہم تھے تو پندرہ سو لیکن اگر ایک لاکھ ہوتے تب بھی سب کے لئے کافی ہو جاتا رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ میں مطمئن ہو گئے تو بدیل بن ورقا خزاعہ قبیلہ کے کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر آیا (بعد کو بدیل مسلمان ہو گیا) اس کے ساتھیوں میں عمرو بن سالم حراس بن امیہ، خارجہ بن کرز اور یزید بن امیہ بھی تھے سب لوگوں نے آکر سلام کیا پھر بدیل نے کہا ہم آپ کے پاس آپ کی قوم کعب بن لوی اور عامر بن لوی (یعنی قریش) کی طرف سے آئے ہیں وہ آپ کے مقابلہ کے لئے تمام قبائل کے لوگوں کو اور ان سب لوگوں کو نکال کر لے آئے ہیں جو ان کی بات مانتے ہیں اور حدیبیہ کے پانیوں پر یہ تمام لوگ اترے ہیں ان کے ساتھ نوزائیدہ بچوں کی مائیں بھی ہیں اور چھوٹے بچے بھی ہیں سب لوگوں نے اللہ کی قسمیں کھائی ہیں۔ کہ وہ آپ کو کعبہ تک پہنچنے کا راستہ نہیں دیں گے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے صرف اس کعبہ کا طواف کرنے آئے ہیں جو کوئی ہم کو اس سے روکے گا ہم اس سے لڑیں گے قریش کو لڑائی ہی نے انتہائی کمزور کر دیا اگر قریش چاہتے ہوں تو ہم ان سے ایک مقررہ مدت کے لئے امن معاہدہ کرنے کو تیار ہیں (شرطیہ ہے کہ) وہ ہمارے اور دوسرے لوگوں کے معاملہ میں دخل نہ دیں دوسرے لوگوں کی تعداد قریش سے زائد ہے (ان کو ان کی مدد کرنے کی ضرورت نہیں) اگر وہ لوگ مجھ پر غالب آجائیں گے تو قریش کی مراد پوری ہو جائے گی اور اگر میری بات غالب آئی تو قریش کو پھر بھی اختیار ہو گا کہ چاہیں تو اسی دین میں داخل ہو جائیں جس میں دوسرے لوگ داخل ہوں اور چاہیں تو ہم سے اکٹھے ہو کر لڑیں۔ لیکن اگر یہ لوگ اس پر بھی نہیں مانیں گے تو خدا کی قسم میں اپنے کام کی کوشش میں اس حد تک لگا رہا ہوں گا کہ میری گردن اکیلی رہ جائے یا اللہ اپنا حکم نافذ کر دے (یعنی میں کامیاب ہو جاؤں) بدیل نے آپ کی یہ باتیں میں قریش کو پہنچا دوں گا چنانچہ بدیل نے قریش سے آکر کہا ہم محمد ﷺ کے پاس سے آرہے ہیں اور آپ لوگوں کو ان کی گفتگو کے متعلق اطلاع دینا چاہتے ہیں عکرمہؓ بن ابو جہل او حکمؓ بن عاص یہ دونوں آئندہ مسلمان ہو گئے تھے) نے کہا ہم کو ان کی گفتگو کی اطلاع دینے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ان سے جا کر ہماری بات کہہ دو کہ اس سال جب تک ایک آدمی بھی باقی ہے وہ مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتے۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے مشورہ دیا کہ بات سنو پھر چاہو مانا پسند نہ ہو نہ مانا صفوانؓ بن امیہ اور حارثؓ بن ہشام (یہ دونوں بھی آئندہ مسلمان ہو گئے تھے) نے کہا اچھا تم نے جو کچھ سنا ہے بیان کرو رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا تھا بدیل نے وہ بیان کر دیا اس کے بعد عروہ نے کہا اے میری قوم کیا تم میرے بچے نہیں ہو لوگوں نے کہا کیوں نہیں، عروہ نے کہا کیا میں تمہارا باپ نہیں لوگوں نے کہا کیوں نہیں (عروہ بن مسعود خاندان عبد شمس کی سات قریشی شاخوں سے رشتہ رکھتا تھا) عروہ نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ میں اہل عکاظ کو تمہاری مدد کے لئے) نکال کر لایا تھا لیکن جب ان کے پاس میں نے کچھ نہیں پایا تو اپنے اہل و اولاد کو ان لوگوں کو تمہارے پاس لے آیا جنہوں نے میرا کہنا مانا۔ لوگوں نے کہا بے شک عروہ نے کہا تو اس شخص نے ایک اچھی بات تمہارے سامنے رکھی ہے تم یہ بات قبول کرو اور مجھے اجازت دو کہ میں اس کے پاس جاؤں اور بات کروں) رسول اللہ ﷺ نے

عروہ سے بھی وہی بات کہی جو بدیل سے کہی تھی عروہ نے کہا محمد ﷺ! دیکھو اگر تم اپنی قوم کی جڑ کھاڑ پھینکی (تو کیا یہ کوئی اچھی بات ہو گی) کیا تم نے سنا ہے کہ کسی عرب نے پہلے خود اپنی بیخ کنی کی ہو اور اگر کوئی دوسری بات ہوئی (یعنی تم مغلوب ہوئے تو بعید نہیں کیوں کہ) خدا کی قسم (تمہارے گرد اگرد) کچھ رذیل لوگوں کے چہرے دیکھ رہا ہوں جو تمہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے یہ بات سنکر حضرت ابو بکرؓ صدیق نے فرمایا تو لات کی شرم گاہ کو چوستا رہ کیا ہم حضور ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے عروہ نے کہا یہ کون شخص ہے لوگوں نے کہا ابو بکر ہیں عروہ نے کہا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تیرا سابق احسان مجھ پر نہ ہوتا جس کی اطلاع میں نے تجھے ابھی نہیں دی ہے تو میں تیری بات کا جواب دیتا۔ عروہ نے ایک بار کسی قتل کی دیت (خون بہا) ادا کرنے کا بار اپنے اوپر اٹھایا تھا اس کی امداد میں کسی نے ایک حصہ کسی نے دو حصے کسی نے تین سہام دیئے تھے اور حضرت ابو بکرؓ نے دس سہام دیئے تھے عروہ پر حضرت ابو بکرؓ کا یہی احسان تھا (جو عروہ کو یاد تھا اور اسی کی طرف عروہ نے اشارہ کیا تھا) اس کے بعد عروہ رسول اللہ ﷺ سے بات کرنے لگا اور بات کرنے میں رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک (ہاتھ بڑھا کر) پکڑنے لگا۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ تلوار لئے خود اوڑھے رسول اللہ ﷺ کے سر کے پیچھے کھڑے تھے جب عروہ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی کی طرف ہاتھ بڑھاتا آپ تلوار کا پھل اس کے ہاتھ پر ماتے تھے اور فرماتے تھے رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک سے اپنا ہاتھ الگ رکھ کسی مشرک کے لئے ریش مبارک کو چھونا مناسب نہیں عروہ نے سر اوپر اٹھا کر پوچھا یہ کون ہے لوگوں نے کہا مغیرہ بن شعبہ عروہ نے کہا او غدار کل ہی تو تو نے اپنے سرینوں کی نجاست عکاظ میں دھوئی ہے اور ہمیشہ کے لئے تو نے ہی بنی ثقیف کی عداوت ہمارے اندر پیدا کر دی ہے واقعہ یہ ہوا تھا کہ حضرت مغیرہ دور جاہلیت میں کچھ لوگوں کے ساتھ موقع پا کر آپ نے ان کو قتل کر دیا اور ان کا مال لوٹ لیا پھر آ کر مسلمان ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام کو تو میں قبول کرتا ہوں لیکن اس مال سے میرا کوئی تعلق نہیں (میں اس کا ذمہ دار نہیں) اس کے بعد عروہ اپنی آنکھوں سے صحابہ کرامؓ کی حالت کا مشاہدہ کرنے لگا اس نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی ناک کی ریزش جو پھینکتے ہیں اس کو زمین پر گرنے سے پہلے کوئی صحابی اپنے ہاتھ پر لے کر منہ اور جلد پر مل لیتا ہے جب حضور ﷺ کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو صحابی باہم اس کام کو کرنے کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں اور جب آپ ﷺ وضو کرتے ہیں تو وضو کا استعمال پانی لینے کے لئے صحابی ایسی چھینا جھپٹی کرتے ہیں جیسے باہم لڑ پڑیں گے جب آپ ﷺ کوئی بات کرتے ہیں تو آپ ﷺ کے بولنے کے وقت سب لوگ اپنی آوازیں پست کر لیتے اور تعظیم و ادب کی وجہ سے نظر اٹھا کر آپ کی طرف نہیں دیکھتے یہ دیکھ کر عروہ اپنے رفقاء کے پاس لوٹ کر آیا اور کہا میری قوم والو! خدا کی قسم میں بادشاہوں کے پاس گیا۔ قیصر اور کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی حاضر ہوا لیکن بخدا کسی کے ساتھیوں کو بادشاہ کی ایسی تعظیم کرتے نہیں دیکھا جیسے محمد ﷺ کے ساتھی محمد ﷺ کی کرتے ہیں جب محمد ﷺ ناک کی ریزش پھینکتے ہیں تو وہ زمین پر پہنچنے سے پہلے کسی صحابی کے ہاتھ پر پڑتی ہے اور وہ اس کو اپنے چہرے اور جلد پر مل لیتا ہے اور جب وہ وہ کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو ان کے ساتھی اس کام کے کرنے کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کا استعمال پانی لینے کے لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کو لوگ لڑ پڑیں گے اور جب وہ بات کرتے ہیں تو ان کے ساتھی اپنی آوازیں نیچی کر لیتے ہیں اور تعظیم کی وجہ سے ان کیطرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے انہوں نے اب اچھی بات پیش کی ہے تم اس کو قبول کر لو قریش نے جواب دیا نہیں۔ ہاں اس سال تم ان کو واپس کر دو آئندہ سال وہ لوٹ کر آ جائیں (اور عمرہ کر لیں) عروہ نے کہا تو مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ تم پر مصیبت آ پڑنے ہی والی ہے یہ کہہ کر عروہ اپنے ساتھیوں کو لے کر طائف کو واپس چلا گیا۔

مختلف قبائل کے متعدد افراد جو قریش کی حمایت کے لئے آئے تھے ان کی جماعت کا کمانڈر اس روز جلیس بن علقمہ تھا عروہ کے جانے کے بعد وہ اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف چل پڑا رسول اللہ ﷺ نے جو اس کو آتا دیکھا تو فرمایا یہ ایسے لوگوں میں سے ہے جو قربانی کے اونٹوں کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اور خدا پرست ہیں تم لوگ اس کے سامنے سے قربانی کے اونٹوں کو لے کر گزرو کہ وہ دیکھ لے جب جلیس نے قربانی کے جانوروں کا سیلاب وادی کے عرض سے آتا ہوا دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ ان کی

گردنوں میں پلادے پڑے ہوئے ہیں اور طول جس کی وجہ سے ان کے بال اڑ گئے ہیں تو رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہنچا فوراً لوٹ کر قریش کے پاس چلا گیا اور ان سے کہا اے گروہ قریش! میں دیکھ آیا قربانی کے جانوروں کی گردنوں میں قلادے لٹک رہے تھے طول جس کی وجہ سے ان کے بال اڑ گئے تھے ان کو روکنا جائز نہیں قریش نے کہا بیٹھ جا۔ تو بدو ہے تجھے کچھ علم نہیں اس بات پر جلیس کو غصہ آگیا اور بولا اے گروہ قریش اس بات پر ہم نے تم سے معاہدہ نہیں کیا تھا اور نہ یہ وعدہ کیا تھا کہ جو خانہ کعبہ کی تعظیم کے لئے آئے گا تم اس کو روک دو گے قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں جلیس کی جان ہے یا تو محمد ﷺ اور اس کے مقصد آمد کے درمیان تم حائل نہ ہو گے یا یہ مختلف قبائل کی پوری جماعت یک نفس ہو کر بھاگ جائے گی (یعنی میں اس ساری جماعت کو لے کر چلا جاؤں گا) قریش نے کہا جلیس خاموش ہو جا ہمارے معاملہ میں دخل نہ دے ہم اپنے لئے جو بات پسند کریں گے اسی کو اختیار کریں گے۔ ایک شخص جس کا نام مکرز بن حفص تھا کھڑا ہوا اور بولا مجھے ان کے پاس جانے کی اجازت دو (لوگوں نے اجازت دے دی مکرز روانہ ہو گیا) جب صحابہؓ کے سامنے پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ مکرز ہے یہ غدار آدمی ہے یا فرمایا یہ بدکار آدمی ہے جب مکرز رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو حضور ﷺ نے اس سے وہی فرمایا جو بدیل اور عروہ سے فرمایا تھا مکرز لوٹ کر اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا اور رسول اللہ کا جو کچھ جواب دیا تھا اس کی اطلاع دے دی۔

محمد بن اسحاق اور محمد بن عمر وغیرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اونٹ پر جس کو ثعلب کہا جاتا تھا خراش بن امیہ کو سوار کر کے سرداران قریش کے پاس بھیجا تاکہ ان کو رسول اللہ ﷺ کے آنے کی غرض معلوم ہو جائے عکرمہ بن ابی جہل نے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں اور خراش کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا مختلف قبائل کے گروہ نے خراش کو بچالیا اور راستہ کی رکاوٹ ختم کر دی خراش نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر سرگذشت بیان کر دی۔

بیہقی نے حضرت عروہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ میں فروکش ہو گئے تو قریش خوف سے گھبرا گئے حضور ﷺ نے اپنے صحابہ میں سے کسی کو بطور قاصد بھیجنے کا ارادہ کیا چنانچہ حضرت عمرؓ بن خطاب کو بھیجنے کے لئے طلب فرمایا عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے قریش سے اپنی جان کا اندیشہ ہے قریش جانتے ہیں کہ میں ان کا کتنا سخت دشمن ہوں بنی عدی میں سے کوئی وہاں میری حفاظت کرنے والا بھی نہیں ہے میں ایک ایسا شخص حضور ﷺ کو بتاتا ہوں جو مکہ میں مجھ سے زیادہ معزز اور محفوظ ہے یعنی عثمان بن عفان رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ قریش کے پاس جاؤ اور ان کو اطلاع دے دو کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں بلکہ عمرہ کرنے آئے ہیں اور ان کو اسلام کی دعوت بھی دینا حضور ﷺ نے یہ حکم دیا کہ مکہ میں جو مومن مرد اور عورتیں ہیں ان کے پاس جا کر ان کو فتح کی بشارت دینا اور خبر پہنچا دینا کہ اللہ مکہ میں اپنے دین کو غلبہ عطا فرمائے گا یہاں تک کہ کوئی شخص مکہ میں اپنے ایمان کو پوشیدہ نہ رکھے گا۔ حضرت عثمانؓ قریش کے پاس جانے کے لئے بلدح کی طرف سے گزرے بلدح والوں نے پوچھا۔ کہاں کا ارادہ ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ میں تم کو اسلام کی دعوت دوں اور اللہ کی طرف بلاؤں اور تم سب اللہ کے دین میں داخل ہو جاؤ کیوں کہ اللہ اپنے دین کو ضرور غالب کرے گا اور اپنے نبی کو عزت عطا فرمائے گا۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ تم کو (مخالفت کرنے کی) ضرورت ہی نہیں ہے وہ یہ کہ دوسرے لوگ اگر رسول اللہ ﷺ پر غالب آگئے تو تمہارا ہی مقصد ہے جو پورا ہو جائے گا اور اگر رسول اللہ ﷺ غالب آگئے تو تم کو اختیار ہو گا اور لوگوں کی طرح دین میں داخل ہو جانا یا جنگ کرنا تمہاری تعداد تو (بہر حال) بہت سے لڑائی نے تم کو انتہائی کمزور کر دیا اور تمہارے بزرگوں کو فنا کر دیا۔ ایک بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی سے لڑنے نہیں آئے عمرہ کرنے آئے ہیں آپ ﷺ کے ساتھ قربانی کے اونٹ ہیں جن کی گردنوں میں قلادے ہیں قربانی کرنے کے بعد وہ واپس چلے جائیں گے مشرکوں نے کہا جو کچھ آپ نے کہا ہم نے سن لیا لیکن ایسا کبھی نہیں ہو گا آپ واپس جا کر اپنے ساتھی سے کہہ دیں کہ ہم تک نہیں پہنچ سکتے حضرت عثمانؓ سے ابان بن سعید کی ملاقات ہوئی۔ ابان آئندہ مسلمان ہو گئے تھے۔ ابان نے آپ کو مرحبا کہا اور اپنی حفاظت میں لے لیا اور کہا آپ اپنے کام میں کوتاہی نہ

کریں پھر ابان گھوڑے سے جس پر سوار تھے اتر آئے حضرت عثمانؓ کو آگے زین پر سوار کیا اور خود پیچھے بیٹھ گئے اور حضرت عثمانؓ سے کہ آپ آئیں جائیں کسی سے خوف نہ کریں۔ سعید کے بیٹے حرم میں بڑی عزت والے تھے ابن حضرت عثمانؓ کو مکہ میں لے گئے آپ سرداران قریش کے ایک ایک فرد کے پاس گئے (اور گفتگو کی) لیکن سب نے آپ کی بات پلٹ دی اور یہی کہا کہ محمد بھی مکے میں داخل نہیں ہوسکتے۔ حضرت عثمانؓ کمزور مسلمان مردوں اور عورتوں کے پاس گئے جو کمزوری کی وجہ سے مکہ میں رہ گئے تھے اور ان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہیں عنقریب مکہ میں فتحیاب ہو کر آنے والا ہوں مکہ کے اندر کوئی بھی اپنے ایمان کو چھپا کر نہیں رکھے گا (یعنی کسی مومن کو خوف نہیں ہوگا) مسلمان یہ پیغام سن کر خوش ہوئے اور حضرت عثمانؓ سے کہا ہماری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو سلام کہہ دینا حضرت عثمانؓ جب پیام رسانی سے فارغ ہو گئے تو قریش نے کہا اگر آپ چاہیں تو بیت اللہ کا طواف کرلیں آپ نے فرمایا جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہ کرلیں میں ایسا نہیں کرسکتا حضرت عثمانؓ تین روز مکہ میں رہے اور قریش کو اسلام کی دعوت دیتے رہے ادھر حدیبیہ میں مسلمان کہنے لگے کہ عثمانؓ تو ہمارے پاس سے نکل کر بیت اللہ پہنچ گئے اور طواف کرنے لگے حضور ﷺ نے فرمایا اگر عثمانؓ اتنے اتنے سال بھی وہاں رکے رہیں تب بھی جب تک میں طواف نہیں کروں گا وہ بھی نہیں کریں گے رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو مامور کردیا تھا کہ رات کو پہرا دیں چنانچہ پہرے دار تین شخص بنائے گئے جو باری باری سے چوکیداری کرتے تھے اوس بن اوبی، عباد بن بشر، محمد بن مسلمہ۔

ایک رات جب کہ حضرت عثمانؓ مکہ میں تھے حضرت محمد بن مسلمہ رسول اللہ ﷺ کی چوکیداری کررہے تھے قریش نے پچاس آدمی مکرز بن حفص کی زیر قیادت مسلمانوں کے پڑاؤ کی طرف بھیجے اور ان کو حکم دیا کہ وہ رسول اللہ کے گرداگرد چکر لگائیں شاید مسلمانوں کی طرف سے غفلت کا موقع مل جائے (اور وہ رسول اللہ پر حملہ کرنے میں کامیاب ہوجائیں) محمد بن مسلمہ نے ان کو پکڑ لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا اور رسول اللہ ﷺ نے جو مکرز کو غدار کہا تھا وہ بات پوری ہوگئی کچھ مسلمان رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے حضرت عثمانؓ کی امان کے ذیل میں یا پوشیدہ طور پر مکہ میں داخل ہو گئے تھے۔ کرز بن جابر فہری عبداللہ بن سہیل بن عمرو بن عبدالشمس، عبداللہ بن حذافہ سہمی ابوالروم بن عمیر بن عمرو عمیر بن وہب جمحی۔ حاطب بن ابی بلتعہ اور عبداللہ بن امیہ کے مکہ میں داخل ہونے کی قریش کو اطلاع مل گئی اور ان کو گرفتار کرلیا گیا قریش کو یہ بھی اطلاع مل گئی تھی کہ محمد بن مسلمہ نے ان کے آدمیوں کو پکڑ لیا ہے اس لئے قریش کی ایک جماعت (خفیہ طور پر) مسلمانوں کی طرف آئی (مسلمانوں کو بھی اطلاع مل گئی) اور دونوں جماعتوں میں سنگ باری اور تیر اندازی ہونے لگی مسلمانوں نے بارہ سواروں کو گرفتار کرلیا حضرت ابن زنیم ایک پہاڑی پر چڑھ گئے تھے مشرکوں نے تیر مار کر ان کو شہید کردیا اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کردیا گیا یہ خبر سن کر حضور ﷺ نے لوگوں کو بیعت کے لئے طلب فرمایا۔

جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت سلمہؓ کی اکوع کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت عروہؓ کی روایت سے اور ابن اسحاق نے زہری کی روایت سے اور محمد بن عمر نے اپنے شیوخ کی سند سے بیان کیا۔ حضرت سلمہؓ نے کہا ہم دوپہر کو لیٹے ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے منادی نے ندا دی لوگو روح القدس نازل ہوگیا بیعت کرو بیعت کرو اللہ کا نام لے کر نکل کھڑے ہو صحیح مسلم میں حضرت سلمہؓ کا قول نقل کیا سب لوگوں سے پہلے میں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی پھر دوسرے نے پھر تیسرے نے یہاں تک کہ جب آدھے آدمی بیعت کر چکے تو حضور ﷺ نے فرمایا سلمہ! بیعت کرو میں نے کہا (یارسول اللہ) میں تو بیعت کرچکا فرمایا اور بھی ہیں نے دوبارہ بیعت کرلی اس کے بعد حضور ﷺ نے اور لوگوں سے بیعت لی جب آخر آدمی بھی بیعت کر چکا تو فرمایا کیا تو بیعت نہیں کرے گا میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں تو سب سے پہلے اور درمیان میں بیعت کرچکا فرمایا اور سہی چنانچہ میں نے تیسری بار بھی بیعت کرلی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ دریافت کیا گیا تم لوگ کس بات پر بیعت کرتے تھے حضرت سلمہؓ نے کہا موت پر۔

صحیح مسلم میں آیا ہے کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا ایک پھل دار درخت کے نیچے جب کہ حضرت عمرؓ حضور ﷺ کا دست مبارک پکڑے ہوئے تھے ہم نے حضور ﷺ کی بیعت سواء جد بن قیس کے اور سب نے کی جد اپنے اونٹ کے پیچھے جا کر چھپ گیا۔

طبرانی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے اور بیہقی نے شعبی کی روایت سے اور ابن مندہ نے زید بن حبیش کی روایت سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بیعت کے لئے طلب فرمایا تو سب سے پہلا شخص جو بیعت کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا ابوسنان اسدی تھا ابوسنان نے عرض کیا ہاتھ پھیلائیے میں آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں حضور ﷺ نے فرمایا تم اس بات پر بیعت کرو جو تمہارے دل میں ہے حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں آیا ہے کہ ابوسنان نے کہا میرے دل میں کیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا تمہارے دل میں یہ ہے کہ تلوار سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لڑوں گا کہ یا اللہ غالب کر دے یا میں مارا جاؤں ابوسنان نے بیعت کر لی اور ابوسنان کی بیعت کے موافق دوسرے لوگوں نے بھی بیعت کر لی۔

بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے اور ابن اسحاق نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان کا اس وقت حکم دیا جب حضرت عثمانؓ قاصد رسول اللہ کی حیثیت سے مکہ والوں کے پاس گئے ہوئے تھے لوگوں نے حضور ﷺ سے بیعت کی حضور ﷺ نے فرمایا اے اللہ عثمانؓ تیرے اور تیرے رسول کے کام سے گیا ہے یہ فرما کر اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا اور فرمایا یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے حضور ﷺ کا دست مبارک عثمانؓ کے لئے اور لوگوں کے لئے اپنے ہاتھوں سے بہتر تھا۔

قریش نے سہیل بن عمر اور حویطب بن عزی اور مکرز بن حفص کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا (اول الذکر دونوں شخص آئندہ مسلمان ہو گئے تھے) سہیل نے کہا آپ کے آدمیوں کو جو روک لیا گیا تھا اور کچھ لوگوں نے آپ سے قتال بھی کیا تھا وہ ہمارے اصحاب الرائے کے مشورہ سے نہیں ہوا تھا نہ ہم کو یہ بات پسند تھی ہم کو تو اس کا علم بھی اس وقت تک نہیں ہوا جب تک ہم کو خبر نہیں پہنچی یہ فعل ہمارے کچھ بیوقوں کا تھا اس لئے ہمارے جن ساتھیوں کو آپ نے پہلی بار اور دوسری بار گرفتار کیا ہے ان کو چھوڑ دیجئے عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کے قتل کا معاملہ تو ظاہر ہو چکا ہے کہ یہ خبر غلط تھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک تم لوگ میرے ساتھیوں کو نہیں چھوڑو گے میں تمہارے آدمیوں کو نہیں چھوڑوں گا سہیل اور اس کے ساتھیوں نے کہا آپ نے یہ بات انصاف کی کہی اس کے بعد سہیل اور اس کے ساتھیوں نے قریش کے پاس شتیم بن عبد مناف تمیمی کو بھیجا اور قریش نے جو قیدی ان کے پاس تھے انکو بھیج دیا یہ گیارہ اشخاص تھے ایک حضرت عثمانؓ اور دس ان کے ساتھی رسول اللہ ﷺ نے بھی قریش کے آدمیوں کو جو مسلمان کے پاس قیدی تھے چھوڑ دیا۔

صحیحین میں سہیل بن حنیف کی روایت سے آیا ہے اور بخاری و اصحاب السنن نے مروان بن حکم کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جب عثمانؓ اور ان کے ساتھی مکہ سے آگئے تو سہیل بن عمر اور حویطب اور مکرز لوٹ کر قریش کے پاس چلے گئے اور مسلمانوں نے جس تیزی سے جہاد پر بیعت کی تھی اور لڑائی کے لئے تیار ہو گئے تھے اس کی اطلاع قریش کو دی یہ خبر قریش پر بڑی شاق گزری اور ان میں سے جو اہل الرائے تھے انہوں نے کہا اب سے بہتر بات یہ ہے کہ محمد سے اس شرط پر صلح کر لی جائے کہ اس سال وہ واپس چلے جائیں بیت اللہ تک نہ پہنچیں تاکہ جن عربوں نے ان کے آنے کی خبر سنی ہے وہ یہ بھی سن لیں کہ ہم نے محمد کو روک دیا آئندہ سال وہ آکر تین روز قیام کریں اور قربانی کریں اور لوٹ جائیں سب کا اتفاق اس پر ہو گیا اور سہیل کو مامور کیا گیا کہ وہ جا کر اسی شرط پر محمد سے صلح کر لے صلح میں یہ شرط ضرور ہو کہ وہ اس سال مکہ میں داخل نہ ہوں تاکہ عرب یہ نہ کہہ سکیں کہ محمد زبردستی مکہ میں داخل ہو گئے سہیل رسول اللہ ﷺ کی طرف چل دیا حضور ﷺ نے (صحابہ سے) فرمایا وہ لوگ صلح کے خواستگار ہیں اسی لئے انہوں نے سہیل کو بھیجا ہے ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں حضور ﷺ نے فرمایا تمہارا کام آسان ہو گیا اس وقت حضور ﷺ چار زانو بیٹھے ہوئے تھے سر کے پیچھے عباد بن بشر اور سلمہ اور اسلم کھڑے ہوئے تھے۔ (اول الذکر) دونوں حضرات لوہے سے ڈھکے ہوئے تھے سہیل آکر دوزانو بیٹھ گیا اور رسول اللہ ﷺ سے بات شروع کی اور لمبی بات کی دونوں کی گفتگو کا ردوبدل ہوتا رہا آوازیں اونچی نیچی ہوتی رہیں عباد بن بشر نے کہا رسول اللہ ﷺ کے سامنے آواز نیچی رکھو بات ہوتی رہی آخر صلح ہو گئی سہیل نے کہا لائیے آپس میں (صلح نامہ) تحریر کر لیں حضور نے حضرت علی کو طلب فرمایا بخاری نے حضرت براءؓ کی روایت

سے اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن مغفل کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم سہیل نے کہا رحمن رحیم کو تو میں جانتا نہیں کہ یہ کیا ہے۔ باسمک اللّٰھم لکھو جیسے آپ لکھا کرتے تھے مسلمانوں نے کہا خدا کی قسم ہم یہ نہیں لکھیں گے حضور ﷺ نے فرمایا باسمک اللّٰھم ہی لکھ دو پھر فرمایا لکھو یہ (معاہدہ) وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے فیصلہ کیا ہے۔ سہیل بولا اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ کو کعبہ سے نہ روکتے نہ آپ سے لڑتے محمد بن عبداللہ لکھو حضور ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا رسول اللہ (کے لفظ) کو مٹادو حضرت علیؓ نے جواب دیا میں تو مٹانے والا نہیں۔ محمد بن عمر کا بیان ہے کہ اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا محمد رسول اللہ کے علاوہ اور کچھ نہ لکھیں ورنہ تلوار ہمارا اور ان (مشرکوں) کا فیصلہ کرے گی آوازیں اونچی ہو گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (رسول اللہ کا لفظ) مجھے دکھاؤ حضرت علیؓ نے دکھادیا تو حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اس کو مٹادیا اور فرمایا محمد بن عبداللہ لکھ دو بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت براءؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے وہ خط اپنے ہاتھ میں لیا اور آپ اچھی طرح نہیں لکھ سکتے تھے پس اس خط میں لکھا یہ (معاہدہ) وہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو نے اتفاق کیا اور دس سال تک لوگوں کے باامن رہنے اور لڑائی نہ کرنے کا فیصلہ کیا اس مدت میں جنگ بندی رہے گی لوگ پر امن رہیں گے ہر شخص دوسرے سے باز رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے سہیل سے فرمایا یہ (مصالحت) اس شرط پر ہے کہ تم ہمارے اور کعبہ کے درمیان حائل نہ ہو گے ہم طواف کریں گے سہیل نے کہا نہیں خدا کی قسم (اس سال آپ طواف نہیں کر سکتے) آئندہ سال آپ کو اس کا اختیار ہو گا یہ بات لکھ دی گئی سہیل نے کہا ایک شرط یہ بھی ہے کہ ہمارا جو آدمی اپنے سرپرست کی اجازت بغیر تمہارے پاس جائے گا اس کو واپس کرنا ہو گا خواہ وہ مسلمان ہی ہو مسلمانوں نے کہا سبحان اللہ یہ کیسے لکھا جا سکتا ہے مشرکوں کے پاس اس کو کیسے واپس کیا جائے گا وہ تو مسلمان ہو کر آئے گا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں ہم میں سے جو شخص مشرکوں کے پاس چلا جائے گا اللہ نے اس کو دور کر دیا (یعنی وہ مسلمان ہی نہ تھا چلا گیا تو اچھا ہوا) اور ان میں سے جو کوئی ہمارے پاس آجائے گا (اور ہم اس کو واپس کر دیں گے) تو اللہ اس کے لئے کوئی کشائش پیدا کر ہی دے گا۔

حضرت براءؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین شرطوں پر صلح کی تھی مشرکوں میں سے جو شخص کٹ کر رسول اللہ ﷺ سے آکر مل جائے گا آپ اسکو واپس مشرکوں کو دے دیں گے اور مسلمانوں میں سے جو شخص مشرکوں کے پاس چلا جائے گا وہ مسلمانوں کو واپس نہیں دیں گے اور رسول اللہ ﷺ مکہ میں آئندہ سال داخل ہو سکیں گے اور تین روز قیام کریں گے اور مکہ میں داخل ہوں گے تو اسلحہ تلوار کمان وغیرہ غلاف پوش لے کر داخل ہوں گے فریقین میں مصالحت ہو گئی اور یہ شرط ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ اور قریش کے درمیان یہ معاہدہ سربند صندوق ہو گا نہ اس میں چوری چھپے کوئی حرکت ہو گی نہ خیانت اور جو شخص (اس معاہدہ کی رو سے) محمد ﷺ کے دائرہ میں جانا پسند کرے وہ محمد کے ساتھ ہو جائے اور جو قریش سے ملنا چاہے وہ ان کے ساتھ شامل ہو جائے فوراً بنی خزاعہ کود کر سامنے آئے اور کہا ہم محمد کے معاہدوں اور ذمہ داری میں شامل ہیں اور بنی بکر نے کہا ہم قریش کے عہد اور ذمہ داری میں ہیں جب صلح پختہ ہو گئی اور سوال تحریر کے اور کوئی کام باقی نہیں رہا تو حضرت عمرؓ تیزی سے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ کیا آپ اللہ کے نبی نہیں ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہم حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتول دوزخ میں نہیں جائیں گے حضور ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا تو پھر آپ ہم کو ہمارے دین میں یہ ذلت کیوں دے رہے ہیں ابھی تک اللہ نے ہمارا اور ان کا فیصلہ نہیں کیا (یعنی لڑائی نہیں ہوئی) اور ہم واپس چلے جائیں (یہ بڑی ذلت کی بات ہے) حضور ﷺ نے فرمایا میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں میں اللہ کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا اللہ مجھے تباہ نہیں کرے گا وہی میرا مددگار ہے حضرت عمرؓ نے کہا کیا آپ ہم سے یہ نہیں فرماتے تھے کہ ہم کعبہ پہنچیں گے اور یقیناً طواف کریں گے حضور ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں مگر کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ اسی سال ہم بیت اللہ میں پہنچیں گے۔ حضرت عمرؓ

نے کہا یہ تو نہیں فرمایا تھا حضور ﷺ نے فرمایا تو یقیناً تم بیت اللہ پر پہنچو گے اور اس کا طواف کرو گے اس کے بعد حضرت عمرؓ غصہ کی حالت میں حضرت ابو بکرؓ کے پاس پہنچے اور صبر نہ کر سکے اور بولے ابو بکرؓ کیا یہ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں حضرت ابو بکرؓ نے کہا ہیں کیوں نہیں حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہم لوگ سچائی پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں ہیں حضرت ابو بکرؓ نے کہا ہیں کیوں نہیں حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے مقتول دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا کیوں نہیں حضرت عمرؓ نے کہا تو پھر کیوں یہ ذلت آپ ہم کو ہمارے دین میں دے رہے ہیں (یہ مصالحت تو ہمارے دین کی ذلت ہے) اللہ نے ہمارا ان کا فیصلہ نہیں کیا اور ہم لوٹ جائیں گے (یہ تو بڑی ذلت ہے) حضرت ابو بکرؓ نے کہا اے شخص وہ اللہ کے رسول ہیں اپنے رب کے حکم کے خلاف نہیں کرتے وہی ان کا مددگار ہے تم مرتے دم تک ان کی کمر (یعنی) دامن کو پکڑے رہو بلاشبہ وہ سچائی پر ہیں۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا بلاشبہ وہ اللہ کے رسول ہیں حضرت عمرؓ نے کہا میں بھی شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں حضرت عمرؓ نے یہ بھی کہا کیا وہ ہم سے یہ نہیں کہتے تھے کہ وہ بیت اللہ پر پہنچیں گے اور طواف کریں گے حضرت ابو بکرؓ نے کہا کیوں نہیں لیکن کیا انہوں نے تم کو یہ بھی بتایا تھا کہ اسی سال تم بیت اللہ پر پہنچو گے حضرت عمرؓ نے کہا نہیں حضرت ابو بکرؓ نے کہا تو پھر یقیناً تم کعبہ کو پہنچو گے اور طواف کرو گے۔

مذکورہ بالا شرائط صلح حضرت عمرؓ پر بڑی شاق تھیں چنانچہ صحیح روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا جب سے میں مسلمان ہوا مجھے اس روز کے علاوہ کبھی (رسول اللہ کی کسی بات میں) شک نہیں ہوا۔ حضرت عمرؓ اس روز رسول اللہ ﷺ سے جواب دہی کر رہے تھے (یہاں تک کہ) ابو عبیدہؓ بن جراح نے کہا اے خطاب کے بیٹے کیا تم نہیں سنو گے۔ اعوذ باللہ من الشیطن پڑھو حضرت عمرؓ کا بیان ہے میں نے اعوذ باللہ من الشیطن کہا ابن اسحاق اور ابن عمرو اسلمی کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس پر روز مجھ سے حرکت ہوئی اس کی معافی کے لئے میں (بطور کفارہ) خیرات کرتا رہا روزے رکھتا اور غلام آزاد کرتا رہا۔

احمد نسائی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن مغفل کی مذکورہ بالا حدیث میں یہ بھی بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن مغفل نے فرمایا ہم اسی حالت میں تھے کہ تیس مسلح جوان (پہاڑی گھاٹی سے) نکلے اور سیدھے ہماری طرف انہوں نے چڑھائی کی رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے بددعا کی اللہ نے ان کو بہار کر دیا دوسری روایت میں آیا ہے اللہ نے ان کو اندھا کر دیا اور ہم نے اٹھ کر ان کو پکڑ لیا حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم کسی کی ذمہ داری میں آئے ہو کیا تم کو کسی نے امان دی ہے انہوں نے کہا نہیں حضور ﷺ نے ان کو چھوڑ دیا۔ اس پر آیت وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ نازل ہوئی۔

امام احمد مسلم اور ابن ابی شیبہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ اہل مکہ کے اسی مسلح آدمی کوہ تنعیم کی جانب سے اتر کر رسول اللہ ﷺ کی طرف آئے ان کا مقصد یہ تھا کہ اچانک موقع پر رسول اللہ ﷺ پر حملہ کر دیں حضور ﷺ نے ان کو بددعا دی (وہ اندھے بہرے ہو گئے ان کو گرفتار کر لیا گیا لیکن حضور ﷺ نے ان کو معاف کر دیا۔ (چھوڑ دیا)

زہری کی حدیث میں مروان و مسور کی روایت سے اور مسلم واحمد و عبد بن حمید کے بیان میں خود حضرت سلمہؓ بن اکوع کی روایت سے آیا ہے حضرت سلمہؓ نے فرمایا جب میں نے ابن زنیم کے شہید ہونے کی خبر سنی تو تلوار سونپ کر چار مشرکوں کی طرف گیا وہ سو رہے تھے میں نے ان کے ہتھیار لئے اور پکڑ کر ہنکاتا ہوا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آیا (یہی ہے آیت) وھو الذی کف أیدیھم عنکم (کی مراد)

اسی اثناء میں ابو جندل بن سہیل بن عمرو بیڑیاں پہنے قیدیوں کی چال سے (وادی کے) نشیب سے نکل کر آپہنچے اور آتے ہی مسلمانوں کے سامنے گر پڑے ان کے باپ سہیل نے ان کو بیڑیوں میں جکڑ کر قید کر دیا تھا مسلمان فوراً ان کے خیر مقدم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور بھاگ کر رہائی پانے کی) مبارک باد دی۔ سہیل نے یہ حالت دیکھی تو اٹھ کر بیٹے کی طرف گیا اور اس کے منہ پر خاردار لکڑی ماری اور گریبان پکڑ لیا اور کہا محمد یہ پہلا واقعہ ہے جس پر میں نے اور آپ نے معاہدہ کیا تھا کہ جو شخص ہم میں

سے آپ کے پاس آجائے گا آپ اس کو واپس کریں گے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابھی تک تو تحریر پوری نہیں ہوئی کہنے لگا تو پھر خدا کی قسم میں کبھی مصالحت نہیں کروں گا حضور ﷺ نے فرمایا تو اس کو میری ضمانت میں دیدو کہنے لگا میں آپ کی ضمانت میں نہیں دے سکتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں ایسا کردو۔ کہنے لگا میں نہیں کروں گا اس پر مکرز اور حویطب نے (رسول اللہ ﷺ سے) کہا ہم اس کو آپ کی وجہ سے اپنی ذمہ داری میں لیتے ہیں یہ کہہ کر دونوں نے اس کو اپنی ذمہ داری میں لے لیا اور خیمے میں چلے گئے اور باپ بے تعلق ہو گیا ابو جندل نے کہا اے گروہ ہائے اہل اسلام کیا مجھے مشرکوں کے ہاتھ میں واپس دیا جا رہا ہے میں تو مسلمان ہو کر آیا تھا دیکھو میں نے کیسے دکھ جھیلے ہیں سہیل نے ابو جندل کو سخت ترین تکلیفیں دی تھیں رسول اللہ ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا ابو جندل صبر کو ثواب کی امید رکھ اللہ تیرے لئے مع ان کمزور لوگوں کے جو تیرے ساتھ ہیں کوئی کشائش اور رہائی کا راستہ ضرور پیدا کردے گا ہم نے ان لوگوں سے صلح کا معاہدہ کر لیا ہے ہم نے ان کو اور انہوں نے ہم کو وعدہ دے دیا ہے اس لئے ہم کچھ کر نہیں سکتے۔ حضرت عمر ؓ بن خطاب (یہ حالت دیکھ کر) ابو جندل کے برابر گئے اور کہا صبر کر اور ثواب کی امید رکھ یہ مشرک ہیں ان کا خون کتے کے خون کے برابر ہے یعنی ان کو قتل کرنا نہ گناہ ہے نہ قابل مواخذہ حضرت عمرؓ اس بات کے کہنے کے درمیان تلوار کا قبضہ ابو جندل کے قریب کرتے جا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے خیال تھا کہ ابو جندل تلوار لے کر اس سے باپ کو مار ڈالے گا (اس لئے میں نے تلوار کا قبضہ اس کی طرف بڑھایا تھا) آخر ابو جندل کو باپ کے سپرد کر دیا گیا۔ صحابہؓ خوش تھے اور رسول اللہ ﷺ کے خواب کی وجہ سے ان کو فتح میں کوئی شبہ نہ تھا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ صلح ہو گئی اور واپس جانا پڑے گا تو اسے ان کو بڑا رنج ہوا قریب تھا کہ موت سے ہمکنار ہو جائیں پھر ابو جندل کے واقعہ نے ان کا رنج اور بڑھا دیا۔ جب صلح کی بات طے ہو گئی اور صلح نامہ لکھ دیا گیا تو کچھ مسلمانوں اور کچھ مشرکوں نے اس پر اپنی شہادت ثبت کی۔ مسلمانوں میں سے حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عبداللہ بن سہیل بن عمرو، حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت محمودؓ بن سلمہ حضرت علیؓ بن ابی طالب اور مشرکوں میں سے مکرز بن حفص نے شہادت دی تحریر سے فراغت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اٹھو قربانی کرو پھر سر منڈواؤ (یہ حکم سن کر بھی) خدا کی قسم کوئی نہیں اٹھا۔ یہاں تک کہ حضور نے تین بار حکم دیا (لیکن کسی نے جنبش نہیں کی) اس سے حضور ﷺ کو بڑا صدمہ ہوا اور اندر حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ام المومنین سے فرمایا مسلمان ہلاک ہو گئے میں نے ان کو قربانی کرنے اور سر منڈوانے کا حکم دیا لیکن انہوں نے تعمیل نہیں کی ام المومنین نے کہا یا رسول اللہ آپ مسلمانوں کو برا نہ کہیں ان پر بڑا صدمہ پڑا ہے آپ نے صلح کرنے اور بغیر فتح کرنے کے واپس ہو جانے کی جس دشواری میں خود اپنے کو ڈالا ہے اس کا مسلمانوں کو بڑا رنج ہوا ہے یا نبی اللہ آپ تشریف لے جائیے اور کسی سے ایک بات بھی نہ کہیے جا کر اپنے قربانی کے اونٹوں کو نحر کیجئے اور کسی کو طلب فرما کر اپنا سر منڈوا دیجئے۔ حضور باہر تشریف لے آئے اور کسی سے کوئی بات کہے بغیر بلند آواز سے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر قربانی کے اونٹوں کو نحر کیا اور ایک شخص کو بلوا کر سر منڈوا دیا۔ صحابہؓ نے جب حضور ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا تو خود بھی اٹھ کر اپنی اپنی قربانی کے اونٹوں کو نحر کیا اور باہم ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے قریب تھا کہ ایک دوسرے سے لڑ پڑیں۔ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حدیبیہ کے دن کچھ لوگوں نے سر منڈوائے اور کچھ لوگوں نے بال کتروائے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منڈوانے والوں پر اللہ کی رحمت ہو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور بال کتروانے والوں پر بھی حضور ﷺ نے فرمایا منڈوانے والوں پر اللہ کی رحمت ہو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور کتروانے والوں پر بھی حضور نے فرمایا اور کتروانے والوں پر بھی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وجہ کہ آپ نے منڈوانے والوں کے لئے دوبارہ دعا رحمت فرمائی فرمایا اس لئے کہ وہ شبہ میں نہیں پڑے (یعنی ان کو یقین ہو گیا کہ حالت احرام ختم ہو گئی اور اب آگے بڑھنا نہیں ہے) حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا حضور ﷺ کے اس فرمان کی وجہ یہ تھی کہ کچھ لوگوں کو خیال تھا کہ شاید ہم کو طواف کرنے کا موقع مل جائے اس لئے وہ سر منڈوانے سے رکے رہے اور کچھ بال کتروا دیئے)

رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں ۱۹ یا ۲۰ رات قیام کیا محمد بن عمرو کا یہی بیان ہے۔

حدیبیہ کے قیام کے زمانہ میں (احرام کھولنے اور قربانی کرنے کے حکم سے پہلے) رسول اللہ ﷺ نے حضرت کعب بن عجرہ سے فرمایا تھا تم کو کیا سر کے کیڑوں (جوؤں) سے تکلیف ہو رہی ہے حضرت کعب کے سر سے جوئیں گرتی ہوئی حضور ﷺ نے دیکھ لی تھیں کعب نے عرض کیا جی ہاں حضور ﷺ نے ان کو سر منڈوانے اور فدیہ دینے کا حکم دیا فدیہ کی تین صورتیں تھیں روزے رکھنے یا خیرات یا قربانی۔ اس وقت آیت واتموا الحج والعمرة لِلّٰہ فان احصرتم فما استیسر من الھدی الخ ہم نے سورۂ بقرہ کی اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں احصار (راستہ کی رکاوٹ) اور کسی عذر کی وجہ سے سر منڈوا دینے اور اس سے تعلق رکھنے والے مسائل بیان کر دیئے ہیں۔

مسلم نے حضرت سلمہؓ بن اکوع کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور بزار و طبرانی و بیہقی نے حضرت ابو حبیش کی روایت سے اور محمد بن عمرو نے اپنے شیوخ کی سند سے بیان کیا کہ حدیبیہ سے واپسی میں رسول اللہ ﷺ نے (پہلی) مر الظہران میں اور اس کے بعد دوسری منزل عسفان میں کی یہاں پہنچ کر لوگوں کے پاس کھانے کو کچھ نہیں رہا۔ صحابہؓ نے حضور ﷺ سے یہ شکایت کی اور عرض کیا کیا ہم گدھوں کو ذبح کر لیں حضور ﷺ نے ان کو اجازت دے دی حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسا نہ کیجئے لوگوں کے پاس سواریاں رہنا زیادہ مناسب ہیں اگر کل کو دشمن سے مقابلہ ہو گیا اور ہم بھوکے بھی ہوئے اور پیدل بھی تو کیا ہو گا میری رائے یہ ہے کہ جو کچھ صحابہؓ کے پاس کھانے کی چیز رہ گئی ہو آپ وہ طلب فرمائیں پھر برکت کی دعا کریں امید ہے کہ اللہ آپ کی دعا سے ہم کو (منزل مقصود تک) پہنچا دے گا اس مشورہ کے مواقف رسول اللہ ﷺ نے جو سامان کھانے کا (کسی کے پاس) باقی رہ گیا تھا طلب فرمایا اور چمڑے کا ایک دستر خوان بچھا دیا سب سے زیادہ لانے والا وہ شخص تھا جو ایک صاع (تقریباً چار سیر) چھوارے لایا غرض لوگوں کے پاس کھانے کی جو چیز تھی وہ چرمی دستر خوان پر جمع کر دی گئی پھر حضور ﷺ نے کھڑے ہو کر جو کچھ اللہ نے چاہا (پڑھ کر) دعا کی نتیجہ یہ ہوا کہ سب نے پیٹ بھر کر کھایا اور اپنے برتن بھی بھر لئے اور چیزیں جتنی تھیں اتنی ہی رہیں حضور ﷺ والا یہ دیکھ کر ہنس دیئے اتنے کہ کچلیاں دکھ گئیں حضرت سلمہؓ کا بیان ہے میں نے اندازہ کیا کہ ہم اس روز تقریباً 14 سو آدمی تھے حضور ﷺ نے فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں جو بندہ ان دونوں (توحید و رسالت) پر ایمان رکھے گا وہ دوزخ سے محفوظ رہے گا۔

زہری کی روایت میں آیا ہے پھر مومن عورتیں آئیں جن کے متعلق اللہ نے نازل فرمایا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ تک

اس روز حضرت عمرؓ نے اپنی دو عورتوں کو طلاق دیں جو شرک کے زمانہ میں ان کے عقد میں تھیں ان میں سے ایک نے معاویہ بن ابی سفیان سے نکاح کر لیا اور دوسری نے صوفان بن امیہ سے۔ راوی کا بیان ہے پھر اللہ نے مومن عورتوں کو واپس کرنے کی ممانعت فرما دی۔ بلکہ ان کا مہر (جو کافروں سے عقد کی حالت میں انہوں نے وصول کیا ہو) کافروں کو لوٹا دینے کا حکم دیا۔

امام احمد بخاری ابو داؤد اور نسائی نے حضرت مسور بن مخرمہ کی روایت سے اور بیہقی نے زہری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ سے مدینہ میں آگئے تو ابو بصیر عتبہ بن اسد ثقفی (مکہ سے بھاگ کر) مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ خاندان بنی ثقیف قبیلہ بنی زہرہ کا حلیف تھا اخنس بن شریف ثقفی انداز ہر بن عبد عرف زہرہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک خط خنیس بن جابر عامری کے ہاتھ بھیجا جس میں گزشتہ مصالحت کا تذکرہ کیا اور درخواست کی کہ ابو بصیر کو واپس بھیج دیا جائے۔ ابو بصیر کے پہنچنے سے تین دن بعد عامری اپنے غلام کے ساتھ جس کا نام کوثر تھا خط لے کر پہنچا رسول اللہ ﷺ نے ابو بصیر کو حکم دیا کہ ان دونوں کے ساتھ واپس چلے جاؤ تم واقف ہو کہ ہم نے ان لوگوں سے معاہدہ کر لیا ہے اور ہمارے مذہب میں عہد شکنی جائز نہیں اللہ تمہارے لئے اور تمہارے ساتھی دوسرے مسلمانوں کے لئے کوئی کشائش اور رہائی کا راستہ پیدا کر دے گا غرض دونوں شخص ابو بصیر کو لے کر ذوالحلیفہ پہنچ گئے یہاں پہنچ کر ابو بصیر نے مسجد میں دو رکعت نماز قصر

پڑھی اور نماز کے بعد جو کچھ کھانے کا سامان ساتھ لائے تھے کھانے لگے اور عامری کو اور اس کے ساتھی کو بھی کھانے میں شریک ہونے کی دعوت دی وہ دونوں بھی اتر آئے اور چھوارے کھانے لگے عامری کے پاس اس وقت تلوار تھی دونوں باتیں کرتے رہے بقول عروہ عامری نے تلوار نیام سے نکال لی اور کہا میں اپنی اس تلوار سے کسی دن رات تک اوس اور خزرج کو ماروں گا ابو بصیر نے کہا کیا تمہاری تلوار بران بھی ہے عامری نے کہا ہاں ابو بصیر نے کہا مجھے تو دکھاؤ عامری نے ابو بصیر کے ہاتھ میں تلوار دے دی ابو بصیر نے جب تلوار کا قبضہ پکڑ لیا تو اسی سے عامری کے ایسی ضرب رسید کی کہ وہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ کوثر بھاگ کر مدینے پہنچا اور مسجد میں گھس گیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے کوثر نے کہا میرا ساتھی ختم ہو گیا اور میں چھوٹ کر بھاگ آیا ورنہ میں بھی مارا جاتا غرض کوثر نے رسول اللہ ﷺ سے فریاد کی اور اس کو پناہ دیدی۔ ابو بصیر عامری کے اونٹ پر سوار ہو کر آ گیا۔ اونٹ کو (مسجد سے باہر بٹھایا اور خود وحشت زدہ حالت میں تلوار سمیت مسجد میں آ گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے تو اپنی ذمہ داری پوری کر دی اور اللہ نے آپ سے یہ ذمہ داری پوری کرا دی اور آپ ﷺ نے مجھے دشمن کے ہاتھ میں دے دیا لیکن میں اپنے دین کی وجہ سے مصیبت میں پڑنے سے محفوظ رہا حضور ﷺ نے فرمایا کہ افسوس یہ لڑائی کی آگ بھڑکائے گا۔ کاش کوئی اس (کو مکہ پہنچانے) کے لئے ہوتا ابو بصیر نے عامری کا مال جس پر اسنے قتل کرنے کے بعد قبضہ کیا تھا رسول اللہ کی خدمت میں پیش کیا تا کہ آپ اس میں سے پانچواں حصہ لے لیں حضور ﷺ نے فرمایا اگر میں اس میں سے خمس لے لوں گا تو وہ لوگ خیال کریں گے کہ میں نے ان سے کیا ہوا معاہدہ پورا نہیں کیا تم جانو اور یہ چھینا ہوا مال اور جہاں چاہو چلے جاؤ۔

صحیح روایت میں آیا ہے کہ ابو بصیر نے جب رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا کہ تو لڑائی کی آگ بھڑکائے گا۔ الخ تو اس نے سمجھ لیا کہ حضور ﷺ مجھے ضرور واپس کر لیں گے اس لئے ابو بصیر اور اس کے ساتھ وہ پانچ آدمی جو مکہ سے بھاگ کر اس کے ساتھ مدینہ میں آئے تھے اور کسی نے ان کی تلاش بھی نہیں کی تھی نکل کر چل دیئے اور ساحل سمندر میں پہنچ کر عیص اور ذی المروہ کے درمیان قریش کے قافلہ کے راستہ پر مقیم ہو گئے جبکہ میں جو مسلمان بند تھے ان کو جب ابو بصیر کے واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ بھی چپکے سے چوری چھپے نکل کر ابو بصیر کے پاس پہنچ گئے۔

محمد بن عمرو کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے مکہ کے مسلمانوں کو لکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بصیر کے متعلق فرمایا تھا افسوس یہ لڑائی کی آگ بھڑکانے والا ہے کاش اس کے لئے کچھ لوگ ہوتے (یعنی کچھ لوگ اس کو پکڑ کر واپس کر دیتے) حضرت عمرؓ نے یہ بھی اطلاع دے دی تھی کہ وہ اب سمندر کے ساحل پر مقیم ہے۔ ادھر ابو جندل بن سہیل جس کو حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ نے واپس مشرکوں کو دے دیا تھا چھوٹ گیا اور ستر سوار جو مسلمان ہو گئے تھے ابو جندل کے ساتھ ہو گئے اور سب آ کر ابو بصیر سے مل گئے جوں ہی ابو جندل ابو بصیر سے ملے ابو بصیر نے جماعت کی سرداری ابو جندل کے سپرد کر دی کیونکہ ابو جندل قریشی تھے یہ ہی نماز کی امامت کرتے تھے ابو جندل کی خبر سن کر قبائل غفار و اسلم و جہینہ اور متفرق قبائل کے کچھ لوگ فرار ہو کر ابو جندل سے جا ملے یہاں تک کہ ان کی تعداد تو تین سو تک پہنچ گئی بیہقی نے بروایت زہری یہی بیان کیا ہے قریش کا جو قافلہ ادھر سے گزرتا تھا یہ لوگ اس کا مال چھین لیتے تھے اور قافلہ والوں کو قتل کر دیتے تھے قریش کو انہوں نے تنگ کر دیا قریش کا جو آدمی ان کے ہاتھ لگتا اس کو قتل کر دیتے آخر قریش نے ابو سفیان کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا اور یہ پیام دیا کہ ابو بصیر اور اس کے ساتھیوں کو آپ (اپنے پاس بلوالیں آئندہ تمہارا جو آدمی آپ سے جا کر مل جائے آپ اس کو روک لیں آپ کے لئے روک لینا جائز ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو بصیر اور ابو جندل کو لکھ بھیجا کہ تم دونوں میرے پاس آ جاؤ اور دوسرے مسلمان جو تمہارے ساتھ ہیں ان کو حکم دے دو کہ وہ اپنی اپنی بستیوں کو اور اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں آئندہ جو قریشی یا قافلہ ان کی طرف سے گزرے اس سے کوئی تعرض نہ کریں ابو بصیر کے پاس رسول اللہ ﷺ کا نامہ گرامی اس وقت پہنچا جب ان کا آخری وقت تھا، نامہ، گرامی ان کے ہاتھ میں تھا اس کو پڑھ رہے تھے اسی حالت میں وفات ہو گئی ابو جندل نے ان کو اسی جگہ دفن کر دیا اور ان کی قبر کے قریب مسجد بنادی۔ اس کے بعد ابو جندل اپنے کچھ رفقاء کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے اور باقی

لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ صلح حدیبیہ کا قضیہ طے ہونے کے بعد جب ابو جندل بھاگ کر مسلمانوں کے پاس آگئے تھے تو کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو مشورہ دیا تھا کہ ابو جندل کو باپ کے حوالے نہ کیا جائے لیکن حضور ﷺ نے واپس کر دیا تھا اب جب کہ قریش کی درخواست پر ابو جندل ساحل سمندر سے مدینہ میں آگئے تو ان مشورہ دینے والوں پر یہ امر واضح ہو گیا کہ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری ہر معاملہ میں ان کے لئے بہتر ہے خواہ ان کو پسند ہو یا ناگوار۔ جب یہ واقعہ ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے جو تم لوگوں سے وعدہ کیا تھا وہ یہی ہے اور جب فتح مکہ کے دن کعبہ کی کنجی حاصل کر لی تو حضرت عمرؓ بن خطاب سے فرمایا یہ وہی ہے جو میں نے تم لوگوں سے کہا تھا اور حجۃ الوداع کے زمانہ میں عرفات میں قیام کے وقت بھی حضرت عمرؓ سے فرمایا یہ وہی ہے جو میں نے تم لوگوں سے کہا تھا رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ صلح حدیبیہ سے بڑی اور کوئی فتح نہیں ہوئی حضرت ابو بکرؓ فرماتے تھے اسلام میں صلح حدیبیہ سے بڑھ کر کوئی فتح نہیں ہوئی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے رب کے درمیان جو خصوصی علاقہ تھا لوگوں کی سمجھ اس سے قاصر تھی بندے جلدی کرتے ہیں لیکن اللہ ان کی عجلت (پسندی) کی وجہ سے جلدی نہیں کرتا جب تمام امور اللہ کی مشیت کے مطابق ہو جاتے ہیں تو وہ کرتا ہے میں نے حجۃ الوداع میں قربان گاہ کے قریب سہیل بن عمرو کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی قربانی کے اونٹ حضور کے قریب لاتے تھے اور آپ اپنے ہاتھ سے ان کو نحر کرتے تھے اور حجام کو طلب فرما کر آپ نے سر منڈوایا تھا میں نے یہ بھی دیکھا کہ سہیل بن عمرو ان بالوں کو چن چن کر اپنی آنکھوں پر رکھ رہے تھے اور مجھے یاد ہے کہ حدیبیہ کے دن بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے سے انہوں نے انکار کیا تھا لیکن انہوں نے اللہ کا شکر کیا کہ اللہ نے ان کو مسلمان ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ ع ۹

فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ پھر جو شخص (بیعت کو) توڑے گا تو بیعت توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس کا (بیعت کے وقت) خدا سے عہد کیا تھا تو عنقریب خدا اس کو بڑا اجر دے گا۔

فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ یعنی عہد توڑنے کا ضرر اسی کی ذات پر پڑے گا۔ اسی کا نقصان ہو گا۔

وَمَنْ اَوْفٰى ---- یعنی جو بیعت پر قائم رہے گا۔

اَجْرًا عَظِيْمًا ---- یعنی جنت اور اللہ کی خوشنودی اور اس کا دیدار۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ جو دیہاتی پیچھے رہ گئے وہ عنقریب آپ سے کہیں گے کہ ہم کو ہمارے مال و عیال (کی مشغولیت) نے فرصت نہیں لینے دی اب ہمارے لئے (اس کوتاہی کی) معافی کے لئے دعا کر دیجئے۔ یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہیں گے جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں۔

من الاعراب حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد نے فرمایا اعراب سے مراد قبائل غفار مزینہ، جہینہ، اشجع اور اسلم کے بدوی ہیں جب حدیبیہ کے سال رسول اللہ ﷺ نے ان کو ساتھ چلنے کی دعوت دی تو قریش سے لڑائی کا ڈر ان کے دلوں میں پیدا ہو گیا کیونکہ ان کے خیال میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور مسلمان کمزور تھے (اور ان کی شکست لازم تھی) اس لئے ساتھ جانے سے انہوں نے گریز کیا اور رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو ٹال دیا لیکن جب رسول اللہ ﷺ اور مسلمان صحیح سالم لوٹ آئے تو انہوں نے ساتھ نہ جانے کی معذرت پیش کی۔

شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا یعنی ہمارے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جو ہمارے مال اور اہل و عیال کی خبر گیری اور نگرانی رکھتا اس لئے ہم ساتھ نہ جا سکے۔ اب ہماری اس کوتاہی کے معاف کر دینے کی اللہ سے دعا کر دیجئے۔

آیت کی پیش گوئی ایک معجزہ ہے اللہ نے اپنے نبی کو پہلے ہی بتا دیا کہ اعراب یہ بات کہیں گے اس کے بعد ان کی معذرت کو غلط قرار دیا اور فرمایا۔

یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ یہ لوگ جو معذرت کریں گے اور دعا مغفرت کے طلب گار ہوں گے یہ ان کی زبانی بات ہوگی دل میں نہیں ہوگی دل سے ان کو پرواہ بھی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کے لئے دعا مغفرت کریں یا نہ کریں۔

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۭ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ⑪ آپ کہہ دیجئے کہ کون ہے جو خدا کے سامنے تمہارے لئے کسی چیز کا (کچھ بھی) اختیار رکھتا ہو اگر اللہ تم کو کوئی نقصان یا کوئی نفع پہنچانا چاہے بلکہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

فَمَنْ يَّمْلِكُ یعنی اللہ کی مشیت اور فیصلہ کے مقابلہ میں کوئی تمہاری حفاظت نہیں کر سکتا کوئی نہیں بچا سکتا۔

ضَرًّا اگر اللہ تم کو کوئی ضرر جیسے قتل یا شکست یا مال کی تباہی یا عیال کی ہلاکت یا عذاب آخرت پہنچانا چاہے۔

بَلْ كَانَ اللّٰهُ یعنی بات یوں نہیں ہے جس طرح تم معذرت کر رہے ہو بلکہ اللہ جانتا ہے کہ حدیبیہ کو نہ جانے اور پیچھے رہ جانے سے تمہارا مقصد کیا تھا۔ تم اہل مکہ کے ڈر کے مارے ان کی موافقت کرنی چاہتے تھے) (ان سے لڑنا نہیں چاہتے تھے)

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚۖ وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ⑫ بلکہ تم نے یہ خیال کیا کہ رسول اللہ اور (ان کے ہمراہی) مومن اپنے گھر والوں میں کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں میں اچھی بھی معلوم ہوئی تھی اور تم نے برے برے گمان کئے تھے اور تم برباد ہونے والے لوگ ہوگئے۔

اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ یعنی مکہ کے مشرک اللہ کے رسول اور تمام مومنوں کو ہلاک کر دیں گے کوئی بھی گھر لوٹ کر نہیں آئے گا۔

دوسرا بل کا جو اضراب کے لئے ہے پہلے اضراب کے مضمون پر عطف ہے۔

وَزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ یعنی مسلمانوں کو اور رسول کی تباہی کی پسندیدگی تمہارے دلوں میں پیدا تو اللہ نے کی تھی مگر شیطان نے تمہارے دلوں میں یہ خیال دل پسند بنا دیا تھا۔

وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ یعنی تم نے خیال کیا تھا کہ محمد اور ان کے ساتھی مشرکوں کا لقمہ بن جائیں گے اسی طرح کے اللہ اور اس کے رسول کے متعلق برے برے گمان تم رکھتے تھے۔

قَوْمًۢا بُوْرًا عند اللہ ہلاک ہونے والے تباہ بد اعتقاد اور برے گمان رکھنے کی وجہ سے۔

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ⑬ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑭ اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے گا سو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور تمام آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے وہ جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے سزا دے اور اللہ بڑا غفور رحیم ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اس جملہ میں در پردہ اظہار ہے اس امر کا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ان کا ایمان ہی نہیں ہے کیونکہ اس طرح کی بدگمانیاں اور رسول کے ساتھ نہ جانا تقاضائے ایمان کے خلاف ہے۔ شرط کی جزاء محذوف ہے یعنی کسی کا ایمان نہ لانا ہم کو ضرر نہیں پہنچاتا اس سے ہمارا نقصان نہیں ہوتا۔

فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا سعیر کی تنوین ہولناکی کو ظاہر کر رہی ہے۔ یعنی ہولناک دہکتی بھڑکتی آگ۔ بجائے ضمیر کے للکافرین صراحت کے ساتھ کہنا اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جو شخص اللہ اور رسول دونوں پر ایمان نہ لائے وہ کافر ہے اور کفر کی وجہ سے دوزخ کا مستحق ہے۔

لِمَنْ يَّشَاۗءُ یعنی اس پر نہ مغفرت واجب ہے نہ سزا دینا لازم

وکان اللہ غفورا رحیما یعنی اللہ کی ذاتی صفات تو مغفرت اور رحمت ہیں اور عذاب دینے کا فیصلہ عارضی ہے۔

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۵﴾ اور جو

لوگ (حدیبیہ کو جانے سے) پیچھے رہ گئے تھے وہ عنقریب جب تم (خیبر) کی غنیمتیں لینے جاؤ گے کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو ہم تمہارے ساتھ چلیں وہ لوگ خدا کے حکم کو بدل ڈالنا چاہتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے اللہ نے پہلے ہی یوں فرمادیا ہے تو وہ لوگ کہیں گے (یہ بات نہیں) بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو (مسلمان حسد نہیں کرتے) بلکہ یہ لوگ خود بہت کم بات سمجھتے ہیں۔

نتبعکم یعنی ہم بھی تمہارے ساتھ جہاد پر چلیں تاکہ ہم کو بھی مال غنیمت ملے۔

بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ مغانم سے مراد صرف خیبر (کامال غنیمت) ہے محمد بن عمر کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو جہاد پر یعنی خیبر کی طرف چلنے کا حکم دیا۔ حضور کے گرداگرد جو لوگ تھے انہوں نے اس کی کوشش کی اور جو لوگ حدیبیہ میں شریک تھے وہ جہاد کے لئے تیار ہو گئے اور جو لوگ غزوۂ خیبر پر جانے سے رہ گئے تھے وہ بھی مال غنیمت کے لالچ میں خیبر کو جانے کے لئے آئے حضور نے فرمایا یہ لوگ میرے ساتھ صرف جہاد کی خواہش سے تو جاسکتے ہیں مال غنیمت میں حصہ دار بننے کے لئے نہیں۔ آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے مسلمانوں کی تعداد کو کم اور اہل ایمان کی کمزوری دیکھ کر خیال کیا تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے گی اسی لئے وہ حدیبیہ کو نہیں گئے جب وہ مسلمانوں میں طاقت محسوس کریں گے اور مسلمانوں کو مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے جہاد پر جاتا دیکھیں گے (ان کے خیال میں مسلمان جہاد پر صرف مال غنیمت حاصل کرنے جاتے تھے) تو کہیں گے ہم کو بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دو وہ چاہتے تھے کہ اللہ کے کلام کو بدل ڈالیں کیونکہ اللہ نے تو اپنے نبی کو حکم دے دیا تھا کہ ان میں سے کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ جائے چنانچہ دوسری آیت میں (یہی مضمون) آیا ہے فرمایا ہے فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ ابن زید اور قتادہ نے یہی مطلب بیان کیا میں کہتا ہوں جو لوگ حدیبیہ کو نہیں گئے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کو جہاد کی شدید رغبت ہے اور بیعت رضوان کی حالت وہ سن ہی چکے تھے اور یہ بھی سن لیا تھا کہ وادی مکہ میں اللہ نے مسلمانوں کو مشرکوں پر فتح عنایت کردی کہ مشرک صلح پر راضی ہو گئے اور مسلمانوں کو اہل مکہ کی طرف سے اطمینان حاصل ہو گیا اور اب وہ دوسرے قبائل عرب سے جہاد کرنے کے لئے فارغ ہو گئے تو حدیبیہ کو نہ جانے پر ان کو پشیمانی ہوئی اور ان کو یقین ہو گیا کہ آئندہ مسلمان غالب آئیں گے اور مال غنیمت ان کو حاصل ہو گا۔ یہ بات ان لوگوں نے اس وقت کہی تھی جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر والوں سے جہاد کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا باوجودیکہ اہل خیبر مکہ والوں سے زیادہ طاقتور تھے۔ دس ہزار جنگجو بہادر ان میں موجود تھے (لیکن حضور نے ان پر چڑھائی کرنے کا عزم کر لیا) رہی یہ بات کہ جب مسلمان اتنے بہادر تھے تو مکہ میں زبردستی کیوں داخل نہ ہو سکے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ) قریش پر اللہ نے رحم فرمایا کہ اپنے رسول کو اور مسلمانوں کو داخل ہونے سے روک دیا جیسے قریش پر رحم کرنے کے سبب ہاتھی والے حبشیوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا پھر اللہ کو یہ بھی علم تھا کہ قریش کے اکثر آدمی مسلمان ہو جائیں گے اور ان کی نسل سے بہت سی مومن روحیں پیدا ہوں گی ایک بات یہ بھی تھی کہ مسلمان مکہ میں زبردستی گھستے اور جنگ ہوتی تو وہاں کچھ مسلمان مرد اور عورتیں بھی پوشیدہ تھے اور حملہ کرنے والوں کو معلوم نہیں تھا اس لئے نادانستگی میں ممکن تھا وہ روندے جاتے یہی وجوہ تھیں کہ مسلمانوں نے زبردستی داخل ہونے کی کوشش نہیں کی اور اللہ نے ان کو حدیبیہ میں ہی روک دیا۔

قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا اللہ کی طرف سے بطور معجزہ یہ ایک پیشین گوئی ہے کہ باوجودیکہ وہ اعراب مال غنیمت کے لالچ میں

مخلص مومنوں کے ساتھ جانے کا پختہ ارادہ کر چکے تھے مگر اللہ نے پہلے سے خبر دے دی کہ یہ ساتھ نہیں جائیں گے۔ گویا دو مرتبہ پیشن گوئی فرمائی ایک بار یہ کہ وہ تمہارے ساتھ جانے کو کہیں گے اور دوسری بار یہ کہ وہ تمہارے ساتھ ہر گز نہیں نکلیں گے۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ لَنْ تَتَّبِعُوْا اگرچہ نفی ہے لیکن نہی کے معنی میں ہے (تم ہر گز ہمارے ساتھ نہ چلو)

كَذٰلِكَ یعنی جیسا میں نے تم سے کہا کہ تم لوگ ہمارے ساتھ نہیں جاؤ گے ایسا ہی وحی غیر متلو (یعنی الہام نبوت) کے ذریعہ سے اللہ نے پہلے ہی فرمادیا ہے کہ خیبر کا مال غنیمت صرف شرکاء حدیبیہ کے لئے ہے دوسروں کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ یا یہ بات اللہ نے پہلے ہی فرمادی کہ یہ لوگ رسول کے ساتھ کبھی نہیں جائیں گے اور نہ رسول خدا کسی جہاد میں ان کے ساتھ ہوں گے۔

آیت میں وہ لوگ مراد نہیں ہیں جن کے متعلق آیت فَاسْتَأْذَنُوْكَ نازل ہوئی تھی کیونکہ آیت فاستاذنوک تو ایک سال بعد ۹ھ میں غزوہ تبوک کے سلسلے میں نازل ہوئی (اور اعراب کا قول و معذرت اور ساتھ جانے کی درخواست کا واقعہ ۸ھ کا ہے)

بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا یعنی اللہ نے ایسا نہیں فرمایا بلکہ تم کو ہم سے حسد ہوتا ہے کہ ہم مال غنیمت میں تمہارے شریک ہو جائیں گے۔

بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ یعنی بات یہ نہیں ہے جو اعراب کہتے ہیں بلکہ ان کو معلوم ہی نہیں کہ اللہ کی طرف سے ان کے لئے کیا مفید ہے اور کیا ضرر رساں۔

اِلَّا قَلِيْلًا مگر تھوڑی سی سمجھ ہے یعنی دنیوی امور کی۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾

آپ ان کے پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے کہہ دیجئے کہ عنقریب تم ایسے لوگوں سے جہاد کرنے کے لئے بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہیں تم کو ان سے اس وقت تک لڑنا ہوگا کہ وہ (اسلام کے) مطیع ہو جائیں پس اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تم کو اچھا بدل (جنت) عطا فرمائے گا اور اگر (اس وقت بھی) روگردانی کرو گے جیسا کہ اس سے پہلے روگردانی کر چکے ہو تو اللہ تم کو دردناک عذاب کی سزا دے گا۔

قل للمخلفین (بجائے ضمیر غائب کے) دوبار مخلفین کا لفظ صراحت کے ساتھ ذکر کرنے سے مذمت میں قوت پیدا کرنا اور تخلف کی سخت ترین قباحت ظاہر کرنا مقصود ہے۔

الی قوم اولی باس شدید کعب نے کہا قوم سے مراد ہیں رومی یعنی غزوہ تبوک میں شریک ہونے کی تم کو دعوت دی جائے گی۔

میں کہتا ہوں آگے اس قوم کی صفت تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ذکر کی گئی ہے اس لئے قوم سے رومی مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ قوم ایسی ہونی چاہئے جس سے اس وقت تک قتال جاری رکھنا لازم ہے جب تک وہ مسلمان (یا مطیع اسلام) نہ ہو جائیں لیکن تبوک میں نہ جنگ ہوئی نہ اسلام انہوں نے قبول کیا کچھ اوپر دس روز رسول اللہ ﷺ نے تبوک میں قیام فرمایا لیکن ہرقل نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی نہ مقابلہ کے لئے کسی کو بھیجا آخر رسول اللہ ﷺ بغیر جنگ کے لوٹ آئے۔

سعید بن جبیر اور قتادہ نے کہا قبائل ہوازن ثقیف اور غطفان مراد ہیں حنین میں انہیں سے لڑائی ہوئی تھی میں کہتا ہوں یہ بھی صحیح نہیں ہے کسی صحیح روایت میں نہیں آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اعراب کو حنین کی جنگ میں شریک ہونے کی دعوت دی ہو اس کے علاوہ قوم سے جو لوگ مراد ہوں ان کا بڑا طاقت ور اور جنگجو ہونا ضروری ہے اور قبائل ہوازن وغیرہ اسلامی لشکر کے مقابلہ

میں طاقت ور نہیں تھے ان کی تعداد بھی کم تھی اور اسلامی لشکر کی تعداد زیادہ تھی۔
زہری اور مقاتل کا قول ہے کہ بنی حنیفہ یعنی اہل یمامہ جو مسلمہ کذاب کے ساتھی تھے مراد ہیں حضرت رافع بن خدیج
نے فرمایا ہم یہ آیت پڑھتے تھے لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ قوم سے کون لوگ مراد ہیں یہاں تک کہ بنی حنیفہ سے لڑنے کے
لئے حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں کو دعوت دی اس وقت ہم سمجھے کہ قوم سے مراد بنی حنیفہ ہیں اکثر اہل تفسیر کا یہی قول ہے اور
بیضاوی نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

تُقَاتِلُوۡنَہُمۡ اَوۡ یُسۡلِمُوۡنَ یعنی دونوں باتوں میں سے ایک ہوگی قتال یا اسلام مراد یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک بات
ہونی ضرور ہے یا تو ان سے جنگ کرتے رہو یا وہ اسلام لے آئیں تیسری بات نہیں ہو سکتی ان سے جزیہ نہیں لیا جا سکتا۔ یہ حکم
صرف عرب کے مشرکوں اور مرتد ہو جانے والے مسلمانوں کے لئے خاص تھا اہل روم اور دوسرے عجمیوں کے لئے تین
صورتیں تھیں جنگ یا اسلام یا جزیہ۔

اس تفسیر پر حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کا برحق ہونا اس آیت سے ثابت ہو جائے گا کیونکہ مرتدوں سے جہاد کرنے کی آپ
ہی نے مسلمانوں کو دعوت دی لیکن حضرت ابن عباسؓ مجاہد عطاء اور ابن جریج کے نزدیک قوم سے مراد اہل فارس ہیں اس
صورت میں حضرت عمرؓ کی خلافت (حضرت ابو بکر کی خلافت پر مبنی تھی) کی طرف اشارہ ہوگا کیونکہ آپ نے ہی اہل فارس سے
جہاد کیا مگر اس تفسیر پر یسلمون کا معنی ہوگا۔ ینقادون یعنی تم ان سے لڑو یہاں تک کہ وہ تمہارے مطیع ہو جائیں اور جزیہ ادا کرنا
قبول کر لیں۔

اَجۡرًا حَسَنًا یعنی جنت

من قبل یعنی حدیبیہ کو جانے کے وقت جیسے تم نے روگردانی کی تھی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو اپاہج (لنگڑے لولے) لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ ہمارے
متعلق کیا حکم ہے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

لَیۡسَ عَلَی الۡاَعۡمٰی حَرَجٌ وَّ لَا عَلَی الۡاَعۡرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَی الۡمَرِیۡضِ حَرَجٌ ؕ وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ یُدۡخِلۡہُ جَنّٰتٍ
تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ۚ وَ مَنۡ یَّتَوَلَّ یُعَذِّبۡہُ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿۱۷﴾

نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار
پر کوئی گناہ ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانے گا تو اللہ اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں
بہتی ہوں گی اور جو شخص (حکم سے) روگردانی کرے گا تو اللہ اس کو دردناک عذاب کی سزا دے گا۔

ع ۱۰
الفتح

حرج تنگی سختی اور ترک جہاد کا عذاب۔

ومن یطع اللہ یعنی جہاد وغیرہ میں جو اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلے گا۔

ومن یتول یعنی باوجود قدرت کے جو اطاعت سے روگردانی کرے گا۔

لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ فَاَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ عَلَیۡہِمۡ
وَ اَثَابَہُمۡ فَتۡحًا قَرِیۡبًا ﴿۱۸﴾ وَّ مَغَانِمَ کَثِیۡرَۃً یَّاۡخُذُوۡنَہَا ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا ﴿۱۹﴾

بیشک اللہ مسلمانوں سے خوش ہوا جب کہ یہ
لوگ آپ سے درخت (الشجرہ) کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا پس اللہ نے ان
کے لئے اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو ایک لگے ہاتھ فتح عنایت کی اور اس فتح میں بہت سی غنیمتیں بھی دیں جن کو لوگ لے رہے ہیں
اور اللہ بڑا زبردست اور بڑی حکمت والا ہے۔

تَحۡتَ الشَّجَرَۃِ یعنی حدیبیہ میں درخت کے نیچے اسی آیت کی وجہ سے اس بیعت کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے اس آیت

سے مقصود مومنوں کی تعریف اور مدح ہے اور گزشتہ کلام سے ایفاء بیعت پر برانگیختہ کرنا مقصود تھا۔

صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت جابرؓ بن عبد اللہ نے فرمایا ہم حدیبیہ کے دن ایک ہزار چار سو تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم زمین والوں میں سب سے بہتر ہو۔

مسلم نے حضرت اُمّ بشر کی مرفوع روایت سے بیان کیا ہے کہ جو کوئی اس درخت کے نیچے بیعت کر چکا وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔

فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ یعنی سچائی اور بیعت کا ایفاء۔

فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ یعنی ان کے دلوں میں اطمینان پیدا کر دیا کہ حضور قلب کے ساتھ وہ ذکر خدا میں مشغول ہو گئے اور نفسانی پسندیدگی کو چھوڑ کر اللہ کے حکم پر راضی ہو گئے۔

فَتْحًا قَرِيبًا یعنی فتح خیبر ابن عائذ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حدیبیہ سے واپس آکر دس روز رسول اللہ ﷺ نے مدینے میں قیام فرمایا سلیمان تیمی نے پندرہ روز قیام بتایا ہے ابن عقبہ نے زہری کا قول نقل کیا ہے کہ بیس روز قیام فرمایا ابن اسحاق نے بحوالہ مسور و مروان بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ماہ ذی الحجہ میں مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اور محرم تک قیام پذیر رہے محرم میں خیبر کی طرف روانہ ہو گئے اور فتح خیبر صفر ۷ھ میں ہوئی كذا فى المغازى للواقدى احفظ نے کہا یہی روایت راجح ہے حاکم نے بھی واقدی سے یہی نقل کیا ہے۔

ومغانم کثیرہ بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا خیبر فتح ہو گیا تو ہم نے کہا اب ہم پیٹ بھر کر چھوارے کھائیں گے حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا جب تک خیبر کی فتح نہ ہو گئی ہم نے پیٹ بھر کر چھوارے نہیں کھائے۔

حافظ محمد بن یوسف صالحی نے کہا خیبر زمین کا ایک قطعہ تھا جس میں قلعے تھے کھیت تھے بکثرت نخلستان تھے حدیبیہ سے تین روز کی مسافت پر شامی حاجیوں کے بائیں ہاتھ کو واقع تھا۔

وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَٰذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿٢٠﴾

اللہ نے تم سے اور بھی بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لوگے سو سر دست تمکو یہ دے دی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے اور تاکہ یہ واقعہ اہل ایمان کے لئے ایک نمونہ بن جائے اور تاکہ تم کو ایک سیدھی سڑک پر ڈال دے۔

مَغَانِمَ كَثِيرَةً یعنی وہ فتوحات جو قیامت تک مسلمانوں کو حاصل ہوتی رہیں گی۔ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان مکہ سے واپس آ گئے اور بظاہر فتح حاصل نہیں ہوئی (اس سے کچھ دل شکستگی پیدا ہو گئی اس کو دور کرنے اور) مومنوں کو تسلی دینے کے لئے مغانم کثیرہ حاصل ہونے کی صراحت فرما دی۔

هَٰذِهِ اس سے فتح خیبر مراد ہے۔

وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خیبر کے محاصرہ میں مشغول تھے ان ہی ایام میں قبائل بنی اسد اور غطفان نے مدینے پر حملہ کر کے مسلمانوں کے اہل و عیال کو لوٹنے کا ارادہ کیا تھا لیکن اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ مسلمانوں کے اہل و عیال پر دراز دستی نہ کر سکے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بنی غطفان رسول اللہ ﷺ کے خلاف یہودیوں کے مددگار تھے جب انہوں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ خیبر کے قریب فروکش ہیں تو یہودیوں کی مدد کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور روانہ ہو گئے لیکن اثناء راہ میں انہوں نے (اپنی بستی کے اندر) اپنے اہل و عیال میں کچھ آہٹ سی محسوس کی تو خیال کیا کہ مسلمان وہاں جا پہنچے فوراً پچھلے قدم لوٹ پڑے اور بال بچوں کی حفاظت میں لگے رہے اور رسول اللہ ﷺ کے لئے خیبر تک پہنچنے کا راستہ خالی کر دیا۔

ابن قانع بغوی اور ابو نعیم نے بروایت سعید بن ختیم بیان کیا کہ سعید کے باپ عیینہ بن حصین کے لشکر میں جو غطفان کے سواروں کے ساتھ تھے ایک آواز سنی لوگو اپنے گھر والوں کی خبر لو ان پر حملہ کر دیا گیا ہے یہ آواز سنتے ہی لوگ ٹوٹ پڑے کسی نے کسی کی طرف نظر لوٹا کر بھی نہیں دیکھا۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ آواز آسمان کی طرف سے آئی تھی۔

بعض اہل تفسیر نے کَفَّ اَیۡدِیَهُمۡ کا یہ مطلب بیان کیا کہ صلح کی وجہ سے اہل مکہ کے ہاتھوں کو روک دیا۔

وَلِتَكُونَ اللہ نے ایسا اس لئے کیا کہ تم صحیح سلامت رہو یا تم کو مال غنیمت حاصل ہو جائے اور یہ دراز دستی کی بندش یا مال غنیمت مسلمانوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کے وعدہ کی سچائی کی ایک نشانی ہو جائے۔

وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا اور اللہ دکھادے تم کو سیدھا راستہ۔

صراط مستقیم سے مراد ہے اللہ کے فضل پر اعتماد اور توکل یا یہ مطلب ہے کہ اللہ سیدھے راستہ پر یعنی اسلام پر تم کو جمائے رکھے اور بصیرت میں اضافہ کر دے۔

غزوۂ خیبر کے واقعہ کی تفصیل

امام احمد ابن خزیمہ اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں سباع بن عرفطہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے اور مسلمانوں نے (خیبر کو روانہ ہونے کی) تیاری کر لی تو مدینے کے یہودیوں کو یہ تیاری بڑی شاق گزری اور مدینہ کے جس یہودی کا جس مسلمان پر کچھ حق (قرض) تھا وہ یہودی اس مسلمان سے چٹ گیا (کہ میرا قرض دے کر جانا)

امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابو حدرد کا بیان نقل کیا ہے۔ ابو حدردؓ نے فرمایا کہ ابو شحم یہودی کے مجھ پر پانچ درہم تھے وہ مجھ سے چٹ گیا میں نے کہا مجھے مہلت دے دے امید ہے کہ واپس آکر میں تیرا قرض ادا کر دوں گا کیونکہ اللہ نے اپنے نبی سے خیبر کے مال غنیمت کا وعدہ فرمایا ہے کہنے لگا کیا تیرا یہ گمان ہے کہ خیبر کی لڑائی بھی ایسی ہی ہو گی جیسی تم کو دیہاتیوں بدویوں کی طرف سے پیش آتی ہے اور تم اس کے عادی ہو توریت کی قسم خیبر میں دس ہزار جنگ جو بہادر رہتے ہیں غرض دونوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنا معاملہ پیش کیا حضور نے فرمایا اس کا حق ادا کر دو چنانچہ میں نے ایک کپڑا اپنا تین درہم کو فروخت کر دیا۔ الحدیث۔

جب رسول اللہ ﷺ خیبر کے قریب (مقام) صہباء میں پہنچے تو ہم (سب) سے کھانے کی چیزیں (جتنی جس کسی کے پاس تھیں) طلب فرمائیں لیکن حضور کی خدمت میں صرف ستو پیش کئے گئے (کسی کے پاس اور کچھ تھا ہی نہیں) آپ نے ستوؤں کو پانی سے تر کیا خود بھی کھائے اور ہم نے بھی حضور کے ساتھ ستو کھائے پھر آپ نے نماز پڑھی (جدید) وضو نہیں کیا۔ رواہ البخاری واقدی بیہقی محمد بن عمرو کا بیان ہے پھر حضور یہاں سے چل کر اس پڑاؤ پر پہنچے جہاں خیبر کا بازار تھا یہ جگہ (فتح کے بعد) حضرت زید بنؓ ثابت کے حصہ میں آئی تھی پچھلی رات کو اس جگہ پہنچ کر فروکش ہوئے اور پچھلی شب کے کچھ حصہ میں یہاں ٹھہرے رہے۔

یہودیوں کا پہلے یہ خیال نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان سے جنگ کریں گے کیونکہ یہودیوں میں قوت تھی اسلحہ بھی تھے اور تعداد بھی (بہت) تھی جب ان کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ روانہ ہو گئے ہیں تو روزانہ دس ہزار جنگجو بہادر (خیبر سے) نکل کر قطار در قطار ہو کر باہر آتے تھے اور جب مسلمانوں کو نہ پاتے تو واپس ہو کر کہتے تھے محمد کا خیال بدل گیا وہ کہاں آئیں گے ان کا آنا بہت دور کی بات ہے روزانہ کا یہی معمول تھا۔

جس رات کو رسول اللہ ﷺ ان کے میدان میں اترے اس رات کو انہوں نے کوئی حرکت ہی نہیں کی (سب غافل بے غم پڑے سوتے رہے) مرغ نے بھی بانگ نہیں دی یہاں تک کہ صبح ہو گئی تو ان کے دل خوف سے دھڑکنے لگے اور قلعوں کے

دروازے کھول کر وہ باہر آگئے۔

شیخین کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ خیبر کو روانہ ہو کر رات کو پہنچے اور آپ کا دستور تھا کہ اگر کسی قوم پر حملہ کرنے کے لئے رات کو پہنچتے تھے تو دھوکہ سے اچانک حملہ نہیں کرتے تھے جب صبح ہو جاتی اور بستی سے اذان کی آواز سن لیتے تو حملہ نہیں کرتے تھے اور اذان کی آواز نہ آتی تو حملہ کرتے تھے ہم نے فجر کی نماز تڑکے سے پڑھ لی اذان کی آواز سنائی نہ دی تو رسول اللہ ﷺ سوار ہو گئے مسلمان بھی سوار ہو گئے بستی والے اپنے ٹوکرے اور کسیاں لے کر کھیتوں پر جانے کے لئے باہر نکلے جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو پشت پھیر کر بھاگ پڑے اور بولے محمد آگئے اور پورا لشکر بھی رسول اللہ ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا اللہ اکبر خیبر تباہ ہو گیا ہم جب کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں اور ان کو تباہی سے ڈراتے ہیں لیکن وہ نہیں مانتے تو جن لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے ان کی صبح بری ہوتی ہے (یعنی وہ غارت کر دیئے جاتے ہیں) رسول اللہ ﷺ نے آغاز جہاد نطاۃ کے باشندوں سے کیا مسلمانوں کی صف بندی کی اور ان کو نصیحت کر دی کہ میری اجازت سے پہلے لڑائی شروع نہ کرنا (لیکن حضور سے اجازت لئے بغیر) بنی اشجع کے ایک آدمی نے ایک یہودی پر حملہ کر دیا اس یہودی نے حملہ کیا اور مسلمان کو قتل کر دیا لوگوں نے کہا فلاں شخص شہید ہو گیا حضور نے فرمایا جنگ کی میں نے ممانعت کر دی تھی اس کے بعد اس شخص نے یہودی پر حملہ کر دیا مسلمانوں نے کہا جی ہاں حضور نے ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ ندا کر دے کسی نافرمان کے لئے جنت حلال نہیں۔

طبرانی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا دشمن سے جنگ کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت کی دعا کرو کیونکہ تم کو معلوم نہیں کہ (جنگ میں) تم کو کیا صورت پیش آئے گی ہاں جب مڈ بھیڑ ہو ہی جائے گی تو دعا کرو اے اللہ ہمارے اور ان کے مالک ہماری اور ان کی پیشانیاں تیرے قبضہ میں ہیں تو ہی ان کو قتل کرے گا پھر زمین سے چٹ کر بیٹھ جاؤ اور جب وہ تم پر حملہ کر دیں تو اٹھ کھڑے ہو اور اللہ اکبر کہو الحدیث۔

ابن اسحاق اور محمد بن عمرو بن سعید کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جھنڈے تقسیم کر دیئے (ہر دستہ کا ایک جھنڈا مقرر کر دیا) اور لوگوں کو لڑنے کی اجازت دے دی اور جمے رہنے کی ترغیب دی سب سے اول جس قلعہ کا محاصرہ کیا وہ ناعم علاقہ نطاۃ کا قلعہ تھا یہاں سخت جنگ ہوئی اہل نطاۃ نے شدید ترین جنگ کی شام کو رسول اللہ ﷺ رجیع کو لوٹ آئے اسی طرح صبح کو رسول اللہ ﷺ جھنڈے لے کر نکلتے تھے (اور شام کو واپس آجاتے تھے) آخر اللہ نے وہ قلعہ فتح کرا دیا۔

بیہقی ابو نعیم اور محمد بن عمر کی روایت ہے کہ جب مسلمان خیبر میں پہنچے تو ان ایام میں کھجوریں کچی تھیں مسلمانوں کو ان کے کھانے سے بخار آگیا لوگوں نے حضور سے اس کی شکایت کی تو فرمایا پانی مشکیزوں میں بھر لو اور صبح کو دونوں اذانوں کے درمیان بسم اللہ کر کے پانی (اپنے اوپر) بہاؤ مسلمانوں نے حکم کی تعمیل کی فوراً (ایسے) چست ہو گئے جیسے ایک بندش تھی اور وہ کھل گئی (گویا اونٹ کا زانو بند کھل گیا اور وہ چستی کے ساتھ کھڑا ہو گیا)

ناعم کی فتح کے بعد مسلمانوں نے صعب بن معاذ کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ محمد بن عمر نے ابو الیسر کعب بن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ یہ قلعہ بڑا مضبوط قلعہ تھا مسلمانوں نے تین روز تک اس کا محاصرہ کیا۔

ابن اسحاق نے قبیلہ اسلم کے ایک آدمی کے حوالہ سے اور محمد بن عمر نے معتب اسلمی کے بیان سے نقل کیا ہے اسلمی شخص نے کہا ہمارے قبیلہ اسلم والوں کو سخت بھوک نے ستایا تھا یہاں تک کہ ہم خیبر میں پہنچے اور دس روز تک حصن نطاۃ (کے محاصرہ) پر جمے رہے لیکن کوئی ایسا مقام جہاں کھانے کی کوئی چیز ہوتی فتح نہیں ہوا لوگوں نے اسماء بن حارثہ کو حضور کی خدمت میں بھیجا اسماء نے جا کر عرض کیا یا رسول اللہ قبیلہ والوں نے آپ کو سلام کہا ہے اور عرض کیا ہے کہ ہم سخت بھوک کی تکلیف میں مبتلا ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے قبضہ میں کوئی ایسی چیز نہیں کہ میں ان کو کھانے کے لئے دے سکوں پھر فرمایا اے اللہ سب سے بڑا قلعہ جس میں سب سے زیادہ چربی ہو فتح کرا دے یہ دعا کرنے کے بعد جھنڈا حباب بن منذر کو عطا فرمایا اور لوگوں کو (حباب کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے کی دعوت دی راوی کا بیان ہے کہ ہم حضور کی خدمت سے لوٹے بھی نہ تھے کہ اللہ نے

صعب بن معاذ کے قلعہ کی فتح عنایت کردی خیبر میں اس سے بڑھ کر (غذائی رسد یعنی) غلہ اور چربی والا کوئی قلعہ نہیں تھا۔ حباب کا مقابلہ کرنے کے لئے یوشع یہودی باہر نکلا تھا حباب نے اس کو قتل کر دیا پھر زیال نکل کر آیا اس کو عمارہ بن عقبہ غفاری نے جالیا اس پر لوگوں نے کہا اس کا جہاد بیکار گیا حضور نے فرمایا اس پر کوئی گناہ عائد نہیں ہوتا کہ اس نے حباب کے حریف کو حباب سے پہلے ہی قتل کر دیا بلکہ اس کو اجر ملے گا اور اس کا فعل قابل ستائش ہے۔

محمد بن عمر نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ صعب کے قلعہ کے اندر مسلمانوں کو اتنی کثرت سے کھانے کی چیزیں ملیں جن کا ان کو گمان بھی نہیں تھا جو چھوارے گھی شہد زیتون کا تیل اور چربی ہر چیز بافراط ہاتھ آئی۔ پھر رسول اللہ کے منادی نے ندا دی کھاؤ اور لے لو لیکن (اپنے ساتھ لاد نامت یعنی یہاں سے اٹھا کر اپنی بستیوں میں نہ لے جانا۔

بیہقی نے محمد بن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ یہودی حصن ناعم اور حصن صعب سے منتقل ہو کر قلعہ زبیر کو چلے گئے (پہاڑ کی وہ چوٹی جو حضرت زبیر کے حصہ میں آئی تھی قلعہ زبیر سے وہی چوٹی مراد ہے) اس چوٹی پر ایک قلعہ تھا مسلمانوں نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور تین روز محاصرہ قائم رکھا ایک یہودی جس کا نام غزال تھا (پوشیدہ طور پر) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ابو القاسم میں آپ کو ایک تدبیر بتاتا ہوں جس سے اہل حصن کے جھگڑے سے آپ کو فراغت مل جائے گی بشرطیکہ مجھے مع اہل و عیال یہاں سے امن کے ساتھ شق کو چلے جانے کی آپ اجازت دے دیں کیونکہ شق میں رہنے والے آپ کے رعب سے مرے جا رہے ہیں حضور نے اس کو مع اہل و عیال امن دینے کا وعدہ فرمالیا یہودی نے کہا اگر آپ ایک مہینہ تک یہاں پڑے رہیں گے تب بھی اہل حصن کو کچھ پرواہ نہ ہوگی کیونکہ زمین کے اندر ان کے پاس پانی جمع ہے رات کو نکل کر وہاں جا کر وہ اپنے لئے پانی لے آتے ہیں اگر آپ پانی تک پہنچنے کا ان کا راستہ کاٹ دیں تو وہ بیتابھو کر باہر نکل پڑیں گے (حسب مشورہ) رسول اللہ ﷺ نے جا کر ان کے پانی کا سلسلہ منقطع کر دیا پانی کا سلسلہ کٹ گیا تو وہ لوگ فوراً باہر نکل آئے اور سخت ترین مقابلہ کیا اس روز کی لڑائی میں چند مسلمان شہید ہو گئے دس یہودی مارے گئے اور قلعہ فتح ہو گیا نطاہ کا یہ آخری قلعہ تھا نطاہ سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ شق کی طرف متوجہ ہوئے شق میں قلعہ کے اوپر ایک چھاؤنی تھی جس کو سموان کہا جاتا تھا سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے اسی کا رخ کیا چھاؤنی والوں نے سخت ترین مقابلہ کیا ایک یہودی جس کو غزول کہا جاتا تھا مقابلہ کے لئے باہر آیا حباب بن منذر نے اس کو قتل کر دیا ایک اور یہودی نکل کر آیا اسکو ابو دجانہ نے قتل کر دیا اور اس کی زرہ اور تلوار لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور نے وہ زرہ اور تلوار ابو دجانہ کو ہی عنایت فرما دی۔ اس کے بعد یہودی میدان میں نکل کر مقابلہ کرنے سے رک گئے۔ مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور چھاؤنی پر حملہ کر دیا اور اندر گھس گئے۔ حضرت ابو دجانہ آگے آگے تھے۔ وہاں مسلمانوں کو بڑا مال اسباب بکریاں بھیڑیں اور غلہ ملا وہاں جو لوگ تھے سب بھاگ کر بنزال (قلعہ کا نام) میں چلے گئے۔ نطاہ میں جو لوگ باقی رہ گئے تھے وہ بھی بنزال میں آگئے اور انتہائی مضبوطی کے ساتھ قلعہ بند ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ساتھیوں کو لے کر (بنزال کی طرف) حرکت کی اور سخت ترین جنگ کی اہل شق نے مسلمانوں پر تیروں اور پتھروں کی بارش کر دی کچھ تیر رسول اللہ ﷺ کی طرف بھی آئے جو آپ کے کپڑوں میں الجھ کر رہ گئے آپ نے ان کو جمع کر لیا پھر ایک مٹھی کنکریاں لے کر قلعہ پر پھینک ماریں جس سے قلعہ میں لرزہ پیدا ہو گیا اور دیواریں زمین پر آ لگیں مسلمان اندر داخل ہو گئے اور قلعہ والوں کو گرفتار کر لیا نطاہ اور شق کے قلعہ فتح ہو گئے تو جو لوگ باقی رہ گئے تھے وہ کتیبہ کی چھاؤنیوں کی طرف بھاگ گئے۔

کتیبہ کی چھاؤنیوں میں سب سے بڑی چھاؤنی قموص تھی یہ بڑی مضبوط اور محفوظ تھی ابن ابی عقبہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسکا محاصرہ بیس روز جاری رکھا یہ سرزمین صحت کے لئے مضر تھی۔ شیخین نے حضرت سہل بن سعد کی روایت سے اور بخاری و ابو نعیم نے حضرت سلمہ بن اکوع کی روایت سے اور ابو نعیم نے حضرت عمرؓ حضرت ابن عباس حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت عمرؓان بن حصین اور حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت سے اور مسلم و بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے اور

امام احمد و ابویعلی و بیہقی نے حضرت علیؓ کی روایت سے اور ابونعیم و بیہقی نے حضرت بریدہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو (درد) شقیقہ (آدھے سر کا درد) اٹھا کرتا تھا جس کی وجہ سے ایک دو روز آپ باہر تشریف نہیں لاتے تھے جب خیبر میں فروکش ہوئے تو (حسب عادت) درد شقیقہ شروع ہو گیا آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو بلوا کر اپنا جھنڈا ان کے سپرد کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جھنڈا لے کر سخت ترین جنگ کی پھر دوبارہ چڑھائی کا اور پہلی جنگ سے زیادہ شدید حملہ کیا لیکن کامیابی کے بغیر واپس آگئے فتح نہ ہو سکی حضرت علیؓ کی روایت میں آیا ہے کہ (شروع) دو دن کی لڑائی میں یہودیوں کا پلڑہ بھاری رہا حضور کو اس کی اطلاع دی گئی تو فرمایا کل میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح عنایت فرمائے گا وہ میدان سے بھاگنے والا نہ ہو گا اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والا ہو گا اور زبردستی فتح حاصل کر لے گا۔ حضرت بریدہ کا بیان ہے اس فرمان نبوی کے بعد ہمارے دلوں کو یقین ہو گیا کہ کل کو فتح حاصل ہو جائے گی لیکن لوگوں کو رات بھر یہی سوچ رہا کہ کل جھنڈا کس کو دیا جائے گا صبح ہوئی تو لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے ہر ایک کی خواہش تھی کہ حضور اس کو جھنڈا عطا فرمائیں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس روز کے علاوہ مجھے کبھی خواہش نہ ہوئی کہ مجھے امیر بنایا جائے صبح کو فجر کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جھنڈا طلب فرمایا اور سیدھے کھڑے ہو کر (حسب روایت زہری) لوگوں کو نصیحت فرمائی پھر فرمایا علی کہاں ہیں لوگوں نے کہا ان کی آنکھیں آگئی ہیں لوگوں کو بلانے کے لئے بھیجا گیا حضرت سلمہؓ کا بیان ہے میں حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر لے آیا حضور نے فرمایا تم کو کیا ہو گیا حضرت علیؓ نے جواب دیا میری آنکھیں دکھنے لگی ہیں۔ اتنی کہ سامنے کی چیز بھی نہیں دیکھ سکتا حاکم کی روایت میں حضرت علیؓ کا بیان آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا سر اپنی گود میں لیا پھر اپنا لعاب دہن دست مبارک میں لے کر میری آنکھوں میں مل دیا صحابہ کا بیان ہے ملتے ہی آنکھیں ایسی ہو گئیں گویا کبھی یہ دکھی نہ تھیں اس کے بعد وقت وفات تک حضرت علیؓ کی آنکھیں کبھی نہیں دکھیں۔

اس واقعہ کے بعد حضور نے جھنڈا ان کو عنایت فرمایا۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا یارسول اللہ میں ان یہودیوں سے اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک وہ ہماری طرح (مسلمان) نہ ہو جائیں حضور نے فرمایا آہستہ چال سے چل کر جاؤ جب ان کے علاقہ میں پہنچ جاؤ تو ان کو اسلام کی دعوت دو اور ان کو بتاؤ کہ اللہ کا حق ان پر کیا ہے اور اللہ کے رسول کا حق کیا ہے اگر تمہارے ذریعہ سے اللہ ایک کو بھی ہدایت کر دے تو خدا کی قسم سرخ اونٹوں سے بھی تمہارے لئے زیادہ بہتر (مفید) ہو گا حضرت علیؓ جھنڈا لے کر نکل کر چلے اور قلعہ کے نیچے پہنچ کر جھنڈا زمین میں گاڑ دیا ایک یہودی نے قلعہ کے اوپر سر باہر نکال کر دیکھا اور پوچھا تو کون ہے حضرت علیؓ نے فرمایا میں علیؓ ہوں یہودی یہ سنتے ہی بول اٹھا قسم ہے اس کی جس نے محمد پر توریت نازل کی تم غالب آگئے آخر حضرت علیؓ فتح کر کے ہی لوٹے۔

محمد بن عمرو نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ خیبر کے قلعہ سے جو سب سے پہلے باہر نکل کر آیا حضرت علیؓ سے مقابلہ کرنے وہ مرحب کا بھائی حارث تھا حضرت علیؓ نے اس کو قتل کر دیا اس کے ساتھی قلعہ کے اندر لوٹ کر چلے گئے پھر عامر قلعہ سے برآمد ہوا یہ بڑا دراز قامت جسیم آدمی تھا حضور نے فرمایا عامر باہر نکلا ہے تم دیکھ رہے ہو یہ پانچ ہاتھ کا آدمی ہے اور دعوت مقابلہ دے رہا ہے حضرت علیؓ اس کے مقابلہ پر گئے اور اس کو قتل کر دیا اس کے بعد یاسر نکل کر آیا حضرت علی اس کے مقابلہ کے لئے بھی جانے لگے تو حضرت زبیر بن عوام نے کہ آپ کو قسم دے کر کہتا ہوں کہ مجھے اس سے تنہا نبٹ لینے دیجئے حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ کی بات مان لی جب حضرت زبیرؓ مقابلہ کے لئے برآمد ہوئے تو حضرت صفیہؓ نے کہا اے اللہ کے رسول میرا بیٹا مارا جائے گا حضور نے فرمایا نہیں بلکہ تمہارا بیٹا انشاء اللہ اس کو قتل کر دے گا چنانچہ حضرت زبیرؓ نے یاسر کو قتل کر دیا حضور نے حضرت زبیر سے فرمایا تجھ پر میرا چچا قربان۔ ہر نبی کا حواری (مخلص قلبی دوست) ہوتا ہے میرا حواری زبیر ہے حضرت سلمہؓ بن اکوع راوی ہیں کہ مرحب رجز (رزمیہ اشعار) پڑھتا ہوا باہر آیا حضرت علیؓ نے اس کو بھی قتل کر دیا۔ امام احمد نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب میں نے مرحب کو قتل کر دیا تو اس کا سر لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا

بیہقی اور محمد بن عمرو نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ حضرت محمد بن مسلمہ نے مرحب کو قتل کیا تھا لیکن صحیح روایت مسلم کی ہے کہ حضرت علیؓ نے مرحب کو قتل کیا تھا ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضرت ابورافع نے بیان کیا جب رسول اللہ ﷺ نے (جھنڈا دے کر) حضرت علیؓ کو بھیجا تو میں بھی حضرت علیؓ کے ساتھ تھا آپ قلعہ کے قریب پہنچے تو اہل قلعہ باہر نکل آئے حضرت علیؓ ان سے لڑنے لگے ایک یہودی نے حضرت علیؓ کی تلوار پر ضرب لگائی جس سے ڈھال آپ کے ہاتھ سے گر گئی ایک کواڑ قلعہ کے پاس پڑا ہوا تھا آپ نے فوراً اس کو اٹھالیا اور اس کو ڈھال بنالیا اور برابر لڑتے رہے آخر اللہ نے فتح عنایت فرمادی لڑائی سے فارغ ہو کر وہ کیواڑ اپنے ہاتھ سے پھینک دیا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ سات آدمی اور تھے میں آٹھواں تھا ہم سب نے کوشش کر کے اس کواڑ کو پلٹنا چاہا لیکن پلٹ نہ سکے۔

بیہقی نے دو طریقوں سے حضرت محمد بن علی (محمد حنفیہ) کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ نے فرمایا کہ حضرت علیؓ نے خیبر کے دن وہ دروازہ اٹھا کر (قلعہ سے) لگا دیا کہ مسلمان اس پر چڑھ کر قلعہ پر پہنچ گئے اور قلعہ کھول دیا ہم نے بطور آزمائش اس کو اٹھانا چاہا مگر چالیس آدمی اس کو اٹھا نہ سکے اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں صرف سعف بن سلیم غیر معتبر ہے۔

حضرت جابرؓ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ ستر آدمیوں نے جمع ہو کر کوشش کی کہ اس دروازے کو اس کی جگہ پر لوٹا دیں۔ صالحی نے کہا کہ حکم نے بھی یہ روایت بیان کی ہے قوص میں ابوالحقیق کے قلعہ کے اندر سے کچھ عورتیں گرفتار ہو کر آئیں جن میں سے حیی بن اخطب کی بیٹی حضرت صفیہؓ بھی تھیں حضرت بلالؓ ان کو اور ان کے ساتھ ایک اور عورت کو اس راستہ سے لے کر آئے جہاں یہودیوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ حضرت صفیہؓ کے ساتھ والی عورت ان کو دیکھ کر چیخ پڑی اور منہ پیٹ لیا اور اپنے سر پر خاک ڈالنے لگی رسول اللہ ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا اس شیطانہ کو الگ لے جاؤ پھر حضرت صفیہ کو اپنے پیچھے آنے کا حکم دیا اور اپنی چادر ان پر ڈال دی (چادر ڈالنے سے مسلمان سمجھ گئے کہ حضور ﷺ نے حضرت صفیہ کو اپنے لئے منتخب فرمالیا۔ حضرت صفیہؓ کے ساتھ والی یہودن کی بے قراری دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کیا تمہارے دل کے اندر سے رحم بالکل نکال لیا گیا (یعنی کیا تمہارے دل میں رحم بالکل نہیں رہا) کہ تم ان دونوں عورتوں کو ادھر سے لے کر آئے جہاں ان کے مرد مقتول پڑے ہیں۔

حضرت صفیہؓ کی شادی جب کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق سے ہوئی اسی زمانہ میں آپ نے خواب دیکھا تھا کہ چاند میری گودی میں آگرا ہے یہ خواب آپ نے اپنے شوہر سے بیان کیا تو شاہ حجاز محمد کی خواہش مند ہے یہ کہہ کر ایک طمانچہ اس نے آپ کے منہ پر ایسا مارا کہ آنکھ پر نیل پڑ گیا جب حضرت صفیہؓ حضور کی خدمت میں پہنچیں ہیں تو طمانچہ کا نشان آپ کی آنکھ پر تھا۔ حضور نے سبب دریافت کیا تو آپ نے واقعہ بیان کر دیا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ دحیہ (کلبی) نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ ان قیدیوں میں سے ایک باندی مجھے عنایت فرما دیجئے حضور نے حکم دیا جاؤ کوئی لونڈی لے لو حضرت دحیہ نے حضرت صفیہ بنت حیی کا انتخاب کر لیا۔ یہ دیکھ کر ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ آپ نے حیی کی بیٹی صفیہ جو (سارے) بنی قریضہ اور بنی نضیر کی سردار ہے دحیہ کو عطا فرما دی وہ تو صرف آپ کے لئے زیبا تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا دحیہ کو مع صفیہ کے بلاؤ دحیہ مع صفیہ کے آگئے حضور نے صفیہ کو دیکھ کر حضرت دحیہ سے فرمایا اس کی بجائے قیدیوں میں کوئی اور لونڈی لے لو اس کے بعد حضور نے حضرت صفیہ کو آزاد کر کے خود ان سے نکاح کر لیا واپسی میں راستہ میں ہی تھے کہ ام سلمہ نے حضرت صفیہ کو سر و سامان سے تیار کر کے رات ہی کو خدمت گرامی میں بھیج دیا صبح ہوئی تو فرمایا جس کسی کے پاس کچھ (کھانے کی چیز) ہو وہ لے آئے۔ یہ حکم دیکھ کر چمڑے کا دستر خوان آپ نے بچھوا دیا چنانچہ کوئی چھوارے لایا کوئی گھی لایا کوئی ستو لایا اور سب کو ملا کر لوگوں نے حلوا بنالیا یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے طعام ولیمہ تھا۔ ثابت نے ابوحمزہ سے پوچھا رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ کو مہر کیا دیا ابوحمزہ نے کہا ان کو آزاد کر دیا اور نکاح کر لیا (آزادی ہی مہر قرار پائی)

صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی نے فرمایا خیبر کے (قیام کے) زمانہ میں ہم سخت بھوک میں مبتلا ہو گئے (کھانے کی بڑی قلت تھی) خیبر کی جنگ کے دن کچھ پالتو گدھے ہمارے ہاتھ لگ گئے ہم نے انہیں کو ذبح کر کے ہانڈیاں چڑھادیں ہانڈیوں میں ابال آیا ہی تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے منادی نے ندادی ہانڈیاں الٹ دو گدھوں کا گوشت بالکل نہ کھاؤ۔

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ تقسیم سے پہلے مال غنیمت کو فروخت کرنے کی اور وضع حمل سے پہلے حاملہ (لونڈی) سے صحبت کرنے کی رسول اللہ ﷺ نے ممانعت فرمادی اور فرمایا کیا دوسرے کی کھیتی کو تم اپنے پانی سے سیراب کرو گے اور پالتو گدھے کے گوشت اور ہر نوک دار دانت (یعنی کیلوں) والے جانور کے گوشت سے بھی منع فرمادی اسے رواہ الدار قطنی محمد بن عمرو کا بیان ہے بیس یا تیس گدھے ذبح کئے گئے تھے۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ مال پر مال لیتے اور قلعہ پر قلعہ فتح کرتے جا رہے تھے یہاں تک کہ دو قلعے وطیح اور سلالم رہ گئے یہ دونوں آخری قلعہ تھے جو فتح نہیں ہوئے تھے یہودی باہر نہیں آتے تھے قلعہ بند ہو گئے تھے آخر رسول اللہ ﷺ نے منجنیق نصب کرانے کا ارادہ کر لیا (تاکہ سنگ باری کر کے دیوار توڑ دی جائے) جب یہودیوں کو ہلاکت کا یقین ہو گیا 14 روز کا محاصرہ ہو گیا تھا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صلح کی درخواست کی کنانہ بن ابی الحقیق نے ایک یہودی کو جس کا نام شماخ تھا پیام صلح دے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا رسول اللہ ﷺ نے ان شرطوں پر مصالحت تسلیم کر لی کہ جتنے لوگ قلعہ بند ہیں ان کی اور ان کے اہل و عیال کی جانیں محفوظ رہیں گی وہ خیبر کی سرزمین سے نکل جائیں سارا مال متاع سونا چاندی کپڑے زمین گھوڑے اور اسلحہ وغیرہ سب چھوڑ جائیں اور جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں بس وہی پہنے ہوئے جا سکتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم کچھ چھپا کر رکھو گے تو اللہ کی اور میری ذمہ داری ختم ہو جائے گی ان شرائط پر یہودیوں نے صلح کر لی اور رسول اللہ ﷺ نے ترتیب وار ہر چیز پر قبضہ کر لیا ان دونوں قلعوں میں سو زرہیں چار سو تلواریں اور پانچ سو عربی کمانیں مع تیر دانوں کے دستیاب ہوئیں اور کتیبہ میں پانچ سو کمانیں تیر دانوں سمیت پہلے مل چکی تھیں۔

ابن سعد اور بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے نیز ابن سعد نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے مصالحت کی یہی تفصیل بیان کی ہے جو ہم نے ذکر کر دی کہ یہودیوں نے وعدہ کیا تھا کہ کوئی چیز چھپائیں گے نہیں اگر چھپائیں گے تو ان کی حفاظت کی ذمہ داری ختم۔

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ حضرت صفیہ کے سابق شوہر کنانہ بن ابی الحقیق کو اور اس کے بھائی ربیع کو اور اس کے چچا کے بیٹے کو لایا گیا اور حضور نے ان سے فرمایا حیی کا چمڑے کا سونے سے بھرا ہوا) تھیلا کیا ہوا جو بنی نضیر لے کر آئے تھے دونوں بھائیوں نے کہا (امدادی) مصارف اور لڑائیوں نے اس کو ختم کر دیا۔ حضور نے فرمایا زمانہ تو تھوڑا ہی گزرا ہے اور مال بہت تھا (اتنی قلیل مدت میں سب سونا کیسے خرچ ہو گیا) تم دونوں نے یقیناً اس کو چھپا رکھا ہے اگر تم مجھ سے کچھ بھی چھپائے رکھو گے اور پھر مجھے اس کی اطلاع مل جائے گی تو تم دونوں کا قتل اور تمہارے بیوی بچوں کو باندی غلام بنانا میرے لئے جائز ہو جائے گا کنانہ نے کہا ہاں بیہقی نے عروہ اور محمد بن عمرو کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اللہ نے اپنے نبی کو اس خزانہ کا مقام بتا دیا اور حضور نے کنانہ سے فرمایا بحکم آسمانی تو جھوٹا ہے پھر ایک انصاری کو طلب فرما کر حکم دیا فلاں میدان میں جاؤ ایک درخت خرما دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف ملے گا (دونوں کے بیچ میں زمین کے اندر ایک خزانہ ملے گا) جو کچھ وہاں ملے میرے پاس لے آؤ انصاری جا کر ایک برتن اور کچھ مال لے آئے جس کی قیمت دس ہزار دینار جانچی گئی رسول اللہ ﷺ نے دونوں کی گردنیں مارنے اور دونوں کے بیوی بچوں کو باندی غلام بنانے کا حکم دے دیا کیونکہ ان دونوں نے عہد شکنی کی تھی۔

بخاری نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت ابن عمر اور موسیٰ بن عقبہ اور عروہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب خیبر فتح کر لیا تو یہودیوں نے کہا محمد ہم کو یہیں رہنے دیجئے ہم یہیں رہیں گے اور اس زمین کی خدمت انجام دیں گے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے پاس (کاشت کاری سے واقف غلام نہ تھے اور خود اتنی فراغت نہ تھی کہ

زمین کی کھیتی باڑی) کا کام انجام دے سکتے اس لئے حضور نے اس شرط پر ان کی درخواست منظور فرمائی کہ اناج اور کھجوروں کی پیداوار میں سے ان کو نصف دیا جائے گا اور باقی حصہ رسول اللہ کا ہوگا۔

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا ہم جب تک چاہیں گے تم کو اسطور پر برقرار رکھیں گے۔ دوسری روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے جب اللہ تم کو برقرار رکھے گا ہم بھی برقرار رکھیں گے ہر سال حضرت عبداللہ بن رواحہ جا کر وہاں کی پیداوار نکلوا کر ایک جگہ جمع کر کے نصف نصف تقسیم کر دیتے تھے یہودیوں نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی شکایت رسول اللہ تک پہنچائی اور حضرت عبداللہ کو رشوت دینی چاہی حضرت عبداللہؓ نے فرمایا اے دشمنان خدا کیا تم مجھے حرام کھلانا چاہتے ہو میں تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی طرف سے آیا ہوں جو مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہے اور تم میری نظر میں بندروں اور سوروں سے بھی زیادہ قابل نفرت ہو لیکن تم سے یہ نفرت اور ان سے یہ محبت مجھے تمہارے ساتھ ناانصافی کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتی۔ یہودیوں نے کہا اسی عدل پر تو آسمان و زمین قائم ہیں غرض یہودی اپنی زمینوں پر بدستور قائم رہے لیکن جب حضرت عمرؓ کا دور خلافت آیا تو یہودیوں نے مسلمانوں سے غداری کی اور جب حضرت عبداللہ بن عمر کو مکان کے اوپر سے نیچے پھینک دیا پھر دونوں ہاتھوں کے پہونچوں کو موڑ دیا گویا اکھاڑ دیا بعض روایات میں آیا ہے رات کو جب حضرت عبداللہ سو رہے تھے تو یہودیوں نے آپ پر جادو کیا صبح کو اٹھے تو ایسا معلوم ہوا کہ پنجے انگوٹھوں کی طرف مڑ گئے ہیں گویا بندھے ہوئے ہیں جب آپ کے ساتھی آئے تو انہوں نے آپ کے ہاتھوں کو ٹھیک کیا یہ حالات دیکھ کر حضرت عمرؓ نے برسر عام ایک تقریر کی اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے سلسلہ میں یہودیوں سے مالی پیداوار کا ایک معاملہ کیا تھا اور فرمایا تھا جب تک اللہ تم کو برقرار رکھے گا ہم بھی برقرار رکھیں گے عبداللہ بن عمرؓ اپنے مال کے سلسلہ میں وہاں گئے تھے ان پر رات کو حملہ کیا گیا اور ان کے ہاتھوں کو موڑ دیا گیا (یا اکھاڑ دیا گیا) وہاں سوائے ان یہودیوں کے اور کوئی ہمارا دشمن نہیں ہے (اس جرم میں) انہیں لوگوں کی اہمیت ہماری نظر میں ہے اس لئے میں ان کو جلاوطن کرنا چاہتا ہوں جس جس کا حصہ خیبر میں ہو وہ آجائے اور (ارض خیبر کو) تقسیم کرا لے جب حضرت عمرؓ نے یہودیوں کو جلاوطن کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو قبیلہ بنی الحقیق کا ایک سردار آیا اور اس نے کہا آپ ہم کو جلاوطن نہ کیجئے ہم کو یہیں رہنے دیجئے جیسے ابوالقاسم (رسول اللہ ﷺ) اور ابوبکرؓ نے ہم کو رکھا تھا حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا کیا تو بھول گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے تجھ سے فرمایا تھا تیرا اس وقت کیا حال ہوگا جب تیز رفتار اونٹنی شاباش تجھے لئے اڑ رہی ہوگی کہنے لگا یہ تو ابوالقاسم کا ایک مذاق تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا تو جھوٹا ہے غرض آپ نے یہودیوں کو خیبر سے نکال دیا۔

شیخین نے حضرت انسؓ کی روایت سے اور ابن سعد و ابو نعیم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت اور بعض دوسرے علماء نے حضرت جابرؓ حضرت ابو سعیدؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے نیز زہری نے بیان کیا کہ مرحب کی بھتیجی سلام بن مشکم کی بیوی زینب نے لوگوں سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو بکری کے کس عضو کا گوشت پسند ہے لوگوں نے کہا دست کا زینب نے پوری بکری کا گوشت زہر آلود کر کے بھون کر حضرت صفیہؓ کے پاس بطور ہدیہ بھیجا اور دست میں زیادہ زہر ملا دیا رسول اللہ ﷺ جب حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لائے حضرت بشر بن براء بن معرور اس وقت حضور کے ساتھ تھے حضرت صفیہؓ نے بھونی ہوئی (پوری) بکری خدمت میں پیش کی حضور نے بکری کا دست لے کر کچھ گوشت اس میں سے نوچا (اور منہ میں رکھ کر) گھمایا اور بشر نے ہڈی لے کر اس میں سے گوشت نوچ کر منہ میں لیا ابن اسحاق کا بیان ہے کہ بشر نے تو اس کو نگل لیا مگر رسول اللہ ﷺ نے تھوک دیا زہری کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں سے ایک ٹکڑا لیا اور حضرت بشر نے بھی ایک لقمہ لیا حضور ﷺ نے فرمایا ہاتھ کھینچ لو یہ بکری مجھے اطلاع دے رہی ہے کہ وہ زہر آلود ہے حضرت بشر نے کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو عزت بخشی ہے میں نے بھی اپنے نوالہ میں یہ بات محسوس کی تھی لیکن آپ کے سامنے میں نے کھانے کو منہ سے پھینک دینا پسند نہیں کیا جب آپ نے اپنے منہ کے اندر نوالہ کو ناگوار محسوس نہیں کیا تو میں آپ کی جان سے اپنی جان کو عزیز رکھتا ایسا نہیں کر سکتا تھا مجھے یہی خیال تھا کہ نوالہ میں خرابی ہونے کے باوجود آپ نے توڑا ہو ایسا ہو نہیں سکتا حضرت بشر اپنی جگہ سے اٹھنے بھی نہ پائے کہ

طیلسان (چادر سبز یا زرد) کی طرح آپ کا رنگ ہو گیا اور وفات ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوہند کو بلوا کر اپنے کندھے پر پچھنے (خون بھری سینگھی) لگوائے۔ رسول اللہ ﷺ بچ تو گئے لیکن یہ دکھ وقت وفات تک رہا حضور نے فرمایا زہر یلی بکری کا جو لقمہ خیبر کے دن میں نے کھایا تھا اس کا اثر میں برابر محسوس کرتا رہا (اس سے ثابت ہوتا ہے کہ) رسول اللہ ﷺ شہید ہوئے حضور نے اس یہودن کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کیا تو نے بکری (کے گوشت) کو زہر آلود کیا تھا یہودن نے کہا آپ کو کس نے بتلایا فرمایا اسی نے جو میرے ہاتھ میں ہے یعنی بکری کے دست نے مجھے بتادیا یہودن نے کہا جی ہاں فرمایا تو نے یہ حرکت کیوں کی کہنے لگی میری قوم کی جو درگت آپ نے بنائی آپ سے پوشیدہ نہیں ہے میں نے خیال کیا کہ اگر یہ شخص بادشاہ ہے تو میں اس سے نجات پا جاؤں گی اور اگر نبی ہے تو اس کو اطلاع مل جائے گی (اس اقرار کے بعد) رسول اللہ ﷺ نے اس سے درگزر فرمائی۔

عبدالرزاق نے مصنف میں بوساطت معمر زہری کا قول نقل کیا ہے کہ وہ عورت مسلمان ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو چھوڑ دیا۔ سلیمان تیمی نے اسی پر جزم کیا ہے اور روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ اس عورت نے کہا اور اگر آپ جھوٹے ہیں تو میرے ذریعہ سے لوگوں کو آپ (کی اس فتنہ انگیزی) سے سکھ مل جائے گا اب مجھ پر ظاہر ہو گیا کہ آپ سچے ہیں میں آپ کو اور آپ کے پاس جو لوگ موجود ہیں ان کو گواہ بناتی ہوں کہ میں آپ کے دین پر ہوں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ راوی کا بیان ہے جب وہ مسلمان ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے تعرض نہیں کیا۔

بزار نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس یہودن سے دریافت کرنے اور اس کے اقرار کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ بکری کے گوشت کی طرف بڑھایا اور ساتھیوں سے فرمایا اللہ کا نام لے کر کھاؤ چنانچہ ہم نے بسم اللہ کہہ کر کھایا اور ہم میں سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا حافظ عماد الدین نے کہا یہ روایت سخت منکر اور غریب ہے۔

محمد بن عمر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے وہ (سارا) گوشت جلا دیا گیا حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ جب حضرت بشر بن براء کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس یہودن کو قتل کرادیا گیا رواہ ابوداؤد عن محمد بن عامر باسانید لہ۔ اس روایت میں ہے کہ اس یہودن کو بشر کے اولیاء کے سپرد کر دیا گیا اور انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔

بیہقی نے کہا احتمال ہے کہ پہلے چھوڑ دیا ہو (پھر قتل کرادیا ہو) سہیلی نے کہا آپ اپنی ذات کا انتقام لینا نہیں چاہتے تھے اس لئے (پہلے) چھوڑ دیا پھر حضرت بشر کے قصاص میں قتل کرادیا حافظ نے کہا چونکہ وہ مسلمان ہو گئی تھی۔ اس لئے چھوڑ دیا پھر جب حضرت بشر کا انتقال ہو گیا تو قصاص واجب ہو گیا اس لئے قتل کرادیا۔

حضرت جعفر بن ابی طالب کی حبشہ سے واپسی

حضرت ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا ہم یمن میں تھے وہاں ہم کو اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے (مدینہ کو) روانہ ہو گئے ہم بھی وطن سے ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچنے کے ارادہ سے چل پڑے (لیکن) کشتی نے ہم کو حبشہ میں جا پھینکا وہاں حضرت جعفر بن ابی طالب سے ہماری ملاقات ہو گئی حضرت جعفرؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ہم کو یہاں بھیجا تھا اور یہیں قیام کرنے کا حکم دیا تھا تم بھی ہمارے ساتھ یہیں ٹھہر جاؤ۔ ہم بھی حضرت جعفرؓ کے ساتھ یہیں قیام پذیر ہو گئے (پھر کچھ مدت کے بعد) جب رسول اللہ ﷺ خیبر فتح کر چکے تھے تو ہم بھی حضور کی خدمت میں جا پہنچے آپ نے (مال غنیمت میں) ہمارا بھی حصہ لگا دیا سواء اصحاب سفینہ (یعنی حضرت جعفرؓ حضرت موسیٰ اور دوسرے مہاجرین حبشہ) کے اور کسی ایسے شخص کو خیبر کے مال میں حصہ دار نہیں بنایا جو فتح خیبر کے وقت وہاں موجود نہ تھا حضرت جعفر بن ابی طالب کے پہنچنے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بخدا میں نہیں جانتا کہ دونوں باتوں میں سے کس سے مجھے زیادہ خوشی ہوئی خیبر کی فتح سے یا جعفرؓ کے واپس آنے سے حضرت جعفرؓ نے جب رسول اللہ کی طرف نظر اٹھائی تو (آپ پر) کچھ خجالت طاری ہو گئی حضور نے حضرت جعفرؓ کے ساتھیوں سے فرمایا تمہارے لئے دو ہجرتیں ہیں (مکہ سے حبشہ کو جانا اور ترک وطن کرنا پھر حبشہ سے مدینہ میں آنا) حضور نے حضرت جعفرؓ کی

دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا (یعنی پیشانی چوم لی) رواہ البیہقی

حضرت ابوہریرہؓ اور قبیلہ دوس والوں کا آنا۔

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے میں اور قبیلہ دوس کے اسی گھر مدینہ میں آئے پھر خیبر میں اس وقت پہنچے جب رسول اللہ ﷺ نطاۃ کو فتح کر چکے تھے اور کتیبہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے ہم سب وہیں ٹھہر گئے یہاں تک کہ اللہ نے فتح عنایت فرمادی حضور ﷺ نے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مال غنیمت میں ہمارے حصے بھی لگادیئے۔ رواہ احمد والبخاری فی التاریخ والحاکم و البیہقی وابن خزیمۃ والطحاوی۔

فدک کا قصہ

خیبر میں رسول اللہ ﷺ نے جو (خیبر والوں کے ساتھ) معاملہ کیا تھا فدک والوں کو جب اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے درخواست صلح کے لئے ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور گزارش کی کہ ہماری جانوں کی حفاظت کی ذمہ داری آپ لے لیں اور ہم کو چلا جانے دیں ہم سارا مال یہیں آپ کے لئے چھوڑ جائیں گے حضور نے یہ عرض داشت قبول فرمالی لیکن شرط یہ لگادی کہ (اب تو تم یہیں ٹھہرو اور کام کرو) آئندہ ہم جب چاہیں گے تم کو نکال دیں گے اہل فدک اس پر راضی ہو گئے۔ (چونکہ خیبر پر قبضہ جنگ کے بعد ہوا تھا اس لئے) خیبر (کے مال) میں سب مسلمان مجاہد شریک ہوئے اور فدک (پر قبضہ بغیر جنگ کے بعد ہوا تھا اس لئے) خیبر (کے مال) میں سب مسلمان مجاہد شریک ہوئے اور فدک (پر قبضہ بغیر جنگ کے ہوا تھا اس لئے) خالص رسول اللہ ﷺ کی ملکیت رہا مسلمانوں کو فدک پر گھوڑے اور اونٹ دوڑانے (یعنی لشکر کرنے) کی ضرورت نہیں پڑی۔ حضرت عمرؓ نے اہل خیبر کی طرح ان کو بھی جلاوطن کر دیا۔

خیبر کے مال غنیمت کی تقسیم

وطیح اور سلالم صلح سے فتح ہوئے اس لئے ان دونوں مقاموں کا مال مسلمانوں کو پیش آنے والے حوادث کے لئے مخصوص طور پر مقرر کر دیا گیا حضرت ابو موسیٰ اشعری اور اصحاب السفینہ اور قبیلہ دوس والوں کو رسول اللہ ﷺ نے اسی مال میں سے کچھ حصہ عطا فرمایا تھا۔ حضرت موسیٰ بن عقبہ نے جو فرمایا تھا کہ خیبر کا کچھ حصہ صلح سے فتح ہوا تھا اس سے مراد یہی (وطیح اور سلالم کی) فتح تھی رہی یہ بات کہ رسول اللہ ﷺ نے شرکاء حدیبیہ سے مشورہ کیا تھا تو یہ صرف آیت فَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ کے زیر حکم عام مشورہ تھا کسی کے استحقاق کو کم کرنا مقصود نہ تھا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ خیبر میں صرف شق نطاۃ اور کتیبہ کے مال کی تقسیم ہوئی تھی کتیبہ کے مال کا پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ آپ کے اقارب یتامیٰ مساکین، مسافر، ازواج مطہرات اور ان لوگوں کے لئے تھا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور اہل فدک کے درمیان مراسلت اور پیام رسانی کی خدمت انجام دی تھی انہی میں سے حضرت محیصہ بن مسعود بھی تھے جن کو تیس وسق جو اور تیس وسق چھوارے دیئے گئے۔ رہے نطاۃ اور شق ان دونوں مقاموں کا مال صرف مجاہدین کے حصہ میں آیا۔ نطاۃ کے مال کے پانچ سہام اور شق کے مال کے اسہام رسول اللہ ﷺ نے بنائے کل اٹھارہ سہام رسول اللہ ﷺ نے قائم کئے یہ سارا مال شرکاء حدیبیہ کو دیا گیا جن کی کل تعداد ایک ہزار چار سو تھی ان میں سے صرف حضرت جابر بن عبداللہ باوجود حدیبیہ میں ہونے کے خیبر سے غیر حاضر تھے باقی تمام شرکاء حدیبیہ خیبر میں موجود رہے حضرت جابرؓ کو بھی اتنا ہی حصہ دیا گیا جتنا خیبر میں موجود رہنے والے کسی ایک شخص کو دیا گیا پیدل کو اکہرا حصہ اور سوار کو دوہرا حصہ۔ ایک حصہ گھوڑے کا اور ایک حصہ سوار کا گھوڑوں کی تعداد سو تھی۔ رسول اللہ ﷺ کا حصہ بھی اس مال میں ایک مجاہد کے برابر تھا۔

وادئ قریٰ کی فتح کا واقعہ

جب رسول اللہ ﷺ خیبر سے وادی قریٰ کی طرف لوٹے تو وہاں کے رہنے والوں کو اسلام کی دعوت دی انہوں نے انکار کیا تو آپ نے طاقت سے (یعنی جنگ کرنے کے بعد) وادیٔ قریٰ کو فتح کر لیا اور وہاں کے باشندوں کا مال بطور مال غنیمت تقسیم کر دیا گیا وہاں مسلمانوں کے ہاتھ بڑا سامان اور اسباب آیا کل مال غنیمت کا پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہوا۔ زمین یہودیوں کے ہی قبضہ میں رہنے دی گئی اور (پیداوار کے متعلق) ان سے بھی وہی معاملہ کیا گیا جو خیبر والوں سے کیا گیا تھا۔

وَّأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿٢١﴾
اور ایک فتح اور بھی ہے جو ابھی تمہارے قابو میں نہیں آئی خدا تعالیٰ اس کو احاطے میں لئے ہوئے ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

واخری اس کا عطف مغانم کثیرہ پر ہے یعنی اللہ نے تم سے دوسرے اموال غنیمت کا بھی وعدہ کر رکھا ہے یا اس کا عطف ہذہ پر ہے یعنی اللہ تم کو اس کے بعد دوسری غنیمتیں بھی جلد عنایت فرمائے گا یا یہ فعل محذوف کا معمول ہے۔ یعنی اللہ نے تمہارے لئے دوسری غنیمتیں بھی مقدر کر دی ہیں۔

لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا جو ابھی تمہارے قبضہ میں نہیں آئیں۔ اس سے مراد ہیں ملک فارس وروم کی فتوحات اور اموال غنیمت۔

اسلام سے پہلے عرب اہل فارس وروم سے لڑ نہیں سکتے تھے۔ اسلام کی وجہ سے ان میں یہ طاقت پیدا ہو گئی۔ حضرت ابن عباس حسن اور مقاتل نے یہی تشریح کی ہے۔ قتادہ کے نزدیک اس سے فتح مکہ مراد ہے عکرمہؓ نے کہا فتح حنین مراد ہے۔ مجاہد نے کہا آئندہ حاصل ہونے والی ہر فتح مراد ہے۔

قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا یعنی وہ اللہ کے قبضہ میں ہیں اللہ تم کو کامیاب کرے گا یا احاطہ سے مراد ہے علمی احاطہ یعنی اللہ کا علم ان کو محیط ہے اللہ ان کو تمہارے لئے فتح کرانا جانتا ہے۔

وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا یعنی اگرچہ تم ان پر قدرت نہیں رکھتے مگر اللہ ہر چیز پر قابو رکھتا ہے۔

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٢٢﴾
اور اگر تم سے (یہ کافر) لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے پھر ان کو نہ کوئی یار ملتا اور نہ مددگار۔

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا یعنی کفار اہل مکہ اگر تم سے لڑتے اور صلح نہ کرتے تو پشت پھیر کر بھاگتے۔

ثُمَّ لَا يَجِدُونَ الخ پھر ان کو نہ کوئی حامی ملتا کہ ان کی حمایت کر سکتا نہ مددگار کہ مدد کرتا۔

سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلُ ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ﴿٢٣﴾
اللہ تعالیٰ نے (کفار کے لئے) یہی دستور کر رکھا ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے اور آپ ﷺ اللہ کے دستور میں ردوبدل ہرگز نہیں پائیں گے۔

یعنی اللہ نے یہ طریقہ ہمیشہ سے جاری کر دیا ہے کہ اللہ کے اولیاء وانبیاء اللہ کے دشمنوں پر غالب رہیں گے۔ اس نے ارشاد فرمایا ہے لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي میں اور میرے رسول بلاشبہ غالب آئیں گے۔ دوسری آیت میں آیا ہے إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ اللہ کا گروہ ہی فلاح یاب ہوگا۔ تیسری جگہ ہے ان حزب اللہ ھم الغلبون اللہ کا گروہ ہی غالب رہے گا۔

الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلُ یعنی اللہ کا یہ طریقہ گزشتہ امتوں میں بھی جاری تھا۔

تبدیلا یعنی تغیر۔

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿۲۴﴾

اور اسی نے تو ان (کفار مکہ) کے ہاتھ تم سے (یعنی تمہارے قتل سے) اور تمہارے ہاتھ ان (کے قتل) سے عین مکہ (کے قریب) میں روک دیئے اس کے بعد کہ تم کو ان پر قابو دے دیا تھا اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا تھا۔

وَهُوَ الَّذِي الخ سابق میں حضرت انسؓ کی روایت گزر چکی ہے کہ اسّی یا ستر کفار مکہ کوہ تنعیم سے اتر کر (مسلمانوں پر غفلت کی حالت میں حملہ کرنے کے لئے) آئے تھے لیکن پکڑے گئے (اور حملہ نہ کر سکے) رسول اللہ ﷺ نے ان کو معاف فرما دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن مغفل کی روایت میں آیا ہے کہ تیس جوان ہم پر (حملہ کرنے کے لئے کوہ تنعیم) سے نکل کر آئے تھے۔ حضرت مسلم بن اکوع کی روایت ہے کہ میں نے چار آدمیوں پر اپنی تلوار سونت لی تھی۔ الحدیث۔

وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا مومنوں کو خطاب ہے یعنی اللہ تم میں سے ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا۔

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ ۚ

وہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور نیز قربانی کے جانور کو جو رکا ہوا رہ گیا اس کے موقع میں پہنچنے سے روکا۔

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا یعنی وہ اہل مکہ ہی ہیں جنہوں نے کفر کیا۔

عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یعنی کعبہ کا طواف کرنے سے تم کو روکا تھا۔ الهدی اونٹ گائے اور بکریاں جو قربانی کے لئے مکہ کو بھیجی جاتی ہیں ان کو ہدی کہا جاتا ہے۔

محلہ محل سے مراد ہے حرم۔ حنفیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ حرم کے اندر ہی قربانی کرنا جائز ہے حرم سے باہر جائز نہیں۔ لیکن اگر کسی کو راستہ میں روک دیا جائے اور حرم تک پہنچنے سے ممانعت ہو جائے تو ذبح کرنے کے لئے قربانی کا جانور حرم کو بھیج دے ہم نے یہ مسئلہ سورۂ بقرہ کی آیت فان احصرتم فما استیسر من الهدی کی تفسیر کے ذیل میں بیان کر دیا ہے۔

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۲۵﴾

اور اگر (مکہ میں) بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کو تم جانتے بھی نہ تھے یعنی ان کے پس جانے کا اندیشہ نہ ہوتا جس کی وجہ سے تم کو بھی بے علمی میں ضرر پہنچ جاتا تو سب قصہ طے کر دیا جاتا (لیکن ایسا نہیں کیا گیا) تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کر دے اگر وہ ٹل گئے ہوتے تو ان میں سے جو کافر تھے ہم کو دردناک سزا دیتے۔

لَمْ تَعْلَمُوهُمْ یعنی تم کو ان کی صورتوں کی شناخت نہیں ہے کیونکہ وہ مشرکوں کے ساتھ مخلوط ہیں یا نہ جاننے کا یہ مطلب ہے کہ تم ان کو مومن نہیں جانتے۔

أَنْ تَطَئُوهُمْ یعنی اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ ہم جب تم کو کافروں پر فتح اور غلبہ عنایت کر دیں گے تو (ناواقفیت کی وجہ سے) تم ان مسلمانوں کو بھی روند ڈالو گے (جو مشرکوں میں ملے جلے رہتے ہیں) تو ہم کافروں کو قتل و قید کی صورت میں عذاب دیتے۔

منھم یعنی ان کی وجہ سے۔
معرۃ ابن زید نے معرہ کا ترجمہ کیا گناہ کیونکہ قتل خطا بھی گناہ سے خالی نہیں ہوتا اسی لئے قتل خطا کا کفارہ واجب ہے۔
بغیر علم یعنی لاعلمی میں تم ان کو روندڈالو گے یا بے علمی میں ان (کو دکھ پہنچنے) کی وجہ سے تم کو گناہ پہنچ جائے گا۔
طبرانی اور ابو یعلی راوی ہیں کہ حضرت ابو جمعہ جنید بن سبیع نے بیان کیا دن کے ابتدائی (نصف) حصہ میں جب میں کافر تھا میں رسول اللہ ﷺ سے (کافروں کی طرف سے) لڑا اور پچھلے دن میں جب میں مسلمان ہو گیا تو حضور ﷺ کے ہم رکاب ہو کر (کافروں سے) لڑا۔ ہم تین مرد اور سات عورتیں تھے ہمارے ہی متعلق آیت وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنٰتٌ نازل ہوئی۔
لِيُدْخِلَ اللّٰهُ رفتار کلام بتا رہی ہے کہ اس فقرہ کا تعلق محذوف فعل سے ہے یعنی زبردستی مکہ میں داخل ہونے کی ممانعت اس وجہ سے ہوئی کہ اللہ جس کو چاہے اپنی رحمت یعنی اپنے دین یا جنت میں داخل کر دے۔
مَنْ يَّشَاءُ یعنی کفار مکہ میں سے جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل فرمادے چنانچہ فتح مکہ کے دن بہت سے مشرک مسلمان ہو گئے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کمزور و بے بس مسلمانوں کو اپنی دنیوی رحمت یعنی عافیت میں طویل مدت تک زندہ رکھے۔
لَوْ تَزَيَّلُوْا یعنی اگر وہ مسلمان کافروں سے الگ ہوتے۔
لعذبنا تو مکہ میں رہنے والے کافروں کو قتل اور قید کی سزا دنیا میں ہی ہم دیدیتے۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۲۶ ع ۱۱

جب کہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی اور عار بھی جاہلیت کی سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں کو اپنی طرف سے تحمل عطا کیا اور مسلمانوں کو تقویٰ کی ملت پر جمائے رکھا اور وہ اس کے زیادہ مستحق اور اس کے اہل (بھی) ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔
اذجعل۔ اذ ظرف (زمان) ہے اس کا تعلق عذبنا سے ہے، یا دقا سے۔ یا محذوف فعل کا یہ مفعول ہے یعنی اس وقت کو یاد کرو جب کہ کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلیت کی حمیت کو جمالیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو طواف سے روک دیا تھا اور معاہدہ کے کاغذ پر) بسم اللہ الرحمن الرحیم اور محمد رسول اللہ دیکھنے سے انکار کر دیا تھا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ اہل مکہ نے کہا تھا۔ انہوں نے ہمارے بیٹوں اور بھائیوں کو قتل کیا۔ اب ہم پر چڑھ آنا چاہتے ہیں۔ عرب کہیں گے کہ یہ ہم کو ذلیل کر کے اندر گھس پڑے ہیں۔ لات اور عزیٰ کی قسم یہ لوگ (اس سال) مکہ میں نہیں داخل ہو سکتے حمیت جاہلیت سے یہی مراد ہے۔
فانزل اللہ اللہ نے اپنے رسول کو اور مومنوں کو اطمینان خاطر عطا فرمایا انہوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل کی اور جنگ پر قدرت رکھنے کے باوجود لڑائی سے باز رہے۔
کلمۃ التقویٰ حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، قتادہ ضحاک عکرمہ سدی ابن زید اور اکثر اہل تفسیر کا قول ہے کہ کلمۃ التقویٰ سے مراد ہے لا الہ الا اللہ واللہ اکبر عطاء بن ابی رباح نے کہا کلمۃ التقوی لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علے کلی شئی قدیر ہے۔ عطاء خراسانی کے نزدیک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ مراد ہے۔ زہری نے کہا کلمۃ التقویٰ بسم اللہ الرحمن الرحیم مال سب کا ایک ہی ہے (یعنی کلمہ توحید مراد ہے)
کلمہ توحید ہر تقویٰ کی بنیاد اور سبب ہے۔ کلمۃ التقویٰ سے مراد ہے اہل تقویٰ کا کلمہ۔
الزم سے مراد یہ ہے کہ ان کو کلمۂ تقویٰ پر جمائے رکھا اور حمیت جاہلیت کو ان سے دور کر دیا۔
احق بھا یعنی کفار مکہ سے کلمۂ تقویٰ کے زیادہ مستحق تھے۔

واھلھا یعنی اللہ کے علم میں وہ کلمہ تقویٰ کے اہل تھے۔ اسی لئے اللہ نے اپنے دین کی مدد کرنے اور اپنے رسول کا صحابی بنانے کے لئے ان کا انتخاب کر لیا۔ رافضی کہتے ہیں کہ صحابہ کرام کافر اور منافق تھے (نعوذ باللہ منہا) اس آیت سے نیز آیت لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فعلم مافی قلوبھم سے روافض کے قول کی لغویت ثابت ہوتی ہے۔

وکان اللہ بکل شئی علیما یعنی صحابہ کے دلوں میں جو ایمان اور رسول اللہ ﷺ کی محبت مخفی ہے اللہ اس کو جانتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ سے پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں مکہ میں داخل ہو رہا ہوں صحابہؓ کو یہ خواب معلوم تھا اور ان کو یقین تھا کہ مسلمانوں کا مکہ میں داخلہ یقینی ہے) لیکن جب حدیبیہ میں صلح نامہ مکمل ہو گیا اور مکہ میں داخل ہوئے بغیر مدینے کو واپسی طے پا گئی تو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس خواب کا کیا ہوا (اس کی تعبیر کیا نکلی) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ ۖ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ ۖ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِن دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿٢٧﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿٢٨﴾

بے شک اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا جو واقع کے مطابق ہے کہ تم لوگ مسجد حرام (یعنی مکہ) میں امن وامان کے ساتھ داخل ہو گے تم میں سے کوئی سر منڈاتا ہو گا اور کوئی بال چھوٹے کراتا ہو گا تم کو کسی طرح کا اندیشہ نہ ہو گا سو اللہ کو وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں پھر اس سے پہلے لگتے ہاتھ ایک فتح دے دی وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اس کو تمام مذاہب پر غالب کر دے اور اللہ کافی گواہ ہے۔

بیہقی وغیرہ نے بروایت مجاہد مذکورہ بالا سبب نزول بیان کیا ہے۔

لقد صدق صدق ماضی کا صیغہ ہے لیکن مراد ہے مستقبل اور چونکہ آنے والا واقعہ یقینی تھا اس لئے بصیغہ ماضی اس کا ذکر کیا (گویا ایسا ہو ہی چکا)

جوہری نے لکھا ہے صدق و کذب (سچائی اور جھوٹ) قول میں بھی ہوتا ہے اور فعل میں بھی اگر کوئی خبر واقع کے مطابق ہو تو اس کو صدق کہا جاتا ہے ورنہ کذب کہا جاتا ہے، اسی طرح کوئی فعل اگر واقع میں ہو تو اس کو صدق کہتے ہیں ورنہ کذب ایک آیت میں آیا ہے رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کر دیا۔ سچ کر دکھایا آیت مذکورہ بالا میں بھی صدق فعل ہی مراد ہے یعنی اللہ نے اپنے رسول کے خواب کو پورا کر دیا سچا کر دکھایا۔ اس صورت میں الرویا رسولہ سے بدل اشتمال ہو گا۔ سچ کر دکھایا خواب کو یعنی اپنے رسول کو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسولہ اصل میں لرسولہ تھا لام حرف جر کو حذف کر کے رسولہ کو رسولہ کر دیا۔

جوہری نے لکھا ہے کہ صدق کے کبھی دو مفعول آتے ہیں جیسے لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ میں (کم پہلا مفعول ہے اور وعدہ دوسرا مفعول ہے۔ اس صورت میں رسولہ پہلا اور الرویا دوسرا مفعول ہو گا۔ بیضاوی نے لکھا ہے آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو ان کے خواب میں سچا کر دیا۔ صاحب مدارک نے لکھا ہے حرف جر کو حذف کرنے کے بعد مجرور کو مفعول بنا دیا گیا۔

بالحق گہری حکمت کے ساتھ گہری حکمت یہ تھی کہ اس طرح مضبوط راسخ ایمان والوں کو کمزور اور متزلزل ایمان والوں سے تمیز ہو گی۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بالحق میں ب قسم کے لئے ہو قسم ہے حق کی حق اللہ کا نام بھی ہے اور باطل کے مخالف کو بھی حق کہتے ہیں (اس جگہ دونوں معنی ہو سکتے ہیں)

لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الخ ابن کیسان نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کا قول تھا جس کو اللہ نے نقل کیا اللہ کے رسول نے صحابہ سے اپنا خواب ان الفاظ میں بیان فرمایا تھا کہ تم لوگ کعبہ میں داخل ہو گئے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خواب کے فرشتہ کا قول ہو جو اللہ نے نقل کر دیا ہے۔

ان اگرچہ شک کے موقع پر استعمال ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے کا یقین تھا شک نہ تھا لیکن اس جگہ بطور ادب اس لفظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ اسی ادب کو ملحوظ رکھنے کا دوسری آیت میں حکم دیا ہے اور فرمایا ہے وَلَا تَقُوۡلَنَّ لِشَایۡءٍ اِنِّیۡ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰهُ

ابو عبیدہ نے کہا ان (اس جگہ شرطیہ نہیں ہے بلکہ اِذْ (صرف زمان) کے معنی میں بطور مجاز استعمال کیا گیا ہے (جس وقت اللہ چاہے گا)

حسین بن فضل نے کہا استثناء (یعنی ان شرطیہ کا استعمال) اپنے اصلی معنی میں ہو (یعنی شکر کے لئے ہی ہو) کیوں کہ خواب کا فعلی ظہور ایک سال بعد ہوا اور اسی سال کے اندر رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ تم میں سے ہر شخص انشاء اللہ مسجد حرام میں داخل ہو گا۔

مُحَلِّقِیۡنَ رُءُوۡسَکُمۡ وَمُقَصِّرِیۡنَ یعنی تم میں سے کچھ لوگ پورا سر منڈوائیں گے اور کچھ لوگ سر کے کچھ حصے کے بال چھوٹے کرائیں گیں۔

لَا تَخَافُوۡنَ یہ آمنین کی تاکید ہے یا مستقل جملہ (بطور پیشین گوئی) ہے یعنی اس کے بعد تمہیں کبھی کچھ خوف نہ ہو گا۔

فَعَلِمَ یعنی اللہ تاخیر فتح کی مصلحت کو جانتا تھا تم نہیں جانتے تھے۔

فَتۡحًا قَرِیۡبًا یعنی فتح خیبر یا صلح حدیبیہ۔

دِیۡنِ الۡحَقِّ دین اسلام

عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ یعنی تمام مذاہب پر غالب کرنے کے لئے جو مذہب (گزشتہ زمانہ میں) حق تھے (یعنی اللہ کی طرف سے آئے تھے) ان کو منسوخ کر دینے کے لئے اور جو دین باطل تھے ان کے غلط ہونے کو دلائل اور براہین سے ثابت کرنے کے لئے یا کبھی نہ کبھی کسی زمانہ میں مسلمانوں کو ان پر غلبہ عطا کرنے کے لئے۔

وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًا یعنی فتح مکہ کے وعدہ کے حق ہونے پر یا رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر اللہ کی شہادت کافی ہے۔ یہ مسجد حرام میں داخلہ کے وعدے کی تاکید ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیۡنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ ﷺ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔

اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ یعنی اللہ کے حکم کی تعمیل میں وہ کافروں پر سختی کرنے والے ہیں۔

اللہ نے فرمایا ہے یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الۡکُفَّارَ وَالۡمُنٰفِقِیۡنَ وَاغۡلُظۡ عَلَیۡهِمۡ اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔

ایک اور آیت میں آیا ہے لَا تَاۡخُذۡکُمۡ بِهِمَا رَاۡفَةٌ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰهِ

تیسری آیت ہے وَمَنۡ یَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡکُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ اسی طرح کی اور بھی بہت آیات آئی ہیں۔

رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ یعنی اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت کے زیر اثر وہ آپس میں نرمی اور دوستی کا سلوک کرتے ہیں محبوب کا دوست بھی محبوب ہوتا ہے۔

حدیث قدسی میں آیا ہے میری عظمت کے زیر اثر آپس میں محبت کرنے والے کہاں ہیں آج میں ان کو اپنے سایہ (عاطفت) میں داخل کروں گا جبکہ میرے سایہ کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہے۔ (رواہ مسلم عن ابی ہریرہ مرفوعا)

آگے ایک حدیث آئے گی جس میں حضورؐ نے فرمایا جو ان سے محبت کرے گا وہ میری ہی محبت کے زیر اثر کرے گا۔
اسی مضمون کی ایک اور آیت میں فرمایا ہے اذلة علی المومنین اعزة علی الکافرین شیعہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ باہم عداوت و بغض رکھتے ہیں۔ ان کو ذلت نصیب ہو۔ ان کے مفروضہ کے خلاف یہ آیت نص قطعی ہے۔

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ

تم ان کو دیکھو گے کہ (کبھی) رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدے کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔
تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یعنی اکثر اوقات نماز میں مشغول رہتے ہیں۔ اس لئے کبھی رکوع میں ہوتے ہیں کبھی سجدہ میں نماز اہل ایمان کی معراج ہے۔
فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ یعنی اللہ کی طرف سے جنت اور دیدار الٰہی۔
سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ بعض لوگوں نے کہا قیامت کے دن ان کے چہروں پر ایک نور ہوگا جس سے شناخت ہو جائے گی کہ دنیا میں یہ (بکثرت) سجدے کیا کرتے تھے عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے اور عطا بن ابی رباح اور ربیع بن انس نے بھی یہی کہا ہے کہ نماز کی کثرت کی وجہ سے دنیا ہی میں ان کے چہرے سے نورانی ہو گئے ہیں۔
شہر بن حوشب نے کہا (آخرت میں) ان کے چہروں پر سجدہ کے مقامات چودھویں کے چاند کی طرح جھلکتے ہوں گے۔
بعض لوگوں نے کہا سیما سے مراد ہے خصوصی علامت یعنی حسن خشوع اور فروتنی کا اظہار۔ والبی کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے یہی تفسیر منقول ہے مجاہد کا بھی یہی قول ہے ضحاک نے کہا شب بیداری کی وجہ سے چہروں کی زردی مراد ہے۔
حسن نے کہا ان کی صورت ایسی ہو جاتی ہے کہ دیکھنے میں بیمار معلوم ہوتے ہیں باوجودیکہ وہ بیمار نہیں ہوتے۔
عکرمہؓ نے اور سعید بن جبیر نے کہا پیشانیوں پر مٹی کے نشان مراد ہیں۔ ابوالعالیہ نے کہا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ فروتنی کے طور پر مٹی پر سجدہ کرتے تھے کپڑے پر نہیں کرتے تھے۔

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ

ان کے یہ (اعلیٰ اوصاف) توریت میں (مذکور) ہیں اور ان کے یہ حالات انجیل میں (بھی) ہیں جیسے کھیتی کہ (پہلے) اس نے اپنی سوئی باہر نکالی پھر اس کو قوی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر وہ اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی تاکہ ان سے کافروں کو جلائے۔
ذٰلِكَ یعنی مذکورہ بالا اوصاف۔
مَثَلُهُمْ یعنی ان کی حالت توریت میں مذکور ہے بغوی نے لکھا ہے فِي التَّوْرٰىةِ پر جملہ ختم ہو گیا اس سے انجیل میں ان کے جو اوصاف مذکور ہیں ان کا بیان ہے یعنی انجیل میں ان کی حالت یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کا نشو و نما اور روئیدگی و بالیدگی کھیتی کے پودے کی طرح ہوگی)
یہ بھی ناجائز نہیں ہے کہ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ کا عطف مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ پر ہو اور مومنوں کے مذکورہ بالا اوصاف دونوں کتابوں میں مذکور ہوں۔ اور کزرع سے جدید کلام کا آغاز ہو۔
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ذلک مبہم اشارہ ہو اور کمزرع اس کی تفسیر ہو۔
شَطْئَهٗ دانہ کے اندر سے جو سب سے پہلی سوئی پھوٹتی ہے اس کو شطا کہتے ہیں۔
فَاسْتَغْلَظَ وہ موٹی ہو گئی یعنی پتلے پن سے موٹاپے کی طرف مائل ہو جائے۔

يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ یعنی موٹی اور قوی اور خوبصورت ہو جانے کی وجہ سے وہ کاشتکاروں کو بھی معلوم ہوتی ہے۔
اللہ نے دونوں بیانوں میں صحابہ کرام کی حالت بیان کی ہے پہلی تمثیل میں صلحاء امت اور تمام اولیاء ملت بھی شریک ہیں لیکن دوسری تمثیل صرف صحابہ کرامؓ کے اوصاف خصوصی کے ساتھ مختص ہے۔
اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو تنہا مبعوث فرمایا۔ جیسے کاشتکار بیج زمین میں بوتا ہے اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ حضرت علی حضرت بلال ایمان لائے۔ ان حضرات کے بعد حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت سعید، حضرت حمزہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہم اور دوسرے حضرات مسلمان ہوئے یہاں تک کہ حضرت عمر چالیسویں نمبر پر ایمان لائے شروع میں اسلام بے وطن (بے مددگار) تھا اسلام کو مٹانے کے لئے ہر طرف سے ٹھٹ کے ٹھٹ چڑھ آئے۔ اگر اللہ کی حمایت نہ ہوتی تو ابتدائی پودے کی بالیدگی ہی نہ ہوتی لیکن مہاجرین اور انصار کی کوششوں سے اللہ نے اس پودے کو قوی کر دیا۔ صحابہؓ نے اس نونہال کو رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں اپنے خون سے سینچا اور یہ سینچائی حضور کی وفات کے بعد بھی جاری رہی خصوصاً حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے دور خلافت میں سینچائی برابر مسلسل چلتی رہی یہاں تک کہ اسلام کا پودا قومی مستحکم اور اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور تمام مذاہب پر غالب آگیا اور کسی کی حمایت کا محتاج نہیں رہا آخر اللہ نے آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا نازل فرمادی۔
اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت (بھی) گمراہی پر اتفاق نہیں کرے گی۔
حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم کو قائم رکھے گا کسی کا مدد نہ کرنا اور کسی کا مخالفت کرنا اس کو ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ اسی خصوصیت کی وجہ سے صحابہؓ کرام میدان فضیلت میں سب سے آگے بڑھ گئے۔ کسی بڑے سے بڑے آدمی کو ان کے کسی مرتبہ تک رسائی حاصل نہ ہو سکی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے ساتھیوں کو برا نہ کہو کیونکہ تم میں سے اگر کوئی شخص (بالفرض کوہ) احد کے برابر سونا راہ خدا میں صرف کرے گا تو صحابی کے ایک سیر بلکہ آدھا سیر سونا راہ خدا میں صرف کرنے کے برابر نہ ہوگا۔ (صحیح بخاری و مسلم) امام احمد نے یہ حدیث اسی طرح حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔
یہ بھی حضور گرامی نے ارشاد فرمایا اگر میرا کوئی صحابی کسی سر زمین میں مر جائے گا تو قیامت کے دن اس زمین کے رہنے والوں (کو جنت کی طرف لے جانے والا) قائد اور نور بنا کر اس کو اٹھایا جائے گا۔ رواہ الترمذی عن بریدہ یہی مادہ صحابیت اکثر صحابہ کے درمیان تفاوت مرتبہ کا ذریعہ تھا۔ جو لوگ سب سے پہلے ایمان لائے جیسے حضرت ابو بکرؓ یا دین کے ضعف کے زمانہ میں اسلام کو قوی کرے اور مستحکم بنانے میں زیادہ حصہ لیا جیسے حضرت عمرؓ وہ دوسرے صحابیوں سے افضل قرار پائے اللہ نے (اسی تفاوت مرتبہ کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى
دوسری جگہ ارشاد فرمایا اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ
ہم نے اپنی کتاب السیف المسلول میں عام صحابہؓ کے اور ان میں سے خاص حضرات کے فضائل کامل طور پر بیان کر دیئے ہیں۔ تمام روایات اور شہادت عقل کو واضح طور پر ذکر کر دیا ہے۔
بغوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے انجیل میں صحابہؓ کی ایک مثال بیان کی ہے کہ شروع میں وہ تھوڑے (اور کمزور) ہوں گے پھر بڑھتے جائیں گے۔
قتادہ نے کہا اصحاب محمد ﷺ کی تمثیل انجیل میں اس طرح دی گئی ہے۔ ان لوگوں کی روئیدگی کھیتی (کے پودے) کی طرح ہو گی وہ بھلائی کا حکم دیں گے اور بری باتوں سے باز داشت کریں گے۔
بعض لوگوں کے نزدیک کھیتی (کے پودے) سے مراد ہے رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک اور اس پودے کی سوئیاں ہیں

صحابہ کرام اور دوسرے مومن۔
مبارک بن فضالہ راوی ہیں کہ حسن نے فرمایا محمد اللہ کے رسول ہیں اور اَلَّذِیْنَ مَعَهٗۤ ابو بکر ہیں اور اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ عمر بن خطاب ہیں اور رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ عثمان بن عفان ہیں تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا علی بن ابی طالب ہیں اور یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا باقی عشرہ مبشرہ (سعد سعید ابو عبیدہ طلحہ زبیر عبدالرحمٰن) ہیں یعنی جن اوصاف کا ذکر آیت کے مذکورہ فقروں میں کیا گیا ہے ان کے حاملین کے امام عشرہ مبشرہ ہیں)
محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک بیج کی کاشت کی ابو بکرؓ نے اس کی ابتدائی کونپل نکالی عمر بن خطابؓ نے اس کو قوت پہنچائی عثمان کے اسلام کی وجہ سے اس میں موٹائی آگئی اور علی بن ابی طالب کی وجہ سے وہ پودا سیدھا اپنے تنہ پر کھڑا ہو گیا حضرت علیؓ کی تلوار سے اسلام میں استقامت آگئی۔
مدارک میں عکرمہ کا قول منقول ہے کہ ابو بکرؓ کی وجہ سے اسلام کے بیج نے اپنی سوئی بر آمد کی۔
بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسلمان ہونے کے بعد فرمایا آئندہ (کافروں کے ڈر سے) اللہ کی عبادت چھپ کر نہیں کی جائے گی۔
لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ بہم کی ضمیر اَلَّذِیْنَ مَعَهٗۤ کی طرف راجع ہے یا معنوی طور پر شطا کی طرف راجع ہے کیونکہ پہلی سوئی جو دانہ سے بر آمد ہوتی ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو (آغاز اسلام کے زمانہ میں ہی) مسلمان ہو گئے۔ یعنی کافروں کو جلانے کے لئے اللہ نے اہل ایمان کو کافروں کے لئے سخت اور آپس میں مہربان اور نرم دل بنادیا۔
حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا صحابہؓ کے خلاف جس کے دل میں کوئی جلن اور غیظ ہو وہ اس آیت کا مصداق ہے۔
حضرت عبداللہ بن معقل مزنی راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو، خدا کا خوف کرو، خدا کا خوف کرو، میرے بعد ان کو ہدف (مذمت) نہ بنانا جو ان سے محبت کرے گا وہ مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ان سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ حقیقت میں مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھے گا جس نے ان کو دکھ پہنچایا اس نے حقیقت میں مجھے دکھ پہنچایا اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جس نے اللہ کو اذیت دی تو عنقریب اللہ اس کو پکڑے گا۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۟۲۹
اللہ نے ان صحابیوں سے جو کہ ایمان لائے اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔
مِنْهُمْ میں لفظ من بیانیہ ہے یعنی ان میں سے ہم ضمیر کا مرجع وہی ہے جو ہم کا مرجع ہے۔ مغفرہ اور اجرا کی تنوین اظہار عظمت کے لئے ہے (بڑی مغفرت اور عظیم اجر)
اہل السنت کا اجماع ہے کہ تمام صحابی عدول تھے (کوئی فاسق اور غیر صالح نہ تھا) اور سب مغفور تھے (اللہ نے ان کی مغفرت فرمادی)

☆☆☆............تمت بالخیر............☆☆☆

کتب ادعیہ عملیات و تعویذات، طب و معالجات

آئینۂ عملیات	مجرب عملیات و تعویذات	مولانا عزیز الرحمٰن
اصلی جواہر خمسہ	عملیات کی مشہور کتاب	شاہ محمد غوث گوالیاری مجلد
اصلی بیاض محمدی	مجرب عملیات و تعویذات	شیخ محمد تھانوی
اعمال قرآنی	قرآنی وظائف و عملیات	مولانا اشرف علی تھانویؒ
مکتوبات و بیاض یعقوبی	علمائے دیوبند کے مجرب عملیات و طبی نسخے	مولانا محمد یعقوبؒ
بیماریوں کا گھریلو علاج	ہر وقت پیش آنے والے گھریلو نسخے	
جنات کے پراسرار حالات	ان سے محفوظ رہنے کی تدابیر	شبیر حسین چشتی
حصن حصین	عربی دعائیں مع ترجمہ اور شرح اردو	امام ابن جزریؒ
خواص حسبنا اللہ ونعم الوکیل	اردو	شیخ ابوالحسن شاذلیؒ
ذکر اللہ اور فضائل درود شریف		مولانا مفتی محمد شفیع
زاد السعید	فضائل درود شریف	مولانا اشرف علی تھانویؒ
شمس المعارف الکبریٰ	تعویذات و عملیات کی مستند کتاب	علامہ بونیؒ
طب جسمانی و روحانی	ایک مستند کتاب	امام غزالیؒ
طب روحانی مع خواص القرآن	قرآنی عملیات	مولانا محمد ابراہیم دہلوی
طب نبوی کلاں اردو		امام ابن القیم الجوزیہ مجلد
طب نبوی خورد	آنحضرت کے فرمودہ علاج و نسخے	حافظ اکرام الدین
علاج الغرباء	طب یونانی کی مقبول کتاب جس میں مستند نسخے درج ہیں	
کمالات عزیزی	حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے مجرب عملیات	
میرے والد ماجد اور ان کے مجرب عملیات		مولانا مفتی محمد شفیعؒ
مناجات مقبول مترجم	دعاؤں کا مستند و مقبول مجموعہ	مولانا اشرف علی تھانویؒ
مناجات مقبول	صرف عربی بہت چھوٹا جیبی سائز	مولانا اشرف علی تھانویؒ
مناجات مقبول	۲ قسم میں مکمل اردو ترجمہ	مولانا اشرف علی تھانویؒ
نقش سلیمانی	عملیات و نقوش و تعویذات کی مشہور کتاب	خواجہ اشرف لکھنوی
مشکل کشا	تمام دینی و دنیوی مقاصد کے لئے مجرب دعائیں۔	مولانا احمد سعید دہلویؒ
مصیبت کے بعد راحت مع رسالہ دافع الافلاس		مولانا مفتی محمد شفیعؒ
نافع الخلائق	عملیات و تعویذات کی مشہور کتاب	حاجی محمد نذر خاں
مجموعہ وظائف کلاں	مستند ترین نسخہ	

ناشر:- دار الاشاعت اردو بازار کراچی فون ۲۶۳۱۸۶۱-۲۲۱۳۷۶۸-۰۲۱